بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں عمدہ نمونہ ہے

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ

۱۴۳۱ھ

سیرت النبی ﷺ کے شاداب پھول

(جلد دوم)

ترتیب وتہذیب:

شیخ عمر فاروق

جامعہ تدبر القرآن

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (الآیۃ)

یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں عمدہ نمونہ ہے۔

سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۱۴۳۱ھ

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شاداب پھول

ترتیب:
شیخ عمر فاروق

(جلد دوم)

جامعہ تدبر القرآن

نام کتاب: سیدنا محمد ﷺ

(جلد دوم)

مرتب: شیخ عمر فاروق

تاریخ اشاعت: مارچ ۲۰۱۰ء

اشاعت دوم: ۹ ربیع الاول ۱۴۳۹ھ، نومبر ۲۰۱۷ء

مطبع: بیت السلام پرنٹنگ پریس، لاہور

مقام اشاعت: جامعة تدبر القرآن

15-بی وحدت کالونی لاہور، فون: 0845 3781 042

وقف للہ تعالیٰ

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

فضائلِ اعمال

﴿قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَ لَا خِلٰلٌ﴾ (ابراهيم: ١٤/٣١)

''(اے نبیؐ!) میرے جو بندے ایمان لائے ہیں اُن سے کہہ دیجیے کہ نماز قائم کریں اور جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے، اُس میں سے کھلے اور چھپے (راہِ خیر میں) خرچ کریں قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید وفروخت ہوگی اور نہ دوست نوازی ہی کسی کام آئے گی۔''

پنجگانہ نماز کی مثال:

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھلا یہ تو بتاؤ اگر کسی کے دروازے پر نہر بہہ رہی ہو اور وہ روزانہ پانچ مرتبہ اس میں غسل کرتا ہو تو کیا اس کے جسم پر میل کچیل باقی رہے گا؟ لوگوں نے عرض کیا بالکل نہیں، آپ نے فرمایا یہی مثال پنجگانہ نماز کی ہے کہ اس کے ذریعہ سے تمام خطائیں مٹ جاتی ہیں۔

(متفق علیه، ریاض الصالحین، باب فضل الصلوٰة)

سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے:

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''پانچ وقت کی نمازیں اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک ان کے درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہے جبکہ کبائر نہ کیے جائیں۔

(مسلم ریاض الصالحین، حواله ایضاً)

یعنی انسان کبائر گناہوں سے بچا رہے تو صغائر گناہوں کا نمازوں کی ادائیگی سے کفارہ ہو جاتا ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں آتا ہے:

﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ نُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا﴾ (النساء: ٤ ٣١)

''اگر تم اُن بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرتے رہو جن سے تمہیں منع کیا جا رہا ہے تو تمہاری چھوٹی موٹی برائیوں کو ہم تمہارے حساب سے ساقط کر دیں گے اور تم کو عزت کی جگہ داخل کریں گے۔''

خشوع وخضوع والی نماز:

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فرض نماز کا وقت آئے اور کوئی شخص اچھی طرح وضو کرے پھر خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھے، رکوع اور سجدہ اچھی طرح کرے تو یہ نماز اُس کے تمام گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے بچا رہے اور یہ (بات) ہمیشہ کے لیے ہوگی۔ (مسلم، ریاض الصالحین، باب فضل صلوۃ)

فرشتوں کی گواہی:

سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کچھ فرشتے رات کو اور کچھ دن کو ایک دوسرے کے بعد اترتے ہیں اور فجر وعصر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں، پھر جب رات کے فرشتے آسمان پر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے ارشاد فرماتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا۔ حالانکہ وہ خوب واقف ہے (وہ رب العزت عالمِ الغیب ہے، اسے پوچھنے کی حاجت نہیں مگر وہ صرف بندوں کا مرتبہ بلند کرنے کے لیے پوچھتا ہے) فرشتے عرض کرتے ہیں کہ جب ہم گئے تو ان کو نماز پڑھتے پایا اور آئے تو وہ نماز ہی پڑھ رہے تھے۔ (بخاری، مسلم، ریاض الصالحین، باب فضل الصلوۃ)

مسجد میں جانے کی فضیلت:

سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے گھر سے غسل یا وضو کر کے پاک وصاف ہو کر مسجد میں فرض نماز کے لیے آئے تو اس کا ایک قدم خطا کو مٹائے گا اور دوسرا قدم

ایک درجہ بلند کرے گا۔

باجماعت نماز:

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس قدر دور سے کوئی نماز پڑھنے آئے گا اتنا ہی زیادہ ثواب پائے گا اور جو شخص نماز کا انتظار کرے، اور پھر باجماعت امام کے ساتھ ادا کرے تو اس کو اس شخص سے زیادہ ثواب ملے گا جس نے نماز پڑھی اور سو گیا (یعنی باجماعت نماز پڑھنے کا اجروثواب بہت زیادہ ہے)۔ (بخاری و مسلم، حوالہ ایضاً)

نمازوں کی حفاظت کے ثمرات:

سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میں تم کو ایسا عمل نہ بتا دوں جس کے سبب اللہ تعالیٰ خطاؤں کو مٹا دیتا ہے اور درجات بلند فرماتا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ہاں، فرمایا تکلیف اور مشقت کے وقت پورا پورا وضو اور مساجد کی طرف قدموں کی زیادتی اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار ''فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ، فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ'' یہی تو سرحد کی حفاظت ہے، یہی سرحد کی حفاظت ہے۔ (رواہ مسلم، حوالہ ایضاً)

جیسا کہ سرحدوں کی حفاظت کے لیے فوج چوکس رہتی ہے، اس طرح مسلمان اپنے ایمان کی حفاظت کے لیے نمازوں کو پابندیٔ اوقات کے ساتھ سنتِ نبوی ﷺ کے مطابق ادا کرتے ہیں اور کسی طرح بھی غفلت کا شکار نہیں ہوتے ہیں۔

ایمان کی علامت

سیدنا ابوسعید الخذری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب تم کسی شخص کو مسجد میں آتے جاتے دیکھو تو اس کے ایمان کی گواہی دو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ'' اللہ کی مسجدوں کو وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور روزِ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ (ترمذی، حوالہ ایضاً)

نماز کا انتظار اور اس کا ثواب:

سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی جب تک مسجد میں رہتا

ہے، نماز ہی میں شمار کیا جاتا ہے. جب تک اس کو نماز نے روک رکھا ہو اور گھر جانے کے لیے بجز نماز کے کوئی چیز مانع نہ ہو۔ (متفق علیہ، ریاض الصالحین، باب فضل انتظار الصلوٰۃ)

فجر اور عصر کی نماز:

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص دو ٹھنڈی نمازیں پڑھے گا، وہ جنت میں جائے گا.. (متفق علیہ، ریاض الصالحین)

اس کا معنی یہ ہرگز نہیں ہے کہ صرف ان دو نمازوں کی ادائیگی ہی سے جنت مل جائے گی۔ اس سے مراد ان نمازوں کی اہمیت اور فضیلت کو اجاگر کیا گیا ہے، عصر کا وقت کاروبار کی گہما گہمی کا وقت ہوتا ہے، اس وقت بندۂ مومن کی آزمائش ہوتی ہے، اہلِ ایمان کی اللہ تعالیٰ سے محبت سب سے بڑھ کر ہوتی ہے اہل وعیال اور مال و دولت سے لگاؤ اور تعلق واجبی سا ہوتا ہے۔ اس لیے ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (البقرہ: ۲/ ۱۶۵)

''ایمان رکھنے والے سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کو محبوب رکھتے ہیں۔''

﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ﴾ (النور: ۲۴/ ۳۷)

(انہی اہل ایمان کا حال یہ ہے) کہ جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے اور اقامتِ صلوٰۃ و ادائے زکوٰۃ سے غافل نہیں کر دیتی، وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل الٹنے اور دیدے پھرا جانے کی نوبت آ جائے گی۔

﴿وَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ﴾ (الانعام: ۶/ ۹۲)

وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ (یعنی انہیں پابندی وقت سے ادا کرتے ہیں)

کامیابی کی نوید انہیں لوگوں کو سنائی گئی ہے:

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ﴾ (المومنون: ۲۳/ ۱، ۲)

''یقیناً فلاح پائی ہے ایمان لانے والوں نے جو اپنی نمازوں میں خشوع و خضوع اختیار کرتے ہیں۔''

اور یہ لوگ خوشحالی اور تنگی میں، گرمی اور سردی میں امن کی حالت ہو یا جنگ کا موقع، صحت ہو یا بیماری کسی حال میں بھی اپنے آقا و مولا کی یاد سے غافل نہیں ہوتے، اور سکون و راحت سے ہمکنار ہو جاتے ہیں:

﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ○ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ○ وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ○ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ○ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾ (المعارج:۷۰/۱۹-۲۵)

''انسان تھڑ دِلا پیدا کیا گیا ہے، جب اس پر مصیبت آتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے اور جب اسے خوشحالی نصیب ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے مگر وہ لوگ (اس عیب سے بچے ہوئے ہیں) جو نماز پڑھنے والے ہیں جو اپنی نمازوں کی ہمیشہ پابندی کرتے ہیں جن کے مالوں میں سائل اور محرِوم کا مقررہ حق ہے۔''

مقررہ حصہ سے مراد زکوٰۃ کی رقم ہے جو وہ سائلین (یعنی مانگنے والوں کو دیتے ہیں) اور محرومین کو بھی عطا کرتے ہیں۔

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

''محروم میں وہ شخص بھی داخل ہے جو رزق سے محروم ہے (روزی کمانے کے قابل نہیں ہے جیسا کہ اپاہج وغیرہ) اور وہ بھی جو کسی آفتِ سماوی و ارضی کی زد میں آ کر اپنی پونجی سے محروم ہو گیا اور وہ بھی جو ضرورت مند ہونے کے باوجود اپنی صفتِ تعفُّف (شرمساری) کی وجہ سے لوگوں کی عطا اور صدقات سے محروم رہتا ہے (اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر نہیں مانگتا ہے۔) (احسن البیان)

باقاعدگی سے نماز پڑھنے والوں کو یقیناً اپنے رب کا یہ حکم یاد رہتا ہے۔

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا﴾ (النساء:۴/۱۰۳)

نماز درحقیقت ایسا فرض ہے جو پابندیٔ وقت کے ساتھ اہلِ ایمان پر لازم کیا گیا ہے۔

نمازِ فجر کی خصوصی فضیلت اس بنا پر آئی ہے کہ یہ نیند کا وقت ہوتا ہے اور نیند کے متوالوں کو شیطان لوری دے کر سلاتا ہے مگر رحمٰن کے بندوں کا معاملہ کچھ اور ہی ہوتا ہے۔

﴿تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنفِقُوْنَ﴾ (السجدہ: ۱۶/۳۲)

''ان کی کروٹیں اپنے بستروں سے الگ رہتی ہیں اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے، وہ خرچ کرتے ہیں۔''

﴿تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ﴾ ان کی کروٹیں اپنے بستروں سے الگ رہتی ہیں یعنی راتوں کو اٹھ کر نوافل (تہجد) پڑھتے ہیں، توبہ و استغفار، تسبیح و تحمید اور دعا و الحاح و زاری کرتے ہیں۔ (اور نماز فجر باجماعت ادا کرتے ہیں)۔ (حسن البیان)

﴿یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا﴾ پنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں یعنی اس کی رحمت اور فضل و کرم کی امید بھی رکھتے ہیں اور اس کے عتاب و غضب اور مواخذہ و عذاب سے ڈرتے بھی ہیں محض امید ہی امید نہیں رکھتے کہ عمل سے بے پرواہ ہو جائیں (جیسے بے عمل اور بد عمل لوگوں کا شیوہ ہے اور نہ عذاب کا اتنا خوف طاری کر لیتے ہیں کہ اللہ کی رحمت سے ہی مایوس ہو جائیں کہ یہ مایوسی بھی کفر و ضلالت ہے)۔ (احسن البیان)

گویا کہ بندۂ مومن خوف اور رجا کے درمیان زندگی گزارتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ یَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ﴾ (الاسراء: ۵۷/۱۷)

''وہ اس کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے خائف ہیں۔''

پھر غور کیجیے، قرآنِ حکیم کے اکثر مقامات میں ''صلوٰۃ و زکوٰۃ'' کا ساتھ ساتھ حکم آیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قیام صلوٰۃ سے تمام معاشرتی مسائل حل ہوتے ہیں جبکہ ادائے زکوٰۃ سے تمام معاشی مسائل کا حل موجود ہے اور کسی بھی فلاحی اہمیت کے لیے یہ بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

زکوٰۃ:

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِھِمْ صَدَقَةً تُطَھِّرُھُمْ وَ تُزَكِّیْھِمْ بِھَا وَصَلِّ عَلَیْھِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّھُمْ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ﴾ (التوبہ: ۱۰۳/۹)

''(اے نبی ﷺ!) آپ ان کے مالوں میں سے زکوٰۃ و صدقات لے کر انہیں (نفس کی)

پاکیزگی دیجیے اور ان کے حق میں دعائے خیر کیجیے۔ کیونکہ آپ کی دعا ان کے لیے موجبِ تسکین ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔''

امام راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں:

''الزّکٰوۃ اس کے اصل معنی اس نشوونما اور پھلنے پھولنے کے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکت سے حاصل ہو، اس کا تعلق دنیاوی چیزوں سے بھی ہے اور اخروی امور کے ساتھ بھی، چنانچہ کہا جاتا ہے ''زَکَا الزَّرْعُ یَزْکُوا'' کھیتی نے نشوونما پائی اور پھلی پھولی اور اس آیت میں:

﴿فَلْیَنْظُرْ اَیُّهَآ اَزْکٰی طَعَامًا فَلْیَاْتِکُمْ﴾ (الکھف:۱۸/۱۹)

''اور وہ خوب دیکھ بھال لے کہ شہر کا کونسا کھانا پاکیزہ تر ہے، (چھان پھٹک کردہ کھانا لائے)۔''

اس آیت میں ''اَزْکٰی'' سے ایسا کھانا مراد ہے جو حلال ہو اور جس کے کھانے سے خوشگواری بھی ہو اور اسی سے زکوٰۃ کا لفظ مشتق ہے یعنی مال کا وہ حصہ جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے غربا و مساکین وغیرہ کو دیا جاتا ہے، اسے زکوٰۃ یا تو اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں برکت کی امید ہوتی ہے اور اس لیے بھی کہ اس سے نفس پاکیزہ ہوتا ہے اور تزکیۂ نفس سے ہی انسان دنیا میں پاکیزہ اوصاف کا مستحق ہوتا ہے اور آخرت میں اجر وثواب بھی اسی کی بدولت حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے ارشاد ہوتا ہے:

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰهَا ○ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾ (الشمس:۹۱/۹،۱۰)

''یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا (اعمالِ صالحہ سے اسے پاکیزہ بنا لیا) اور ناکام ہوا وہ جس نے اسے خاک میں ملا دیا (اعمالِ قبیحہ سے اسے برباد کر ڈالا)۔''

''الصَّدَقَةُ'' (خیرات) ہر وہ چیز جو انسان اپنے مال سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے (فقرا و مساکین) کو دیتا ہے اور یہی معنی زکوٰۃ کے ہیں مگر صدقہ اسے کہتے ہیں جو واجب نہ ہو اور زکوۃ وہ ہے جس کا دینا (ہر صاحبِ نصاب) کے لیے ضروری ہو اور کبھی واجب کو لفظِ صدقہ سے موسوم کیا جاتا ہے، جیسا کہ قرآن حکیم میں آتا ہے:

﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰکِیْنِ .... فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ﴾ (التوبہ:۹/۶۰)

''یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں..... (یہ اہلِ مال کے لیے) فریضہ ہے اللہ کی طرف سے۔''

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً﴾ آپ ان کے مال سے صدقہ لے لیجئے۔

اس پر حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

''یہ حکم عام ہے، صدقے سے مراد فرضی صدقہ یعنی زکوٰۃ بھی ہو سکتی ہے اور نفلی صدقہ بھی کہ اس کے ذریعے سے آپ ﷺ مسلمانوں کی تطہیر اور ان کا تزکیہ فرما دیں جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زکوٰۃ و صدقات انسان کے اخلاق اور کردار کی طہارت اور پاکیزگی کا ایک بڑا ذریعہ ہیں، علاوہ ازیں صدقہ کو صدقہ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خرچ کرنے والا اپنے دعوائے ایمان میں صادق ہے، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ صدقہ وصول کرنے والے کو صدقہ دینے والے کے حق میں دعائے خیر کرنی چاہیے، جس طرح یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو دعا کرنے کا حکم دیا اور آپ ﷺ اس کے مطابق دعا فرمایا کرتے تھے۔ اس حکم کے عموم سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ زکوٰۃ کی وصولی امامِ وقت کی ذمہ داری ہے، اگر کوئی اس سے انکار کرے تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرزِ عمل کی روشنی میں اس کے خلاف جہاد ضروری ہے۔ (ابن کثیر، بحوالہ احسن البیان)

قرآنِ حکیم کے حکم کے مطابق دنیا کے کسی بھی حصے میں مسلمانوں کو اقتدار حاصل ہو تو وہاں کی حکومت کے اولین فرائض میں نظامِ صلوٰۃ و زکوٰۃ کو قائم کرنا بھی ہے۔

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾ (الحج:٢٢، ٤١)

''(ابرار و صالحین کی جماعت کے) یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ صلوٰۃ و زکوٰۃ کا نظام قائم کریں گے (ہر) نیکی کا حکم دیں گے اور (ہر) برائی سے منع کریں گے اور (یاد رکھو!) تمام معاملات کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے۔''

یعنی ہر بات کا مرجع اللہ کا حکم اور اس کی تدبیر ہی ہے، اس کے حکم کے بغیر کائنات میں کوئی پتہ بھی نہیں ہلتا چہ جائیکہ کوئی اللہ کے احکام اور ضابطوں سے انحراف کر کے حقیقی فلاح اور کامیابی سے ہمکنار ہو جائے۔ (احسن البیان)

اسلام میں زکوٰۃ کی اہمیت:

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

''اسلام کی تعلیم اور محمد رسول اللہ ﷺ کے صحیفۂ وحی میں نماز کے ساتھ ساتھ جو فریضہ سب سے اہم نظر آتا ہے وہ زکوٰۃ ہے، نماز حقوق اللہ میں سے ہے اور زکوٰۃ حقوق العباد میں ہے۔ ان دونوں فریضوں کا باہم لازم وملزوم، مضبوط ومربوط ہونا اس حقیقت کو منکشف کرتا ہے کہ اسلام میں حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کا بھی یکساں لحاظ رکھا گیا ہے، بارگاہِ نبوتؐ میں آکر جب کسی نے اسلام کے احکام دریافت کیے تو ہمیشہ آپؐ نے نماز کے بعد زکوٰۃ کو پہلا درجہ دیا۔ نماز اور زکوٰۃ کے باہمی ارتباط کی ایک اور وجہ بھی ہے، اسلام کی تنظیمی زندگی صرف دو بنیادوں پر قائم ہے جن میں ایک روحانی یعنی نماز باجماعت سے جو کسی مسجد میں ادا ہو قائم ہوتا ہے اور نظامِ مادی (معاشی) زکوٰۃ سے جو کسی بیت المال میں جمع ہو کر تقسیم ہو، مرتب ہوتا ہے، اسی لیے یہ دونوں چیزیں اسلام میں ساتھ ساتھ نظر آتی ہیں اور ان کی انفرادی حیثیت کے ساتھ ان کی اجتماعی حیثیت پر بھی شریعتِ محمدی نے خاص زور دیا ہے، نماز جس طرح جماعت اور مسجد کے بغیر بھی انجام پا جاتی ہے لیکن اپنی فرضیت کے بعض مقاصد سے دور ہو جاتی ہے، اسی طرح زکوٰۃ بیت المال کی مجتمع صورت کے علاوہ بھی ادا ہو جاتی ہے لیکن اس کی فرضیت کے بعض اہم مقاصد فوت ہو جاتے ہیں، یہی سبب ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں جب بعض قبیلوں نے یہ کہا کہ وہ زکوٰۃ بیت المال میں داخل نہ کریں گے بلکہ بطورِ خود اس کو صرف کر دیں گے تو شریعتِ محمدی کے شناسائے راز نے اس تجویز کو قبول نہیں کیا اور بزوران کو بیت المال میں داخل کرنے پر مجبور کیا، اگر ان کی یہ بات تسلیم کر لی جاتی تو اسلام کی وحدت کا سررشتہ اسی

وقت پارہ پارہ اور مسلمانوں کی امامت و جماعت کا نظام اسی وقت درہم برہم ہو جاتا۔

(سیرت النبی، جلد پنجم)

عدم تعمیل کی سزا:

مولانا ابوالکلام آزادؒ لکھتے ہیں:

"اگر کوئی جماعت بحیثیت جماعت کے انہیں یک قلم ترک کر دے گی تو اس کا شمار مسلمانوں میں نہ ہوگا اور یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام نے مانعینِ زکوٰۃ سے قتال کیا اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ:

"وَاللّٰهِ لَأُ قَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ۔"

اللہ کی قسم میں ہر اس شخص سے جہاد کروں گا جس نے نماز اور زکوٰۃ میں فرق کیا۔

غرض و غایت زکوٰۃ

پھر اس باب میں اس کی ایک دوسری خصوصیت بھی ہے۔یعنی وہ علت جو نہ صرف زکوٰۃ کے لیے بلکہ تمام صدقات و خیرات کے لیے قرار دی گئی ہے اور جس کی وجہ سے اس معاملہ نے بالکل ایک دوسری ہی نوعیت اختیار کر لی:

﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ﴾ (الحشر:٥٩/٧)

"تاکہ ایسا نہ ہو، مال و دولت صرف دولتمندوں کے گروہ ہی میں محصور ہو کر رہ جائے۔"

یعنی زکوٰۃ کا مقصد یہ ہے کہ دولت سب میں پھیلے، سب میں بٹے کسی ایک گروہ ہی کی ٹھیکیداری نہ ہو جائے۔

سورۂ توبہ میں دولت جمع کرنے والوں کا حال اس طرح بیان ہوا ہے:

﴿وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ (توبہ:٩/٣٤)

"جو لوگ سونا چاندی خزانہ بنا کر رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، ان کے لیے اگر کوئی بشارت ہو سکتی ہے تو یہی کہ انہیں عذابِ دردناک کی بشارت دے دو۔"

اور حدیثِ بعثتِ معاذؓ الی الیمن میں زکوٰۃ کا مقصد یہ فرمایا:

((تُؤخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ فِي فُقَرائِهِمْ))

ان کے دولتمندوں سے وصول کی جائے، پھر ان کے محتاج افراد میں لوٹائی جائے۔

اسلامی زندگی کی اولین شناخت:

دنیا میں کوئی مذہب نہیں جس نے محتاجوں کی اعانت اور ابنائے جنس کی خدمت کی تلقین نہ کی ہو اور اسے عبادت یا عبادت کا لازمی جزء نہ قرار دے دیا ہو لیکن یہ خصوصیت صرف دینِ اسلام ہی کی ہے کہ وہ صرف اتنے ہی پر قانع نہیں ہوا۔ بلکہ ہر مستطیع مسلمان پر ایک خاص ٹیکس مقرر کر دیا ہے جو اسے اپنی تمام آمدن کا حساب کر کے سال بہ سال ادا کرنا چاہیے، پھر اسے اس درجہ اہمیت دی کہ اعمال میں نماز کے بعد اسی کا درجہ ہوا اور قرآن نے ہر جگہ دونوں کا ایک ساتھ ذکر کر کے یہ بات واضح کر دی کہ کسی جماعت کی اسلامی زندگی کی سب سے پہلی شناخت یہی دو عمل ہیں۔ ....نماز اور زکوٰۃ۔ (ارکانِ اسلام)

زکوٰۃ کی فضیلت و اہمیت کے بارے چند احادیثِ مبارکہ پیشِ خدمت ہیں:

زکوٰۃ ارکانِ دین میں ہے:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے...... اول ''لا الہ الا اللہ و ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ'' دوم نماز قائم کرنا (دن رات میں پانچ بار باجماعت سنتِ نبوی کے مطابق ادا کرنا) سوم زکوٰۃ دینا (جبکہ کوئی شخص صاحبِ نصاب ہو) چہارم رمضان المبارک کے روزے رکھنا (آدابِ صوم کا پورا پورا خیال رکھنا) پنجم بیت اللہ کا حج کرنا (اگر اس سفر کے لیے مال ہو)۔ (بخاری، مسلم، ریاض الصالحین، باب فضیلة الزکوٰة)

جنت میں داخلہ کا آسان نسخہ

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے ایسا عمل بتایئے جو مجھے جنت کا مستحق بنا دے، آپ نے فرمایا اللہ کی عبادت کرو، اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور صلہ رحمی کرو (رشتہ داروں سے حسنِ سلوک سے پیش آؤ)۔''

(بخاری، مسلم، ریاض الصالحین باب ایضاً)

سیدنا طلحہؓ بن عبیداللہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی پراگندہ بال صورت سے نجدی معلوم ہوتا تھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کچھ باتیں کرنے لگا، ہم نے بہت کان لگائے لیکن سوائے گنگناہٹ کے کوئی بات سمجھ میں نہ آئی تو میں رسول اللہ ﷺ کے قریب کھڑا ہو گیا، تب میں نے سنا کہ وہ اسلام کے متعلق سوال کر رہا ہے اور رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں کہ دن رات میں پانچ وقت کی نمازیں فرض ہیں، وہ بولا کیا اس کے علاوہ بھی کوئی نماز مجھ پر فرض ہے؟ فرمایا نہیں، ہاں اگر تم چاہو تو نفل نماز ادا کر سکتے ہو۔ پھر ارشاد ہوا کہ رمضان کے مہینے کے روزے فرض ہیں، بولا کیا ان روزوں کے علاوہ بھی کوئی روزہ مجھ پر فرض ہے؟ فرمایا نہیں، اگر تم چاہو تو نفلی روزے رکھ سکتے ہو، راوی کہتے ہیں پھر آپ ﷺ نے زکوٰۃ کا حکم سنایا، اس نے پوچھا کیا اس کے علاوہ اور بھی کچھ ہے؟ فرمایا نہیں، مگر یہ کہ تم اپنی خوشی سے نفلی صدقہ دو، پس وہ آدمی یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ اللہ کی قسم! جو کچھ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے اسی پر عمل کروں گا، نہ کمی کروں گا نہ زیادتی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر اس نے سچ کہا ہے تو کامیاب ہو گیا۔ (ریاض الصالحین، باب فضیلة الزکوة)

ارکان اسلام اور تربیت:

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا اور فرمایا دیکھو! تم اہلِ یمن کو پہلے کلمہ طیبہ کی دعوت دینا یہاں تک کہ وہ (صدقِ دل سے) گواہی دیں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، جب وہ اس کو مان لیں تو ان کو یہ بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر دن رات میں پانچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں، جب وہ اس کو بھی تسلیم کر لیں تو ان سے کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر زکوٰۃ اور صدقہ فرض کیا ہے جو امیروں سے لیا جائے گا اور غریبوں کو دیا جائے گا۔ (بخاری، مسلم، ریاض الصالحین، حواله ایضاً)

مندرجہ بالا تمام احادیثِ مبارکہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے بنیادی ارکان پانچ ہیں۔ کلمہ طیبہ کا زبان اور دل کی گہرائی سے اقرار، اقامتِ صلوٰۃ و زکوٰۃ، رمضان المبارک کے روزوں کا اہتمام اور (استطاعت رکھتے ہوئے) فریضہ حج کی ادائیگی مگر بعض احادیث مبارکہ میں صرف دو ارکان کا ذکر آتا ہے، بعض میں تین ارکان کا، بعض میں چار کا اور بعض میں پانچ کا، معلوم ہوا کہ ارکان

پانچ ہیں، اس میں دو ارکان یعنی زکوٰۃ اور حج کی ادائیگی ان لوگوں پر فرض ہے جو صاحبِ نصاب ہیں، جبکہ کلمہ طیبہ کا اقرار، اقامتِ صلوٰۃ وزکوٰۃ ہر امیر وغریب پر فرض ہے۔

پاکستان اور نظامِ صلوٰۃ وزکوٰۃ:

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اسلام پر قائم ہونے والی حکومت کی اولین ذمہ داری نظامِ صلوٰۃ و زکوٰۃ کا قیام، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دینا ہے، صلوٰۃ وزکوٰۃ کے نظام سے ریاست کا معاشرتی اور معاشی ڈھانچہ مضبوط اور مربوط ہو جاتا ہے، کسی قوم کی اگر معاشرتی زندگی صاف ستھری ہو جائے تو لوگ ہر شعبۂ حیات میں ترقی کی راہوں پر گامزن ہو جاتے ہیں ان کے درمیان امن اور سلامتی کی فضا قائم ہوتی ہے، فتنہ وفساد کے شرارے بھسم ہو جاتے ہیں، جبکہ نظامِ زکوٰۃ کے مکمل نفاذ سے معاشی بنیادیں مضبوط ہو جاتی ہیں، غربت اور تنگدستی سے نجات مل جاتی ہے لوگوں کے درمیان لڑائی جھگڑے ختم ہو جاتے ہیں۔ لوگوں کے درمیان ہمدردی وغمخواری کے جذبات پرورش پاتے ہیں، وہ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں کام آتے ہیں، ان میں اتفاق واتحاد کی فضا قائم ہوتی ہے اور کوئی دشمن ان کو بری نظر نہیں دیکھ سکتا، ان کی صفوں میں ایسا اتحاد ہوتا ہے کہ دشمن کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاتے ہیں جس کا ذکر قرآنِ حکیم نے ان الفاظ میں کیا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ﴾

(الصف:٦١/٤)

''اللہ کو تو پسند وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔''

افسوس کہ حریص اور مفاد پرست سیاست دانوں نے اس ملک کا معاشرتی اور معاشی ڈھانچہ تباہ و برباد کر ڈالا اور اسلامی قانون تو بڑی فضیلت کی بات ہے ملک کا کوئی مضبوط اور مفید قانون بھی نہ بن سکا، یہاں کی عدلیہ بے بسی کا سوالیہ نشان بن چکی ہے، افسوس کہ دین پسند لوگ بھی آپس میں بکھرے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں کیونکر نازل ہوں؟

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ ما بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ (الرعد:١٣/١١)

''اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کونہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کونہیں بدل دیتی۔''

الصیام (روزے)

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (البقرہ:۲/۲:۱۸۳)

''اے ایمان والو! تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا، اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہوگی۔

اسلام میں عبادات کی غرض و غایت انسانی قلب و دماغ کو تقویٰ اور پرہیز گاری سے مزین کرنا ہے 'تقویٰ' وہ اعلیٰ صفت ہے کہ ہر لحظ اور ہر لمحہ ایک انسان اپنے رب کا خوف محسوس کرتا ہے اور کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس سے خالق و مالک ناراض ہو جائے، اس کی بود و باش، نقل و حرکت نشست و برخاست، خورد و نوش، یہاں تک ہر سانس اور ہر ساعت اپنے آقا کی رضا میں بسر ہوتی۔

''اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ'' روزہ ڈھال ہے، ڈھال اسے کہتے ہیں جس سے دشمن کے وار کو روکتے ہیں اور جنگ میں کامیابی حاصل کی جاتی ہے روزہ بھی شیطان کے حملوں اور نفس کی برائیوں سے بچنے کے لیے ڈھال کا کام کرتا ہے۔

روزہ یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ تم نے اپنے رب کی رضا کے لیے طلوعِ فجر سے غروبِ آفتاب تک حلال اور مباح اشیا سے پرہیز کیا ہے، تو وہ باتیں جو پہلے ہی حرام تھیں بھلا کیسے جائز ہو جائیں گی؟ کھانے پینے کی حلال چیزوں سے تم رک گئے ہو تو کیا ظلم اور زیادتی، مکر وفریب ایسی حرام باتوں میں تم آزاد ہو گئے؟ اگر تمہیں تھوڑا سا بھی شعور ہے اور تمہارے پہلو میں جو دل ہے اس میں حیا کی تھوڑی سی بھی رمق ہے تو پھر تم میں شرمساری پیدا ہوگی اور بری باتوں سے رک جاؤ گے، ایسا روزہ جس میں کھانے پینے سے تو ہاتھ منہ کو روک لیا جائے مگر مکروفریب کو جاری رکھا جائے، اللہ تعالیٰ کو قطعاً ناپسند ہے اور اجر وثواب سے وہ خالی ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ، فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَدَعَ طَعَامَهٗ وَ شَرَابَهٗ)) (مشکوٰۃ، باب تنزیہ الصوم)

''جس شخص نے دروغ گوئی اور اس کے مطابق عمل سے پرہیز نہ کیا تو اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانے پینے سے رک جانے کی کوئی پروا نہیں ہے۔''

''اِنِّیْ صَائِمٌ'' (میں روزے سے ہوں)

مولانا ابوالکلام آزادؒ لکھتے ہیں:

''صائمٌ'' (روزہ دار) مجسمِ نیکی ہے، وہ کسی کی غیبت نہیں کرتا، وہ کسی کو برا نہیں کہتا، وہ بدی کا بدلہ بدی سے نہیں دیتا ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کے اس حکم کی پیروی کرتا ہے جس میں آپ نے ارشاد فرمایا ہے:

((اِذَا کَانَ یَوْمُ صَوْمِ اَحَدِکُمْ فَلَا یَرْفُثْ وَلَا یَصْخَبْ فَاِنْ سَابَّهٗ اَحَدٌ اَوْقَاتَلَهٗ فَلْیَقُلْ اِنِّیْ صَائِمٌ)) (متفق علیه، ریاض الصالحین، باب حفظ اللسان)

''تم میں سے جب کسی کے روزے کا دن ہو تو وہ بدی اور بے حیائی نیز، شور وشغب سے باز رہے اگر کوئی اس کو گالی دے یا لڑنا چاہے تو (دل ہی دل میں خیال کرے) کہ میں روزے سے ہوں۔''

''اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ'' (روزہ سپر ہے) بلاشبہ سپر ہے، وہ آخرت میں حملۂ جہنم سے بچاتا ہے اور دنیا میں بغاوتِ نفس سے بچاتا ہے، سرکشی سے بچاتا ہے اور برے عمل سے بچاتا ہے، وہ خیرِ مخفی اور خالص نیکی ہے (ریا کاری کا اس میں عمل دخل نہیں ہے)۔ حدیثِ قدسی میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی کُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ لَهٗ اِلَّا الصِّیَّامَ فَاِنَّهٗ لِیْ وَ اَنَا اَجْزِیْ بِهٖ وَالصِّیَامُ جُنَّةٌ)) (رواہ البخاری، بحوالہ ارکان اسلام، مولانا آزاد)

''اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، انسان کا ہر علم اس کے لیے ہے (اس کے مطابق اس کو جزا ملے گی) لیکن روزہ میرے لیے ہے، میں اس کی (جس قدر چاہوں) جزا دوں اور روزہ سپر (ڈھال) ہے۔

ویسے تو انسان کا ہر ہر عمل اللہ تعالیٰ ہی کی رضا کے لیے ہے اور اس کے ہر عمل کا بدلہ اس کے خلوص کے مطابق ملے گا، صرف صوم (روزہ) ایک ایسا عمل ہے جس میں ریا کاری کا دخل بہت کم ہوتا

ہے، یہ اللہ اور بندے کے درمیان راز ہے، ایک شخص اگر چاہے تو غسل کرتے وقت پانی کے نل سے منہ لگا کر پانی پی سکتا ہے مگر جس نے صدقِ دل سے روزہ رکھا ہے، وہ ایسا نہیں کرتا، اس کے دل میں یہ شعور راسخ ہوتا ہے کہ میرا رب مجھے دیکھ رہا ہے، اسی شعور کا نام 'تقویٰ' ہے، صبح سے شام تک جب بندہ اپنے مولا و مالک کا ہر حکم مانتا ہے اور اس کی نافرمانیوں سے بچتا ہے تو اس کے لیے لازوال اجر ثبت ہو جاتا ہے، یہی مفہوم اس حدیث کا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے کہا ہے:

((اَلصَّوْمُ لِیْ وَ اَنَا اَجْزِیْ بِہٖ))

کہ روزہ (خالصۃً میرے لیے ہے میں روزدار کو جس قدر چاہوں جزا دوں۔

حالتِ ملکوتی کا ظہور

مولانا ابوالکلامؒ آزاد لکھتے ہیں:

پس اچھی طرح سمجھ لو کہ صوم کی حقیقت کیا ہے؟

وہ ایک حالتِ ملکوتی کے ظہور کا نام ہے، صائم کا جسم انسان کا ہوتا ہے لیکن اس کی روح فرشتوں کی زندگی بسر کرتی ہے جو نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں، وہ تمام مادیاتِ عالَم سے پاک اور ضروریاتِ دنیاوی سے منزّہ ہیں، اُن کی زندگی کا فقط ایک مقصد ہوتا ہے، اطاعتِ اوامرِ الٰہی، اس لیے صائم نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے، وہ مادیات سے پاک اور ضروریاتِ دنیاوی سے منزّہ رہنے کی جہاں تک اس کی خلقت وفطرت اجازت دیتی ہے، کوشش کرتا ہے۔ (ارکانِ اسلام)

کامل زندگی منزّہ و طاہر

پس ہمارے سال کا ایک مہینہ ایسا ہونا چاہیے جو تنزیہِ جسم اور طہارت قلب کا کامل نمونہ ہو، (اس پورے ماہ میں ایسی تربیت ملے) کہ ہمارا کامل سال منزّہ اور طاہر ہو اور اس طرح ہماری کامل زندگی منزہ اور طاہر (صاف ستھری) ہو جائے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَاناً وَّ احْتِسابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ))

(رواہ البخاری، ریاض الصالحین، باب استحباب قیام رمضان، بحوالہ ارکانِ اسلام)

''اِیمَانًا'' ایمان کی کیفیتِ نفسی شک، ریب، تردّد و تذبذب کی بالکل ضد ہے، ایمان دل

کو سکون، روح کو تسکین اور دماغ کو اطمینان اور سلامتی عطا کرتا ہے، ایمان کے بغیر دل میں بے کلی اور بے چینی رہا کرتی ہے لیکن ایمان والوں کو سخت سے سخت مصیبت کے وقت بھی ڈھارس بندھی رہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جو ان کا خالق و مالک ہے وہ سب سے بڑا سہارا اور مضبوط ترین آسرا ہے۔''

﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ (البقرہ:۲/۲۵۶)

''اب جو کوئی طاغوت (نفسانی خواہش اور شیطان) کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا، اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں، اور اللہ (جس کا سہارا اس نے لیا ہے) سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

پھر ان اہلِ ایمان کو خالق و مالک سے یہ خوشخبری بھی ملتی ہے:

﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ (البقرہ:۲/۲۵۷)

''جو لوگ ایمان لاتے ہیں، ان کا حامی و مددگار اللہ ہے، وہ انہیں (کفر و شرک) کی تاریکیوں سے نکال کر (ایمان اور اسلام) کی روشنی میں لاتا ہے۔''

امن اور ہدایت سے یہی لوگ بہرہ ور رہتے ہیں:

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾

(الانعام:۶/۸۲)

''حقیقت میں تو امن انہی کے لیے ہے اور راہِ راست پر وہی ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ (یعنی شرک و کفر سے) آلودہ نہیں کیا یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت بھی مژدۂ جانفزا ملتا ہے۔''

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ (حٰمٓ السجدہ:۴۱/۳۰)

''جن لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے، یقیناً

ان پر (ان کی وفات کے وقت) فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نہ ڈرو، نہ غم کرو اور خوش ہو جاؤ اس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔''

''**اِحتِسَابًا**'' اس لفظ کا مادہ 'ح س ب' ہے۔ حساب کے معنی شمار اور گنتی کے ہیں، اسی سے احتساب کا مفہوم جانچ پڑتال، پرکھنا اور خیال کرنا ہے، روزوں کے لیے احتساب کا لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے کہ انہیں پوری طرح نگرانی اور نگہداشت سے رکھا جائے زبان و بیان کی احتیاط کی جائے، اخلاق اور کردار کی حفاظت کی جائے، دوسروں کے ساتھ معاملات اور تعلقات کو صاف ستھرا رکھا جائے، اس طرح روزے دار احکامِ الٰہی کو سنتِ رسول ﷺ کی پیروی میں مہینہ بھر تربیت حاصل کرتے ہیں، اُن کے لیل و نہار ایک خاص سانچے میں ڈھل جاتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب 'قرآن کریم' پر تدبر و تفکّر کرتے ہیں، بلکہ شب کو بھی قیام اللیل (نمازِ تراویح) میں توجہ اور انہماک سے سنتے ہیں، ذکر و اذکار سے دلوں کے زنگ ڈھل کر صاف ہو جاتے ہیں، نمازوں کو بروقت جماعت کے ساتھ پڑھنے کی تربیت ملتی ہے، صبح سے شام بھوک پیاس برداشت کرنے سے جہاد کے لیے بہترین ٹریننگ کا سروسامان مہیا ہوتا ہے پھر روزے اگر صحیح شعور سے رکھے جائیں تو بھوک اور پیاس کی شدت میں ان غربا و مساکین کا خیال ضرور آتا ہے جنہیں پیٹ بھرنے کے لیے نانِ جویں اور تن ڈھانپنے کے لیے کھدر الباس بھی میسر نہیں ہے، اگر کوئی شخص قساوتِ قلبی کا شکار نہیں ہے تو وہ انفاق فی سبیل اللہ کے ذریعے نادار اور غریب لوگوں سے ہمدردی و غمخواری کا اظہار ضرور کرتا ہے کسی دشوار گزار گھاٹی مثلاً کے ٹو اور ہمالیہ کو سر کرنا اور اس کی چوٹی پر اپنی عظمت و شوکت کے جھنڈے گاڑنا ہمارے نزدیک عظیم کام ہے مگر قرآنِ حکیم کے نزدیک دشوار گزار گھاٹی کیا ہے؟ آیئے دیکھیں وہ کیا کہتا ہے؟

﴿فَلاَ اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ○ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الْعَقَبَةُ ○ فَکُّ رَقَبَةٍ ○ اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ ○ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ○ اَوْمِسْکِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ﴾ (البلد:۹۰/۱۱-۱۶)

''(اے انسان! کہ جسے اللہ تعالیٰ نے بے حد و حساب نعمتوں اور صلاحیتوں سے نوازا ہے) مگر اس نے دشوار گزار گھاٹی سے گزرنے کی ہمت نہ کی اور آپ کیا جانیں کہ وہ دشوار گزار گھاٹی کیا ہے؟ وہ ہے کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا یا فاقہ کے دنوں میں (فاقہ زدوں) کو

کھانا کھلانا، کسی قرابت دار یتیم کو یا کسی خاکسار مسکین کو۔''

ہاں! چند اللہ والے ایسے بھی ہیں جن کے بارے میں قرآن اعلان کرتا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ فِيْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾ (المعارج:۷۰/۲۴،۲۵)

''جن کے مالوں میں سائل اور محروم کا مقرر حق ہے۔''

'سائل' جو مانگنے والے ہیں ان میں بھی بعض مستحق ہوتے ہیں اور بعض صحت مند ہونے کے باوجود گداگری ان کا پیشہ بن چکا ہوتا ہے انہیں نرمی سے سمجھا دینا چاہیے کہ وہ کام کاج کر کے حق حلال کی روزی کمائیں اور محروم وہ لوگ ہیں جنہیں عزتِ نفس لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے مانع ہوتی ہے، اس میں یتامیٰ، بیوہ خواتین فقرا، مساکین جن کے پاس مناسب آمدنی کے وسائل نہیں ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں آتا ہے:

﴿وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا﴾ (الدھر: ۷۶/۸،۹)

''اور اللہ کی محبت میں مسکینوں، یتیموں اور مظلوم (قیدیوں) کو کھانا کھلاتے ہیں (اور وہ دل ہی میں کہتے ہیں کہ) ''ہم تمہیں صرف اللہ کی خاطر کھلا رہے ہیں، ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ۔''

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ان میں ایثارِ نفس کی صفت موجود ہوتی ہے کہ خود مصیبت جھیل کر بھی دوسروں کو راحت پہنچاتے ہیں اور خود بھوکے رہ کر بھی دوسروں کو کھانا کھلاتے ہیں، قرآن ان کے بارے میں اعلان کرتا ہے:

﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ (الحشر:۵۹/۹)

''اور وہ (دوسروں کو) اپنے اوپر مقدم رکھتے ہیں اگر چہ ان پر فاقہ ہی ہو۔''

ایثار و ہمدردی کا اجتماعی مظاہرہ مکہ سے مدینہ ہجرت کے موقع پر ہوا مہاجرین نے گھر بار چھوڑا، کاروبار کو خیر باد کہا، وطن سے بے وطن ہوئے اور لٹے پٹے جب وہ مدینہ منورہ پہنچے تو انصارِ مدینہ نے جس خلوص اور محبت سے ان کے لیے دیدہ و دل فرش راہ کیے وہ تاریخ کا اَن مٹ واقعہ ہے، کھیتوں

اور کھلیانوں میں، مکانوں اور زمینوں میں انہیں برابر کا حصہ دار بنایا گیا بلکہ تکلیفیں اور مشقتیں اٹھا کر بھی انہیں راحتیں اور سہولتیں مہیا کی گئیں اور مہاجرین پر دیس پہنچ کر بھی دیس کی طرح رہنے سہنے لگے۔

رسول اللہ ﷺ کا قیام سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر ہوا وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ بالائی منزل پر رہتے تھے، کہتے ہیں کہ یک مرتبہ وہ مٹکا جس میں ہم پانی رکھتے تھے، ٹوٹ گیا، میں نے اور ام ایوب نے اپنی چادر سے جس کے علاوہ ہمارے پاس اوڑھنے کی کوئی چیز نہ تھی اس پانی کو خشک کیا مبادا کہ پانی نیچے ٹپکنے لگے اور آپ ﷺ کو تکلیف ہو رب کائنات نے اپنی کتاب مبین میں ان صالحین کا ذکر فرمایا ہے:

''(اور مالِ غنیمت) ان غریب مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور جائیدادوں سے نکال باہر کیے گئے ہیں، وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضا مندی کے طلبگار ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہی راست باز ہیں (اور وہ مال ان لوگوں کے لیے بھی ہے) جو ان مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لا کر دارالہجرت میں مقیم تھے، یہ (انصار) ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آئے ہیں اور جو کچھ بھی ان کو دے دیا جائے، اُس کی کوئی حاجت تک یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں، حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لیے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔'' (الحشر:۵۹/۸،۹)

''<u>شَهْرُ الْمُوَاسَاةِ</u>'' رسول اللہ ﷺ نے رمضانِ مبارک کو ہمدردی وغمخواری کے مہینے سے یاد فرمایا ہے، اور اس نیلگوں آسمان کے نیچے یتامیٰ اور بیوگان کا غربا اور مساکین کا آپ ﷺ سے زیادہ ہمدرد اور غمخوار اور کون ہو گا؟

یتامیٰ کے ساتھ ہمدردی کرنے میں وحیِ الٰہی نے سب سے پہلے آپ ہی کو خطاب کر کے یاد دلایا:

﴿اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ...... فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ﴾ (والضحیٰ:۹۳/۶-۹)

''کیا اُس رب نے آپ کو یتیم پا کر (سایۂ رحمت) میں جگہ نہ دی...... تو آپ بھی کسی یتیم پر سختی نہ کیجیے۔''

یتامیٰ اور مساکین کے ساتھ احسان و مروت مظلوموں اور بیکسوں کی حمایت سیرتِ طیبہ کا درخشاں باب ہے ؂

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی، غلاموں کا مولیٰ

جود و کرم کی دریا دِلی:

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ سخی تھے اور رمضان میں آپ کی سخاوت تو کہیں زیادہ ہوتی، جبریلِ امین رمضان میں ہر رات آپ ﷺ سے ملاقات کرتے اور آپ سے قرآن کا دور کرتے تھے۔ تو جب جبریل امین آپ ﷺ سے ملاقات کرتے تو آپ ﷺ تیز ہوا سے زیادہ سخاوت فرماتے۔'' (منفق علیه، ریاض الصالحین)

رمضان اور وحدتِ امت

مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ لکھتے ہیں:

''رمضان سنِ قمری کے نویں مہینہ کا نام ہے، شریعت نے اعتبار قمری مہینوں کا کیا ہے اور اپنے حسابات میں اسی تقویم سے کام لیا ہے، قمری مہینے چونکہ مختلف موسموں میں بدل بدل کر آتے رہتے ہیں، مسلمان روزہ دار بھی رمضان کی اس گردش سے ہلکی گرمی اور ہلکی سردی، شدید گرمی اور شدید سردی، خشک و تر، ہر موسم میں، بھوک اور پیاس کے ضبط وتحمل کا خوگر ہو جاتا ہے، روزوں کی تعداد تو شریعت نے مقرر کر دی ہے، زمانہ بھی ایک متعین و مقرر ہے، یہ نہیں کہ محض تعداد جس کا جب جی چاہے پوری کر لے، انفرادی اصلاح تو شاید حسبِ مرضی روزوں سے ہو بھی جاتی لیکن اجتماعی منافع و مصالح کے لیے تعدد کی طرح

زمانے کی تعیین بھی ناگزیر تھی، وحدتِ امت کے لیے لازمی تھا کہ عرب و چین، مصر و ہندوستان، طرابلس و جاپان، حبش و آسٹریلیا، افغانستان و کینڈا، ایران و پاکستان، سائبریا اور میکسیکو، برطانیہ اور آسٹریا، غرض سارے روئے زمین پر، اسلامی آبادی جہاں کہیں بھی ہو، سب ایک ہی وقت میں روحانیت کی اس سالانہ پریڈ میں شریک ہوں، علم الاجتماع کے مبصرین جانتے ہیں کہ وحدتِ امت اور تنظیمِ ملت میں کتنا زیادہ دخل اس ہم وقتی یا وقت کی ہم آہنگی کو ہوتا ہے، قرآن کی مناسبت رمضان کے ساتھ ہر صاحبِ نظر پر بالکل روشن ہے، مسلمان اس لیے قرآن مجید کے نزول کی سالانہ یادگار اس مہینہ (رمضان) میں راتوں کو اپنی مسجدوں میں مناتے ہیں اور تراویح کی رکعتوں میں سارے قرآن کو اپنے حافظہ میں تازہ کر لیتے ہیں۔ (تفسیر ماجدی، ج:۱)

سید ابوالحسن علی ندویؒ مسلمانوں کے اس روحانی اجتماع پر اس طرح لکھتے ہیں ''غور کیجیے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل نے رمضان کو عبادت، ذکر، تلاوت اور زہد و تقویٰ کا ایک ایسا عالمی موسم اور (روحانی) جشنِ عام کا زمانہ بنا دیا ہے، جس میں مشرق و مغرب کے تمام مسلمان، عالم و جاہل امیر و فقیر، کم ہمت اور عالی حوصلہ، ہر قسم اور ہر گروہ کے لوگ ایک دوسرے کے شریک و رفیق اور ہمدم و دمساز نظر آتے ہیں، یہ رمضان ایک ہی وقت میں ہر شہر اور ہر گاؤں اور ہر بستی میں ہوتا ہے، امیر کے محل اور غریب کی جھونپڑی دونوں میں اس کا جلوہ نظر آتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ نہ کوئی شخص خودسری اور خودآرائی کرتا ہے، نہ روزے کے لیے دنوں کے انتخاب میں کوئی انتشار اور جھگڑا پیدا ہوتا ہے، ہر وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے آنکھیں عطا کی ہیں عالمِ اسلام کو وسیع و عریض رقبہ میں ہر جگہ اس کے جلال و جمال کا مشاہدہ خود کر سکتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پورے اسلامی معاشرہ پر نورانیت اور سکینت کا ایک وسیع شامیانہ سایہ فگن ہے۔ (ارکانِ اربعہ)

ربِ کریم اپنی کتابِ مبین میں رمضان کی قدر و منزلت اور انعام و احسان کا ذکر ان الفاظ میں فرماتا ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ

الْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (البقرہ:۲/۱۸۵)

''رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہِ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔ لہٰذا اب جو شخص (اپنی زندگی میں) اس مہینے کو پائے، اس کو لازم ہے کہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے اور جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کرے، اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے، سختی کرنا نہیں چاہتا، اس لیے یہ طریقہ تمہیں بتایا جا رہا ہے۔ تاکہ تم روزوں کی تعداد پوری کر سکو اور جس ہدایت سے اللہ نے تمہیں سرفراز کیا ہے۔ اس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار و اعتراف کرو اور اس کے شکر گزار بندے بن کر رہو۔

اس آیۂ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے رمضان کے فیوض و برکات کا ذکر فرمایا ہے:

- اس ماہِ مبارک میں نزولِ قرآن کا آغاز ہوا اور خاتم النبیین جنابِ محمد رسول اللہ ﷺ کے قلبِ اطہر پر جبرئیلِ امین نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اتارا۔
- یہ کتاب نسلِ انسانیت کے لیے تا قیامت ہدایت و رہنمائی ہے اور ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ بھی ان کے لیے اسوۂ حسنہ ہے۔
- حق اور باطل کو پرکھنے کا معیار صرف اسی کتاب کے ذریعے سے ہو سکتا ہے۔
- اس روشنی اور ہدایت ملنے پر بطورِ شکرانے کے روزے رکھے جاتے ہیں، جس سے بے شمار روحانی اور جسمانی ثمرات مرتب ہوتے ہیں۔
- مریض اور مسافر کے لیے صرف اس قدر رعایت ہے کہ وہ مرض اور سفر کی حالت میں روزہ چھوڑ سکتا ہے مگر صحت اور اقامت ملنے پر اس گنتی کو پورا کرنا لازم ہے تاکہ اجر و ثواب میں کمی نہ رہے، اسلام کی پاکیزہ تعلیمات پر غور کیجیے کہ اس میں نرمی ہے سختی نہیں ہے۔

✿ اس ہدایت پر اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور عظمت کا بیان کرو اور اس کے شکر گزار بندے بن کر رہو۔

✿ مندرجہ بالا آیتِ مبارکہ نمبر ۱۸۵ کے فوراً بعد یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾ (البقرہ:۲/۱۸۶)

''(اے نبیؐ!) میرے بندے اگر آپ سے میرے متعلق پوچھیں، تو انہیں بتا دیجیے کہ میں ان کے قریب ہی ہوں، پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے، میں اس کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہوں، لہٰذا بندوں کو بھی چاہیے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں (احکام کو دل و جان سے مانیں) اور مجھ پر ایمان لائیں، (اس طرح امید ہے کہ) وہ راہِ راست کو پالیں گے۔''

رمضان کی فضیلت و احکام کے بعد دعا کا ذکر آنا اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ ان قیمتی لمحات میں ربِ کریم کے حضور دعا و مناجات کو خوب اہتمام سے کرنا چاہیے۔

حافظ صلاح الدین یوسفؒ اس آیتِ مبارکہ پر لکھتے ہیں:

''رمضان المبارک کے احکام و مسائل بیان کرکے یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ رمضان میں دعا کی بھی بڑی فضیلت ہے، جس کا خوب اہتمام کرنا چاہیے، خصوصاً افطاری کے وقت کو قبولیتِ دعا کا خاص وقت بتایا گیا ہے۔ (مسند احمد) تاہم قبولیت دعا کے لیے ضروری ہے کہ اُن آداب و شرائط کو ملحوظ رکھا جائے جو قرآن و حدیث میں بیان ہوئے ہیں، جن میں سے دو یہاں بیان کیے گئے ہیں ایک اللہ تعالیٰ پر صحیح معنوں میں ایمان اور دوسرا اس کی اطاعت اور فرمانبرداری، اس طرح احادیث میں حرام خوراک سے بچنے اور خشوع و خضوع کا اہتمام کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ (احسن البیان)

✿ نزولِ قرآن کی شب (شب قدر) ہے جسے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرنا چاہیے اور ربِ کریم نے صرف اسی رات کو اس قدر فضیلت عطا فرمائی ہے کہ اس میں عبادت و ریاضت کا اجر و ثواب ہزار ہا مہینوں کی عبادت و ریاضت سے بڑھ کر ہے، یہ محض اپنے بندوں پر اس کا کرم اور فضل ہے۔

قارئینِ محترم! مندرجہ بالا سطور جب آپ کے زیرِ مطالعہ آئیں گی تو رمضان ۱۴۲۹ھجری چند دن

ہی رہ جائیں گے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کے آداب سے بہرہ ور فرمائے اور اس کے برکات کو اپنے دامن میں سمیٹنے کی توفیق دے، عاجز کے لیے دعا فرمایئے کہ ایمان وصحت سے ہمکنار فرمائے۔ آمین

الحج:

حج کے لغوی معنیٰ زیارت کا ارادہ کرنے کے اور اصطلاحِ شریعت میں حج کے مناسک (فرائض) ادا کرنے کی غرض سے بیت اللہ کا قصد کرنا ہے (اور مناسک حج کو سنتِ نبوی ﷺ کے مطابق ادا کرنا ہے)۔ (مفردات القرآن، راغب اصفہانی)

ارکانِ اسلام میں آخری رکن حج ہے، یہ ہر مسلمان پر مرد ہو یا عورت، زندگی میں کم از کم ایک بار فرض ہے بشرطیکہ وہ ذہنی، مالی اور جسمانی طور پر اس کی صلاحیت رکھتا ہو، وہ مسلمان مرد یا عورت جو بالغ و عاقل ہے، اس کی صحت خاصی اچھی ہے اور مالی طور پر اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرتے ہوئے حج کے مصارف برداشت کرسکتا ہے، اسے زندگی میں کم از کم ایک حج ضرور کرنا چاہیے۔ مالی حیثیت محفوظ اور مضبوط ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنے ذمہ واجب قرضوں کو ادا کر سکے اور اس کے پاس اتنا مال ضرور ہو کہ اس کے اپنے اور اپنے زیرِ کفالت لوگوں کے اخراجات اس کی حج سے واپسی تک کی مدت کے لیے کافی ہوں۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں آتا ہے:

﴿وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ (آل عمران:۳/۹۷)

”لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی (مالی وجسمانی) استطاعت رکھتا ہو وہ حج کے لیے جائے۔“

رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((مَنْ لَمْ يَحْبِسْهُ مَرَضٌ اَوْ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ اَوْ سُلْطَانٌ جَابِرٌ وَلَمْ يَحُجَّ فَلْيَمُتْ اِنْ شَاءَ يَهُوْدِيًّا اَوْ نَصْرَانِيًّا)) (السنن الکبریٰ، جلد ٤، باب اِمکانِ الحج)

”جسے کسی بیماری نے یا کسی واقعی ضرورت نے یا کسی ظالم حکمران نے روک نہ رکھا ہو اس کے باوجود وہ حج نہ کرے، تو چاہے وہ یہودی مرے چاہے نصرانی۔“

اس کے برعکس اس شخص کے بارے میں جس نے اس فریضہ کو ٹھیک ٹھیک ادا کیا یہ خوشخبری سنائی

گئی ہے:

((اَلْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهٗ جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّةَ)) (مسلم، کتاب الحج)

''مقبول حج کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں۔''

پھر ایسے حج کے بعد نئی زندگی کے آغاز کا یہ مژدۂ جانفزا بھی ملتا ہے:

((مَنْ حَجَّ هٰذَا الْبَيْتَ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَمَا وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ)) (بخاری)

''جس نے اس گھر کا حج کیا اور اس دوران اس نے نہ تو کوئی شہوانی حرکت کی نہ کسی معصیت کا ارتکاب کیا، وہ جب حج کر کے لوٹتا ہے تو ایسا ہوتا ہے گویا آج ہی پیدا ہوا ہے۔'' (بخاری، مسلم، بحوالہ ریاض الصالحین)

بیت اللہ کو مرکز کیوں بنایا گیا؟ کعبہ کی تعمیر اور اس کی حیثیت کیا ہے؟ حج کا اتنا بڑا اجر وثواب کیوں رکھا گیا ہے؟ فریضۂ حج مسلمانوں میں کیا انقلاب پیدا کرتا ہے؟

کعبہ کی تعمیر اور اس کی حیثیت:

کعبہ کی تعمیر آج سے تقریباً ساڑھے چار ہزار برس پہلے سیدنا ابراہیم اور ان کے فرزند ارجمند سیدنا اسماعیل علیہما السلام کے مبارک ہاتھوں سے ہوئی تھی، جس کا قرآن اس طرح ذکر کرتا ہے:

﴿وَ اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ○ رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (البقرہ:۱۲۷/۲-۱۲۹)

''اور یاد کیجیے! ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ جب اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے (تو لبوں پر یہ ترانہ جاری وساری تھا) اے ہمارے رب! ہم سے یہ خدمت قبول فرما لیجیے، آپ تو سب کی سنتے اور سب کچھ جانتے والے ہیں، اے رب! ہم دونوں کو اپنا مسلم (مطیع فرمانبردار) بنا، ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا جو آپ کی مسلم (مطیع اور فرمانبردار ہو)

ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما، آپ یقیناً بڑے ہی معاف فرمانے والے اور رحم فرمانے والے ہیں، اے ہمارے رب! ان لوگوں میں خود انہی کی قوم سے ایک رسول اٹھا جو انہیں آپ کی آیات سنائے، اُن کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور اُن کی زندگیاں سنوارے، آپ یقیناً مقتدر اور حکیم ہیں۔''

مندرجہ بالا آیات سے چند حکمت کی باتیں ہمارے سامنے آتی ہیں:

سب سے اہم بات سیدنا ابراہیمؑ اور سیدنا اسماعیلؑ کی بیت اللہ کی تعمیر کے وقت پر خلوص دعا ہے جو کہ ہر مسلم اور مومن کے دل کی آواز ہے، سید قطب شہیدؒ لکھتے ہیں: ''دعا کا نغمہ، دعا کا ترنم، دعا کی فضا سب کی سب سامنے موجود ہے وہ حاضر ہیں، گویا وہ اس وقت زندہ ومتحرک سب سامنے موجود و حاضر ہیں، گویا وہ اس وقت زندہ ومتحرک ہماری آنکھوں کے سامنے وقوع پذیر ہیں...... یہ قرآن کے حسین وجمیل طرز ادا کی اہم خصوصیت ہے، وہ آنکھوں سے اوجھل گزرے ہوئے منظر کو اس طرح سامنے لے آتا ہے کہ آنکھوں کو نظر آتا، کانوں کو سنائی دیتا اور متحرک و محسوس معلوم ہوتا ہے۔ گویا زندگی اس سے پھوٹی پڑ رہی ہو، یہی ''فنی تصویر کشی'' کی یہ ایک خصوصیت ہے جو دائمی کتابِ الٰہی کے شایانِ شان ہے۔

ب) دعا کے بین السطور کیا ہے؟ نبوت کا ادب، نبوت کا ایمان، کائنات میں عقیدے کی قیمت، نبوت کا شعور، قرآن اسی ادب اسی ایمان اور اسی شعور کی تعلیم وارثینِ انبیاء کو دیتا ہے اور ان کے قلوب و احساسات کی گہرائیوں میں ان الفاظ کے ذریعے اتارنا چاہتا ہے۔

ج) اس دعا میں ﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ﴾ یہ قبولیت کی درخواست ہے، یہی عمل کی غایت ہے، عمل خالصۃً اللہ کے لیے ہے، اس عمل کے ذریعے خشوع وخضوع اور انابت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رخ کیا گیا ہے۔ اس عمل سے جس سے آخری مقصد کے حصول کی امید ہے، وہ اللہ کی رضا اور قبولیتِ حق ہے اور قبولیت کی امید اس حقیقت سے وابستہ ہے کہ اللہ دعاؤں کا سننے والا اور عمل کے پیچھے جو نیت اور شعور ہے اسے جاننے والا ہے۔

د) ﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ ...... اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ﴾ یہ دعا اسلام کی طرف

رہنمائی کے لیے اللہ کی مدد کی توقع ہے، یہ اس بات کا شعور ہے کہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں یہ کہ ہدایت اللہ ہی کی ہدایت ہے اور یہ کہ اللہ کی مدد کے بغیر نہ کوئی قوت کارآمد ہے اور نہ کوئی تدبیر، اللہ کے بندے اسی کی مدد اور اسی کے سہارے کامیاب و بامراد ہوتے ہیں۔

ر) ﴿وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ﴾ اس دعا سے واضح ہوتا ہے کہ قلبِ مومن کو کس بات کی فکر ہوتی ہے، یہ عقیدہ ہے جو اس پر چھایا رہتا ہے اور سب سے زیادہ اور سب سے پہلے مومن کو اسی کی فکر ہوتی ہے، سیدنا ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کو اللہ نے جو نعمت..... ایمان کی نعمت، عطا فرمائی تھی، اس کے شعور نے انہیں مجبور کیا کہ وہ اپنی نسل کے لیے بھی اس نعمت کے حریص ہوں اور اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ ان کی ذُریّت کو اس نعمت سے محروم نہ رکھے جس کے برابر حقیقت میں کوئی نعمت نہیں۔ ان بزرگوں نے اس سے قبل اپنے رب سے دعا کی تھی کہ وہ ان کی ذریت کو پیداوار (ثمرات) کا پاکیزہ رزق عطا فرمائے، اب انہوں نے فراموش کیے بغیر اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ وہ اُن کی نسل کو ایمان کی نعمت سے بھی نوازے، انہیں مناسکِ حج اور اپنی عبادت کے طریقے بتائے اور سکھائے اور ان کی لغزشوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرمائے، اس لیے کہ بندوں کو معاف کرنا اور ان کی توبہ قبول کرنا اس کی رحمت اور فضل کی بات ہے، وہ انتہائی کریم اور مہربان ہے۔

ز) ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا .... اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ سیدنا ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کی دعا کی قبولیت ہی کا ثمرہ تھا کہ صدیوں بعد ان دونوں کی نسل سے خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی جو انہیں اللہ کی آیات سناتے، کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے اور ان کا تزکیہ کرتے، غور کیجیے کہ سیدنا ابراہیمؑ اور سیدنا اسماعیلؑ نے اپنی دعا میں جن پاکیزہ کلمات کا اظہار کیا، ربِ کریم نے ان کلمات کو شرفِ قبولیت سے نوازا اور اس طرح ارشاد فرمایا:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾

(آل عمران:٣/ ١٦٤)

’’درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود اُن ہی سے ایک ایسا رسول اٹھایا جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے، اُن کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔‘‘

س) تلاوتِ آیات، اُن آیات کا ٹھوس اور مضبوط علم، احکام کی حکمت و بصیرت اور اس کی روشنی میں زندگی کو طہارت اور پاکیزگی سے آراستہ کرنا، یہ وہ بلند مقاصدِ حیات ہیں جن کی طرف رب العالمین کی عظیم کتاب نے ہماری رہنمائی کی ہے اور ہمارے مکاتب و مدارس، سکولوں اور یونیورسٹیوں میں طلبا کی تعلیم و تربیت میں یہی ہدف پیشِ نظر رہنا چاہیے، افسوس کہ مسلمانوں نے قرآنِ حکیم کی پاکیزہ اور بلند تعلیمات کو نظر انداز کر رکھا ہے، اسی وجہ سے وہ ذلت وخواری کا شکار ہو رہے ہیں۔

بیت اللہ کی جگہ کا تعین اور مقصد:

سیدنا ابراہیم کو جہاں بیت اللہ کی تعمیر کا حکم ہوا، وہاں جگہ کا تعین بھی کر دیا گیا اور پھر اس تعمیر کا مقصد بھی بتا دیا گیا۔

ارشاد ہوا:

﴿وَ اِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّ طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْقَآئِمِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ﴾ (الحج:۲۵/۲۶)

یاد کیجئے اُس وقت کو جبکہ ہم نے ابراہیمؑ کے لیے اس گھر (بیت اللہ) کی جگہ تجویز کی تھی (اس ہدایت کے ساتھ) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں، قیام کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک و صاف رکھو۔‘‘

اللہ تعالیٰ کے اس گھر کو توحید سے معمور کیا جائے، شرک اور بت پرستی کا خاتمہ کیا جائے، اس کے گھر کی صفائی اور پاکیزگی کا خیال رکھا جائے تاکہ اس گھر میں نماز پڑھنے والوں کو یکسوئی اور اطمینان

حاصل ہو اور وہ دلجمعی سے اپنے رب کی عبادت کا حق ادا کرسکیں اور اسی حکم کے تحت دنیا کی تمام مساجد آجاتی ہیں۔ بیت اللہ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ دنیا بھر کے مسلمان جو حج کی غرض سے یہاں آتے ہیں اللہ تعالیٰ کی کبریائی وعظمت بیان کرتے ہوئے اس کا طواف بھی کرتے ہیں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے حج کے لیے آواز کو بلند کیا

اللہ کا حکم ہوتا ہے:

﴿وَ اَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ یَاۡتُوۡکَ رِجَالًا وَّ عَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاۡتِیۡنَ مِنۡ کُلِّ فَجٍّ عَمِیۡقٍ﴾ (الحج:۲۲/۲۷)

''(اے ابراہیمؑ!) اورلوگوں میں حج کی منادی کیجیے،لوگ آپ کے پاس پیادہ بھی آئیں گے اور دبلے پتلے اونٹوں پر بھی (دنیا کی) دور دراز کی تمام راہوں سے آئیں گے۔''

یہ وہ زمانہ تھا جب نہ تارِ برقی تھی اور نہ لاسلکی، نہ ٹیلی فون اور نہ موبائل ہی، مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے مکہ کے پہاڑ کی چوٹی سے بلند ہونے والی یہ نحیف ونزار آواز دنیا کے کونے کونے تک پہنچی، جس کا مشاہدہ موسم حج میں کیا جا سکتا ہے اورعمرہ کرنے والوں کا تو سارا سال تانتا بندھا رہتا ہے، خصوصاً رمضان المبارک میں تو حج کا سماں نظر آتا ہے، ہر رنگ اور ہر نسل کے لوگ ہر خطۂ زمین سے بحری و ہوائی سفر کر کے، بسوں اور کاروں میں وہاں پہنچتے ہیں جن کی زبانیں مختلف، قد کاٹھ جدا جدا مگر عقیدہ اور ایمان کی یکسانیت نے انہیں بھائی بھائی بنا دیا ہے اور سب اسلام کا عطا کردہ پاکیزہ کلمات والا سلام ایک دوسرے کو پیش کرتے ہیں ''اَلسلامُ عَلَیْکُمْ ورحمة اللّٰہ و برکاتہٗ'' اور جواب میں اس کا بھائی ''وَ عَلَیْکُمُ السلام و رحمة اللہ و برکاتہٗ'' کہتا ہے، ایک دوسرے کی زبانیں نہ جاننے کے باوجود انس ومحبت کی فضا میں گھل مل جاتے ہیں سب کے چہروں پر مسکراہٹ اور چاہت کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، بقولِ مولانا ابوالکلام آزاد ''حج کے اس فریضہ نے ملکوں کو اکٹھا کر دیا ہے، قوموں کو جوڑ دیا،نسل اور زبان و مکان کے سارے تفرقے دور کر دیے، گورے کو کالے کے ساتھ اور بادشاہ کوفقیر بے نوا کے ساتھ ایک ہی مقام میں، ایک ہی وضع ولباس میں، ایک ہی صورت و اعتقاد کے ساتھ، اس طرح جمع کر دیا کہ انسانی گمراہی کے بنائے ہوئے سارے امتیازات مٹ گئے، انسانی

اخوت و وحدت اپنی اصل صورت میں بے نقاب ہوگئی۔'' (ارکانِ اسلام)

اور اسی اتفاق و اتحاد کی ربِ کریم کی مسلمانوں سے طلب ہے، پانچ وقت کی نماز اہل بستی اور اہل محلّہ کو ایک صف میں کھڑا کر دیتی ہے، جمعۃ المبارک کی جامع مساجد میں دور و نزدیک کے مسلمانوں کا اجتماع ہوتا ہے، عیدین کی نماز میں شہر اور نواحی علاقے کے لوگ کھلے میدان میں جمع ہو جاتے ہیں۔ اور حج عالمِ اسلام کے لوگوں کو میدانِ عرفات میں اکٹھے ہونے کا موقع عطا کرتا ہے اور یہی رب کریم کا حکم ہے۔

﴿وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا﴾ (آل عمران:۳/۱۰۳)

''(مسلمانو!) سب مل کر اللہ کی رسی (قرآن) کو مضبوط تھام لو (اس کی تعلیمات کو سنت کی پیروی میں حرزِ جاں بنالو) اور تفرقہ میں نہ پڑو۔

آج سب کے لباس یکساں ہیں اور سب کی زبانوں پر ایک ہی ترانہ جاری و ساری ہے:

﴿لَبَّيْكَ، اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ، وَ الْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ﴾

''اے اللہ! میں حاضر ہوتا ہوں، تیری ہی پکار پر حاضر ہوں، حاضر ہوں (دل و جان) کی اس آواز کے ساتھ کہ تیرا کوئی شریک نہیں اور اسی صدا کے ساتھ تیرے پاس حاضر ہوں بلاشبہ ہر تعریف اور ہر نعمت اور یہ ملک (اور پوری کائنات کی بادشاہت) پر صرف اور صرف تیرا ہی قبضہ ہے اور (میں گواہ ہوں اور صدقِ دل سے اس بات کی گواہی دیتا ہوں) کہ تیرا ہرگز کوئی شریک نہیں۔

حج کے عظیم مقاصد:

ربِ کریم نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

﴿لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ﴾ (الحج:۲۲/۲۸)

''(مسلمان) اُن فوائد پر بھی نگاہ رکھیں جو ان کے لیے (اس مبارک سفر میں) رکھے گئے ہیں۔''

قرآنِ حکیم کی بات مختصر ہوتی ہے مگر کوزے میں دریا بند کے مصداق ہوتی ہے، یہ فوائد کیا ہیں؟

۱- یہ اسلام کی آفاقیت اور مسلمانوں کی اخوت و مساوات کا ایک صحت مند مظاہرہ ہے۔

۲- عالمِ اسلام کے مسلمانوں کو مل بیٹھنے کا سنہری موقع ملتا ہے۔ اسلامی ملکوں کے نمائندے اپنی معاشی، معاشرتی، تعلیمی اور سیاسی مسائل ایک دوسرے کے سامنے رکھیں اور مل کر اس کا کوئی حل تجویز کریں۔

۳- اس وقت ہنود و یہود مسلمانوں کے درپے آزار ہیں ان کا مقابلہ کرنے کے لیے اجتماعی قیادت اور فوج کی زبردست ضرورت ہے، اس کے دفاع کے لیے اپنی طاقت کو مجتمع کریں۔

۴- طلبا کی تعلیم و تربیت کی راہ ایک دوسرے کے ملکوں کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ہموار کی جائے۔

۵- اسلامی بلاک کے باہم مشورہ سے ایک قائد منتخب کیا جائے جو قائدانہ صلاحیت کا مالک ہو اور ہر ملک کے نمائندے اس کے مشیر ہوں جن کی میٹنگ کسی بھی ملک میں کسی وقت منعقد کی جا سکے۔ ان کے مثبت فیصلوں کو ہر ملک دل و جان سے تسلیم کرے۔

یہی حج کے عظیم فوائد ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دے اور اسلامی عبادات کے عظیم ثمرات سے ہمیں بہرہ ور فرمائے۔ آمین

کلمہ طیبہ:

﴿اَلَمْ تَرَ کَیْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا کَلِمَةً طَیِّبَةً کَشَجَرَةٍ طَیِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ○ تُؤْتِیْٓ اُکُلَهَا کُلَّ حِیْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا﴾ (ابراھیم:۱٤/۲٤،۲۵)

''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کلمۂ طیبہ کی مثال کس طرح بیان فرمائی ہے؟ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک پاکیزہ درخت جس کی جڑ زمین میں گہری جمی ہوئی ہے اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں، ہر آن وہ اپنے رب کے حکم سے اپنے پھل دے رہا ہے۔''

''کلمۃ طیّبہ'' یعنی کلمہ ایمان و توحید ''اَصْلُهَا ثَابِتٌ'' یعنی اس کی جڑ زمین میں خوب مضبوط ہے، کلمۂ توحید و ایمان کی بھی اسی طرح ایک جڑ ہوتی ہے یعنی عقیدۂ صحیح جو قلبِ مومن میں راسخ رہتا ہے ''وَ فَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ'' اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں، یعنی کلمۂ توحید کی شاخیں وہ اعمالِ حسنہ ہیں جو ایمان پر مرتب ہوتے ہیں اور بارگاہِ قبولیت میں آسمان کی طرف لے جاتے ہیں ....کلمۂ

حق کا بول بالا دنیا میں بھی رہتا ہے اور آخرت میں بھی "تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا" ہر آن وہ اپنے رب کے حکم سے اپنے پھل دے رہا ہے (اور اس کا کوئی پھل کسی فصل میں بھی ضائع نہیں جاتا) ایمان اور اعمالِ صالحہ پر رضائے الٰہی کا ثمرہ اسی طرح دائماً مرتب ہوتا رہتا ہے۔ کہ اس کے کبھی ضائع جانے کا احتمال نہیں۔ (تفسیرِ ماجدی)

اسی حقیقت کو قرآن اس طرح بیان کرتا ہے:

﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ﴾

(ابراھیم:١٤/٢٧)

"ایمان لانے والوں کو اللہ تعالیٰ ایک قول ثابت (ایمان پر مضبوط رہنے) کی بنیاد پر دنیا اور آخرت، دونوں میں ثبات عطا کرتا ہے۔"

صاحبِ احسن البیان لکھتے ہیں:

موت کے بعد بھی استقامت:

"اس کی تفسیر حدیث میں اس طرح آتی ہے کہ "موت کے بعد قبر میں جب مسلمان سے سوال کیا جاتا ہے، تو وہ جواب میں اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، پس یہی مطلب، اللہ کے اس فرمان ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ کا۔ (صحیح بخاری بحوالہ، احسن البیان)

ایک اور حدیث میں ہے کہ "جب بندے کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی چلے جاتے ہیں اور وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے، پس اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے اٹھا کر اُس سے پوچھتے ہیں کہ اس شخص کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ وہ مومن ہوتا ہے تو جواب دیتا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، فرشتے اسے جنت اور جہنم دونوں دکھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ نے تیرے لیے جنت میں ٹھکانہ بنا دیا ہے اور اس کی قبر ستر ہاتھ کشادہ کر دی جاتی ہے اور اُس قبر کو قیامت تک نعمتوں سے بھر دیا جاتا ہے۔ (صحیح مسلم بحوالہ احسن البیان)

ایک اثر میں ہے، اس سے پوچھا جاتا ہے ''مَنْ رَبُّكَ؟، مَا دِيْنُكَ؟، مَنْ نَبِيُّكَ؟'' تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے اور تیرا پیغمبر کون ہے؟ پس اللہ تعالیٰ اسے ثابت قدمی عطا فرماتا ہے اور وہ جواب دیتا ہے رَبِّیَ اللّٰهُ (میرا رب اللہ ہے) وَ دِیْنِیَ الْاِسلامُ (میرا دین اسلام ہے) وَ نَبِیِّی مُحَمَّدٌ ﷺ (اور میرا پیغمبر محمد ﷺ)۔

''کلمۂ طیّبہ'' پر اہلِ ایمان کی استقامت اور موت کے وقت خوشخبری کو قرآن اس طرح بیان کرتا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ○ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ○ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ﴾ (حٰمٓ السجدہ: ٤١/٣٠-٣٢)

''جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہی ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے، یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ ''نہ ڈرو، نہ غم کرو اور خوش ہو جاؤ اُس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی، وہاں (جنت میں) جو کچھ تم چاہو گے تمہیں ملے گا اور ہر چیز جس کی تم تمنا کرو گے وہ تمہاری ہو گی، یہ ہے سامانِ ضیافت اُس ہستی کی طرف سے جو غفور اور رحیم ہے۔''

اس آیتِ مبارکہ پر سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

''یعنی محض اتفاقاً کبھی اللہ کو اپنا رب کہہ کر نہیں رہ گئے اور نہ اس غلطی میں مبتلا ہوئے کہ اللہ کو اپنا رب کہتے جائیں اور ساتھ ساتھ دوسروں کو اپنا رب بھی بناتے جائیں بلکہ ایک مرتبہ یہ عقیدہ قبول کر لینے کے بعد پھر ساری زندگی اس پر قائم رہے، اس کے خلاف کوئی دوسرا عقیدہ اختیار نہ کیا نہ اس عقیدے کے ساتھ کسی باطل عقیدے کی آمیزش کی، اور اپنی عملی زندگی میں بھی عقیدۂ توحید کے تقاضوں کو پورا کرتے رہے۔ (مختصر حواشی)

پھر زندگی کے ہر ہر شعبے میں خواہ وہ سیاسی ہو یا معاشی، انفرادی ہو یا اجتماعی احکامِ الٰہی کو دل و جان سے ماننا اور اسوۂ رسولؐ کی روشنی میں ان پر عمل پیرا ہونا ہی حقیقت میں اللہ کو اپنا رب ماننا ہے اور یہی ایمان اور یقین کا راستہ ہے۔ اس لیے حکم ہوتا ہے:

﴿يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ (البقرہ:۲/۲۰۸)

''اے ایمان لانے والو! تم پورے کے پورے اسلام میں آ جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

''یعنی کسی استثنا اور تحفظ کے بغیر اپنی پوری زندگی کو اسلام کے تحت لے آؤ، ایسا نہ ہو کہ تم اپنی زندگی کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے بعض حصوں میں اسلام کی پیروی کرو اور بعض حصوں کو اس کی پیروی سے مستثنیٰ کر لو۔'' (مختصر حواشی)

اس طرح زندگی گزارنے والوں کے لیے زبردست وعید ہے:

﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ (البقرہ:۲/۸۵)

''تو کیا تم کتاب کے ایک حصے پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصے کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ پھر تم میں سے جو لوگ ایسا کریں اُن کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار ہو کر رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیئے جائیں (یاد رکھو!) اللہ اُن اعمال سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو۔''

مطمئن نفس:

ارشاد ہوتا ہے۔

﴿يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِيْ فِيْ

عِبٰدِیْO وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ﴾ (الفجر:۸۹/۲۷-۳۰)

''اے نفسِ مطمئن! لوٹ اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو (اپنے انجامِ نیک سے) خوش (اور اپنے رب کے نزدیک) پسندیدہ ہے، شامل ہو جا میرے (نیک) بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔''

سید قطب شہید لکھتے ہیں:

''یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ'' اے مطمئن جان! کس قدر روحانیت اور اعزاز و اکرام ہے! کس تعریف اور سکون سے لبریز کلمات ہیں......

''ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ'' اپنے رب کی طرف لوٹ آ ......قید و بند کی اس فضا کے بیچ کس قدر آزادی اور نرمی ہے!...... ہاں! زمین سے اپنے سفر اور اپنے گھوارے سے اپنی جدائی کے بعد، اُس ہستی کی طرف لوٹ آ، جہاں سے تیری زندگی کا آغاز ہوا تھا...... ''رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً'' تو اسی ربِ کریم سے خوش، وہ تجھ سے خوش!......لوٹ آ اپنے رب کے پاس، اُس تعلق، معرفت اور نسبت کے ساتھ جو تیرے اور تیرے رب کے مابین ہے......

''فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ'' آ میرے بندوں میں شامل ہو جا ...... میری آغوشِ رحمت میں آ جا ...... اس محبت و شفقت میں، جو اِن آیاتِ مبارکہ میں ہے، جنت کی ہوائیں آغاز ہی میں چل رہی ہیں۔

''یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ'' کی ندا سے آغاز ہوتا ہے۔''مطمئن جان! وہ جان جو اپنے رب سے مطمئن ہے...... جو اس کے راستہ سے مطمئن ہے، جو اللہ کی قضا و قدر سے مطمئن ہے...... جو راحت و مصیبت، رزق کی فراخی و تنگی، اللہ تعالیٰ کے دینے اور نہ دینے، ہر حال میں مطمئن ہے، مطمئن ہے اس لیے کہ یہ پاکیزہ روح شک و شبہ میں مبتلا نہیں ہوتی...... مطمئن ہے اس لیے کہ یہ راہِ راست سے منحرف نہیں ہوتی...... مطمئن ہے اس لیے کہ راستہ میں ٹھٹک کر کھڑی نہیں ہوتی...... مطمئن ہے تو قیامت کے ہولناک اور پرخوف دن میں ہراساں اور خائف نہیں ہوتی...... یہ ندا ہے، اس کے بعد جو آیات آتی ہیں ان سے

ساری فضا امن، رضا، خوشنودی اور طمانیت سے بھر جاتی ہے۔ ساتھ ہی آیات کا خنک اور نرم رو ترنّم محبت، قرب اور سکینت کی لہریں بکھیرتا ہے۔

ہاں یہ جنت ہے! یہ اپنے خنک اور خوشگوار انفاس کے ساتھ ان آیات کے بیچ جھلکتی ہے اور اللہ تعالیٰ، رحمٰن و رحیم کی بزرگ اور حسین وجمیل تجلیات اُس پر انوار بکھیر رہی ہیں۔

(فی ظلال القرآن)

ایسے مطمئن اور پرسکون نفس کے حصول کے لیے جناب محمد رسول اللہ ﷺ اپنے رب کے حضور اس طرح گویا ہوتے ہیں:

قیمتی دعا:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَسۡأَلُكَ نَفۡسًابِكَ مُطۡمَئِنَّةً، تُؤۡمِنُ بِلِقَائِكَ وَ تَرۡضٰى بِقَضَآئِكَ وَ تَقۡنَعُ بِعَطَآئِكَ)) (ابن کثیر بحوالہ احسن البیان)

”اے اللہ! میں آپ سے مطمئن نفس کا طلبگار ہوں جس کو آپ کی ملاقات پر یقین ہو، جو آپ کی لکھی ہوئی قسمت پر راضی رہے اور آپ کی عطا پر قائم رہے۔“

اے اللہ! مجھے اور میرے قارئین کو نفس مطمئن عطا فرما۔ آمین!

کلمہ طیبہ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوۡلُ اللّٰهِ یعنی اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہی میں کامیابی کا راستہ ہے۔ جناب خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ سے پہلے جتنے رسول آئے اس پیغامِ توحید کے ساتھ آئے، رب کریم کا ارشاد ہے:

﴿وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ﴾

(الانبیاء: ۲۱/ ۲۵)

”اور ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھی بھیجا ہے اس کو یہی وحی کی ہے کہ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔“

عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ کا نبی عبادت کرتا ہے اسی

طرح عبادت کرنے میں ہی قبولیت کا درجہ ملتا ہے۔

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (آل عمران:۳/۳۱)

''(اے نبیؐ) لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو (زندگی کے ہر معاملہ میں) میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا (اور لازوال انعامات سے نوازے گا)۔''

اللہ تعالیٰ کون ہے؟

قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں مکمل طور پر پہچان کرا دی گئی ہے۔

وہ ہر چیز کا خالق ہے:

ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيلٌ﴾ (الزمر:۳۹/۶۲)

''اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔''

حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

''یعنی ہر چیز کا خالق بھی وہی ہے اور مالک بھی وہی، وہ جس طرح چاہے تصرف اور تدبیر کرے، ہر چیز اس کے تحت اور زیرِ تصرف ہے، کسی کو سرتابی یا انکار کی مجال نہیں، وکیل بمعنی محافظ اور مدبّر ہر چیز اس کے سپرد ہے اور وہ بغیر کسی کی مشارکت کے اُن کی حفاظت اور تدبیر کر رہا ہے۔'' (احسن البیان)

اس نے انسان کو پیدا کیا اور بولنا سکھایا:

﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ، عَلَّمَهُ الْبَيَانَ﴾ (الرحمٰن: ۵۵/۳،۴)

''اسی نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا۔''

قرآن حکیم کا ہر بیان سادہ فطری دلنشین اور اٹل حقیقت پر مبنی ہوتا ہے۔ غور کیجیے کہ قوتِ بیان کی

خصوصیت سے بے شمار مخلوقات میں صرف انسان کو اس نعمت سے نوازا گیا ہے۔

''اس بیان سے مراد ہر شخص کی اپنی مادری بولی ہے جو بغیر سیکھے از خود ہر شخص بول لیتا ہے اور اس میں اپنے ما فی الضمیر کا اظہار کر لیتا ہے، حتیٰ کہ وہ چھوٹا بچہ بھی بولتا ہے جس کو کسی بات کا علم اور شعور نہیں ہوتا، یہ اس تعلیم الٰہی کا نتیجہ ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ (احسن البیان)

بلکہ قوتِ گویائی سے بڑھ کر انسان کو علم و حکمت، قلم و قرطاس اور پڑھنے لکھنے کی نعمت سے بھی بہرہ ور فرمایا اور اس لحاظ سے یہ تمام مخلوقات میں ممتاز نظر آتا ہے

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ﴾ (العلق:۹۶/۱-٤)

''پڑھیے (اے نبیؐ) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی، پڑھیے اور آپ کا رب تو بڑا ہی کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا اور انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔''

اس روشن حقیقت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جہاں بولنے کی قوت عطا فرمائی وہاں پڑھنے لکھنے اور علم و دانش کی نعمت سے بھی وافر حصہ عطا فرمایا، کہ وہ قلم و قرطاس کے ذریعے دعوتِ حق کو پھیلا سکے اور یہ بات اس کے لیے صدقہ جاریہ بن جائے اور آج تک کتنے داعیانِ حق نے قلم کے ذریعے سے موتی بکھیرے ہیں جن کی چمک دمک سے بے شمار لوگوں کو روشنی ملی ہے۔

''کچھ علم تو انسان کے ذہن میں ہوتا ہے، کچھ کا اظہار زبان کے ذریعے سے ہوتا ہے اور کچھ انسان قلم سے کاغذ پر لکھ لیتا ہے، ذہن و حافظہ میں جو ہوتا ہے، وہ انسان کے ساتھ ہی چلا جاتا ہے، زبان سے جس کا اظہار کرتا ہے وہ بھی محفوظ نہیں رہتا۔ البتہ قلم سے لکھا ہوا، اگر وہ کسی وجہ سے ضائع نہ ہو تو وہ ہمیشہ محفوظ رہتا ہے۔ اس قلم کی بدولت تمام علوم، پچھلے لوگوں کی تاریخیں اور اسلاف کا علمی ذخیرہ محفوظ ہے، حتیٰ کہ آسمانی کتابوں کی حفاظت کا بھی ذریعہ ہے، اس سے قلم کی اہمیت محتاجِ وضاحت نہیں رہتی، اسی لیے، اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس کو تمام مخلوقات کی تقدیر لکھنے کا حکم دیا۔ (احسن البیان)

پھر انسان کو اپنے وجود پر غور وفکر کرنے سے ربِ کائنات کی قدرت کا پتہ چلتا ہے اور اس کی معرفت نصیب ہوتی ہے یہ شکل وصورت میں دوسری تمام مخلوقات میں ممتاز ہونا اس کے لیے عزت و تکریم کا باعث ہے۔

الاستاذ محمد علی الصابونی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے بنی نوعِ انسان کو بہترین شکل وصورت، عمدہ صفات و عادات مناسب قد و قامت، علم وفہم سے آراستہ، عقل وشعور سے پیراستہ اور نطق وکلام سے بہرہ ورفرمایا ہے۔

(صفوةُ التفاسير)

انسان پر اپنے انعام کو اس طرح بھی بیان فرمایا:

﴿وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا﴾ (بنی اسرائیل: ۱۷/ ۷۰)

"یہ تو ہماری عنایت ہے کہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی وتری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔"

یہ وہ حقائق ہیں جنہیں کوئی ذی شعور اور عقلمند نہیں جھٹلا سکتا۔

یہ شرف اور فضل بہ حیثیتِ انسان ہر شخص کو حاصل ہے۔ چاہے مومن ہو یا کافر کیونکہ یہ شرف دوسری مخلوقات، حیوانات، جمادات و نباتات وغیرہ کے مقابلے میں ہے اور یہ شرف متعدد اعتبار سے ہے، جس طرح کی شکل وصورت، قد وقامت اور ہیئت اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کی ہے، وہ کسی دوسری مخلوق کو حاصل نہیں، جو عقل انسان کو دی گئی ہے جس کے ذریعے سے اس نے اپنے راحت و آرام کے لیے بے شمار چیزیں ایجاد کیں، حیوانات وغیرہ اس سے محروم ہیں، علاوہ ازیں اسی عقل سے وہ غلط ومضر اور صحیح، مفید اور حسین وقبیح کے درمیان تمیز کرنے پر قادر ہے، اسی عقل کے ذریعے سے وہ اللہ کی دیگر مخلوقات سے فائدہ اٹھاتا اور انہیں اپنے تابع رکھتا ہے، اسی عقل وشعور سے وہ ایسی عمارتیں تعمیر کرتا، ایسے لباس ایجاد کرتا اور ایسی چیزیں تیار کرتا ہے، جو اسے گرمی کی حرارت سے اور سردی کی برودت سے اور موسم کی دیگر شدتوں سے محفوظ رکھتی ہیں، علاوہ ازیں کائنات کی تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ

نے انسان کی خدمت پر لگا رکھا ہے۔ چاند، سورج، ہوا، پانی اور دیگر بے شمار چیزیں ہیں، جن سے انسان فیض یاب ہو رہا ہے خشکی میں وہ گھوڑوں، خچروں اور گدھوں، اونٹوں اور اپنی تیار کردہ سواریوں (ریلیں، بسیں، ہوائی جہاز، سائیکل اور موٹر سائیکل وغیرہ) پر سوار ہوتا ہے اور اسی طرح سمندر میں کشتیاں اور جہاز ہیں جن پر وہ سوار ہوتا ہے اور سامان لاتا ہے۔ پھر غور کیجیے کہ انسان کی خوراک کے لیے جو غلہ جات، میوے اور پھل اس نے پیدا کئے ہیں اور ان میں جو لذتیں، ذائقے اور قوتیں رکھی ہیں..... انواع و اقسام کے یہ کھانے، یہ لذیذ مرغوب پھل اور یہ قوت بخش اور مفرّح مرکبات و مشروبات اور خمیرہ جات اور معجونات انسان کے علاوہ کسی دوسری مخلوق کو حاصل ہیں؟ (احسن البیان)

قرآنِ حکیم پھر انسان کے دل پر اس طرح دستک دیتا ہے، رب کریم کا فرمان ہے:

﴿فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ۝ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ۝ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۝ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۝ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ۝ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ۝ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ۝ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ۝ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ﴾ (عبس:۸۰/۲۴-۳۲)

”پھر ذرا انسان اپنی خوراک کو دیکھے، ہم نے خوب پانی برسایا پھر پھاڑا زمین کو اچھی طرح، پھر اُس میں اناج اُگائے اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گھنے باغات اور طرح طرح کے پھل اور چارے، تمھارے لیے اور تمھارے مویشیوں کے لیے یہ سامانِ زیست ہے۔“

پھر انسان اچھی طرح غور کرے کہ خوراک کا جو نوالہ اس کے منہ میں جاتا ہے اس پر کسان کی کس قدر محنت ہوئی ہے اور ربِ کریم کے بارانِ رحمت سے وہ فصل کس طرح لہلہاتی ہے، یہ زمین کس نے بچھائی؟ کسان کو کھیت سنوارنے اور بیج بونے کی عقل کس نے عطا کی؟ بادلوں کو ہوا کے دوش پر کون کھینچ کر لایا؟

﴿وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ (الاعراف:۷/۵۷)

''اور وہ اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے آگے خوشخبری لیے ہوئے بھیجتا ہے پھر جب وہ پانی سے لدے ہوئے بادل اٹھا لیتی ہیں تو انہیں کسی مردہ سرزمین کی طرف حرکت دیتا ہے اور وہ مینہ برسا کر (اُس مردہ زمین سے) طرح طرح کے پھل نکال لاتا ہے۔''

دیکھو! اس طرح ہم مُردوں کو حالتِ موت سے نکالتے ہیں، شاید کہ تم اس مشاہدے سے سبق حاصل کرو:

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون
کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب
کون لایا کھینچ کر پچھم سے بادِ سازگار
خاک یہ کس کی ہے؟ کس کا ہے یہ نورِ آفتاب
کس نے بھر دی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب
موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب

قرآن حکیم اپنی کوئی بات زبردستی نہیں منواتا بلکہ وہ بار بار عقل پر دستک دیتا ہے۔

﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ (انسانو!) کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟

﴿اَفَلَا تَتَفَکَّرُوْنَ﴾ کیا تم غور وفکر نہیں کرتے؟

﴿لَا تَشْعُرُوْنَ﴾ تم شعور کو بروئے کار نہیں لاتے ہو۔

اسی طرح وہ کہتا ہے کہ اپنے وجود پر غور کر لو، جسم و جان کے ہر ہر عضو سے رب کائنات کی کاریگری ہویدا ہے۔

﴿وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ○ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾

(الذاریات:۵۱/۱۹-۲۰)

''زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کے لیے اور خود تمہارے اپنے وجود میں ہیں، کیا تمہیں سوجھتا نہیں؟''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کائنات کا خالق و مالک ہے، یہ کارخانہ اسی نے بنایا اور سجایا ہے، عرش سے

فرش تک صرف اور صرف اسی کی حکمرانی ہے، اُس کا کوئی بھی شریک اور سہیم نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی بے شمار اور لاتعداد صفات ہیں جس سے ہمیں اس کی معرفت حاصل ہوتی ہے، کائنات کی ہر چیز پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ اس کا کوئی خالق ہے، قرآن حکیم کے آغاز ہی میں اللہ تعالیٰ کی معرفت کا اس طرح سبق ملتا ہے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

ہر حمد اور ہر شکر اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب، (پالنہار) ہے۔

لفظ ''حمد'' میں تعریف اور شکر دونوں معنی پائے جاتے ہیں۔

تعریف اللہ تعالیٰ کے کمالات پر اور شکر اس کے احسانات پر، اَل کلمہ ''اِسْتِغْرَاق'' ہے، یعنی ہر طرح کی حمد و ثنا اور تمام احسانات پر شکر صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، اگر کسی چیز میں کوئی خوبی ہے تو وہ عطائی ہے، اُس کی اپنی نہیں ہے، اس لیے کہ کائنات کی ہر چیز کو اس نے بنایا اور سنوارا ہے اور اس میں جمال و کمال کا وصف بھرا ہے، حاکم اگر عادل ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ نے اُس کے اندر صفتِ عدل رکھ دی ہے، طبیب اگر حاذق ہے تو اس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ اللہ نے اُسے یہ کمال عطا فرمایا ہے، آفتاب میں حرارت ہے اور ماہتاب میں ٹھنڈک ہے تو یہ اُسی کی کرشمہ سازیاں ہیں، پھولوں میں خوشنمائی اور رعنائی اور پھلوں میں مٹھاس اور مزے ہیں تو اسی کی کاریگری کے نشان ہیں، اس لیے تعریف و ستائش کے لائق صرف اسی کی ذاتِ بابرکات ہے۔

اگرچہ ''الحمدللہ'' میں اللہ تعالیٰ کی تعریف اور شکر کا بیان ہے، لیکن اس میں ایک معجزانہ انداز سے مخلوق پرستی کی بنیاد ختم کر دی گئی ہے اور دلنشیں اور فطری طرز پر توحید کی تعلیم دی گئی ہے۔

انسان کو تمام مخلوقات پر شرف اور برتری عطا کی گئی ہے، یہ بھی رب کریم کی رحمت کا ظہور ہے۔ یہ عزت و عظمت اسے اس لیے ملی ہے کہ اس زمین پر رب کے احکام کو جاری و ساری کرے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اسے فہم و بصیرت کی نعمت سے نوازا بلکہ علم و ادب سے مالا مال فرمایا ہے، تاکہ وہ اَنْفُس و آفاق پر غور و فکر کرے اور اس کے احکام کی پورے شعور کے ساتھ تنفیذ کرے، جب وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ غور و فکر کی نعمت کو کام میں لاتا ہے تو رب کائنات کی معرفت پالیتا ہے۔

﴿وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (آل عمران:۳/۱۹۱)

''(اہلِ عقل) زمین اور آسمانوں کی ساخت پر غور وفکر کرتے ہیں (وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں) پروردگار! یہ سب کچھ آپ نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے، آپ تو ہر (عیب و نقص) سے پاک ہیں اور اس بات سے کہ کوئی چیز عبث بنائے۔ پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لیجیے۔''

اللہ تعالیٰ کا مزید انعام یہ ہوا کہ ہر دور میں انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے ان میں سے اچھے اور پاکیزہ لوگوں کو منتخب فرمایا جن نفوسِ قدسیہ کی زندگیاں دوسروں کے لیے نمونہ بنیں، یہ پاکباز لوگ انبیا و رسل کہلائے، انہیں رب کریم نے ''ہدایت نامہ'' کتاب کی شکل میں عطا فرمایا، ان نیک لوگوں کی اپنی زندگیاں اللہ تعالیٰ کے احکام کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھیں اور وہ لوگوں کو بھی انہیں احکام کی طرف بلاتے تھے۔

دنیا میں ہر قوم اور ہر بستی میں اللہ کے رسول پیغامِ حق کے ساتھ تشریف لاتے رہے یہاں تک خاتم النبیین جنابِ محمد رسول اللہ ﷺ نسلِ انسانیت کی طرف تشریف لائے اور آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی کتاب ''دائمی معجزہ'' قرآنِ حکیم سے نوازا گیا، جس میں اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی معرفت کی آیات جا بجا پھیلی ہوئی ہیں۔ اس میں سے چند قارئین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں۔

اس کی تمام کی تمام صفات اچھی ہی ہیں:

۱) ﴿لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی﴾ (طٰہٰ:۲۰/۸)

''اس کے بہترین نام ہیں (سب اچھی صفات ہیں)۔''

اسی ذات نے پڑھنے کا حکم دیا، پڑھنے کی تعلیم دی:

۲) ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ﴾ (العلق:۹۶/۱)

''پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔''

اُسی نے قلم سے لکھنا سکھایا:

۳) ﴿اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ﴾ (العلق:٩٦/٤)

''جس نے (انسان) کوقلم کے ذریعے علم سکھایا۔''

اسی نے مختلف علوم سے نوازا:

۴) ﴿وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا﴾ (البقرۃ:٢/٣١)

''اور آدم کو اس نے طرح طرح کے علم سے نوازا۔''

یہ کارخانہ بے مقصد اور فضول نہیں ہے:

۵) ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا﴾ (آل عمران: ٣/١٩١)

''اے ہمارے پروردگار (تو نے اس دنیا کو) بے مقصد اور فضول نہیں بنایا۔''

اللہ ہر عیب اور نقص سے پاک ہے:

۶) ﴿سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (آل عمران: ٣/١٩١)

''اے اللہ! تو ہر عیب اور نقص سے پاک ہے، ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔''

وہی سب کو زندگی اور موت دیتا ہے:

۷) ﴿قُلِ اللّٰهُ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یَجْمَعُکُمْ إِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ﴾ (الجاثیة:٤٥/٢٦)

''(اے نبی ﷺ کہہ دیجیے) اللہ ہی تمہیں زندگی بخشتا ہے۔ پھر وہی تمہیں موت دیتا ہے۔ پھر وہی تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا۔''

وہ ہماری حمایت کے لیے کافی:

۸) ﴿فَسَیَکْفِیْکَھُمُ اللّٰهُ﴾ (البقرۃ:٢/١٣٧)

''(دشمنوں کے مقابلے میں) اللہ تمہاری حمایت کے لیے کافی ہے۔''

جسے چاہے حکومت دے:

۹) ﴿تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ﴾ (آل عمران: ٣/٢٦)

''تو جسے چاہے حکومت عطا کردے۔''

جس سے چاہے حکومت چھین لے:

۱۰) ﴿وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ﴾ (آل عمران: ۳/۲٦)

''تو جس سے چاہے حکومت چھین لے۔''

عزت کا اختیار:

۱۱) ﴿وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ﴾ (آل عمران:۳/۲٦)

''اور جسے چاہے تو عزت دے۔''

ذلت دینے پر قادر ہے:

۱۲) ﴿وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ﴾ (آل عمران:۳/۲٦)

''اور جسے چاہے ذلیل کر دے۔''

ہر بھلائی پر اختیار ہے:

۱۳) ﴿بِيَدِكَ الْخَيْرُ﴾ (آل عمران:۳/۲٦)

''اے اللہ! ہر بھلائی تیرے اختیار میں ہے۔''

ہر چیز پر اسے قدرت ہے:

۱۴) ﴿إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (آل عمران: ۳/۲٦)

''اے اللہ! بلاشبہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔''

رات کے بعد دن لاتا ہے:

۱۵) ﴿تُوْلِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ﴾ (آل عمران:۳/۲۷)

''اے اللہ! تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے۔''

دن کو رات میں لے جاتا ہے:

۱٦) ﴿وَ تُوْلِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ﴾ (آل عمران: ۳/۲۷)

''اور دن کو رات میں لے جاتا ہے۔''

بے جان سے جاندار پیدا کرنے والا:

۱۷) ﴿وَ تُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ﴾ (آل عمران: ۳/۲۷)

"بے جان سے جاندار نکالتا ہے۔" (یعنی انسان کو خاک سے پیدا کیا)

جاندار سے بے جان نکالنے والا:

۱۸) ﴿وَ تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ﴾ (آل عمران: ۳/۲۷)

"اور جاندار سے بے جان پیدا کرتا ہے" (یعنی مرغی سے انڈا اور انڈے سے مرغی نکالتا ہے)۔

جسے چاہے بے حساب دیتا ہے:

۱۹) ﴿وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (آل عمران: ۳/۲۷)

"اور اللہ! جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق عطا فرماتا ہے۔"

یہ پھیلی ہوئی کائنات:

۲۰) ﴿تَبْصِرَةً وَّ ذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ﴾ (قٓ: ۵۰/۸)

"یہ ساری چیزیں (یہ کائنات اور اس کی ہر چیز) آنکھیں کھولنے والی اور سبق دینے والی ہیں ہر اس بندے کے لیے جو حق کی طرف رجوع کرنے والا ہو۔"

حکمت اور پاکیزگی عطا کرنے والا:

۲۱) ﴿رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ﴾ (الشعراء: ۲۶/۸۳)

"اے میرے رب! مجھے حکمت عطا کر اور مجھے صالح لوگوں کے ساتھ ملا دے۔"

وہ سب سے بے نیاز ہے:

۲۲) ﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ (الاخلاص: ۱۱۲/۲)

"اللہ سب سے بے نیاز ہے۔" (اور سب اس کے محتاج ہیں)

فریادرس وہی ہے:

۲۳) ﴿اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ﴾ (الانفال: ۸/۹)

"جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اُس نے تمہاری مدد کی۔"

وہ ہر جگہ ہمارے ساتھ ہے:

۲۴) ﴿وَ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ (الحدید: ۵۷/۴)

''وہ تمہارے ساتھ ہے، جہاں بھی تم ہو۔''

وہ تمہارے ہر کام کو دیکھتا ہے:

۲۵) ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ﴾ (الحدید:٥٧/٤)

''اور جو کام بھی تم کرتے ہو، اسے وہ دیکھ رہا ہے۔''

باریک بین باخبر ہے:

۲۶) ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَطِيۡفٌ خَبِيۡرٌ﴾ (لقمٰن:٣١/١٦)

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ باریک بین اور باخبر ہے۔''

قدردان اور بردبار ہے:

۲۷) ﴿وَاللّٰهُ شَكُوۡرٌ حَلِيۡمٌ﴾ (التغابن:٦٤/١٧)

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا ہی قدردان اور بردبار ہے۔''

زندہ و پائندہ ہے:

۲۸) ﴿اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ اَلۡحَىُّ الۡقَيُّوۡمُۚ﴾ (البقرۃ: ٢/٢٥٥)

''اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے، اس کے سوا قطعاً کوئی معبود نہیں ہے جو زندہ اور سب کا تھامنے والا ہے۔''

اُونگھ اور نیند سے مبرا ہے:

۲۹) ﴿لَا تَاۡخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوۡمٌ﴾ (البقرۃ:٢/٢٥٥)

''اسے نہ اونگھ آئے اور نہ نیند۔''

زمین و آسمان کی ہر چیز اس کی ملکیت:

۳۰) ﴿لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ﴾ (البقرۃ: ٢/٢٥٥)

''اس کی ملکیت میں زمین و آسمان کی تمام چیزیں ہیں۔''

سفارش صرف اس کے حکم سے:

۳۱) ﴿مَنۡ ذَا الَّذِىۡ يَشۡفَعُ عِنۡدَهٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ﴾ (البقرۃ: ٢/٢٥٥)

''کون ہے جو اس کی جناب میں اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے؟''

مستقبل اور ماضی کو جانتا ہے:

۳۲) ﴿یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ﴾ (البقرة: ۲/ ۲۵۵)

''جو کچھ بندوں کے سامنے ہے اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے اس سے بھی وہ واقف ہے۔''

۳۳) ﴿وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ﴾ (البقرة:۲/ ۲۵۵)

''اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر (اسی قدر) جتنا وہ چاہے۔''

زمین و آسمان کا بادشاہ:

۳۴) ﴿وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ (البقرة: ۲/ ۲۵۵)

''اس کی حکومت آسمانوں اور زمین پر چھائی ہوئی ہے۔''

وہ قطعاً نہیں تھکتا:

۳۵) ﴿وَ لَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا﴾ (البقرة:۲/ ۲۵۵)

''اور ان کی نگہبانی اس کے لیے کوئی تھکا دینے والا کام نہیں ہے۔''

بلندی اور عظمت والا:

۳۶) ﴿وَ هُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ﴾ (البقرة:۲/ ۲۵۵)

''وہ تو بہت بلند اور عظمت والا ہے۔''

اس کی مثل کوئی نہیں:

۳۷) ﴿لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ﴾ (الشوریٰ ۴۲/ ۱۱)

''(کائنات میں) کوئی چیز اس جیسی نہیں۔''

اللہ کی ذاتی صفات:

۳۸) ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ (الاخلاص:۱۱۲/ ۱-۴)

''(اے محمد ﷺ کہہ دیجیے) وہ اللہ یکتا ہے۔''

۳۹) ﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ ''اللہ سب سے بے نیاز ہے(اور سب اس کے محتاج ہیں)''

۴۰) ﴿لَمْ يَلِدْ﴾ ''نہ اس کی کوئی اولاد ہے۔''

۴۱) ﴿وَلَمْ يُوْلَدْ﴾ ''اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے(اس کی ذات ان باتوں سے پاک ہے)

۴۲) ﴿وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ ''اور کوئی اس کا ہمسر(مدمقابل)نہیں ہے۔''

اسی نے پیدا کیا اور اسی نے رہنمائی فرمائی:

۴۳) ﴿الَّذِىْ خَلَقَنِىْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ﴾ (الشعراء: ٢٦/ ٧٨)

''(میرا رب تو وہ ہے) جس نے مجھے پیدا کیا اور (زندگی میں) میری رہنمائی فرماتا ہے۔''

جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے:

۴۴) ﴿وَالَّذِىْ هُوَ يُطْعِمُنِىْ وَ يَسْقِيْنِ﴾ (الشعراء: ٢٦/ ٧٩)

''جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔''

زندگی اور موت کا مالک:

۴۵) ﴿وَالَّذِىْ يُمِيْتُنِىْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ﴾ (الشعراء: ٢٦/ ٨١)

''جو مجھے موت دے گا اور پھر دوبارہ زندگی بخشے گا۔''

کائنات میں اسی کا حکم جاری وساری ہے:

۵۶) ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ﴾ (الاعراف: ٧/ ٥٤)

''دیکھو! مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کا ہے۔''

بڑا بابرکت:

۵۷) ﴿تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (الاعراف: ٧/ ٥٤)

''بڑا بابرکت ہے اللہ، سارے جہانوں کا مالک و پروردگار۔''

کائنات میں ایک سے زیادہ معبود ہوتے تو؟

۵۸) ﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ (الانبیاء: ٢١/ ٢٢)

''اگر آسمان و زمین میں ایک اللہ کے سوا دوسرے معبود بھی ہوتے تو (زمین و آسمان)

دونوں کا نظام بگڑ جاتا۔ (ہر کوئی اپنی من مانی کرتا)''

اس کا علم ہر غیب پر محیط ہے:

۵۹) ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ﴾ (الانعام:٦/٥٩)

''اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنھیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

خشکی اور تری کی ہر بات کو جانتا ہے:

٦٠) ﴿وَ يَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ (الانعام:٦/٥٩)

''خشکی اور تری میں جو کچھ ہے سب سے واقف ہے۔''

درخت کا جو پتہ بھی گرتا ہے اس کے علم میں ہے:

٦١) ﴿وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا﴾ (الانعام: ٦/٥٩)

''درخت سے گرنے والا کوئی پتہ ایسا نہیں جس کا اسے علم نہ ہو۔''

خشک وتر..... کھلی کتاب میں درج ہے:

٦٢) ﴿وَ لَا حَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ (الانعام:٦/٥٩)

''زمین کے تاریک پردوں میں کوئی دانہ ایسا نہیں جس سے وہ باخبر نہ ہو۔ خشک وتر سب کچھ یک کھلی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔''

دکھ اور خوشی اسی کے پاس ہے:

٦٣) ﴿وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ﴾ (الانعام :٦/١٧)

''اگر اللہ تمہیں کسی قسم کا نقصان پہنچائے، تو اس کے سوا کوئی نہیں جو تمہیں اس نقصان سے بچا سکے۔''

٦٤) ﴿وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (الانعام:٦/١٧)

''اگر وہ تمہیں کسی بھلائی سے بہرہ مند کرے، تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' (اسے کوئی روک نہیں سکتا)

ہر کوئی اس کا محتاج ہے:

٦٥) ﴿وَاللّٰهُ الْغَنِىُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ﴾ (محمد:٤٨/٣٨)

''اللہ تو غنی ہے،تم سب ہی اس کے محتاج ہو۔''

اس کے انعام اَن گنت ہیں:

٦٦) ﴿وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ (ابراهيم:١٤/٣٤)

''اگرتم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہوتو نہیں کر سکتے۔''

اللہ ہمارا محسن ہے:

٦٧) ﴿قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا﴾ (يوسف:١٢/٩٠)

''اللہ نے ہم پر احسان فرمایا ہے۔''

الاسماء الحسنیٰ

الْاَحَدُ ......(یکتا)

٦٨) ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ (الاخلاص:١١٢/١)

''کہہ دیجیے کہ اللہ یکتا ہے۔''

الْاَوَّلُ......

٦٩) ﴿هُوَ الْأَوَّلُ﴾ (الحديد:٥٧/٣)

''وہی اوّل ہے۔'' (وہ ہمیشہ سے ہے،اس سے پہلے کچھ نہ تھا)

الْاٰخِرُ......

٧٠) ﴿وَالْاٰخِرُ﴾ (الحديد:٥٧/٣)

''وہی آخر ہے۔'' (اس کے بعد بھی کوئی چیز نہیں ہوگی، وہ ہمیشہ رہے گا)

الظَّاهِرُ ......

٧١) ﴿الظَّاهِرُ﴾ (الحديد:٥٧/٣)

''وہی ظاہر ہے۔'' (یعنی وہ سب پر غالب ہے)

الْبَاطِنُ......

٧٢) ﴿وَالْبَاطِنُ﴾ (الحديد:٥٧/٣)

"وہ پوشیدہ ہے۔" (یعنی باطن کی ساری باتیں صرف وہی جانتا ہے اور وہ لوگوں کی نظروں سے مخفی ہے۔)

۷۳)﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ (الحدید:۳/۵۷)

"اللہ وہ ہے جو اوّل، آخر، ظاہر، اور باطن ہے اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔"

البر......

۷۴) ﴿اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ﴾ (الطور:۲۸/۵۲)

"وہ (اللہ) ہی بڑا محسن اور رحیم ہے۔"

البصیر ......(نگہبان)

۷۵) ﴿اُفَوِّضُ اَمْرِیْۤ اِلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ﴾ (المؤمن:۹۶/۴۰)

"میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں، وہ اپنے بندوں کا نگہبان ہے۔"

القدوس......(نہایت پاک)

۷۶)﴿يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾

(الجمعة:۱/۶۲)

"آسمان و زمین کی ہر ہر چیز اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی ہے جو بادشاہ نہایت ہی پاک ہے، غالب اور حکمت والا ہے۔"

السلام......(سلامتی والا)

۷۷) ﴿هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ﴾ (الحشر: ۲۳/۵۹)

"وہی بادشاہِ کل، نہایت پاک اور سلامتی والا ہے۔"

الجبار ......(خودمختار)

۷۸)﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ (الحشر:۲۳/۵۹)

"وہ اللہ بادشاہِ کل، نہایت پاک، سب عیوب سے صاف، امن دینے والا، سب کا

نگہبان، سب پر غالب، خود مختار، بڑائی اور عظمت والا، پاک ہے ان باتوں سے جن میں
یہ لوگ اس کا شریک بناتے ہیں۔"

الْحَسِيْبُ......(حساب لینے والا)

۷۹) ﴿وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا﴾ (النساء: ۶/۴)

"اور حساب لینے کے لیے کافی ہے۔"

الْحَفِيْظُ......(حفاظت کرنے والا)

۸۰) ﴿وَ رَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ﴾ (سبا: ۲۱/۲۴)

"اور تیرا رب ہر چیز کی حفاظت کرنے والا ہے۔"

الْحَقُّ......(حق)

۸۱) ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (الحج: ۶/۲۲)

"(مردہ کھیت اس کی رحمت سے سرسبز و شاداب ہو جاتے ہیں) تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہی
حق ہے اور وہ (اسی طرح) مردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

الْحَكِيْمُ......(دانا)

۸۲) ﴿سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾ (البقرۃ: ۲/ ۳۲)

"اے اللہ! نقص سے پاک تو آپ ہی کی ذات ہے۔ ہم تو بس اتنا ہی علم رکھتے ہیں، جتنا
آپ نے ہم کو دیا ہے، حقیقت میں سب کچھ جاننے اور سمجھنے والا آپ کے سوا کوئی نہیں۔"

الْحَلِيْمُ......(بردبار)

۸۳) ﴿قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ﴾ (البقرۃ: ۲۶۳/۲)

"نرم بات کہنا اور معاف کر دینا اس صدقہ و خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد ایذا رسانی
ہو اور اللہ تعالیٰ بے نیاز اور بردبار ہے۔"

الْحَمِيْدُ......(خوبیوں والا)

۸۴) ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴾ (فاطر: ۱۵/۳۵)

''لوگو! تم ہی اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تو بے نیاز، خوبیوں والا ہے۔''

الحیّ......(زندہ)

٨٥) ﴿هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ (غافر: ٤٠/٦٥)

''وہ اللہ زندہ ہے (اور اسے کبھی موت نہیں) اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، اسی کو تم پکارو اپنے دین کو اسی کے لیے خالص کر کے۔''

الخالق......(پیدا کرنے والا)

٨٦) ﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾ (الزمر: ٣٩/٦٢)

''اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ہر چیز کا نگہبان ہے۔''

الخبیر......(مخلوق سے باخبر)

٨٧) ﴿وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِهٖ وَ كَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا﴾ (الفرقان: ٢٥/٥٨)

''(اے نبی ﷺ) اس اللہ پر بھروسا رکھیے جو زندہ ہے اور جسے کبھی موت نہیں۔ اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہیے، اپنے بندوں کے گناہوں سے بس اسی کا باخبر ہونا کافی ہے۔''

التوّاب......(بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا)

٨٨) ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا﴾ (النصر: ١١٠/٣)

''اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیجیے اور اس سے مغفرت طلب کرتے رہیے، بے شک وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ہے۔''

الرحمٰن......(بے حد مہربان)

٨٩) ﴿مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَ جَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ﴾ (قٓ: ٥٠/٣٣)

''جو رحمٰن سے بغیر دیکھے ڈرا اور جھکنے والا دل لے کر آیا (وہ اس کی جنت میں سلامتی سے داخل ہو جائے گا)۔''

الرَّحِيْمُ ......(جس کی رحمت جاری وساری ہے)

۹۰) ﴿نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ (الحجر:۱۵/۹:)

''(اے نبی ﷺ) میرے بندوں کو خبر دے دیجیے کہ میں بہت درگزر کرنے والا اور رحیم ہوں۔''

الرَّزَّاقُ ......(رزق دینے والا)

۹۱) ﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ﴾ (الذاریات:۵۱/۵۸:)

''کوئی شک نہیں کہ اللہ ہی تمام جہانوں کا رازق (روزی رساں) بڑی قوت والا مضبوط ہے۔''

الرَّقِيْبُ ......(نگران)

۹۲) ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾ (النساء:۴/۱)

''اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے کا حق مانگتے ہو اور رشتہ داری کے تعلقات کو بگاڑنے سے بچو، یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔''

الرَّءُوْفُ ......(مہربان)

۹۳) ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ﴾

(البقرۃ:۲/۲۰۷)

''انسانوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو رضائے الٰہی کے لیے اپنی جان کھپا دیتا ہے۔ اور ایسے ہی بندوں پر اللہ مہربان ہے۔''

السَّمِيْعُ ......(ہر بات کو سننے والا)

۹۴) ﴿وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾

(حٰمٓ السجدۃ:۴۱/۳۶)

''اگر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آئے تو اللہ سے پناہ طلب کرو اور یوں کہو (اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ)'' بے شک وہ (دلوں کی دھڑکنوں کو) سننے والا اور باریک سے باریک بات جاننے والا ہے۔''

الشاکر ......(قدردان)

۹۵) ﴿وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ﴾ (البقرۃ:۲/۱۵۸)

''جو برضا و رغبت کوئی بھلائی کا کام کرے گا، اللہ کو اس کا علم ہے اور وہ اس کی قدر کرنے والا ہے۔''

الشکور......(انتہائی قدر دان)

۹۶) ﴿إِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضٰعِفْهُ لَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾

(التغابن:٦٤/١٧)

''اگر تم اللہ کو قرضِ حسن دو تو وہ تمھیں کئی گنا بڑھا کر دے گا اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا، اللہ بڑا قدر دان بردبار ہے۔ (سبحان اللہ......!مال بھی اس نے دیا اور وہ قرضِ حسن مانگ کر کیسا وعدہ فرما رہا ہے کہ وہ تمھیں کئی گنا لوٹائے گا۔سبحان اللہ!)

الشہید......(ہر بات سے واقف)

۹۷) ﴿الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ (البروج:۸۵/۹)

''اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اور وہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔''

الصمد......(بے نیاز)

۹۸) ﴿اللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ (الاخلاص:۱۱۲/۲)

''اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔'' (سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔''

العزیز......(بڑی قوت والا)

۹۹) ﴿وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ﴾ (الشعراء:۲٦/۲۱)

''آپ بھروسا رکھیے، بڑی قوت والے اور رحم کرنے والے (ربّ قدیر پر)

العلی......(بلند و برتر)

۱۰۰) ﴿لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْأَرْضِ وَ هُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ﴾ (الشوریٰ:۴۲/۴)

''آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اسی کا ہے اور وہ برتر، عظیم ہے۔''

العلیم......(سب کچھ جاننے والا)

۱۰۱) ﴿وَ مَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَیۡءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیۡمٌ﴾ (ال عمران: ۳/ ۹۲)

"اور جو خرچ کرو، اسے اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے۔"

الغفّار ......(درگزر کرنے والا)

۱۰۲) ﴿وَ اِنِّیۡ لَغَفَّارٌ لِّمَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اہۡتَدٰی﴾ (طٰہٰ: ۲۰/ ۸۲)

"جو توبہ کرلے اور ایمان لے آئے اور نیک عمل پر لگ جائے اور (زندگی بھر) سیدھا چلتا رہے، اس کے لیے بہت درگزر کرنے والا ہوں۔"

الغفور ......(بخشنے والا)

۱۰۳) ﴿وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا اَوۡ یَظۡلِمۡ نَفۡسَہٗ ثُمَّ یَسۡتَغۡفِرِ اللّٰہَ یَجِدِ اللّٰہَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا﴾

(النساء: ٤/ ١١٠)

"اگر کوئی شخص کسی برائی کا مرتکب ہو یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر (سچے دل سے اللہ سے بخشش طلب کرے تو وہ اللہ کو بخشنے والا مہربانی کرنے والا پائے گا۔"

الغنیّ ......(بے پروا)

۱۰۴) ﴿یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ ۚ وَ اللّٰہُ ہُوَ الۡغَنِیُّ الۡحَمِیۡدُ﴾ (فاطر: ۳٥/ ١٥)

"تم سب اللہ کے محتاج ہو وہ بے پروا، خوبیوں والا ہے۔"

القیّوم ......(خود قائم اور دوسروں کو قائم رکھنے والا)

۱۰۵) ﴿وَ عَنَتِ الۡوُجُوۡہُ لِلۡحَیِّ الۡقَیُّوۡمِ﴾ (طٰہٰ: ۲۰/ ١١١)

"اور چہرے جھک جائیں حي و قیوم کے سامنے۔"

الفتّاح......(ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنے والا)

۱۰٦) ﴿قُلۡ یَجۡمَعُ بَیۡنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ یَفۡتَحُ بَیۡنَنَا بِالۡحَقِّ ؕ وَ ہُوَ الۡفَتَّاحُ الۡعَلِیۡمُ﴾ (سبا: ۳٤/ ۲٦)

"انھیں کہہ دیجیے کہ ہم سب کو ہمارا رب جمع کرکے ہم میں سچے فیصلے کردے گا وہ ٹھیک ٹھیک فیصلے چکانے والا اور دانا ہے۔"

القادر......(قدرت رکھنے والا)

۱۰۷) ﴿وَ اَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسۡکَنّٰہُ فِی الۡاَرۡضِ وَ اِنَّا عَلٰی ذَہَابٍۭ بِہٖ لَقٰدِرُوۡنَ﴾
(المؤمنون:۲۳/۱۸)

’’(رب کا ارشاد) ہم ایک صحیح اندازے سے آسمان سے پانی برساتے ہیں، پھر اسے زمین میں ٹھہرا دیتے ہیں اور ہم اسے لے جانے پر قادر ہیں (تب تم پانی سے محروم ہو جاؤ)‘‘

الْقَهَّارُ ......(بہت غالب)

۱۰۸) ﴿یٰصَاحِبَیِ السِّجۡنِ ءَاَرۡبَابٌ مُّتَفَرِّقُوۡنَ خَیۡرٌ اَمِ اللّٰہُ الۡوَاحِدُ الۡقَہَّارُ﴾ (یوسف:۱۲/۳۹)

’’(سیدنا یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں) اے قید خانے کے ساتھیو! تم خود ہی سوچو کہ بہت سے متفرق (جھوٹے) رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ (سچا رب) جو سب پر غالب ہے۔‘‘

الْقَوِيُّ ......(بڑی قوت والا)

۱۰۹) ﴿اَللّٰہُ لَطِیۡفٌۢ بِعِبَادِہٖ یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَ ہُوَ الۡقَوِیُّ الۡعَزِیۡزُ﴾ (الشوریٰ:۴۲/۱۹)

’’اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے، جسے جو کچھ چاہتا ہے دیتا ہے، وہ بڑی قوت والا ہے، ہر چیز پر غالب ہے۔‘‘

الْكَبِيرُ ......(سب سے بڑا)

۱۱۰) ﴿عٰلِمُ الۡغَیۡبِ وَ الشَّہَادَۃِ الۡکَبِیۡرُ الۡمُتَعَالِ﴾ (الرعد:۱۳/۹)

’’اللہ پوشیدہ اور ظاہر ہر چیز کا عالم ہے، سب سے بڑا اور سب سے بلند و بالا ہے۔‘‘

اللَّطِيفُ ......(باریک بین)

۱۱۱) ﴿لَا تُدۡرِکُہُ الۡاَبۡصَارُ ۫ وَ ہُوَ یُدۡرِکُ الۡاَبۡصَارَ ۚ وَ ہُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ﴾ (الانعام:۶/۱۰۳)

’’نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں وہ نگاہوں کو پالیتا ہے، وہ نہایت باریک بین باخبر ہے۔‘‘

الْمَجِيدُ ......(بڑی شان والا)

۱۱۲) ﴿رَحۡمَتُ اللّٰہِ وَ بَرَکٰتُہٗ عَلَیۡکُمۡ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ ؕ اِنَّہٗ حَمِیۡدٌ مَّجِیۡدٌ﴾ (ھود:۱۱/۷۳)

’’(ابراہیم کے گھر والو!) تم لوگوں پر تو اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں اور یقیناً اللہ نہایت قابلِ تعریف اور بڑی شان والا ہے۔‘‘

المُقْتَدِرُ ......(ذی اقتدار)

۱۱۳) ﴿إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَهَرٍ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ﴾

(القمر:٥٤/٥٤-٥٥)

''اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے پرہیز کرنے والے یقیناً باغوں اور نہروں میں ہوں گے، سچی عزت کی جگہ بڑے ذی اقتدار بادشاہ کے قریب۔''

المُقِيْتُ ......(طاقت رکھنے والا)

۱۱۴) ﴿وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا﴾ (النساء:٤/٨٥)

''اور اللہ ہر چیز پر طاقت (قدرت) رکھنے والا ہے۔'' (کائنات کی ہر چیز اس کے قبضۂ قدرت میں ہے)

المَلِكُ ......(بادشاہ کل)

۱۱۵) ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ﴾ (الناس:١١٤/١-٢)

''آپ کہیے کہ میں انسانوں کے رب کی اور انسانوں کے بادشاہ کی پناہ لیتا ہوں۔''

الوَاسِعُ ......(وسعت والا)

۱۱۶) ﴿وَ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾

(البقرة:٢/١١٥)

''مشرق اور مغرب سب اللہ کے ہیں، جس طرف بھی تم رخ کرو گے اسی طرف اللہ ہے، اللہ تو بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔''

الوَدُوْدُ ......(مخلوق سے محبت رکھنے والا)

۱۱۷) ﴿وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ﴾ (هود:١١/٩٠)

''دیکھو! اپنے رب سے معافی مانگو اور اس کی طرف پلٹ آؤ، بیشک میرا رب رحیم ہے اور اپنی مخلوق سے محبت رکھتا ہے۔ (اس کی ان گنت نعمتوں اور سب سے بڑھ کر اسلام کی نعمت کو یاد رکھو۔''

الْوَكِيْلُ ......(جس پر توکل کیا جائے)

۱۱۸) ﴿إِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا﴾ (بني إسرائيل:۱۷/۶۵)

''یقیناً میرے بندوں پر تجھے (یعنی شیطان کو) کوئی اقتدار حاصل نہ ہوگا اور توکل کے لیے تیرا رب کافی ہے۔ (جو اللہ کا مخلص بندہ بن جاتا ہے تو اللہ اس کے ہر کام کو سنوارتا ہے)''

الْوَلِيُّ ......(سرپرست کارساز)

۱۱۹) ﴿فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ﴾ (یوسف:۱۲/۱۰۱)

''اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، آپ ہی دنیا اور آخرت میں میرے سرپرست ہیں، میرا خاتمہ اسلام پر کیجیے اور انجام کار مجھے صالحین (نیک لوگوں) کے ساتھ ملا دیجئے۔'' (یا اللہ! اس دعا کو ہمارے حق میں قبول فرمائیے۔ آمین!)

الْوَهَّابُ ......(فیاض حقیقی)

۱۲۰) ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ (آل عمران:۳/۸)

''اے رب! جب آپ ہمیں سیدھی اور سچی راہ پر لگا چکے ہیں تو پھر کہیں ہمارے دلوں کو کجی میں مبتلا نہ کر دیجیے، ہمیں اپنے خزانۂ فیض سے رحمت عطا کیجیے کہ آپ ہی فیاضِ حقیقی ہیں۔''

الْكَرِيْمُ ......(کریم)

۱۲۱) ﴿اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ﴾ (العلق:۹۶/۳)

''پڑھیے تمہارا رب تو بڑا ہی کریم ہے۔''

اَلْقَاهِرُ .....(غالب و برتر)

۱۲۲) ﴿وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَ هُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ﴾ (الانعام:۶/۱۸)

''اور وہی اللہ اپنے بندوں پر غالب و برتر ہے اور وہ بڑی حکمت والا خبر رکھنے والا ہے۔''

اَلْخَلَّاقُ ......(پیدا کرنے والا)

۱۲۳) ﴿اَوَ لَيْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰی وَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ﴾ (یس:۳٦/۸۱)

''جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، کیا وہ ان جیسوں (انسانوں) کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے؟ بے شک قادر ہے اور وہی تو پیدا کرنے والا دانا بینا ہے۔''

القریب ......(اپنے بندوں کے قریب)

۱۲۴) ﴿وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِيْبٌ﴾ (البقرۃ:۲/۱۸٦)

''جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو آپ فرما دیجیے، میں تو قریب ہی ہوں۔''

القَدیر ......(ہر طرح سے قادر)

۱۲۵) ﴿اِلَی اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ وَ هُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (ھُود:۱۱/٤)

''تم کو اللہ ہی کے پاس جانا ہے اور وہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔(تم کچھ نہیں تھے تو اس نے تمھیں مٹی سے جیتا جاگتا انسان بنا دیا، پھر دوبارہ تمھیں اپنے دربار میں حاضر کر دے گا۔)''

المُحیط ......(کائنات کا احاطہ کرنے والا)

۱۲٦) ﴿وَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِيْطًا﴾ (النساء:٤/۱۲٦)

''آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔''

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کے تقاضے

ایمان کی تکمیل کیسے ہوتی ہے؟ کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ سبحانہ وتعالیٰ کو دل و جان سے اپنا خالق و مالک تسلیم کرے اور اس کے احکام کو زندگی بھر سنتِ نبوی ﷺ کے مطابق ادا کرتا رہے، یعنی وہ مسلم بن کر رہے اور ربِ کریم کے حضور اسی بات کی تمنا رکھے اور دعا کرتا رہے۔ جیسا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام

اپنے آقا سے فریاد کرتے ہیں:

﴿فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ﴾ (یوسف:۱۲/۱۰۱)

''اے آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے! آپ ہی دنیا اور آخرت میں میرے سرپرست ہیں، میرا خاتمہ اسلام پر کیجیے اور انجام کار مجھے صالحین کے ساتھ ملا دیجیے۔''

محترم پروفیسر عبدالحمید صدیقیؒ نے ''اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کے تقاضے'' پر بڑی مفید گفتگو کی ہے، وہ پیش خدمت ہے:

کسی شے، فرد، عقیدہ یا نصب العین سے وابستگی کا ایک ہی معیار ہے کہ انسان اُس کے لیے کس قدر ایثار کر سکتا ہے۔ قرآن مجید نے متعدد مقامات پر اس امر کی وضاحت کی ہے کہ اپنے خالق اور مالک کی بندگی، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اور اس کے دین کی خدمت اور چاکری کوئی پھولوں کی سیج نہیں بلکہ سخت کٹھن اور دُشوار راستہ ہے۔ اس راہ میں انسان کو ہر طرح کے مصائب پیش آتے ہیں، اُسے ہر طرح کی قربانیاں دینا پڑتی ہیں اور اُسے ہر طرح کے شدائد سے نبرد آزما ہونا پڑتا ہے۔

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا یَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰهِ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ﴾ (البقرہ:۲/۲۱۴)

''پھر کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ درآنحالیکہ (ابھی) تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا ہے جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکا ہے۔ انہیں تنگی اور سختی پیش آئی اور انہیں ہلا ڈالا گیا یہاں تک کہ پیغمبر اور جو لوگ ان کے ہمراہ ایمان لائے تھے پکار اٹھے کہ اللہ کی امداد (آخر) کب آئے گی؟ سن رکھو! اللہ کی امداد یقیناً قریب ہی ہے۔''

مشہور مفسر امام فخر الدین رازیؒ نے بَأسَاءَ اور ضَرَّاء میں جو لطیف فرق ہے اسے بیان

فرماتے ہوئے کہا ہے کہ پہلے لفظ میں راحت اور آسائش کے فقدان کا پہلو نمایاں ہے اور دوسرا لفظ درد و اذیت کو ظاہر کرتا ہے، یعنی ایمان لانے کے بعد نہ صرف انسان کو اپنے آسائش و آرام سے محروم اور دستبردار ہونا پڑتا ہے، بلکہ اسے اللہ کی راہ میں دکھ بھی اٹھانے پڑتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کے معنی

اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کے مختلف مظاہر اور دائرے ہیں۔ اس کا سب سے پہلا مظہر وہ قلبی کیفیت ہے جسے ایمان کہا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا دم بھرنے والوں کو اللہ تعالیٰ لم یزل پر غیر متزلزل یقین اور ایمان ہونا چاہیے۔ اگر اُسے باری تعالیٰ کے وجود، اس کی صفات، اس کے ساتھ عہد و پیمان اور اس کے وعدوں پر یقین نہ ہو گا تو وہ محبت کے دعویٰ میں کبھی سچا اور مخلص نہیں مانا جا سکتا۔ جس ذات کے ساتھ گہری وابستگی کے آپ دعویدار ہیں سب سے پہلے اس پر بھروسا ضروری ہے، اسی حقیقت کو قرآن حکیم نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِکَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾ (الحجرات: ۴۹/ ۱۵)

''بیشک مومن تو بس وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے پھر (اس میں) کبھی شک نہیں کیا اور اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، تو یہی لوگ راست باز ہیں۔''

ایمان کی پہلی منزل اپنے قلب و دماغ کو ہر قسم کے شک، وشبہ سے پاک کرنا ہے۔ ریب و تشکیک ایمان کی ضد ہے۔ جس دل میں شکوک کے جھاڑ جھنکاڑ موجود ہوں اس میں ایمان کی فصل کبھی نہیں اُگ سکتی۔ ایمان جو امن سے مشتق ہے اس کے اصل معنی بقول امام راغب نفس کے مطمئن ہونے اور خوف کے دُور ہونے کے ہیں یا دوسرے لفظوں میں اس سے مراد وہ تصدیق ہے جس سے اطمینان حاصل ہو جائے اور کوئی تردد باقی نہ رہے۔

قرآن مجید میں ایک مقام پر یہود کا ذکر کرتے ہوئے یہ فرمایا گیا ہے:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ ﴾

(النساء: ٤/ ٥١)

''کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کے علم میں سے کچھ حصہ دیا گیا ہے اور اُن کا حال یہ ہے کہ وہ بتوں اور شیطان کو مانتے ہیں۔''

یہاں ''یُؤْمِنُوْن'' کا لفظ بطورِ طنز استعمال کیا گیا ہے اور ان کے فہم و فراست کی مذمت کرتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ یہ گمراہ لوگ ایسی بیکار چیزوں سے اطمینان حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو کبھی باعث اطمینان نہیں ہو سکتیں۔ (امام راغب)

ایمان کامل یکسوئی، دل و دماغ کے مکمل اطمینان اور یقینِ محکم کا نام ہے اور اگر کوئی شخص یہ کیفیت پیدا نہیں کر سکتا تو وہ حلاوتِ ایمانی سے محروم ہے۔ ایمان کے معنی ہی یہی ہیں کہ انسان تمام اطراف سے نفع کی امید اور نقصان کا خوف ہٹا کر صرف اللہ، اس کے رسول ﷺ اور اس کے دین کے ساتھ وابستگی پیدا کرے۔ اس کے نزدیک اللہ کی رضا، اس کے رسول ﷺ کی محبت اور اس کے دین سے تعلق کی خاطر دنیا کے ہر دوسرے تعلق، دنیا کے ہر دوسرے رشتے پر فوقیت رکھتا ہو، بلکہ دنیا کا ہر دوسرا تعلق اس ایک تعلق پر بادنیٰ تأمل قربان کیا جا سکتا ہو۔ اگر بھلائی کی تلاش ہو تو اسے اللہ اور رسول ﷺ کی محبت، ان کی طاعت اور اس کے دین کی پیروی میں تلاش کیا جائے۔ اگر نقصان اور زیاں کا خوف لاحق ہو اور اس سے بچنے کی آرزو ہو تو یہ دیکھا جائے کہ اس کے خالق و مالک نے کن چیزوں کو ضرر رساں قرار دیا ہے اور ان سے محفوظ رہنے کے لیے کیا تدابیر بتائی ہیں۔ اگر انسان کے ساتھ روابط قائم کرنا مقصود ہو تو اس معاملے میں بھی اللہ اور اس کے رسول کے احکام ہی کو پیش نظر رکھا جائے۔ الغرض ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کی پوری توجہ اور اس کی ساری فکری اور جسمانی صلاحیتیں قطب نما سوئی کی طرح صرف ایک رخ پر لگی رہیں۔

ہم روزمرہ زندگی میں جو لفظِ اعتقاد بولتے ہیں تو اس کے معنی ہیں کہ ساری اطراف کو جمع

کر کے گرہ باندھ دی جائے، یعنی انسانی فکر و عمل کے سارے گوشے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اور اطاعت کے مرکز پر سمٹ کر قائم رہیں اور حیاتِ انسانی کا ہر گوشہ اور ہر شعبہ اس ایک ہی مرکز سے روشن ہو۔ انسان کو اپنے ذہنی سکون اور قلبی اطمینان کے لیے اسی ایک مرکز سے سامان فراہم ہو۔ اسے اپنی معاشی فلاح، اخروی نجات، معاشرتی عدل و انصاف، سیاسی استحکام اور اسی نوعیت کے دوسرے معاملات میں اسی سرچشمۂ ہدایت سے رہنمائی حاصل ہو اور اس کے اندر کسی دوسری سمت نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی خواہش تک پیدا نہ ہو۔ اس حقیقت کی طرف جنابِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

((ذَاقَ طَعْمَ الْإِيْمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّ بِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ(ﷺ) رَسُولًا)) (مسلم)

''اس شخص نے فی الحقیقت ایمان کا مزہ چکھا جو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کی رسالت پر دل و جان سے مطمئن ہو گیا۔''

اور حلاوتِ ایمانی کو دو لفظوں میں اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کہا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ، اس کے رسولؐ اور اس کے دین سے محبت میں یکسوئی ایک مثبت اور ایجابی کیفیت کا نام ہے جو منفی اور سلبی رجحانات کی نفی کرنے ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح معبودِ حقیقی کے ساتھ رشتۂ عبودیت استوار کرنے کے لیے معبودانِ باطل کا ابطال ضروری ہے اسی طرح اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان اس بات کا متقاضی ہے کہ انسان ایمان کے تقاضوں کے مقابلے میں باقی سارے مفادات یکسر نظر انداز کر دے۔ ایمان اور عقیدہ رب کے ساتھ کوئی نیم دلانہ اور عارضی وابستگی نہیں، بلکہ یہ ایک نہایت مضبوط، گہرے، پائیدار اور ہمہ گیر تعلق کا نام ہے، جس کی چوکھٹ پر باقی سارے تعلقات کو قربان کیا جا سکتا ہے۔ انسان جب تک اپنے قلب و دماغ سے جھوٹے خداؤں کی محبت پوری طرح محو نہ کر دے اس وقت تک اللہ واحد پر ایمان کی شمع نہیں جلائی جا سکتی۔ اللہ اور اس کے رسولؐ

ت ایک ایسی محبت ہونی چاہیے جس کے مقابلے میں دنیا کے سارے تعلقات، سارے رشتے اور علائق بالکل ہیچ ہوں۔ قرآن مجید نے اس محبت کا معیار مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

﴿اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ﴾ (توبہ:۹/۲۴)

''اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، عزیز و اقارب اور وہ دولت جو تم نے کمائی ہے اور وہ سوداگری جس کے مندا پڑ جانے کا تم کو اندیشہ ہے اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تم کو زیادہ محبوب ہیں تو اس وقت تک انتظار کرو کہ اللہ اپنا فیصلہ لے آئے۔''

اس آیت سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اپنے مال و جان، برادری، اولاد، صنعت و تجارت، آرام و آسائش کو راہ حق میں قربان کرنے کے لیے تیار ہو جائے اور دنیا کا کوئی عزیز رشتہ اور قیمتی سے قیمتی متاع اس کی راہ میں حائل نہ ہونے پائے۔

ایک مومن کا سینہ عشق الٰہی اور عشق رسول ﷺ سے کس طرح معمور ہوتا ہے؟ اسلام کا سب سے پہلا حکم ایمان ہے اور ایمان کی سب سے بڑی خاصیت اور علامت حُبِّ الٰہی ہے اور یہ وہ دولت ہے جو اہل ایمان ہی کو نصیب ہوتی ہے:

﴿وَ من النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (البقرہ:۲/۱۶۵)

''اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا ہمسر بناتے ہیں۔ ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی اللہ تعالیٰ سے رکھنی چاہیے حالانکہ اہل ایمان تو اللہ کو سب سے زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔''

ایمان کے بعد اگر نشۂ محبت کی سرشاری نہیں ملی تو وہ بھی جادۂ حق سے دُوری ہے۔ چنانچہ جو لوگ راہِ حق سے بھٹکنا چاہتے تھے ان کو پکار کر بتا دیا گیا:

﴿يَآأَيُّهَا الَّذِينَ امَنُوا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗٓ﴾ (المائدہ:۵/ ۵۴)

''مسلمانو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین اسلام سے پھر جائے گا تو (اللہ کو اس کی کوئی پروا نہیں) وہ ایسے لوگوں کو لا کھڑا کرے گا جنہیں وہ محبوب رکھے گا اور وہ اس کو محبوب رکھیں گے۔''

اللہ تعالیٰ سے محبت کوئی بے حس کیفیت نہیں ہے، انسان کے قلب و دماغ میں کوئی تلاطم برپا نہ ہوتا ہو۔ محبت ایک نہایت ہی حساس اور انقلاب انگیز کیفیت ہے جو ایک طرف انسانی جذبات کی اتھاہ گہرائیوں کو شدید طور پر متاثر کرتی ہے اور دوسری طرف اس کے فکر و عمل میں غیر معمولی تبدیلیاں لاتی ہے۔ وہ محبت جو قلب میں سوز، اللہ کے دین کو دوسرے ادیان پر غالب کرنے کی شدید آرزو اور اس جدوجہد میں مصائب اور تکالیف اٹھانے کا عزم پیدا نہیں کرتی وہ محبت نہیں بلکہ بے مروتی ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ انسان کے دل میں محبتِ الٰہی کی شمع روشن ہو، مگر وہ ایمان کی حرارت اور سوزِ یقین سے خالی رہے اور اس کی زندگی کے سارے گوشے اس نورِ ایمانی سے تابندہ اور درخشاں نہ ہوں...... اللہ سے محبت کرنے والے کی دلی کیفیات کو قرآن مجید نے یوں بیان فرمایا ہے:

﴿وَ اِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَ مَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ﴾ (المائدہ:۵/ ۸۳-۸۴)

''جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسولؐ پر اترا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ حق شناسی کے اثر سے ان کی آنکھیں بہنے لگتی ہیں۔ وہ بول اٹھتے ہیں کہ پروردگار! ہم ایمان لائے۔ ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔ اور وہ (کہتے ہیں) کہ کیوں نہ ہم اللہ پر ایمان لائیں اور جو حق ہمارے پاس آیا ہے اسے کیوں نہ مان لیں۔''

یہ آیات حق پسند اور حق پرست لوگوں کی دلی کیفیات کی پوری طرح ترجمان ہیں۔ اللہ سے محبت کرنے والے اس کے پیغام کو بے توجہی سے نہیں سنتے بلکہ اسے ارشادِ ربانی سمجھتے ہوئے اس کی پوری عظمت کو قلب و دماغ میں رکھتے ہوئے قبول کرتے ہیں۔ پھر یہ پیغام ان کے دل کے کسی گوشے میں ایک بھولی بسری داستان کی حیثیت سے نہیں پڑا رہتا بلکہ وہ انہیں شدید طور پر متاثر کرتا ہے۔ اس سے ان کے دل کی دنیا بدل کر رہ جاتی ہے۔ ان کے اندر اپنے مرتبہ و مقام کو جاننے، اپنے خالق و مالک کو پہچاننے اور اپنے نامۂ اعمال پر غور کرنے کی زبردست تحریک پیدا ہوتی ہے اور وہ حق کا اس گرمجوشی اور محبت سے استقبال کرتے ہیں جس طرح ایک ماں اپنے گمشدہ بچے کی مدتِ دراز تک جدائی برداشت کرنے کے بعد خیر مقدم کرتی ہے۔ ایک مومن و مسلم احکامِ الٰہی کو سمجھ بوجھ کر نہیں سنتا، بلکہ بڑی خوشدلی کے ساتھ انہیں قبول کرتا ہے۔ اُن کی بجا آوری میں اسے بڑی راحت ملتی ہے اور وہ اسے اپنی غیر معمولی سعادت خیال کرتا ہے۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت:

ایک مومن و مسلم جس طرح اللہ پر ایمان لا کر اس بات کا عہد کرتا ہے کہ اب وہ اپنی زندگی کی ساری خواہشات کو مرضیاتِ الٰہی کے تابع کر دے گا اور اسی مقصد کے حصول کے لیے عمر بھر ہمت آزما رہے گا۔ یہی چیز اس کی زندگی کی غایتِ اولیٰ ہوگی۔ اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر ثابت کرتا ہے کہ وہ اللہ کی بندگی کا حق اسی طریق سے ادا کر رہا ہے جو اسے، اللہ کے آخری پیغمبر نے بتایا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا ادب و احترام نہ کرے، ان کے سچے پیغمبر ہونے پر یقین نہ رکھے اور ان سے تعلق خاطر کو ایمان کا ایک نہایت ضروری جزو نہ سمجھے۔ جو کوئی بھی اللہ کے فرستادوں سے کد رکھتا ہے، ان کے خلاف اپنے سینے میں کوئی بغض و عناد پالتا ہے، جو اُن کی شان میں کوئی گستاخانہ کلمہ کہنے کی جسارت کرتا ہے، وہ دائرۂ اسلام سے یکسر خارج

ہے۔ لیکن ان حقائق کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ بفحوائے ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ اور بتقاضائے ختم نبوت ہم اس بات پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ بعض خصوصیات کے حامل ہونے کے لحاظ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ایک منفرد اور امتیازی شان رکھتے ہیں حضور سید الانبیاءؐ کی بعثت سے پہلے جتنے پیغمبر گزرے ہیں ان کی سیرتوں کا مقصد کسی ایک قوم کو خاص مدت تک رہنمائی دینا تھا۔ ایک زمانے کے بعد بتدریج ان کی تعلیمات کے نقوش مدہم ہوتے گئے۔ حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آیا کہ وہ دنیا سے بالکل ناپید ہو گئے۔ اور ان کی حقیقت افسانوں میں گم ہو کر رہ گئی۔

ان اولوالعزم انبیاءؑ کی زندگیوں کے برعکس حضور ختم الرسلؐ کی حیاتِ طیبہ کا معمولی سے معمولی واقعہ آج بھی تاریخ کی پیشانی پر اسی طرح درخشندہ اور تابندہ ہے جس طرح کہ آج سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے تھا اور انسانیت کے قافلے جب کبھی حضور ﷺ کے نقشِ حیات پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ان کی زندگی دیکھ کر فوراً پکار اٹھتے ہیں۔

ابھی اس راہ سے گزرا ہے کوئی کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پا کی

اس حوادث آباد عالَم کا تغیر و تبدل جس طرح اپنے سارے انقلابات کے باوجود اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو کسی طرح متاثر نہیں کر سکتا، وہ آج بھی اُسی طرح قائم و دائم ہے، جس طرح لاکھوں کروڑوں سال پہلے تھی، بالکل اسی طرح جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر بھی گردشِ لیل و نہار کسی جہت سے اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ آپؐ کی نبوت بھی زندۂ جاوید ہے اور قیامت تک اسی طرح رہے گی۔ آپؐ کی بعثت کے بعد نجات کی اب صرف ایک ہی صورت ممکن ہے کہ انسان اپنے دلوں کو مشکوٰۃِ نبوتؐ سے منور کریں۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد اگر کوئی شخص ان کی نبوت کے علاوہ کسی دوسری نبوت کا قائل ہے تو اسے سمجھ لینا چاہیے کہ اس کے دل میں شمع ایمان فروزاں نہیں، بلکہ دجل و فریب کی وہ چنگاری روشن ہے جو شیطان انسانوں کے خرمنِ ایمان کو خاکستر کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً جلاتا رہتا ہے۔ انسانیت کی فوز و فلاح اب صرف سرور کائنات کی غلامی میں ہے، یہی ایک طوق ہے جس

کو پیش کردہ دنیا اور آخرت میں سرفراز ہو سکتا ہے۔ یہی اس کی سب سے قیمتی متاع ہے اور اسی پر ایک بندۂ مومن بجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔ اس حقیقت کو قرآنِ پاک نے مختلف مقامات پر بیان فرمایا ہے:

﴿وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَ بِالْاٰخِرَۃِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (البقرہ ۲/۴-۵)

''جو کتاب تم پر نازل کی گئی ہے (یعنی قرآن) اور جو کتابیں تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں، ان سب پر ایمان لاتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنے رب کی طرف سے راہِ راست پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔''

﴿قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعَا الَّذِیْ لَهٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ کَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ (الاعراف:۷/۱۵۸)

''اے محمدؐ! کہو کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا پیغمبر ہوں جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبی اُمّی پر جو اللہ اور اس کے ارشادات کو مانتا ہے، اور پیروی اختیار کرو اس کی۔ امید ہے کہ تم راہِ راست پالو گے۔''

یہ دو آیات اس امر کی پورے طور پر صراحت کر رہی ہیں کہ فلاح اور ہدایت صرف انہی لوگوں کے لیے ہے جو اللہ اور اس کی کتابوں پر ایمان لانے کے ساتھ محمد ﷺ پر بھی ایمان لائیں، ان پر ایمان لائے بغیر نہ کوئی راہِ راست پر ہو سکتا ہے اور نہ فلاح پا سکتا ہے۔

اس ضمن میں پھر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانے کے معنی صرف یہی نہیں کہ حضور کے رسول ﷺ ہونے کا محض زبان سے اقرار کر لیا جائے۔ آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان کے بہت سے تقاضے ہیں۔ اس ایمان کی اصل روح یہ ہے کہ ہمیں

آپ ﷺ کی ذات پر سچا اور پکا اعتماد ہو۔ ہمیں اس بات کا کامل یقین ہو کہ آپ صادق اور امین ہیں۔ آپ کے ہر قول اور ہر فعل کے اندر گہری حکمت اور دانائی ہے، خواہ وہ حکمت اور دانائی ہماری سمجھ میں آ رہی ہو یا نہ آ رہی ہو۔ آپ ﷺ نے جو راہ انسانیت کو دکھائی ہے صرف اُسی پر چل کر انسانیت کامیاب و کامران ہو سکتی ہے۔ آپ ﷺ نے نوعِ بشری کو زندگی کے جو اصول دیئے ہیں وہ دائمی اور ابدی ہیں اور سخت نامراد ہے وہ انسان جو ان سے صرفِ نظر کر کے چلتا ہے۔ جب تک آدمی کے اندر آپ ﷺ کی ذات کے بارے میں اس قسم کا غیر متزلزل اعتماد نہ پیدا ہو، مجرد یہ کہہ دینے سے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، آدمی ایمان کی حقیقی لذت سے آشنا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ دل کی گہرائیوں سے اللہ کے رسول ﷺ سے محبت کرنا ہی ایمان کا تقاضا ہے۔ اس کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے باری تعالیٰ نے خود اپنی محبت کا معیار اتباعِ رسول قرار دیا ہے:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ﴾

(ال عمران ۳/ ۳)

''کہہ دیجئے کہ اگر تم کو اللہ سے محبت ہے تو میری پیروی کرو، اللہ بھی تم کو محبوب رکھے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔''

پھر اس کے ساتھ باری تعالیٰ نے اس امر کی بھی وضاحت فرما دی کہ رسول ﷺ کی اطاعت خوشدلی اور محبت کے ساتھ ہو اور اس کے احکام کی بجا آوری میں انسان کو گوناگوں راحت ہو۔

﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَاشَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَايَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (النساء: ٤/ ٦٥)

''سو قسم ہے آپ کے رب کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے، جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلہ آپ ان میں کر دیں اُن سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں۔''

﴿اِنَّما كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِه لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُوْلٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (النور: ٥١/٢٤)

''ایمان والوں کا کام تو یہ ہے جب اللہ اور رسولؐ کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کیا جائے تو یہ (خوشی خوشی) کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی، وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

ان آیت نے اس حقیقت کو صاف کر دیا کہ جناب نبی اکرم ﷺ کی طرف زندگی کے مختلف مسائل کے بارے میں محض رجوع ایمان کے لیے کافی نہیں ہے۔ عقلی اور اعتقادی حیثیت سے بھی اطمینان رسولؐ اللہ کے فیصلوں پر ہونا چاہیے۔ آپ ﷺ کے ہر فیصلے کو پوری خوشدلی کے ساتھ قبول کرنا چاہیے۔

سورۃ الحجرات میں باری تعالیٰ بارگاہِ رسالت کے آداب بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾ (الحجرات: ٢/٤٩)

''مسلمانو! تم اپنی آوازیں رسول اللہ کی آواز سے اونچی نہ کرو۔''

حافظ ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین میں اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر آپ ﷺ کی آواز سے زیادہ اونچی آواز نکالنا اعمال کے ضائع ہونے کا باعث بن سکتا ہے تو کیا آپ ﷺ کی آراء، آپ ﷺ کے فہم و فراست، آپ ﷺ کے ذوق پر اپنی رائے، اپنے فہم اور اپنے ذوق کو مقدم رکھنا اعمال کو ضائع نہیں کر سکتا؟ جو شخص ایمان کا دعویدار ہے اور اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا دم بھرتا ہے اس کے دعوے کی صداقت کا سارا دار و مدار اسی بات پر ہے کہ وہ احکامِ الٰہی اور احکامِ رسولؐ کی سچے دل کے ساتھ پیروی کرے۔

﴿وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾ (الاحزاب: ٣٦/٣٣)

''اور کسی مومن یا مومنہ کے لیے یہ درست نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول ﷺ کسی امر کا حکم دیں تو پھر ان کو اپنے (اس) امر میں کوئی اختیار باقی رہ جائے۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ؐ نے زندگی کے جن معاملات کے متعلق اپنے احکام صادر فرما دیے ہیں اُن میں اہلِ ایمان کوئی من مانی کارروائی نہیں کر سکتے۔ ان سب معاملات میں انہیں احکامِ الٰہی اور ارشاداتِ رسول ؐ کی پیروی کرنی چاہیے، اور یہی طرزِ عمل اختیار کرنے سے وہ مومن و مسلم کہلانے کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

مندرجہ بالا آیات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ پر اعتماد و یقان کی نوعیت وہ نہیں جو عام طور پر ان الفاظ سے سمجھی جاتی ہے۔ یہ ایک ایسا اعتماد ہے جس میں نہ کبھی تزلزل پیدا ہوسکتا ہے، نہ کبھی شک اور نفاق جنم لے سکتے ہیں اور نہ کبھی تردد اور تذبذب وہاں اپنی راہ پانے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ ﷺ پر جس طرح مکمل یقین اور اعتماد تھا اس کی تفصیل تو بڑی لمبی ہے، ہم یہاں صرف ایک واقعہ نقل کرتے ہیں:

''ایک دفعہ کفارِ قریش آپ ﷺ کے سب سے بڑے فدائی سیدنا ابوبکرؓ کے گرد جمع ہو گئے اور کہنے لگے۔ ''کیا اب بھی تم اپنے دوست کی محبت میں دامن گیر ہو، تمہارا دوست یہ کہنے لگا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو رات کی تاریکیوں میں بیت المقدس لے گیا تھا۔ یہ بات جب سیدنا ابوبکرؓ نے سنی تو فرمایا:

''اگر انہوں نے یہ بات فرمائی ہے تو اس کے سچ ہونے میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا۔''

فتنہ پرور لوگ حیران تھے کہ جو چیز ان کی نگاہ میں ناقابل یقین ہے وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے ہر لحاظ سے قابل تسلیم ہے۔ وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے ''کیا تم یہ باور کر سکتے ہو کہ وہ رات ہی رات بیت المقدس گیا اور صبح ہونے سے پہلے واپس آ گیا؟''

سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ نے بڑے وثوق سے فرمایا: ''اگر محمد ﷺ اس سے بھی زیادہ بعید از قیاس بات فرمائیں اور کہیں کہ میں نے آسمانوں کو صبح و شام میں طے کر لیا تو تب بھی میں آپ کو صادق ہی مانوں گا اور میرے لیے کوئی اچنبھے کی بات نہ ہو گی۔'' اس کے بعد وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ''اے اللہ کے نبی (ﷺ) کیا آپ نے ان لوگوں سے بیان فرمایا کہ آج رات آپ بیت المقدس تشریف لے گئے تھے؟''

فرمایا: "ہاں" عرض کی "اے اللہ کے نبی اس کے اوصاف مجھ سے بیان فرمائیے کیونکہ میں وہاں جا چکا ہوں۔"

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((فَرُفِعَ لِیْ حَتّٰی نَظَرْتُ اِلَیْهِ))

"وہ میرے سامنے اس طرح پیش کر دیا گیا کہ میں اسے دیکھنے لگا۔"

آپ ﷺ جو کچھ اپنی زبانِ مبارک سے کہتے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صمیمِ قلب سے اس کو سنتے چلے جاتے اور کہتے جاتے۔ "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔" یہاں تک کہ جب بیان ختم ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے، فرمایا:

((اَنْتَ یَا ابابکر الصدیقُ)) "اے ابوبکر تم صدیق ہو۔"

رسالت پر اعتماد کی یہ وہ روشن مثال ہے جو ہر انسان کو اپنے پیش نظر رکھنی چاہیے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت رسول ﷺ

آپ اگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں پر ایک نگاہ ڈالیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی محبت میں یکسر فنا ہو چکے تھے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے والد جب غزوۂ احد کی شرکت کے لیے روانہ ہونے لگے تو بیٹے سے کہا کہ میں ضرور شہید ہوں گا اور رسول ﷺ کے سوا مجھ کو زیادہ کوئی عزیز نہیں ہے۔ تم میرا قرض ادا کرنا اور اپنے بھائیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا۔

سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ ایک شگفتہ مزاج صحابی تھے۔ ایک روز ہنسی مذاق کی باتیں کر رہے تھے کہ آپ ﷺ نے ان کے پہلو میں ایک چھڑی سے کونچ دیا۔ انہوں نے اس کا انتقام لینا چاہا۔ آپ اس پر راضی ہو گئے، لیکن انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ کے بدن پر قمیض ہے حالانکہ میں برہنہ تھا۔ آپؐ نے قمیض بھی اٹھا دی۔ قمیض کا اٹھانا تھا کہ وہ آپ سے لپٹ گئے۔ پہلو چومے اور کہا: یا رسول اللہ ﷺ یہی مقصود تھا۔

آپ ﷺ عموماً فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے، صحابہ کرام کے سامنے آپ کی زندگی کا

جب یہ منظر آ جاتا تو فرطِ محبت سے آبدیدہ ہو جاتے۔ ایک بار سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کاشانۂ نبوت میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ آپ ﷺ چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں جس پر کوئی بستر نہیں، جسمِ مبارک پر تہبند کے سوا کچھ نہیں، پہلو میں بدھیاں پڑ گئی ہیں۔ توشہ خانہ میں صرف مٹھی بھر جَو موجود تھے آنکھوں سے بیساختہ آنسو نکل آئے۔ ارشاد ہوا کہ عمر کیوں روتے ہو؟ عرض کی۔ ''کیوں نہ روؤں، آپ کی یہ حالت ہے اور قیصر و کسریٰ دنیا کے مزے اڑا رہے ہیں۔'' فرمایا: ''کیا تمہیں پسند نہیں کہ ہمارے لئے آخرت اور اُن کے لیے دنیا ہو؟'' (اللہ اکبر!) آپ ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کو جب کبھی آپ ﷺ کی یہ حالت یاد آتی ان کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلتے۔ ایک دن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنے دوستوں کو گوشت روٹی کھلایا تو رو پڑے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال بھی ہو گیا اور آپ ﷺ نے پیٹ بھر کر جَو کی روٹی کبھی نہیں کھائی۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ فرماتے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔

ایک دن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ''جمعرات کا دن کس قدر سخت تھا۔'' اس کے بعد اس قدر روئے کہ زمین کی کنکریاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ سیدنا سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: جمعرات کا دن کیا؟ بولے اسی دن آپ ﷺ کے مرض الموت میں شدت آئی تھی۔

رسول اللہ ﷺ کی محبت کے سلسلہ میں پھر ہمیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ صرف ہمارے جذبات، احساسات ہی تک محدود نہ ہو، بلکہ اسے ہماری زندگی کے سارے پہلوؤں پر محیط ہونا چاہیے ہماری حیات کا کوئی گوشہ، ہمارے قلب و دماغ کا کوئی ریشہ اُن کی اطاعت سے آزاد نہ ہو۔ اس محبت کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ ہمارے افکار و نظریات، ہمارے اعمال و افعال، ہماری سیرت و کردار سب میں نہ صرف اس کے اثرات نمایاں ہوں بلکہ ان پر آپ ﷺ کی محبت کی گہری چھاپ ہو۔ وہ سب تعلیماتِ رسول ﷺ کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہوں۔ اسلام میں وہ محبت بالکل بے معنی ہے جس کے پیچھے کامل اطاعت اور مکمل اتباع کا جذبہ کارفرما نہ ہو۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ﴾

(محمد: ۳۳/٤٧)

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو رائیگاں نہ کرو۔''

﴿وَمَآ اٰتٰـكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰـكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (حشر: ۷/۵۹)

''جو تم کو رسولؐ نے دیا اس کو پکڑو اور جس سے تم کو روکا اس سے باز رہو۔''

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ﴾ (الاحزاب: ۲۱/۳۳)

''تم لوگوں کے لیے یعنی اس شخص کے لیے جو اللہ سے اور روزِ آخرت سے ڈرتا ہے، رسول اللہ کی ذات میں اچھا نمونہ ہے۔''

رسالت مآب ﷺ نے اس حقیقت کو اپنی زبان فیض ترجمان میں یوں بیان فرمایا ہے:

((مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِيْ فَقَدْ اَحَبَّنِيْ مَنْ اَحَبَّنِيْ كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ)) (ترمذی)

''جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔''

((عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: كُلُّ اُمَّتِيْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰى، قِيْلَ وَ مَنْ يَّأْبٰى؟ يَا رسولَ اللّٰه! قَالَ: مَنْ اَطَاعَنِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَ مَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ اَبٰى)) (رواہ البخاری)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کے سب لوگ جنت میں جائیں گے مگر وہ جنت سے محروم رہیں گے جنہوں نے انکار کیا۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ انکار کون کرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا، جس نے نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔''

اس طرح ایک دوسری حدیث میں جو انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے مروی ہے، فرمایا گیا:

((قَالَ رَسُولُ اللّٰہ صَلی اللہُ عَلیہِ وَسلمّ یا بُنَیَّ اِنْ قَدَرْتَ اَنْ تُصْبِحَ وَ تُمْسِیَ وَ لَیْسَ فِی قَلْبِكَ غِشٌّ لِاَحَدٍ فَافْعَلْ، ثُمَّ قَالَ یا بُنَیَّ وَ ذٰلِكَ، مِنْ سُنَّتِی، مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَ مَنْ اَحَبَّنِیْ كَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّةِ)) (رواہ الترمذی)

''آپ ﷺ نے فرمایا، اے فرزند! اگر تم یہ کر سکتے ہو کہ صبح و شام کسی وقت بھی تمہارے دل میں کسی کے لیے کھوٹ نہ رہے تو کر گزرو کیونکہ صاف سینہ رہنا یہ میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقہ کو پسند کرتا ہے، وہ ضرور میری محبت رکھتا ہے اور جو مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اتباع سنت کے اس قدر شدت سے پابند تھے کہ اس کی نظیر انسانوں کے کسی دوسرے گروہ میں نہیں ملتی، رسول اللہ ﷺ جو عمل کرتے یا جو کچھ ارشاد فرماتے، صحابہ ہمیشہ اس کی پیروی کرتے۔ سیرت کی کتابوں میں بے شمار واقعات ایسے ملتے ہیں جن سے اس امر کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

ایک بار آپؐ مسجد سے نکل رہے تھے، دیکھا کہ راستے میں مرد اور عورت مل جل کر چل رہے ہیں۔ عورتوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: 'پیچھے رہو، تم وسط راہ سے نہیں گزر سکتیں۔'' اس کے بعد یہ حال ہو گیا کہ عورتیں اس قدر گلی کے کنارے چلتی تھیں کہ ان کے کپڑے دیواروں سے الجھ جاتے تھے۔

سیدنا محمد بن اسلم رضی اللہ عنہ نہایت کبیر السن صحابہ تھے۔ لیکن جب بازار سے پلٹ کر گھر آتے اور چادر اتارنے کے بعد یاد آتا کہ انہوں نے مسجد نبوی میں نماز نہیں پڑھی، تو کہتے کہ اللہ کی قسم میں نے مسجد رسول اللہ میں نماز نہیں پڑھی، حالانکہ آپ ﷺ نے ہم سے فرمایا تھا کہ جو شخص مدینہ میں آئے تو جب تک اس مسجد میں دو رکعت نماز نہ پڑھ لے گھر کو واپس نہ جائے۔ یہ کہہ کر چادر اٹھاتے اور مسجد نبوی میں دو رکعت نماز پڑھ کر واپس آتے۔

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کے سامنے مدائن کے ایک رئیس نے چاندی کے برتن میں پانی پیش کیا۔ انہوں نے اس کو اٹھا کر پھینک دیا اور فرمایا کہ میں نے اس کو منع کیا تھا یہ باز نہیں آیا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کی مخالفت فرمائی ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نہ صرف احکامِ رسول ﷺ کی اتنی سختی سے اطاعت کرتے بلکہ سنن عادیہ و اتفاقیہ کا اتباع بھی بڑے ہی اہتمام سے کیا جاتا۔ سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ جب کوئی بات کہتے تھے تو مسکرا دیتے تھے۔ اُمّ الدرداء نے کہا۔ ''اس عادت کو ترک کر دیجیے ورنہ لوگ آپ کو احمق بنائیں گے۔'' بولے میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ جب کوئی بات کہتے تھے، مسکرا دیتے تھے۔ (یعنی خندہ پیشانی سے گفتگو فرماتے تھے)

ایک صحابی آپ ﷺ کی خدمت میں بیعت کے لیے حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ آپ کی قمیص کا تکمہ کھلا ہوا ہے، آپ ﷺ کی تقلید میں انہوں نے بھی عمر بھر قمیص کا تکمہ کھلا رکھا، اور اس میں سردی اور گرمی کی کچھ پرو نہ کی۔

ان سب واقعات کے مطالعہ سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ محبت جب دل میں جاگزیں ہوتی ہے، تو عملی زندگی پر اس کے اثرات بالضرور مرتب ہوتے ہیں۔ وہ محبت جس کی تائید عمل سے نہ ہوتی ہو کوئی زیادہ قابلِ اعتماد محبت نہیں۔ اگر محبت کا جذبہ اپنی حرارت سے محبت کرنے والوں کے افکار و اعمال کو ڈھال کر انہیں محبوب کے فکر و عمل کے مطابق بنانے میں کامیاب نہیں ہوسکتا تو اس میں ضرور کوئی نہ کوئی خامی ہے۔ چنانچہ حافظ ابنِ قیمؒ زاد المعاد میں فرماتے ہیں:

''جو شخص کتبِ سیرت کا مطالعہ کرے گا اور ان میں بہت سے اہل کتاب اور مشرکین کی تصدیق کے واقعات پڑھے گا تو اس پر یہ بخوبی روشن ہو جائے گا کہ اسلام صرف آپؐ کی رسالت کی تصدیق کا نام نہیں، نہ وہ صرف معرفت ہے نہ صرف معرفت و اقرار کا نام ہے بلکہ جب تک ان کے علاوہ آپ ﷺ کی ظاہری اور باطنی فرمانبرداری اور آپ ﷺ کی پوری پوری اطاعت کا عہد نہ کرے، اس وقت تک کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا۔''

حضرت شاہ ولی اللہؒ مسلمانوں کے انحطاط کا سب سے بڑا سبب سنت نبویؐ کے ترک کو قرار دیتے ہیں، وہ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:

''نبی ﷺ نے ہم کو تحریف کے سب راستوں سے متنبہ فرمایا اور اس بارے، میں امت سے عہد و پیمان لیے، امت میں کاہلی اور سستی کا سب سے بڑا سبب سنت سے صرفِ نظر ہے۔ اور اس بارے میں نبی ﷺ کا یہ قول ہے۔ ''مجھ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جسے اپنی امت میں سے ایسے حواری اور اصحاب نہ ملے ہوں جو اس کی سنت پر عمل کرتے اور اس کے حکم کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ پھر ان کے بعد نا اہل لوگ پیدا ہو جاتے ہیں، جو کچھ وہ کہتے ہیں کرتے نہیں اور جن باتوں کا حکم انہیں نہیں ہوتا وہ کرتے ہیں، پس جو ان سے ہاتھ کے ساتھ جہاد کرے وہ مومن ہے، جو ان سے زبان سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو ان سے دل سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے، اور اس کے بعد رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں تم میں سے کسی کو ایسی حالت میں نہ پاؤں کہ اپنے تخت پر تکیہ لگائے ہوئے ہو اور اس کے پاس میرا کوئی حکم آئے جو میں نے دیا ہو یا جس سے منع کیا ہو تو وہ کہنے لگے میں کچھ نہیں جانتا جو کچھ ہم نے کتاب اللہ میں پایا اس کا ہم نے اتباع کیا۔'' (یاد رکھو) نبی اکرم ﷺ نے سنت پر عمل کرنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔''

ان صفحات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہمارے تعلق کی نوعیت کے سلسلہ میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کے مطالعہ سے یہ بات بآسانی سمجھ میں آ سکتی ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ ہمارا رشتہ کس قدر گہرا اور پائیدار ہے اور یہ دوسرے سارے رشتوں پر کس قدر حاوی ہے۔ سخت نادان ہیں وہ لوگ جو آپ ﷺ کو کسی معتمد ہرکارے کی حیثیت دیتے ہیں، آپ ﷺ کا کام صرف ابلاغِ حق ہی نہیں تھا بلکہ اس کا نفاذ اور قیام بھی ہے۔ آپ ﷺ کی ذات اقدس اس دین کی عملی تشریح ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قاصد سے کہیں زیادہ بڑھ کر ایک معلم، ایک مزکّی، ایک مرشد، ایک مبیّن، ایک مبشّر، ایک مُنذِر اور ایک سراجِ منیر ہیں۔ کلامِ الٰہی جس پیکرِ محسوس میں اپنی مکمل ترین صورت میں جلوہ گر ہوا ہے وہ آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی ہی ہے۔

پھر آپ ﷺ کی یہ مختلف حیثیتیں صرف آپ کے زمانے تک ہی محدود نہ تھیں بلکہ قیامت تک اسی طرح رہیں گی۔ جب تک یہ زمین و آسمان قائم ہیں اس وقت تک انسانیت کی سعادت انہی کی بلا چون و چرا اطاعت سے وابستہ ہے۔ جس چیز کو آپ ؐ نے حق کہہ دیا وہ وقت کے ہزار اختلاف کے باوجود ہمیشہ حق ہی رہے گی اور جس کو آپ نے باطل قرار دیا اسے گردشِ ایام کبھی حق میں تبدیل نہیں کر سکتی۔ آپ ﷺ کی نبوت کوئی ایسی نہیں جس کی راہ میں زمانہ کی دیواریں حائل ہوں۔ آپ ﷺ کی رسالت ابدی اور آفاقی ہے اور زمان و مکان کی حد بندیوں سے بالکل ماورا۔ جناب رسالت مآب ﷺ آج بھی ایک مسلمان کے لیے اسی طرح ہادی اور مطاع ہیں جس طرح اپنی زندگی میں تھے۔ ایک انسان خواہ کسی دور اور کسی ملک کا رہنے والا ہو اس وقت تک مسلمان نہیں بن سکتا جب تک وہ آپ ﷺ کی چاکری اختیار نہ کرے اور پھر اس پر کسی قسم کا انقباض اور تنگی محسوس کرنے کے بجائے اسے اپنے لیے ہر لحاظ سے خیر و برکت نہ سمجھے۔

آپ ﷺ کی محبت ہی ایک مسلمان کا بیش قیمت سرمایہ ہے۔ ایسا سرمایہ جس کو حاصل کر لینے کے بعد وہ ایمان ایسی عظیم نعمت سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ حدیث میں اسی امر کی وضاحت میں کہا گیا ہے:

((مَنْ اَطَاعَ مُحَمَّدًا فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَ مَنْ عَصٰی مُحَمَّدًا فقد عَصَی اللّٰهَ وَ مُحَمَّدٌ فُرُقٌ بَيْنَ النَّاسِ)) (بخاری)

''جس نے محمدؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے محمدؐ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی (اللہ کے ماننے اور نہ ماننے والے) لوگوں کے درمیان محمدؐ ہی نشانِ امتیاز ہیں۔''

سب اسلام کے حکم بردار بندے — سب اسلامیوں کے مددگار بندے
اللہ اور نبیؐ کے وفادار بندے — یتیموں کے، رانڈوں کے مددگار بندے

فضائلِ اعمال

دُعا

''الدُّعاءُ'' (دَعَا، یَدْعُوْ، دُعَاءً) کا لغوی معنی پکارنا، بلانا مدد طلب کرنا، سوال کرنا اور شرعی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فریاد کرنا اور اس کی مدد کا طلبگار ہونا اور دعا کی حقیقت دو چیزوں سے مرکب ہے۔ اللہ کے حضور اپنی عبودیت، غلامی، عجز اور بے بسی کا اظہار اور اللہ تعالیٰ کی قدرت، رحمت اور عظمت وجلال کا اقرار، انسان جب اپنی بندگی وپستی اور اللہ تعالیٰ کی بر تری و بالادستی کے زندہ شعور اورقوی احساس کے ساتھ اس کی بارگاہ میں عرض و نیاز کر کے اس سے اپنی ضروریات طلب کرتا ہے۔ پھر اپنے دکھوں اور تکلیفوں کا ازالہ چاہتا ہے تو دعا کی حقیقت وجود میں آتی ہے۔

دعا فطرت کی آواز ہے

انسان اپنی تمام تر قوت و طاقت کے باوجود کمزور اور بے بس ہے، اس کی بے بسی کا اندازہ اس سے لگایئے کہ آنکھ میں ذرّہ پڑ جائے تو کسی کروٹ چین نہیں ہے، دانت اور کان میں درد ہونے لگے تو کسی پہلو آرام نہیں ہے، شدید بخار آ جائے تو کراہنے لگتا ہے، کسی حادثہ میں چوٹ آ جائے اور زخم لگ جائے تو چیخنے اور پکارنے لگتا ہے، گرمی کی شدت میں چند گھنٹے پانی نہ ملے تو تڑپنا شروع کر دیتا ہے۔ بارانِ رحمت کا نزول نہ ہو اور کھیتیاں خشک ہونے لگیں تو حواس باختہ ہو جاتا ہے اور ہر طرف موت کے سائے منڈلانے لگتے ہیں، اس کی کشتیاں اور جہاز بھنور میں پھنس جائیں تو پریشان حال ہو جاتا ہے، اس وقت وہ ایسی قوت کا متلاشی ہوتا ہے، جو اسے مشکلات کے بھنور سے نکالے اس کی تکالیف کو دور کرے، اُس کی پریشانیاں مٹائے، اس کے دکھوں کا مداوا بنے، اُسے غرق ہونے سے بچا کر کنارے پر لگائے، اس کے رستے زخموں پر مرہم لگائے، جو اسے ان مصائب سے نجات دلا کر آسودگی اور

راحت سے ہمکنار کر دے، قرآن حکیم فطرت کی اس آواز کو یوں بیان کرتا ہے:

﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ﴾ (النمل:٢٧/٦٢)

''کون ہے جو بے قرار کی دعا سنتا ہے جبکہ وہ اسے پکارے اور کون اس کی تکلیف کو رفع کرتا ہے؟ اور (کون ہے جو) تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے (ہرگز نہیں مگر) تم لوگ بہت کم غور کرتے ہو۔''

مشرکین کی حس باطنی

غیر معمولی مشکلات و مصائب میں مشرکین کی حسِ باطنی بھی جاگ اٹھتی ہے اور وہ خالص اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں:

﴿فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ﴾ (العنکبوت:٢٩/٦٥)

''پس جب یہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے (اور وہ بھنور میں پھنس جاتی ہے) تو اللہ کو پکارتے اور خالص اسی کی عبادت کرتے ہیں لیکن جب وہ ان کو نجات دے کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو جھٹ شرک کرنے لگ جاتے ہیں (خبثِ باطن کا شکار ہو جاتے) ۔''

حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

''مشرکین کے اس تناقض (تضاد) کو بھی قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان فرمایا گیا ہے، اس تناقض کو سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ سمجھ گئے تھے، جس کی وجہ سے انہیں قبولِ اسلام کی توفیق حاصل ہو گئی، اُن کے متعلق آتا ہے کہ فتحِ مکہ کے بعد یہ وہاں سے فرار ہو گئے تاکہ نبی ﷺ کی گرفت سے بچ جائیں، یہ حبشہ جانے کے لیے ایک کشتی میں بیٹھے، کشتی گرداب میں پھنس گئی تو اس میں سوار لوگوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ پورے خلوص سے رب سے دعائیں کرو، اس لیے کہ یہاں اس کے علاوہ کوئی نجات دینے والا نہیں ہے، سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا کہ اگر یہاں سمندر میں اس کے سوا کوئی نجات نہیں دے سکتا تو

خشکی میں بھی اس کے سوا کوئی نجات نہیں دے سکتا، اور اسی وقت اللہ سے عہد کر لیا کہ اگر میں یہاں سے بخیریت ساحل پر پہنچ گیا تو میں محمد (ﷺ) کے ہاتھ پر بیعت کر لوں گا یعنی مسلمان ہو جاؤں گا، چنانچہ یہاں سے نجات پا کر انہوں نے اسلام قبول کر لیا (رضی اللہ عنہ)۔

(احسن البیان، بحوالہ تفسیر ابن کثیر)

دعا صرف اللہ تعالیٰ سے کی جاتی ہے:

دعائیں قبول کرنے کے جملہ اختیارات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں، اس لیے اُسی کا حکم ہے:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ (المؤمن: ٤٠/ ٦٠)

''تمہارا رب کہتا ہے: مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا۔''

سبحان اللہ! وہ کتنا مہربان رب ہے جو اپنے بندوں کو اپنی بارگاہ میں خود بلاتا ہے کہ اُن کی فریادوں اور التجاؤں کو قبول فرمائے۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگ غرور اور تکبر کا شکار ہیں جو اُس محسن آقا کی عبادت سے منہ موڑتے اور اپنی مشکلات کو اس کے حضور پیش کرنے سے گریز کرتے ہیں ان کا انجام بھی کوئی اچھا نہیں ہے، اُس کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ﴾ (المؤمن: ٤٠/ ٦٠)

''جو لوگ میری عبادت سے ازراہ تکبر منہ موڑتے ہیں عنقریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔''

کہاں اور کب فریاد سنتا ہے؟

وہ رب کہاں اور کب فریاد سنتا ہے؟ قرآن حکیم اس کا بڑی وضاحت سے اعلان کرتا ہے:

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَ لْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ﴾ (البقرة: ٢/ ١٨٦)

''اور (اے نبیؐ) جب میرے بندے اگر آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو انہیں بتا دیجیے کہ میں ان سے قریب ہی ہوں، پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے، میں اُس کی پکار سنتا اور

جواب دیتا ہوں۔ (اور وہ بھی اپنی بندگی کا ثبوت دیتے ہوئے) میرے احکام بجا لائیں
(جو سراسر حکمت پر مبنی ہیں اور انہیں دنیا و آخرت میں فوز و فلاح سے ہمکنار کرتے ہیں)
اس طرح وہ راہِ راست پالیں گے۔'

رب العالمین کا علم تو دلوں سے اُٹھنے والی فریادوں سے بھی آگاہ ہے اور وہ ہماری رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہے، اس لیے اُس کے حضور اُسے زبان سے پکاریں یا دل سے فریاد کریں، اس کے دربار سے مایوسی نہیں ہونی ہے،ضروری ہے کہ ہم اپنے اندر اخلاص پیدا کریں، اس کا اعلان ہے:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ (ق:٥٠/١٦)

''ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اُس کے دل میں ابھرنے والے وسوسوں تک کو ہم جانتے ہیں، ہم اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔''

اس لیے ضروری ہے، کہ ہمارے خیالات خیر اور بھلائی پر مبنی ہونے چاہیں اور اپنے رب سے نیک تمنائیں رکھنی چاہیں۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ہم سب اللہ کے در کے فقیر ہیں، ارشاد ہوتا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴾ (فاطر:٣٥/١٥)

''لوگو! تم ہی اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تو بے نیاز، خوبیوں والا ہے۔''

حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

''النَّاسُ'' ناس لفظ عام ہے جس میں عوام و خواص حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام اور صلحاء سب آ جاتے ہیں۔ اللہ کے در کے سب ہی محتاج ہیں لیکن اللہ کسی کا محتاج نہیں۔ (احسن البیان)

آئندہ قرآنی دعاؤں میں ہم دیکھیں گے کہ انبیائے کرام بھی اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد کرتے رہے ہیں۔

''اَلْغَنِیُّ'' بے نیاز، وہ اتنا بے نیاز ہے کہ سب لوگ اگر اس کے نافرمان ہو جائیں تو اِس سے اس کی سلطنت میں کوئی کمی نہیں آتی اور سب اُس کے اطاعت گزار بن جائیں تو اس سے اس کی قوت

میں زیادتی نہیں ہوگی، بلکہ نافرمانی سے انسانوں کا اپنا ہی نقصان ہے اور اس کی عبادت و اطاعت سے انسانوں کا اپنا ہی فائدہ ہے۔

''اَلْحَمِیْدُ'' خوبیوں والا یعنی محمود ہے، اپنی نعمتوں کی وجہ سے (اور اس کی نعمتیں انسانوں پر تنی زیادہ ہیں کہ انہیں شمار و قطار میں نہیں لایا جا سکتا ہے) اس پر وہ حمد و شکر کا مستحق ہے۔ (احسن البیان)

چند آدابِ دُعا

قرآن و حدیث میں اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرنے کے کچھ آداب بیان ہوئے ہیں، ان میں سے یہ بھی ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ کو رغبت اور خوف سے پکارنا

وہ خالق و مالک ابرار و صالحین کا ذکر اس طرح فرماتا ہے:

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ﴾ (الانبیاء: ۲۱/ ۹۰)

''یہ لوگ نیکیوں کی طرف دوڑ دھوپ کرتے اور ہمیں رغبت اور خوف کے ساتھ پکارتے تھے اور ان کی (پیشانیاں) ہمارے ہی آگے جھکی رہتی تھیں۔''

حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

''گویا قبولیتِ دعا کے لیے ضروری ہے کہ ان باتوں کا اہتمام کیا جائے جن کا بطورِ خاص یہاں ذکر کیا گیا ہے، مثلاً الحاح و زاری کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں دعا و مناجات، نیکی کے کاموں میں سبقت، خوف و طمع کے ملے جلے جذبات کے ساتھ رب کو پکارنا اور اُس کے سامنے عاجزی اور خشوع و خضوع کا اظہار کرنا۔ (احسن البیان)

''خوف'' اللہ تعالیٰ کے عذاب کا خوف دل میں سمایا رہے۔

''طَمع'' اس کی رحمت کی آس اور امید بھی لگائے رکھے اور بندۂ مومن خوف اور طمع کے درمیان حیاتِ مستعار کے دن گزارتا ہے، اس لیے آتا ہے۔

﴿وَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ يَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ﴾ (بنی اسرائیل: ۱۷/ ۵۷)

”وہ اس کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے خائف ہیں۔“

ایک اور مقام پر اہلِ ایمان کی کیفیت کو اس طرح بیان فرمایا

﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ (السجدہ: ۳۲/۱۶)

”(بوقت سحری اہل ایمان کے) پہلو اپنے بستروں سے الگ ہو جاتے ہیں اور اپنے رب کو خوف اور طمع کے ساتھ پکارتے ہیں (اعمالِ حسنہ میں اضافہ کے لیے) جو کچھ رزق ہم نے انہیں دے رکھا ہے، اس میں سے (غرباو ساکین پر) خرچ بھی کرتے ہیں)۔“

امام راغب اصفہانی نے ”خوف“ پر بڑی عمدہ گفتگو کی ہے:

﴿اَلْخوفُ مِنَ اللّٰهِ﴾ (اللہ تعالیٰ سے ڈرنے) کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ جس طرح انسان شیر کے دیکھنے سے ڈر محسوس کرتا ہے، اس قسم کا رعب اللہ تعالیٰ کے تصور سے انسان کے قلب پر طاری ہو جائے، بلکہ خوفِ الٰہی کے معنی یہ ہیں کہ انسان گناہوں سے بچتا رہے اور احکامِ الٰہی کو دل و جان سے بجا لاتا رہے، اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ جو شخص گناہ ترک نہیں کرتا، وہ ”خائف“ یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا نہیں ہو سکتا۔ (مفردات القرآن)

۲- چپکے چپکے گریہ و زاری سے پکارنا

رب کریم کا ارشاد ہے:

﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ (الاعراف: ۷/۵۵)

”اپنے رب سے گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے (پست آواز) سے مانگو، یقیناً وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

حد سے بڑھنے سے مراد کوئی نا معقول بات دعا میں کہنا ہے، جیسے کوئی اپنے لیے ہمیشہ کی زندگی مانگے، چوری چکاری کی توفیق طلب کرے وغیرہ۔

۳- توجہ، یکسوئی اور قبولیت کا پختہ یقین

نبی ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور اس طرح مانگو کہ تمہیں قبولیت کا پختہ یقین ہو۔

((اُدْعُوا اللّٰهَ وَ اَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْاِجَابَةِ)) (مشکوٰۃ کتاب الدّعوات)

۴- عزم و جزم

"آپ ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے:

کہ جب کوئی شخص دعا مانگے، تو یہ نہ کہے، اے اللہ! اگر تو چاہے تو میری مغفرت فرما، اے اللہ! تو چاہے تو مجھ پر رحم فرما، اے اللہ! تو چاہے تو مجھے رزق عطا فرما، بلکہ دعا مانگتے وقت اللہ تعالیٰ سے عزم و اصرار سے طلب کرنا چاہیے (یوں طلب کرے کہ اللہ! تیری رحمت اور بخشش کے سوا مجھے کوئی چارہ نہیں ہے) اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو جو چاہے، کرسکتا ہے، اسے کوئی مجبور نہیں کرسکتا۔

(بخاری، بحوالہ مسنون دعائیں، سید شبیر احمد)

۵- جب مانگو تو صرف اللہ ہی سے مانگو

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم سوال کرو تو اللہ ہی سے سوال کرو اور جب مدد طلب کرو تو اللہ ہی سے مدد طلب کرو۔"

((اِذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ وَ اِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ)) (ترمذی، بحوالہ اربعین نووی)

۶- الاسماء الحسنٰی کے ساتھ پکارنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ (الاعراف:۷/۱۸۰)

"اور اللہ کے ہیں سب اچھے نام، سو اُس کو پکارو۔"

(دعا مانگو) ان اچھے ناموں کا واسطہ دے کر۔

ایک صحیح روایت میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اللہ تعالیٰ سے اس کی صفاتِ حسنہ...... ﴿اَحَدٌ، الصَّمَدُ، لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ. وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ کا واسطہ دے کر اپنے لئے مغفرت طلب کرتے ہوئے سنا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرما دیا ہے۔

(ابو داؤد، بحوالہ مسنون دعائیں، شبیر احمد)

اور حدیثِ مبارکہ میں دعا کون کلمات سے شروع کرنے کا پتہ چلتا ہے:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَسْأَلُكَ بِاَنِّیْ أَشْهَدُ أَنَّكَ أَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا أَنْتَ الْأَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا أَحَدٌ)) (حصن المسلم)

''اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تو ہی اللہ (معبود برحق) ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، تو اکیلا، بے نیاز ہے اور سب تیرے محتاج ہیں، وہ ذات کہ نہ اُس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد اور نہ ہی کوئی اس کا ہمسر ہے۔''

۷۔ سچے دل سے توبہ واستغفار کرنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا﴾ (التحریم:٦٦/٨)

''اے ایمان والو! تم اللہ کے لیے سچی خالص توبہ کیا کرو۔''

معصیت کی راہ ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا راستہ اختیار کرنا اور رب کریم کے حضور کثرت سے استغفار کرنا اور زبان سے ''اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ'' کا ورد کرنا یعنی اے اللہ! میں اپنے گناہوں اور خطاؤں کی آپ سے معافی مانگتا ہوں (معافی مانگتی ہوں) اس سے بندے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حقدار بن جاتے ہیں۔

سیدنا نوحؑ اپنی قوم کو خطاب کرتے ہیں:

﴿اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ اِنَّهٗ کَانَ غَفَّارًا ۝ یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّیُمْدِدْکُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ وَیَجْعَلْ لَّکُمْ جَنّٰتٍ وَّیَجْعَلْ لَّکُمْ اَنْهٰرًا﴾ (نوح:٧١/١٠-١٢)

''اپنے رب سے معافی مانگو، بلاشبہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے خوب بارشیں برسائے گا، تمہیں مال اور اولاد سے نوازے گا، تمہارے لیے باغات اور نہروں سے (ہر طرح سے خوشحالی پیدا فرما دے گا)۔''

صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

﴿اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ﴾ یعنی ایمان اور اطاعت کا راستہ اپنا لو اور اپنے رب سے گزشتہ

گناہوں کی معافی مانگ لو۔

﴿اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا﴾ وہ سچے دل سے توبہ کرنے والوں کے لیے بڑا ہی رحیم وغفار ہے۔

﴿يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا﴾ وہ تم پر آسمان سے خوب بارشیں برسائے گا۔ سیدنا حسن بصریؒ کے متعلق مروی ہے کہ ان سے آکر کسی نے قحط سالی کی شکایت کی تو انہوں نے اسے استغفار کی تلقین کی، کسی دوسرے شخص نے فقر و فاقہ کا رونا رویا، اسے بھی انہوں نے یہی نسخہ بتایا۔ ایک اور شخص نے اپنے باغ کے خشک ہونے کا شکوہ کیا، اُسے بھی فرمایا، استغفار کر، ایک شخص نے کہا، میرے گھر اولاد نہیں ہوتی، اسے بھی کہا اپنے رب سے استغفار کر، کسی نے جب اُن سے کہا کہ آپ نے استغفار ہی کی تلقین کیوں کی؟ تو آپ نے یہی آیت تلاوت کر کے فرمایا، کہ میں نے اپنے پاس سے یہ بات نہیں کی، یہ وہ نسخہ ہے جو ان سب باتوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے۔ (ایسر التفاسیر بحوالہ احسن البیان)

۸- اَکلِ حَلَال اور صِدقِ مَقال

دعا کی قبولیت اس وقت یقینی ہو جاتی ہے جب کوئی شخص اپنی روزی حلال اور جائز ذرائع سے حاصل کرتا ہے اور اُس میں جھوٹ اور دروغ گوئی سے کام نہیں لیتا، صاف ستھری زندگی گزارنا ہی ایک اچھے اور سچے مسلمان کی شان ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکیزہ چیزیں ہی قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اسی بات کا حکم دیتا ہے، جس کا حکم اس نے انبیائے کرام علیہم السلام کو دیا ہے، اُس کے ثبوت میں آپ ﷺ نے یہ آیتِ مبارکہ پڑھی، جس میں رب کریم نے فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ﴾

(المؤمنون: ۲۳/ ۵۱)

''اے رسولوں کی جماعت! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک اعمال کرو اور جو کچھ تم کرتے ہو، میں اسے خوب جانتا ہوں۔''

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ایسے آدمی کا ذکر فرمایا ہے، جو ایک

طویل سفر پر ہے اور اس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ خستہ حال ہے اور اُس کا جسم گرد وغبار سے اٹا ہوا ہے (اس خستگی اور درماندگی کی حالت میں اُس کی دعا تو ضرور قبول ہونی چاہیے) اور وہ اس حال میں آسمان کی طرف منہ کر کے اپنے ہاتھ اٹھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور یوں گویا ہوتا ہے:

((یَا رَبِّ، یَا ربِّ! وَ مَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَ مَشْرَبُهٗ حَرَامٌ وَ مَلْبَسُهٗ حَرَامٌ وَ غُذِیَ بِالْحَرَامِ فَاَنّٰی یُسْتَجَابُ لَهٗ)) (رواہ مسلم بحوالہ الجواب الکافی، ابن قیّم)

''اے رب! اے رب! اور حال یہ ہے کہ اُس کا کھانا پینا حرام کا ہے، اوڑھنا بچھونا حرام کا ہے اور وہ حرام کی غذا ہی سے پلا بڑھا ہے، بھلا اس کی دعا کیسے قبول ہو؟''

حافظ صلاح الدین یوسف طیبات پر لکھتے ہیں:

﴿طیّبات﴾ سے مراد پاکیزہ اور لذت بخش چیزیں ہیں، بعض نے اس کا ترجمہ حلال چیزیں کیا ہے، دونوں ہی اپنی جگہ صحیح ہیں، کیونکہ ہر پاکیزہ چیز اللہ نے حلال قرار دی ہے اور ہر حلال چیز پاکیزہ اور لذت بخش ہے خبائث کو اللہ نے اسی لیے حرام کیا ہے کہ وہ اثرات ونتائج کے لحاظ سے پاکیزہ نہیں ہیں، گو خبائث خور قوموں کو اپنے ماحول اور عادت کی وجہ سے اُن میں ایک گونہ لذت ہی محسوس ہوتی ہے، عملِ صالح وہ ہے جو شریعت یعنی قرآن و حدیث کے موافق ہو، نہ کہ وہ جسے لوگ اچھا سمجھیں، کیوں کہ لوگوں کو تو بدعات بھی بہت اچھی لگتی ہیں، بلکہ اہلِ بدعت کے ہاں جتنا اہتمام بدعات کا ہے اتنا فرائض اسلام اور سنن و مستحبّات کا بھی نہیں ہے۔

اَکلِ حلال سے عملِ صالح کی تاکید سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا آپس میں گہرا تعلق ہے اور یہ ایک دوسرے کے معاون ہیں، اَکل حلال سے عملِ صالح آسان اور عملِ صالح انسان کو اکلِ حلال پر آمادہ اور اسی پر قناعت کرنے کا سبق دیتا ہے، اسی لیے اللہ نے تمام پیغمبروں کو ان دونوں باتوں کا حکم دیا، چنانچہ تمام پیغمبر محنت کر کے حلال کی روزی کمانے اور کھانے کا اہتمام کرتے رہے، جس طرح سیدنا داوٗد علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے ﴿كَانَ يَأْكُلُ مِنْ كَسْبِ يَدِهٖ﴾ وہ دست و بازو سے رزقِ حلال کماتے تھے اور نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں، میں بھی اہل مکہ کی بکریاں چند قراریط کے عوض چراتا تھا۔ (صحیح بخاری، کتاب الْاِجارہ، بحوالہ احسن البیان)

۹-غموں اور دکھوں کا مداوا

اللہ تعالیٰ کے حضور مندرجہ ذیل کلمات دکھوں اور غموں سے نجات حاصل کرنے کا بہترین راستہ ہے:

﴿لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ (الانبیاء:۲۱/۸۷)

”اے اللہ! آپ کے سوا میرا کوئی مشکل کشا نہیں ہے، آپ تو (ہر عیب ونقص سے) پاک ہیں، میں ہی قصور وار تھا۔“

یہ سیدنا یونس علیہ السلام کی دعا ہے جو آپ نے سخت تکلیف اور پریشانی کی حالت میں جبکہ ایک خاص مچھلی نے بحکم الٰہی آپ کو نگل لیا تھا مانگی تھی وہ اپنی قوم سے ناراض ہو کر کہ وہ دعوتِ حق سے اعراض کرتی رہی اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ہی انہیں چھوڑ کر چل دیئے، جس پر اللہ نے ان کی گرفت فرمائی۔ (بحوالہ احسن البیان) ساتھ ہی اس کی قبولیت کا بھی ذکر ہے، رب کریم کا ارشاد ہے:

﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَ نَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَ كَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (الانبیاء:۲۱/۸۸)

”سو قبول کی ہم نے اس کی دعا اور نجات بخشی ہم نے اس کو غم سے اور اسی طرح ہم نجات دیتے ہیں ایمان والوں کو۔“

۱۰-دعا میں تکرار

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب اپنے رب سے سوال کرتے یا دعا مانگتے تو تین تین بار دہرایا کرتے تھے۔ (متفق علیہ- بحوالہ مسنون دعائیں) استغفار کے الفاظ تو کئی بار دہرائے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح ہر دعا کو بھی بار بار دہرایا جا سکتا ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے: اللہ کی قسم! میں اُس سے بخشش چاہتا ہوں اور دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ توبہ کرتا ہوں۔

((وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْهِ فِی الْیَوْمِ اَكْثَرَ مِنْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً))

(بابُ التوبہ، ریاض الصالحین)

تکرار سے مفہومِ دعا کو اپنے دل میں جگہ دینا اور خالق و مالک سے بار بار التجا کرنا مقصود ہوتا

ہے، بار بار مانگنے سے اپنی بے کسی اور بے بسی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور رحمٰن و رحیم کی عزت و عظمت دل میں جگہ پاتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ہم سب اُس کے در کے فقیر ہیں۔

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ‌ وَاللّٰهُ هُوَ الۡغَنِىُّ الۡحَمِيۡدُ﴾ (فاطر:۳۵/۱۵)

''لوگو! تم ہی اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تو غنی و حمید ہے۔''

سیدنا یونس علیہ السلام نہ معلوم کتنے دن اور کتنے گھنٹے زبردست تاریکی میں اللہ تعالیٰ کے حضور گریہ و زاری کرتے رہے ہوں گے اور رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر کی شب دعا و مناجات میں گزار دی۔

۱۱- ہر حال میں دعا مانگنا

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ مصائب و آلام، تکالیف اور پریشانیوں میں اس کی دعائیں قبول ہوں تو اسے چاہیے کہ راحت و آرام کے زمانے میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتا رہے۔ (ترمذی، بحوالہ مسنون دعائیں)

۱۲- نیک اعمال کو وسیلہ بنا کر دعا مانگنا

صحیحین میں مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بنی اسرائیل کے تین اشخاص نے دورانِ سفر ایک غار میں بارش کی وجہ سے پناہ لے رکھی تھی کہ ایک پتھر سے غار کا منہ بند ہو گیا اور وہ غار میں پھنس گئے، ان میں سے ہر ایک نے اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے نیک کام کو وسیلہ بنا کر دعا مانگی اور ان کی دعا قبول ہوئی اور غار کے منہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے پتھر ہٹ گیا۔ (متفق علیہ، بحوالہ مسنون دعائیں)

قرآن حکیم کی اس آیتِ مبارکہ میں جو ارشاد ہوا ہے:

﴿يٰۤـاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابۡتَغُوۡۤا اِلَيۡهِ الۡوَسِيۡلَةَ﴾ (المائدہ:۵/۳۵)

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور (نیک اعمال کے ذریعے) اس کا قرب تلاش کرو۔''

اس سے مراد یہ ہے کہ تم اسباب کے طالب اور آرزومند رہو کہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضامندی حاصل کرنی ہے اور اس کا راستہ صرف یہ ہے کہ وہ نیک اعمال سرانجام دو جو قرآن و سنتِ نبویؐ کے مطابق ہوں۔

﴿اَلْوَسِیْلَۃَ﴾ کے معنی قرب کے ہیں اور اس کا بہترین ذریعہ احکامِ الٰہی کی تعمیل ہے۔

(تفسیر ماجدی)

مندرجہ بالا آیتِ مبارکہ کے ساتھ ہی ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَ جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (المائدہ:۵/۳۵)

''اور اس کی راہ میں (اس کے احکام کو) خلوص اور کوشش سے سر انجام دو، تاکہ تم فوز و فلاح سے ہمکنار ہو جاؤ۔''

﴿جہاد﴾ عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کا مادہ ''جہد'' ہے اس کے لغوی معنی محنت اور کوشش کے ہیں، اردو زبان میں جدوجہد کا استعمال اسی مفہوم میں ہوتا ہے، شریعتِ اسلامیہ میں اس کے قریب قریب معنی ہیں...... حق کی سرفرازی اور سر بلندی، اس کی اشاعت اور حفاظت کے لیے ہر قسم کی جدوجہد، دوڑ دھوپ، محنت و مشقت اور ایثار و قربانی گوارا کرنا اور تمام جسمانی و مالی، ذہنی و فکری، لسانی و قلبی قوتوں کو جو اللہ تعالیٰ سے بندوں کو ملی ہیں اس کی راہ میں صرف کرنا، یہاں تک کہ اس کے لیے اپنی جان اور مال، اہل و عیال تک کو قربان کر دینا اور حق کے مخالفوں اور دشمنوں کی کوششوں کو توڑنا، ان کی تدبیروں کو رائیگاں کرنا، اُن کے حملوں کو روکنا اور تمام قسم کے جدید حربی ساز و ساماں سے لیس ہو کر بوقتِ ضرورت میدانِ جنگ میں کود پڑنا اور سیسہ پلائی دیوار کی طرح دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا اور اس میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور دین کی عظمت و عزت کا جذبہ پیشِ نظر رکھنا، مظلوموں کو ظالموں کے پنجۂ استبداد سے چھڑانا اور اللہ کی زمین پر اللہ ہی کا قانون نافذ کرنا اسلامی جہاد ہے۔

(لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا)

۱۳- دعا کرتے ہوئے وسعتِ قلبی کو سامنے رکھنا

اگر امام ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے لیے اور تمام مقتدیوں کے لیے دعا کرے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((لَا یَؤُمُّ الرَّجُلُ فَیَخُصُّ نَفْسَهٗ بِالدُّعَاءِ دُوْنَهُمْ، فَاِنْ فَعَلَ فَقَدْ خَانَهُمْ))

(ترمذی، بحوالہ اسلامی وظائف، عبدالسلام بستوی)

''اگر کوئی امام مقتدیوں کو چھوڑ کر صرف اپنے ہی لیے دعا کرتا ہے تو اس کا ایسا کرنا خیانت ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے ایک بدوی شخص کو یہ دعا پڑھتے سنا:

((اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ وَ مُحَمَّدًا وَّ لَا تَرْحَمْنِیْ مَعَنَا اَحَدًا))

یعنی اے اللہ! مجھ پر اور محمد ﷺ پر رحم فرما اور ہمارے ساتھ کسی پر رحم نہ کرے۔

اس پر رحمۃ للعالمین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَقَدْ تَحَجَّرْتَ وَاسِعًا)) اللہ تعالیٰ کی کشادہ رحمت کو روک دیا (بھلا اس کی رحمت کو کون روک سکتا ہے؟ مگر اس شخص نے تنگ ظرفی کا ثبوت دیا)

غور کیجئے! قرآن حکیم میں اکثر دعائیں ''ربّنا'' سے شروع ہوتی ہیں، جس میں سب کو دعا میں شامل کیا جاتا ہے۔

۱۴- دعا کا آغاز اور اختتام

دعا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنی چاہیے اور اسماء الحسنٰی سے اسے پکارنا چاہیے:

﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾

اس کے بعد درودِ ابراہیمی پڑھا جائے (جو ہر نماز میں پڑھا جاتا ہے) اور پھر دعا کی جائے اور آخر میں بھی درود پڑھا جائے، آمین اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا پر اس کا اختتام ہو۔

(ابو داؤد، بحوالہ اسلامی وظائف)

﴿سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (الصافّات:۳۷/۱۸۰-۱۸۲)

''پاک ہے آپ کا رب، عزت کا مالک ان تمام باتوں سے جو یہ لوگ بنا رہے ہیں (یعنی مشرکین) اور ساری تعریف اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے۔''

۱۵- دونوں ہاتھوں کا پھیلانا

دونوں ہاتھ کشادہ کر کے چہرے اور دونوں کندھوں کے مقابلہ میں اٹھائے، رسول اللہ ﷺ اس طرح اٹھاتے اور فرماتے:

((اَنَّ اللّٰهَ حَیٌّ کَرِیْمٌ یَسْتَحْیِ، اِذَا رَفَعَ الرَّجُلُ اِلَیْهِ یَدَیْهِ اَنْ یَّرُدَّ هُمَا صِفْرًا خَائِبَتَیْنِ))

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ زندہ اور بے انتہا کرم کرنے والا ہے، جب کوئی دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے تو خالی ہاتھ واپس کرتے ہوئے اُس کو شرم آتی ہے۔''

اور دونوں ہاتھوں کی ہتھیلی چہرے کے سامنے کر کے دعا مانگے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((اِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْئَلُوْهُ بِبُطُوْنِ کَفَّیْکُمْ وَلَا تَسْئَلُوْهُ بِظُهُوْرِهَا))

(ابوداؤد، احمد، حوالہ ایضاً)

جب اللہ سے سوال کرو تو اپنی باطنی ہتھیلیوں (جن سے پانی بھرتے ہیں) سے مانگو اور ہتھیلی کی پشت سے نہ مانگو۔

اور دعا سے فراغت کے بعد دونوں ہاتھوں کو چہرے پر پھیرنا چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادگرامی ہے:

((فَاِذَا فَرَغْتُمْ فَامْسَحُوْا بِهَا وُجُوْهَکُمْ))

''جب دعا سے فراغت پالو تو ان ہاتھوں کو چہرے پر مل لیا کرو۔'' (حوالہ ایضا)

قرآنی دعائیں

قرآن حکیم میں جو دعائیں وارد ہوئی ہیں ان کی فضیلت اور برکت کے بارے میں کچھ لکھنا غیرضروری ہے۔ یہ وہ دعائیں ہیں جو خود اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کو مختلف اوقات میں تلقین فرمائیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم وہدایت کے تحت اللہ کے ان مقبول بندوں نے ان کے ذریعے سے اپنے رب جلیل سے مناجات کی، جو قبول ہوئی۔ پھر یہی دعائیں اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام بندوں کی تعلیم و تلقین کے لئے ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ کی معرفت قرآن حکیم میں قیامت تک کے لئے جمع کردیں تاکہ ہم انبیائے کرام علیہم السلام کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے ان کے ذریعہ اپنے خالق ومالک سے رابطہ قائم کریں۔

رب کریم کے اس احسان واکرام کا کہ اس نے اپنے بندوں کو خود سے شرف ہم کلامی بخشنے کے لئے یہ دعائیں خود سکھائیں، کم سے کم تقاضا یہ ہے کہ ان سب دعاؤں کو حفظ کرلیا جائے اور جب یاد آئیں یا جب دعا کی ضرورت محسوس ہو تو سب سے پہلے ان کو پڑھا جائے اور ان کے وسیلہ سے اللہ کا فضل اور خیر طلب کی جائے۔

سورۃ الفاتحہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۱) الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (۲) مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (۳) اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (۴) اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (۵) صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (۷)

اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

تمام تعریفیں اور ہر شکر اللہ ہی کے لئے ہے جو رب ہے تمام جہانوں کا۔ نہایت مہربان ہر حالت میں رحم کرنے والا ہے۔ مالک ہے روز جزا کا، ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور کریں گے اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور مانگیں گے۔ ہدایت دے ہمیں سیدھے راستے کی۔ راستہ ان لوگوں کا جن پر تو نے انعام فرمایا، نہ ان لوگوں کا جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ ان کا جو بھٹک گئے۔ آمین!

۱) حضرت ابوسعید رافع بن الْمُعلِیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا سورۂ فاتحہ، قرآن مجید کی سب سے عظیم سورت ہے، یہی سبع المثانی ہے اور یہی قرآن عظیم ہے۔

(صحیح بخاری)

۲) امام دارمیؒ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سورۂ فاتحہ ہر مرض کے لئے شفا ہے۔

(سنن دارمیؒ)

۳) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی نے سانپ کے ڈسے ہوئے ایک شخص کا علاج سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کرنے سے کیا اور وہ شخص بالکل تندرست ہوگیا۔

بعد ازاں صحابہ کرامؓ نے اس کا ذکر نبی کریم ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے اظہارِ مسرت کرتے ہوئے فرمایا تم نے ٹھیک کیا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ دم جھاڑ کا کام بھی دیتی ہے۔ (صحیح بخاری)

اس سورت کی اہمیت اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ ہر نماز کی ہر رکعت میں اس کی تلاوت کرنا ضروری ہے۔

سیدنا عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے نماز میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی۔ (صحیح بخاری)

الغرض یہ سورۂ مبارکہ تمام دعاؤں میں سب سے عظیم دعا، ذکر اور مناجات ہے اور بندے اور رب کے درمیان رابطے کا سب سے زیادہ جامع اور مکمل ذریعہ ہے۔

نیک کام کی قبولیت کی دعا

﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ﴾ (البقرہ:۱۲۷)

﴿وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ﴾ (البقرہ:۱۲۸)

''اے ہمارے رب! قبول فرما ہم سے (یہ خدمت) بے شک تو ہی ہے سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا''۔

''اور قبول فرما ہماری توبہ، بے شک تو ہی ہے توبہ قبول فرمانے والا، رحم فرمانے والا''۔

یہ دعا دو جلیل القدر پیغمبروں (سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے اسمٰعیل علیہ السلام) کی ہے جو وہ بیت اللہ کی تعمیر کے وقت پڑھتے جاتے تھے۔

یہ دعا اپنے نیک کاموں کی قبولیت کے لئے خاص طور پر مانگتے رہنا چاہیے۔

نوٹ: وتب علینا ......الخ دوسری آیت کا حصہ ہے جسے اس دعا میں شامل کر دیا گیا ہے۔

دنیا و آخرت کی بھلائی کی دعا

﴿رَبَّنَآ آتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾(البقرہ:۲/۲۰۱)

''اے ہمارے رب! عطا فرما ہمیں دنیا میں بھی اچھائی اور بھلائی اور آخرت میں بھی

اچھائی اور بھلائی اور بچا تو ہمیں آگ کے عذاب سے''۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سب دعاؤں سے زیادہ یہ جامع دعا مانگا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری)

اللہ کے سپاہی کی دعا

﴿رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (البقرہ:٢/٢٠٥)

''اے ہمارے رب! فیضان کر ہم پر صبر کا اور جمائے رکھ ہمارے قدم اور فتح عطا فرما ہمیں کافرلوگوں پر''۔

اللہ تعالی نے بیان فرمایا ہے کہ طالوتؒ کے لشکر میں جو مسلمان تھے انہوں نے جالوت (کافر) کے خلاف جہاد کرتے وقت یہ دعا مانگی تھی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسلمانوں نے کافروں کو شکست دے دی۔

خطا بخشی کے لئے دعا

﴿سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ﴾ (البقرہ:٢/٢٨٥)

''سنا ہم نے اور اطاعت کی، طالب ہیں ہم تیری بخشش کے، اے ہمارے رب! اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں کی شان میں فرمایا ہے کہ وہ پختہ ایمان کے ساتھ یہ دعا مانگتے ہیں۔

مومنین کی جامع اور کامل دعا

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ، وَاعْفُ عَنَّا، وَاغْفِرْلَنَا، وَارْحَمْنَا، اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (البقرہ:٢/٢٨٦)

''اے ہمارے رب! نہ مواخذہ کیجیو اگر بھول یا چوک ہو جائے ہم سے۔ اے ہمارے رب! اور نہ ڈالیو ہم پر بھاری بوجھ جیسا کہ ڈالا تھا تو نے ان لوگوں پر جو ہم سے پہلے تھے،

اے ہمارے رب! اور نہ اٹھوائیو ہم سے ایسا بار جس کی برداشت ہم میں نہ ہو اور ہمیں معاف فرما دیجیے اور ہمیں بخش دیجیے اور ہم پر رحم فرمائیے، تو ہی ہمارا مولا ہے پس ہماری مدد فرمائیے کافروں کے مقابلے میں۔''

صراطِ مستقیم پر استقامت کی دعا

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ (آل عمران:۳/۸)

''اے ہمارے مالک! نہ فرما کجی ہمارے دلوں میں بعد اس کے کہ اب تو ہمیں ہدایت دے چکا ہے اور بخش ہمیں اپنے خزانۂ فیض سے رحمت، یقیناً تو ہی ہے بہت زیادہ عطا کرنے والا''۔

راسخین فی العلم یعنی علم میں پختہ لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ یہ دعا مانگا کرتے ہیں۔

اہل ایمان کی دعا

﴿رَبَّنَا اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (آل عمران:۳/۱۶)

''اے ہمارے مالک بے شک ہم ایمان لائے سو بخش دے تو ہمارے گناہ اور بچالے ہمیں دوزخ کے عذاب سے''۔

اقتدار کے قائم ودائم رہنے اور ادائیگیٔ قرض کی دعا

﴿اَللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ز وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ تُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ز وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ز وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (ال عمران:۳/۲۶-۲۷)

''اے اللہ! مالک بادشاہی کے! دیتا ہے تو حکومت جسے چاہے اور چھین لیتا ہے حکومت جس سے چاہے، عزت دیتا ہے تو جسے چاہے اور ذلت دیتا ہے جسے چاہے۔ تیرے ہی ہاتھ میں ہے ہر طرح کی خیر، بے شک تو ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے اور داخل کرتا ہے تو

رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور نکالتا ہے جاندار کو بے جان میں سے اور نکالتا ہے بے جان کو جاندار میں سے اور رزق دیتا ہے تو جسے چاہے بے حساب"۔

جناب نبی کریم ﷺ کو اس جامع دعا کے مانگنے کا حکم دیا گیا۔

نوٹ: جو شخص ان آیات کے ذریعے سے دعا مانگے گا اس پر اگر احد پہاڑ کے برابر بھی قرض ہوگا اللہ تعالیٰ اس کا قرض ادا کر دے گا۔ (طبرانی)

حصولِ اولاد کی دعا

﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ﴾ (ال عمران:۳/۳۸)

"اے میرے رب! عطا کر مجھے اپنی قدرت خاص سے پاکیزہ اولاد۔ بے شک تو ہی ہے ہر ایک کی دعا سننے والا۔"

یہ دعا زکریا علیہ السلام نے آخری عمر میں حصولِ اولاد کے لئے مانگی تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے منظور فرمایا اور یحییٰ علیہ السلام جیسا بہترین صفات کا حامل بیٹا عطا فرمایا۔ محروم الاولاد لوگوں کے لئے یہ دعا اکسیر ہے۔ صاحبِ اولاد لوگوں کو بھی اپنی اولاد کی صلاح وفلاح کے لئے اس کا پڑھنا مفید ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی دعا

﴿رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ﴾ (ال عمران:۳/۵۳)

"اے ہمارے مالک! ایمان لائے ہم اس ہدایت پر جو تو نے اتاری اور پیروی کی ہم نے رسول کی؛ لہٰذا لکھ لے تو ہم کو (حق کی) گواہی دینے والوں میں"۔

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انصار و حواریوں نے ایمان لا کر یہ دعا مانگی تھی۔

مجاہدین کی دعا

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (ال عمران:۱۴۷)

"اے ہمارے رب! معاف فرما دے ہمارے گناہ اور بے اعتدالیاں جو ہم سے سرزد ہوئیں اپنے معاملات میں اور ثابت قدم رکھ ہمیں اور فتح عطا فرما ہمیں کافروں پر"۔

تہجد کے لئے بیدار ہونے پر یہ دعا پڑھے

﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًاۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ○ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ○ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَاوَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ﴾ (آل عمران:٣/١٩٤)

”اے ہمارے رب! انہیں پیدا کیا تو نے یہ سب بے مقصد کہ پاک ہے تو ہر نقص وعیب سے، پس بچا لے ہم کو دوزخ کے عذاب سے۔اے ہمارے رب! بے شک تو نے جس کوڈالا دوزخ میں سودر حقیقت بڑا ہی رسوا کردیا تو نے اسے اورنہیں ہوگا ایسے ظالموں کا کوئی مددگار۔ اے ہمارے رب ہم نے اس اعلان کرنے والے کوسن لیا جو ایمان کی طرف آنے کے لیے اعلان کر رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ، تو ہم ایمان لے آئے۔ پس اے ہمارے رب! جوقصور ہم سے ہوئے ہیں اُن سے درگزر فرما، جو برائیاں ہم میں ہیں انہیں دور کردے اور موت دے ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ۔ اے ہمارے رب! اور عطا فرما تو ہم کو وہ کچھ جس کا وعدہ کیا ہے تو نے اپنے رسولوں کی معرفت اور نہ رسوا کر ہمیں قیامت کے دن، بیشک تونہیں خلاف کرتا اپنے وعدے کے“۔

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ تہجد کے لئے اٹھتے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

ظالم سے نجات پانے کی دعا

﴿رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَاۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّاۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا﴾ (النساء:٤/٧٥)

”اے ہمارے رب! نکال تو ہم کو اس بستی سے کہ ظالم ہیں اس کے باشندے اور بنا ہمارے لیے اپنی جناب خاص سے کوئی حامی اور بنا ہمارے لئے اپنی جناب خاص سے کوئی مددگار“۔

فراخی رزق کی دعا

﴿اَللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ﴾ (المائدہ:۵/۱۱۴)

''اے اللہ! تو ہی ہمارا رب ہے۔ نازل فرما ہم پر کوئی خوان آسمان سے کہ ہو جائے ہمارے لئے خوشی کا موقع، ہمارے اگلوں کے لئے بھی اور ہمارے پچھلوں کے لئے بھی اور نشانی قرار پائے تیری طرف سے اور ہم کو رزق عطا فرما اور تو ہی تو ہے بہترین رزق دینے والا''۔

حضرت آدم وحوا علیہما السلام کی دعا

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾(الاعراف:۷/۲۳)

''اے ہمارے رب! ظلم کیا ہے ہم نے اپنی جانوں پر اور اگر نہ معاف فرمایا تو نے ہمیں اور نہ رحم فرمایا تو نے ہم پر یقیناً ہم ہو جائیں گے تباہ''۔

حضرت آدم وحوا علیہما السلام جب شیطان کے ورغلانے سے اللہ تعالیٰ کے حکم کو فراموش کرنے کی سنگین غلطی کا ارتکاب کر بیٹھے تو توبہ کیلئے اللہ تعالیٰ نے انہیں خود یہ دعا تلقین فرمائی۔

مقدمہ میں کامیابی کی دعا

﴿رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ﴾ (الاعراف:۷/۸۹)

''اے ہمارے رب! فیصلہ کر ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان انصاف کے ساتھ اور تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے''۔

موحدّ مظلوم کی دعا

﴿رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ﴾ (الاعراف:۷/۱۲۶)

''اے ہمارے رب! فیضان کر ہم پر صبر کا اور دنیا سے اٹھا تو ہمیں اس حال میں کہ ہم تیرے فرمانبردار ہوں''۔

نوٹ: ساحرانِ فرعون نے ایمان لاتے وقت فرعون کی طرف سے سولی وغیرہ کی دھمکی کے موقع

پر یہ دعا مانگی تھی۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی دعا

﴿اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ○ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ﴾ (الاعراف:۷/۱۵۵/۲۵۵)

''تو ہی ہے ہمارا سرپرست، سوبخش دے ہم کو اور رحم فرما ہم پر اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے اور لکھ دے ہمارے لئے اس دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھی۔ ہم نے رجوع کرلیا تیری طرف''۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے ستر آدمی منتخب فرما کر طور پہاڑ پر لے گئے تھے۔ ان لوگوں سے وہاں ایک بے ادبی سرزد ہوگئی جس کے نتیجہ میں وہ ہلاک ہوگئے، اس وقت سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا مانگی تھی، جس کا اثر یہ ہوا کہ وہ سب دوبارہ زندہ کردیئے گئے۔ (ابن جریر طبری،ابن ابی حاتم)

غلامی اور مظالم سے نجات پانے کی دعا

﴿رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (یونس:۱۰/۸۵،۸۶)

''اے ہمارے رب! نہ بنا تو ہم کو فتنہ ظالم لوگوں کے لئے اور نجات دلا ہم کو اپنی مہربانی سے کافر لوگوں سے''۔

یہ دعا سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو تلقین فرمائی تا کہ ان میں اپنے رب پر بھروسا کرنے کی صلاحیت پیدا ہو اور وہ فرعون کے مظالم اور اس کی غلامی سے نجات پائیں۔

سیدنا شعیب علیہ السلام کی دعا

﴿وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ﴾ (ھود:۱۱/۸۸)

''نہیں ہے مجھ میں کچھ کرنے کی توفیق مگر اللہ (کے فضل وکرم) سے اسی پر بھروسا کیا میں نے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں (ہر معاملہ میں)''۔

ہر کام کی ظاہری تدبیر اختیار کرنے کے بعد اس کے بہتر انجام کے لئے یہ دعا مانگے۔

مسافر کو الوداع کہنے کی دعا

﴿فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ (یوسف:۱۲/۶۴)

''سو اللہ ہی سب سے بہتر محافظ اور وہی ہے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا''۔

سیدنا یعقوب علیہ السلام کی دعا

﴿اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ (یوسف:۱۲/۸۶)

''میں تو اپنی پریشانی اور رنج وغم کی فریاد صرف اللہ سے کرتا ہوں (اس کے سوا کسی سے نہیں)''۔

رنج اور غم کے موقع پر یہی کلمات پڑھتے رہنا چاہیے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کی دعا

﴿فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ﴾ (یوسف:۱۲/۱۰۱)

''اے پیدا فرمانے والے، آسمانوں اور زمین کے! تو ہی سرپرست اور کارساز ہے میرا، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اٹھا تو مجھے اس دنیا سے اس حال میں کہ تیرا فرمانبردار ہوؤں اور شامل کر تو مجھے اپنے نیک بندوں میں''۔

خاتمہ بالخیر کے لئے سیدنا یوسف علیہ السلام کی یہ دعا بکثرت پڑھنی چاہیے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا

﴿رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْلِيْ وَ لِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ﴾ (ابراهيم:۱۴/۴۰-۴۱)

''اے میرے رب! بنا تو مجھ کو ایسا کہ قائم رکھوں میں نماز کو اور میری اولاد میں سے بھی (ایسے لوگ اٹھا جو یہ کام کریں) ہمارے مالک! قبول فرما تو ہماری یہ دعا۔ اے ہمارے مالک! بخش دیجیو مجھے اور میرے والدین کو اور سب مومنوں کو اس دن جب حساب قائم ہوگا''

بیت اللہ کی تعمیر کے بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا مانگی، جس میں اپنے، اپنی اولاد، تمام مومنین

اور اپنے والدین کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی ہے۔

والدین کے لئے رحمت کی دعا

﴿رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾ (بنی اسرائیل:۱۷/۲۴)

''اے میرے رب!رحم فرما ان (والدین)پر جس طرح پالا ہے ان دونوں نے مجھے (رحمت وشفقت کے ساتھ)بچپن میں''۔

اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو اپنے والدین کے حق میں اس طرح دعا مانگنے کا حکم فرمایا ہے۔

آغازِ سفر کی دعا

﴿رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا﴾ (بنی اسرائیل:۱۷/۸۰)

''اے میرے رب! لے جا تو مجھے (جہاں لے جائے) سچائی کے ساتھ اور نکال تو مجھے (جہاں سے نکالے) سچائی کے ساتھ اور بنا تو میرے لئے اپنی جناب خاص سے کسی صاحب خاص کو میرا مددگار''۔

جناب نبی کریم ﷺ کو مکہ سے ہجرت کرتے وقت اللہ تعالیٰ نے یہ دعا مانگنے کا حکم فرمایا۔

اصحاب کہفؓ کی دعا

﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا﴾ (الکھف:۱۸/۱۰)

''اے ہمارے رب! نواز تو ہمیں اپنی جناب سے ہمارے معاملات میں درستگی''۔

یہ دعا اصحابِ کہف نے مانگی تھی۔ اس دعا کا اثر یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے منظور فرمایا اور بطور خاص ان کی حفاظت فرمائی۔

حاکم کے پاس جانے سے پہلے پڑھنے کی دعا

﴿رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ○ وَيَسِّرْلِيْٓ اَمْرِيْ ○ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ○ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ﴾ (طٰہٰ:۲۰/۲۵-۲۸)

''اے میرے رب! کشادہ کردے میرے لئے میرا سینہ اور آسان بنا دے میرے لئے

میرا کام اور کھول دے گرہ میری زبان کی کہ وہ سمجھیں میری بات''۔

یہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی دعا ہے جو آپ نے اس وقت مانگی تھی جب اللہ تعالی نے ان کو فرعون کے پاس جا کر اسے پیغامِ حق پہنچانے کا حکم دیا تھا۔ اس کے فوراً بعد اس دعا کی قبولیت کا ذکر ہے۔ ارشاد ہوا:

﴿قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَکَ یٰمُوْسٰی﴾ (طٰہٰ:۲۰/۳۶)

''بے شک دیا گیا تجھ کو جو مانگا تھا تو نے اے موسیٰ''۔

علم میں اضافے کے لیے دعا

﴿رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا﴾ (طٰہٰ:۲۰/۱۱۴)

''اے میرے رب! زیادہ کر میرا علم''

یہ دعا مانگنے کا حکم خود نبی کریم ﷺ کو دیا گیا۔

بیمار کی دعا

﴿رَبِّ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ﴾ (الانبیاء:۲۱/۸۳)

''اے میرے رب! لگ گئی ہے مجھے بیماری (اس سے نجات دلا کہ) تو ہے سب رحم کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والا''۔

یہ سیدنا ایوب علیہ السلام کی دعا ہے، جس کی برکت سے ان کی سب تکالیف دور ہو گئیں۔

سیدنا یونس علیہ السلام کی دعا

﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ، اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ (الانبیاء:۲۱/۸۷)

''نہیں کوئی معبود مگر تو، پاک ہے تیری ذات بیشک میں ہی قصور وار ہوں''۔

یہ سیدنا یونس علیہ السلام کی دعا ہے جو آپ نے سخت تکلیف کی حالت میں یعنی جب ایک خاص مچھلی نے بحکمِ الٰہی آپ کو نگل لیا تھا مانگی تھی، ساتھ ہی اس کی قبولیت کا بھی ذکر ہے۔ ارشاد ہوا۔

﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَکَذٰلِکَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (الانبیاء:۱۲/۸۸)

''سو قبول کی ہم نے اس کی دعا اور نجات بخشی ہم نے اس کو غم سے اور اسی طرح ہم نجات دیتے ہیں ایمان والوں کو''۔

اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ مومن یہ دعا مانگے گا تو ضرور قبول ہوگی۔

نوٹ: سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ جب کوئی بندۂ مومن اپنی کسی تکلیف اور پریشانی کے موقع پر وہ دعا مانگتا ہے جو یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں مانگی تھی تو اسے ضرور شرف قبولیت حاصل ہوتا ہے۔ (ترمذی)

حصولِ اولاد کی دعا جو سیدنا زکریا علیہ السلام نے مانگی

﴿رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ﴾ (الانبیاء:۸۹/۲۱)

''اے میرے رب! نہ چھوڑ مجھ کو اکیلا اور تو ہی ہے سب سے بہتر وارث۔''

یہ دعا سیدنا زکریا علیہ السلام نے حصولِ اولاد کے لیے مانگی تھی، جسے بارگاہِ الٰہی میں شرفِ قبول حاصل ہوا اور نتیجتاً انہیں سیدنا یحییٰ علیہ السلام جیسا فرزند عطا ہوا۔

سواری سے اترنے یا نئی جگہ قیام کرنے کی دعا

﴿رَبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَکًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ﴾ (المؤمنون:۲۹/۲۳)

''اے میرے رب! اتار مجھ کو برکت والی جگہ اور تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔''

سیدنا نوح علیہ السلام کو حکم ہوا تھا کہ طوفان کے وقت کشتی میں سوار ہو کر یہ دعا پڑھیں۔

شیطان کے وسوسوں سے بچنے کی دعا

﴿رَبِّ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ۝ وَاَعُوْذُ بِکَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ﴾

(المؤمنون:۲۳/۹۷-۹۸)

''اے میرے رب! پناہ مانگتا ہوں میں تیری شیطان کی اکساہٹوں سے اور میرے رب! پناہ مانگتا ہوں میں تیری اس سے کہ وہ میرے پاس آئیں۔''

جناب نبی کریم ﷺ کو یہ دعا مانگنے کا حکم ہوا، مخالفین سے سوال وجواب کے وقت اس کا پڑھنا بہت مفید ہے۔

بخشش مانگنے کی دعا

﴿رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ﴾ (المؤمنون:۱۰۹/۲۳)

''اے ہمارے رب! ایمان لائے ہم پس بخش دے تو ہم کو اور رحم فرما ہم پر اور تو ہی تو ہے سب رحم کرنیوالوں سے بہتر رحم کرنے والا۔''

بہترین دعا

﴿رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ (المؤمنون:۲۳/۱۱۸)

''اے میرے رب! بخش دے مجھ کو اور رحم فرما (میرے حال پر) اور تو ہی ہے سب رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنے والا''۔

جناب نبی کریم ﷺ کو اس دعا کے پڑھنے کا حکم ہوا۔

عبادُ الرحمٰن کی خاص دعا

﴿رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ○ اِنَّهَا سَآءَ تْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا﴾ (الفرقان:۲۵/۶۶)

''اے ہمارے رب! بچالے تو ہم کو عذاب جہنم سے بے شک اس کا عذاب تو جان کا لاگو ہے۔ یقیناً وہ بہت ہی برا ٹھکانہ اور بہت ہی بری جگہ ہے''۔

قرآن مجید میں عبادالرحمٰن یعنی اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کے صفات و کمالات بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ وہ اس طرح دعا مانگا کرتے ہیں۔

اہل اولاد کی اطاعت اور فرمانبرداری کیلئے دعا

﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴾ (الفرقان:۲۵/۷۴)

''اے ہمارے رب! عطا فرما تو ہم کو ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور بنا تو ہمیں متقیوں میں سب سے آگے۔''

حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا

﴿رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَ عَلٰى وَالِدَيَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ (النمل:۲۷/۱۹)

''اے میرے رب! توفیق دے مجھ کو کہ میں شکر ادا کرتا رہوں تیری نعمتوں کا جو تو نے عطا

فرمائیں مجھے اور میرے والدین کو (اور مجھے توفیق عطا فرما) کہ میں کرتا رہوں ایسے نیک کام جن سے تو راضی ہو اور داخل کر تو مجھ کو اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں"۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی نعمت کے حصول اور خوشی و خوشخبری کے موقع پر یہ دعا پڑھنی چاہیے۔

ظالموں سے نجات پانے کی دعا

﴿رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴾ (القصص:۲۸/۲۱)

"اے میرے رب! نجات دلا تو مجھے ان ظالم لوگوں سے"۔

یہ دعا سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے مصر سے نکلتے وقت مانگی تھی جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو سلامتی کے ساتھ منزل مقصود پر پہنچایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا

﴿رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ﴾ (القصص:۲۸/۲٤)

"اے میرے رب! بے شک میں ہر اس خیر کا محتاج ہوں جو تو مجھ پر نازل فرمائے۔"

یہ دعا بھی سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے بے سروسامانی کی حالت میں حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو پانی پلانے کے بعد مانگی تھی، جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ کہ ان کے قیام وطعام اور نکاح وغیرہ کا انتظام فرمایا بلکہ اس کے بعد نبوت کی نعمتِ عظمیٰ بھی عطا فرمائی۔

سیدنا لوط علیہ السلام کی دعا

﴿رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَی الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ﴾ (العنکوب:۲۹/۳۰)

"اے میرے رب! مدد فرما تو میری ان فسادی لوگوں کے مقابلے میں۔"

یہ دعا حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کے شر سے بچنے کے لئے مانگی تھی جو قبول ہوئی۔

جب خوشخبری سنے تو یہ دعا پڑھے

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ﴾ (الفاطر:۳۵/۳٤)

"تمام تعریفیں اور ہر شکر اللہ کے لئے ہے جس نے دور کر دیا ہم سے ہر قسم کا رنج وغم۔ بے شک ہمارا رب بہت بخشنے والا اور قدر دان ہے۔"

حصولِ اولاد کی دعا

﴿رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ (الصافات:۳۷/۱۰۰)

''اے میرے رب! عطا فرما تو مجھے (اولاد جو) صالحین میں سے ہو''۔

یہ دعا سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے حصولِ اولاد کے لئے مانگی تھی، جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسمٰعیل علیہ السلام جیسا حلیم الطبع اور اطاعت شِعار فرزند عطا فرمایا۔ آپ ہی کے متعلق بعد ازاں ذبح کا اشارہ ہوا اور آپ ہی کی برکت سے قربانی مسلمانوں کا شِعار قرار پائی۔

نبی کریم ﷺ کی دعا

﴿اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَیْنَ عِبَادِكَ فِیْ مَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ﴾ (الزمر:۳۹/۴۶)

''اے اللہ! پیدا فرمایا ہے (تو نے ہی) آسمانوں اور زمین کو، جاننے والا ہے (تو ہی) چھپے اور کھلے کا۔ تو ہی فیصلہ فرمائے گا اپنے بندوں کے درمیان ان باتوں کا جن میں وہ باہم اختلاف کرتے رہے ہیں۔''

نبی کریم ﷺ کو یہ دعا مانگنے کا حکم دیا گیا۔

اعمالِ صالحہ کی توفیق کی دعا

﴿رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ۚ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَ اِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾

(الاحقاف:۴۶/۱۵)

''اے میرے رب! توفیق دے تو مجھ کو کہ میں شکر ادا کرتا رہوں تیری ان نعمتوں کا جو تو نے عطا فرمائیں مجھے اور میرے والدین کو اور (یہ توفیق دے) کہ میں کرتا رہوں ایسے نیک کام جن سے تو راضی ہو اور نیک بنا دے تو میرے لیے میری اولاد کو، میں توبہ کرتا ہوں تیرے حضور اور میں ہوں تیرے تابع فرمان بندوں سے''۔

یہ دعا بکثرت مانگتے رہنا چاہیے۔

سیدنا نوح علیہ السلام کی دعا

﴿رَبِّ اِنِّیۡ مَغۡلُوۡبٌ فَانۡتَصِرۡ﴾ (القمر:٥٤/١٠)

’’پس پکارا اس نے اپنے رب کو میں مغلوب ہو چکا ہوں اب تو انتقام لے‘‘۔

یہ دعا سیدنا نوح علیہ السلام کی ہے جو آپ نے اپنی قوم کی ایذا رسانی کے وقت مانگی تھی، جب آدمی چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرا ہوا ہو اور بچ نکلنے کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوتی ہو تو نہایت عاجزی سے یہ دعا بکثرت پڑھے۔

انصارِ مدینہ کی دعا

﴿رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا وَلِاِخۡوَانِنَا الَّذِیۡنَ سَبَقُوۡنَا بِالۡاِیۡمَانِ وَلَا تَجۡعَلۡ فِیۡ قُلُوۡبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا رَبَّنَاۤ اِنَّکَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ﴾ (الحشر:٥٩/١٠)

’’اے ہمارے رب! بخش دے تو ہمیں اور ہمارے ان سب بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور نہ باقی رہنے دے ہمارے دلوں میں کوئی بغض اہلِ ایمان کے لیے۔ اے ہمارے رب! بے شک تو بڑا مہربان اور ہر حالت میں رحم کرنے والا ہے‘‘۔

فرض اور نفل نمازوں کے بعد یہ دعا ضرور مانگنی چاہیے۔

فتنہ سے بچنے کی دعا

﴿رَبَّنَا عَلَیۡکَ تَوَکَّلۡنَا وَاِلَیۡکَ اَنَبۡنَا وَاِلَیۡکَ الۡمَصِیۡرُ ۝ رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا فِتۡنَةً لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَاغۡفِرۡ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ﴾ (الممتحنہ:٦٠/٤-٥)

’’اے ہمارے رب! تجھ ہی پر بھروسا کیا ہم نے، تیری ہی طرف رجوع کیا ہم نے، تیرے ہی حضور لوٹ کر جانا ہے ہمیں۔ اے ہمارے رب! نہ بنائیو ہم کو فتنہ ان لوگوں کے لئے جو کافر ہیں اور معاف فرما دے تو ہمارے قصور۔ اے ہمارے رب! بے شک تو ہی ہے زبردست اور حکمت والا۔‘‘

یہ دعا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ہے جو آپ نے اپنے والد اور اپنی قوم کی ایذا رسانی کے وقت مانگی تھی۔

طلبِ ہدایت و تکمیلِ نور کی دعا

﴿رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ (التحریم:٦٦/٨)

''اے ہمارے رب! تکمیل فرما ہمارے نور کی اور بخش دے ہم کو، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے''۔

حرزِ اعظم

جادو، جن وانس کی نظرِ بد اور ہر قسم کی بلاؤں سے محفوظ رہنے کا مسنون عمل:

۱) حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک اعرابی آیا اس نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میرا بھائی بیمار ہے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا اسے کیا بیماری ہے؟ اُس نے عرض کیا: اس پر آسیب کا اثر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسے میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ اسے لا کر آپ ﷺ کے سامنے لٹا دیا گیا۔ آپ ﷺ نے ''حرزِ اعظم'' کی آیات تلاوت فرما کر اس پر دم کیا اور وہ شخص اٹھ کر کھڑا ہو گیا، گویا کبھی بیمار تھا ہی نہیں۔

۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جو شخص ان آیات کو پڑھے گا اس کے گھر بار، اس کے بال بچوں اور اس کے مال ودولت کے قریب نہ شیطان آئے گا اور نہ اس پر کوئی ناپسندیدہ چیز اثرانداز ہو گی اور ان آیات کو پڑھ کر اگر دیوانے پر دم کیا جائے تو وہ بھی ٹھیک ہو جائے۔ علاوہ ازیں کچھ اور روایات میں بھی ان آیات کی فضیلت اور برکت کا ذکر ہے۔

(۱) زوائد مسند احمد بن حنبلؒ (۲) حاکم (۳) بیہقی (۴) دارمی

(۵) طبرانی بحوالہ تفسیر فتح القدیر شوکانی

ان منتخب آیاتِ کریمہ کے مضمون کو دیکھتے ہوئے ایمانی ذوق کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان ہر وقت ان کو وردِ زبان رکھے اور توحیدِ خالص کا جو جامع تصور ان میں پیش کیا گیا ہے اسے اپنے ذہن وشعور میں پوری طرح راسخ کر لے۔ ان آیات کے مفہوم میں خود اس بات کی شہادت موجود ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس ''حرزِ اعظم'' کی برکت سے انسان کا دل ودماغ نورِ توحید سے منور ہو جائے تو اس کی زندگی کے تمام مسائل ومعاملات حل ہو جائیں اور اس کا سب سے بڑا دشمن شیطان لعین اس

کے قریب آنے کی بھی جرأت نہ کرے۔

(۱) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ (الفاتحہ)

"پناہ مانگتا ہوں میں اللہ سے شیطان مردود کی۔"

"اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور ہر وقت اور ہر حالت میں رحم کرنے والا ہے۔"

"تمام تعریفیں اور ہر شکر اللہ ہی کے لیے ہے۔ جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ نہایت مہربان اور ہر حالت میں رحم کرنے والا۔ مالک روز جزا کا۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور کریں گے اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور مانگیں گے۔ ہدایت دے ہمیں سیدھے راستے کی، راستہ ان لوگوں کا کہ انعام فرمایا تو نے ان پر نہ ان لوگوں کا کہ غضب ہوا تیرا ان پر اور نہ ان کا جو بھٹک گئے۔"

۲) الٓمّٓ ۝ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (البقرۃ:۲/۱-۵)

"الف۔ لام۔ میم۔ یہ اللہ کی کتاب ہے۔کوئی شک نہیں اس (کے کتابِ الٰہی ہونے) میں، ہدایت ہے اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں غیب پر اور قائم کرتے ہیں نماز اور اس میں سے جو ہم ہی نے دیا انہیں وہ خرچ کرتے ہیں اور وہ جو ایمان لاتے ہیں اس پر جو نازل کیا گیا تم پر اور اس پر جو نازل کیا گیا تم سے پہلے اور آخرت پر بھی یہی لوگ یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ قائم ہیں ہدایت پر اپنے رب کی اور یہی ہیں فلاح پانے والے۔"

۳) وَاِلٰهُکُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ (البقرۃ:۲/۱۶۳)

"اور تم سب کا معبود ایسا معبود ہے جو ایک ہی ہے۔ نہیں ہے کوئی معبود مگر وہی۔ جو نہایت مہربان

ہر حالت میں رحم کرنے والا ہے۔''

۴) اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ○ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (البقرہ:۲/۲۵۵-۲۵۷)

''اللہ، کہ نہیں کوئی معبود سوائے اس کے، زندہ جاوید ہے۔ پوری کائنات کو قائم رکھنے والا ہے۔ نہیں لاحق ہوتی اس کو اونگھ اور نہ نیند۔ اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں۔ کون ہے جو سفارش کر سکے اس کے حضور بغیر اس کی اجازت کے، وہ جانتا ہے اس کو جو بندوں کے سامنے ہے اور اس کو بھی جو ان سے اوجھل ہے اور نہیں جان سکتے بندے ذرا بھی اس کے علم میں سے مگر جس قدر وہ چاہے۔ چھائی ہوئی ہے اس کی کرسیِ اقتدار آسمانوں اور زمین پر اور نہیں تھکاتی اس کو نگہبانی ان دونوں کی اور وہ تو بہت ہی برتر اور عظیم تر ہے۔ نہیں ہے کوئی جبر دین کے معاملہ میں (اس لیے کہ) بیشک واضح طور پر نمایاں ہو چکی ہے ہدایت گمراہی سے۔ لہٰذا جس نے انکار کر دیا طاغوت کا اور ایمان لے آیا اللہ پر پس اس نے تھام لیا ایسی مضبوط رسی کو جو ٹوٹ نہیں سکتی، اللہ ہر بات سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے، اللہ ساتھی اور کارساز ہے ایمان والوں کا، نکالتا ہے ان کو (جاہلیت کی) تاریکیوں سے (ہدایت کی) روشنی کی طرف اور وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا ان کے دوست اور ساتھی شیاطین ہیں جو نکال لے جاتے ہیں ان کو روشنی سے تاریکیوں کی طرف یہی لوگ ہیں اہلِ دوزخ۔ یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

۵) لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ

اللّٰهُؕ فَيَغۡفِرُ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ○ اٰمَنَ الرَّسُوۡلُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِ مِنۡ رَّبِّهٖ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيۡنَ اَحَدٍ مِّنۡ رُّسُلِهٖ وَقَالُوۡا سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا غُفۡرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيۡكَ الۡمَصِيۡرُ○ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَاؕ لَهَا مَا كَسَبَتۡ وَ عَلَيۡهَا مَا اكۡتَسَبَتۡؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذۡنَاۤ اِنۡ نَّسِيۡنَاۤ اَوۡ اَخۡطَاۡنَا رَبَّنَا وَلَا تَحۡمِلۡ عَلَيۡنَاۤ اِصۡرًا كَمَا حَمَلۡتَهٗ عَلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلۡنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعۡفُ عَنَّا وَاغۡفِرۡ لَنَا وَارۡحَمۡنَا اَنۡتَ مَوۡلٰٮنَا فَانۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ (البقرہ:۲/۲۸۴-۲۸۶)

''اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اور خواہ تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے یا اس کو چھپاؤ بہرحال حساب لے گا تم سے اس کا اللہ پھر معاف فرما دے جس کو چاہے اور سزا دے جس کو چاہے اور اللہ تو ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ایمان لایا رسول اس ہدایت پر جو نازل کی گئی اس پر اس کے رب کی طرف سے اور سب مومن بھی۔ ہر ایک ایمان لے آیا اللہ پر اور اسکے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر (ان کا اقرار ہے) نہیں فرق کرتے ہم اس کے رسولوں میں سے کسی ایک میں (رسول ہونے کے اعتبار سے) اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا (تیرے احکام کو) اور اطاعت کی۔تیری بخشش (کے طلب گار ہیں ہم) اے ہمارے مولا! اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔نہیں ڈالتا ذمہ داری کا بوجھ اللہ کسی جاندار پر مگر اس کی طاقت کے مطابق۔اسی کے لئے ہے فائدہ اس (خیر) کا جو اس نے کمایا اور اسی کو پہنچے گا نقصان اس (شر) کا جو اس نے کمایا۔اے ہمارے مولا! نہ گرفت فرمائیو ہماری اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں ۔اے ہمارے مالک! نہ ڈالیو ہم پر بار جیسا ڈالا تھا تو نے ان لوگوں پر جو ہم سے پہلے ہوگزرے۔اے ہمارے مالک!اور نہ اٹھوائیو ہم سے ایسا بوجھ کہ نہیں طاقت ہم میں اس کے اٹھانے کی۔ہمیں بخش دے۔اور ہمیں اپنی شفقت میں ڈھانپ لے اور ہم پر رحم فرما تو ہی ہمارا مولا ہے،سو ہمیں فتح عطا فرما کافر لوگوں پر۔

۲) شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۙ وَ الۡمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الۡعِلۡمِ قَآئِمًاۢ بِالۡقِسۡطِؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا

هُوَالْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (آل عمران:۳/۱۸)

''گواہی دی خود اللہ نے اس بات کی کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اس کے اور گواہی دی فرشتوں نے اور علم والوں نے کہ وہ قائم ہے عدل پر لہٰذا نہیں ہے کوئی معبود سوائے اس کے وہ سب پر غالب اور بڑی حکمت والا ہے۔''

۷) اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ قف يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ط اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ط تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ○ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ط اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ○ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ط اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ (الاعراف:۷/۵۴-۵۶)

''بے شک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو چھ دنوں میں پھر جلوہ فرما ہوا وہ عرش پر ڈھانک دیتا ہے رات کو دن پر (اور پھر) تلاش میں دوڑتا چلا آتا ہے دن رات کے پیچھے اور سورج چاند اور تارے سب (جکڑے ہوئے) ہیں اس کے حکم سے (اور اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں) خبردار رہو! اسی کے اختیار میں ہے پیدا فرمانا اور حکم دینا اسی کو زیبا ہے۔ بڑا برکت والا ہے اللہ مالک سب جہانوں کا۔ تم پکارو اپنے رب کو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے، بے شک وہ نہیں پسند فرماتا حد سے بڑھنے والوں کو اور مت فساد برپا کرو زمین میں اس کی اصلاح کے بعد اور دعا مانگتے رہو اللہ سے (اس کے عذاب سے) ڈرتے ہوئے اور اس کی (رحمت کی) امید رکھتے ہوئے، بے شک اللہ کی رحمت بہت قریب ہے نیک کام کرنے والوں سے''۔

۸) قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ط اَيًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ج وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ○ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِىٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا

(بنی اسرائیل:۱۷/۱۱۰-۱۱۱)

”کہو! پکارو اللہ (کہہ کر) یا پکارو رحمان (کہہ کر) جس نام سے بھی پکارو، سو اس کے لیے ہیں تمام نام اچھے اور نہ زیادہ بلند آواز سے پڑھو اپنی نماز اور نہ بہت پست آواز سے اور احتیاط کرو ان دونوں کے درمیان کا طریقہ۔ اور کہو تعریف ہے اللہ ہی کے لئے جس نے نہ بنایا کسی کو بیٹا اور نہیں ہے کوئی اس کا شریک بادشاہی میں اور نہیں ہے کوئی اس کا مددگار اس بناء پر کہ وہ عاجز ہے کوئی اس کا پشتیبان ہو اور بڑائی بیان کر اس کی کمال درجے کی بڑائی۔“

۹) اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ۝ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ (المؤمنون:۲۳/۱۱۵-۱۱۸)

کیا تم خیال کرتے ہو کہ پیدا کیا ہے ہم نے تم کو بے مقصد اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے۔ پس بالا و برتر ہے اللہ بادشاہِ حقیقی۔ نہیں کوئی معبود اس کے سوا۔ مالک ہے وہ عرشِ کریم کا اور جو کوئی پکارے اس کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں ہے اس کے پاس کوئی دلیل اس پکارنے کی، تو اس کا حساب اس کے رب کے ہاں ہوگا۔ کبھی نہیں فلاح پا سکتے کافر اور (اے نبی) کہو اے میرے رب! معاف فرما اور رحم کر اور تو ہے بہتر رحم کرنے والا۔ سب رحم کرنے والوں سے۔“

۱۰) وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۝ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۝ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۝ اِنَّ اِلٰـهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۝ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِالْكَوَاكِبِ ۝ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ (الصّٰفّٰت:۳۷/۱-۱۰)

”قسم ہے صف باندھ کر کھڑے ہونے والے (فرشتوں کی) پھر ڈانٹنے پھٹکارنے والے (فرشتوں کی) پھر ذکر (الٰہی) کی تلاوت کرنے والے (فرشتوں کی) (غرض ہم کو ان فرشتوں کی قسم) بے شک تمہارا معبود صرف ایک ہے۔ جو مالک ہے آسمانوں، زمین اور ان سب چیزوں

کا جو ان کے درمیان ہیں اور مالک ہے سب مشرقوں کا۔ بیشک ہم نے آراستہ کیا آسمانِ دنیا کو ستاروں کی زینت سے اور محفوظ کر دیا (اس کو) ہر شیطانِ سرکش سے، نہیں سن سکتے (یہ شیطان) عالَمِ بالا کی کوئی بات اور دھکے دے کر نکال دیے جاتے ہیں یہ ہر طرف سے اور ان کے لیے ہے دائمی عذاب، تاہم اگر کوئی لے اڑے ان میں سے کوئی سن گن تو اس کا پیچھا کرتا ہے ایک تیز شعلہ۔"

۱۱) يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْاؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ (الرحمن:۵۵/۳۳-۳۵)

"اے گروہ جن وانس اگر تم میں یہ طاقت ہے کہ نکل کر بھاگ سکو آسمانوں اور زمین کی سرحدوں سے تو بھاگ دیکھو۔ نہیں بھاگ سکتے تم اس کے لئے بڑا زور چاہیے۔ سو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے (بھاگنے کی کوشش کرو گے تو) چھوڑ دیا جائے گا تم پر شعلہ آگ کا اور دھواں پس نہیں مقابلہ کر سکو گے تم اُس کا۔"

۱۲) لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِؕ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰىؕ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (الحشر:۵۹/۲۱-۲۴)

"اگر اتارا ہوتا ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر تو دیکھتے تم اسے کہ وہ دبا جارہا ہے پھٹا پڑتا ہے اللہ کے خوف سے اور یہ مثالیں بیان کر رہے ہیں ہم لوگوں کیلئے تا کہ وہ غور کریں۔ وہ اللہ ہی ہے، نہیں ہے کوئی معبود مگر وہ، جاننے والا چھپے اور ظاہر کا اور وہی ہے بے انتہا رحم کرنے والا اور ہر حالت میں رحم کرنے والا۔ وہ اللہ ہی ہے کہ نہیں ہے کوئی معبود مگر وہ، بادشاہ ہے نہایت مقدس

سراسر سلامتی امن دینے والا، نگہبان، سب پر غالب، اپنا حکم بزور نافذ کرنے والا، بڑا ہی ہو کر رہنے والا، پاک ہے اللہ اس شرک سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔ اللہ ہی ہے جو تخلیق کا منصوبہ بنانے والا، اس کو نافذ کرنے والا اور اس کے مطابق صورت گری کرنے والا ہے، اس کے لیے ہیں تمام بہترین نام، تسبیح کر رہی ہے اس کی وہ ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، وہ زبردست اور حکمت والا ہے۔''

۱۳) قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ○ یَّهْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنْ نُّشْرِکَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ○ وَّاَنَّهُ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّ لَا وَلَدًا ○ وَّاَنَّهُ کَانَ یَقُوْلُ سَفِیْهُنَا عَلَی اللّٰهِ شَطَطًا (الجن:۷۲/۱-۴)

''(اے نبی! کہو) وحی بھیجی گئی ہے میری طرف کہ غور سے سنا جنّوں کے ایک گروہ نے پھر (جا کر اپنی قوم کے لوگوں سے) کہا ہم نے سنا ہے ایک قرآن جو بڑا عجیب ہے۔ رہنمائی کرتا ہے راہِ راست کی طرف، سو ایمان لے آئے ہم اس پر اور (اب) ہرگز نہیں شریک بنائیں گے ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو اور واقعہ یہ ہے کہ بہت اونچی ہے شان ہمارے رب کی (اس لئے) نہیں بنایا اس نے کسی کو بیوی اور نہ بیٹا اور یہ کہ کہتے تھے ہم میں سے بیوقوف لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کی خلافِ حق باتیں۔''

۱۴) قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ ○ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ○ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ○ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ○ وَلَآ اَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ○ لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ (الکافرون)

''آپؐ فرما دیجیے اے کافرو! جن (بتوں) کی تم عبادت کرتے ہو میں اُن کی عبادت نہیں کیا کرتا اور تم بھی اُس (اللہ) کی عبادت نہیں کرتے جس کی عبادت میں کیا کرتا ہوں اور نہ میں (آئندہ بھی) تمہارے معبودوں کی عبادت کروں گا اور نہ تم میرے معبودِ (واحد) کی عبادت کرو گے، تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین۔''

۱۵) قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ○ لَمْ یَلِدْ ۙ وَلَمْ یُوْلَدْ ○ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ

(الاخلاص)

"کہو! وہ اللہ ہے یکتا۔ اللہ بے نیاز ہے سب اس کے محتاج ہیں۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد اور ہرگز نہیں ہمسر و ہم پایہ بھی اس کا کوئی۔"

۱۶) قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ○ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ○ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ○ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ○ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ (الفلق)

"کہو! پناہ مانگتا ہوں میں رب الفلق کی، ان چیزوں کے شر سے جو اس نے پیدا کیں اور اندھیرے کے شر سے جب وہ چھا جائے اور گرہوں میں پھونک مارنے والیوں کے شر سے اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے۔"

۱۷) قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ○ مَلِكِ النَّاسِ ○ اِلٰهِ النَّاسِ ○ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ لا الْخَنَّاسِ ○ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ○ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ (الناس)

"کہو! پناہ مانگتا ہوں میں انسانوں کے رب کی، انسانوں کے بادشاہ کی، انسانوں کے معبود کی، وسوسے ڈالنے والے (شیطان) کے شر سے، جو دبک جانے والا پھر پلٹ آنے والا ہے۔ جو وسوسے ڈالتا رہتا ہے انسانوں کے دلوں میں، وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔"

قبولیتِ دعا کے اوقات

ویسے تو رب کریم کے حضور جب بھی صدق دل سے دعا کی جائے وہ عطا فرماتا ہے اور اس کا درکشادہ ہے اور وہ ہر وقت کھلا رہتا ہے، مگر بعض لمحات بڑے مبارک ہوتے ہیں اور اُن میں خیر کا طلب کرنے والا ضرور بہرہ ور ہوتا ہے اور اُس وقت رب کی رحمت برس رہی ہوتی ہے، ٹھیک ایسے ہی کہ کھیت خشک ہو رہے ہوں اور اچانک بارانِ رحمت کا نزول ہو جائے اور وہ سرسبز و شاداب ہو جائیں۔ اب ان اوقات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱) ماہِ رمضان میں اور خاص طور پر روزہ افطار کرتے وقت:

روزہ افطار کرتے وقت روزہ دار کو رب کریم کی طرف سے اجر و ثواب اور محنت پر مزدوری ملنے کا وقت ہوتا ہے نیز شبِ قدر کے قیمتی لمحات کو نہ بھولنا چاہیے۔

۲) ہر رات کا پچھلا حصہ:

اس وقت اللہ تعالیٰ خود اپنے بندوں سے فرماتا ہے کہ تم لوگ مجھ سے مانگو میں عطا کروں گا:

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((يَنْزِلُ رَبُّنَا كُلَّ لَيْلَةٍ اِلَى السَّمَاءِ الدُّنيَا حَتّٰى يَبْقٰى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ فَيَقُوْلُ مَنْ يَّدْعُوْنِىْ فَاَسْتَجِيْبَ لَهٗ، مَنْ يَسْئَالُنِى فَأُعْطِيَهِ، مَنْ يَسْتَغْفِرُنِىْ فَاَغْفِرَ لَهٗ)) (بخاری، مسلم، اسلامی وظائف)

ہمارا رب، ہر رات کے آخر میں آسمانِ دنیا کی طرف آ کر فرماتا ہے، کون ہے جو مجھ سے دعا کرے، میں اُس کی دعا قبول کروں، کوئی مجھ سے مانگنے والا ہے جو مجھ سے مانگے میں اس کو دوں، کون ہے جو بخشش کا طلبگار ہے کہ میں اُس کو بخش دوں۔

۳) جمعۃ المبارک کے دن:

جمعۃ المبارک کے روز ایک ایسی ساعت (گھڑی) ہے جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ فِى الْجُمُعَةِ لَسَاعَةٌ لَّا يُوَا فِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ قَائِمٌ يُّصَلِّىْ، يَسْأَلُ اللّٰهَ خَيْرًا اِلَّا اَعْطَاهُ اِيَّاهُ)) (بخاری، مسلم، بحوالہ اسلامی وظائف)

جمعہ کے روز ایک ایسی ساعت ہے کہ جس مسلمان کو نماز پڑھتے ہوئے مل جائے اور اُس میں اللہ سے بھلائی مانگے تو اللہ اُس کو ضرور دے گا۔

وہ نمازِ عصر کے بعد آفتاب کے غروب ہونے تک ہے۔ (حوالہ ایضاً)

۴) اَذان اور اقامت کے درمیان:

رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((لَا يُرَدُّ الدُّعَآءُ بَيْنَ الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ))

یعنی اذان اور اقامت (کے درمیانی وقت میں) دعا رد نہیں کی جاتی۔

اور بعض روایات میں ہے کہ ٹھیک اقامت کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«إِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلٰوةِ فُتِحَتْ أَبْوَابُ السَّمَآءِ وَاسْتُجِيْبَ الدُّعَآءُ»
اقامتِ نماز کے وقت دعا قبول ہوتی ہے، اس وقت اللہ کی رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

۵) نصف اللیل اور فرض نمازوں کے بعد:

ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے قبولیتِ دعا کے لیے خاص وقت دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«جَوْفُ اللَّيْلِ وَ دُبُرُ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوْبَاتِ»
یعنی نصف رات میں اور فرض نمازوں کے بعد دعا کیا کرو۔

٦) سجدے کی حالت میں:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«أَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ فَأَكْثِرُوْا الدُّعَآءَ»
سجدہ میں بندہ اپنے رب کے بہت نزدیک ہوتا ہے تو اس وقت کثرت سے دعا کرو۔
قرآن حکیم سے بھی اس بات کا پتہ چلتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾ (العلق:٩٦/١٩)
''سجدہ کرو اور (اپنے رب کا) قرب حاصل کرو۔''

٧) قرآن مجید کی تلاوت اور ختمِ قرآن کے وقت:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَلْيَسْئَلِ اللّٰهَ بِهٖ فَإِنَّهٗ سَيَجِيْءُ أَقْوَامٌ يَقْرَؤُوْنَ الْقُرْآنَ يَسْئَلُوْنَ بِهِ النَّاسَ»
قرآن مجید پڑھنے والے کو چاہیے کہ وہ اللہ سے مانگے کیونکہ آئندہ ایسے لوگ ہوں گے کہ قرآن مجید پڑھ کر لوگوں سے مانگیں گے۔ (بحوالہ اسلامی وظائف)

٨) عرفہ کے دن (ذی الحجہ کی نویں تاریخ):

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((خَيْرُ الدُّعَآءِ يَوْمَ عَرَفَةَ))

یوم عرفہ دعا کے لیے بہتر دن ہے۔

نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ بہترین کلمات وہ ہیں جو میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام نے کہے اور وہ یہ ہیں:

((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ)) (صحيح الجامع، بحواله مسنون دعائیں، شبیر احمد)

اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، حکومت اور ستائش صرف اُسی کی ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

۹) جب امام غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ پڑھ کر آمین کہے:

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

"جب امام آمین کہے تم بھی آمین کہو، جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگئی تو اس کے پہلے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔" (بخاری، مسلم بحواله اسلامی وظائف)

کن کن لوگوں کی دعائیں قبول ہوتی ہیں:

وہ رب العالمین ہے، وہ اپنی مخلوق میں (جو لا تعداد اور بے شمار ہے) ہر ایک کی پکار کو بیک وقت سنتا ہے اور ان کی حاجات پوری فرماتا ہے، قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض بندے ایسے ہیں جن کی دعا فوری قبول ہوتی ہے اور اسے رد نہیں کیا جاتا۔

(۱) مظلوم مضطر:

ایسا شخص جس پر لوگوں کی طرف سے ظلم ہوا ہے اور وہ اس بے بسی کی حالت میں اپنے رب کو پکارتا ہے:

﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْٓءَ﴾ (النمل:۲۷/۶۲)

کون ہے جو بیقرار کی دعا سنتا ہے جبکہ وہ اسے پکارے اور کون اس کی تکلیف رفع کرتا ہے۔

(۲) مسافر کی دعا:

مسافر کی اپنے وطن سے دوری، درماندگی اور خستگی معلوم ہے، پرانے وقتوں میں جب پیدل یا اونٹوں پر سفر ہوتا تھا۔ بڑی مشکلات اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ سفر کی کلفت اور مشقت تو اپنی جگہ مسلّم ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں مسافر کی دعائیں بھی مستجاب ہوتی ہیں، لیکن یہ بات ضروری ہے کہ اس کا رزق حلال اور طیب ہو، حرام غذا سے کوئی بھی عبادت اور دعا قبول نہیں ہوتی۔

(۳) والد کی دعا بچوں کے حق میں:

والد اپنے بچوں کے لیے محنت مزدوری کرتا ہے اور تھکا ہارا گھر لوٹتا ہے، اس کی دعا بھی بچوں کے لیے فوری قبول ہو جاتی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے بچوں کے لیے ہمیشہ خیر کے کلمات منہ سے نکالے۔

(۴) نیک اور فرمانبردار اولاد:

نیک اور فرمانبردار بچے جب اپنے والدین کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد کرتے ہیں تو اسے قبول کیا جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((لَيُرْفَعُ لِلرَّجُلِ دَرَجَةٌ فَيقُوْلُ أنّٰى لِي هٰذَا؟ فيقُوْلُ بِدُعآءِ وَلَدِكَ))

(اسلامی وظائف)

یعنی آدمی کا درجہ بلند ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ یہ اتنا بڑا مرتبہ مجھے کہاں سے ملا؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تیری اولاد کی دعا کی وجہ سے۔

قرآن حکیم میں رب کریم نے والدین کے لیے دعا کرنے کی تاکید فرمادی ہے اور دعا کے الفاظ بھی سکھا دیے ہیں:

﴿وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾ (بنی اسرائیل:۱۷/۲۴)

اور (والدین کے لیے اس طرح دعا کیا کرو) کہ رب! اُن پر رحم فرما جس طرح انہوں نے رحمت وشفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا۔

رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ کے قیمتی لمحات میں اس مضمون کو ترتیب دے رہا ہوں تو اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے والدین کے لیے اسی دعا کا طلب گار ہوں، یا اللہ! اُن دونوں کو جنت الفردوس میں داخل

فرما۔ آمین!

(۵) امامِ عادل:

کسی ریاست کی سلامتی اور اس کی بقا ''عدل'' کے ساتھ ہے، قرآن حکیم میں قیامِ عدل کی زبردست تاکید کی گئی ہے، ان آیات پر غور کر لیجیے:

﴿اِعْدِلُوْا، هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی﴾ (المائدہ: ۵/ ۸)

(اے اہل ایمان) عدل کیا کرو کہ یہی پرہیز گاری کی بات ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا:

﴿وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰی﴾ (الانعام:۶/۱۵۲)

اور جب بات کہو انصاف کی کہو خواہ معاملہ اپنے رشتہ دار ہی کا کیوں نہ ہو۔

اور حدیثِ مبارکہ میں عدل کرنے والوں کو یہ خوشخبری دی گئی ہے:

''سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''(روز قیامت) عدل کرنے والے نور کے منبر پر ہوں گے، وہ جو اپنی حکومت میں، اپنے اہلِ خانہ میں اور ہر اُس کام میں جو اُن کے سپرد ہوا عدل و انصاف سے کام لیں۔''

اسی طرح امامِ عادل جو لوگوں کے درمیان عدل و انصاف قائم کرتا ہے، اُس کی دعا بھی رب کریم کے حضور رد نہیں کی جاتی۔

(۶) کسی غائب بھائی کے لیے دعا:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((دَعْوَةُ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ لِاَخِيْهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ مُسْتَجَابَةٌ))

کوئی مسلمان اپنے غائب مسلمان بھائی کے لیے دعا کرے تو وہ دعا قبول ہوتی ہے۔

(۷) کلمات توحید کا ادا کرنے والا:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد:

((مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ))

(بخاری، بحوالہ اسلامی وظائف)

جو شخص رات کو جاگنے کے بعد مندرجہ بالا کلمات لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سے اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ تک پڑھے اور دعا کرے تو اس کی دعا قبول ہوگی۔(اسلامی وظائف، عبدالسلام بستوی)

اسمِ اعظم کے وسیلہ سے سوال کرنا:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ بِاَنِّيْ اَشْهَدُ بِاَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِيْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ))

اے اللہ! میں اپنی حاجت تجھ سے مانگتا ہوں بوسیلہ اس کے کہ بس تو اللہ ہے، تیرے سوا کوئی مالک ومعبود نہیں، تو تنہا (اس پوری کائنات کا مالک ہے) بالکل بے نیاز ہے (اور سب تیرے محتاج ہیں) نہ کوئی تیری اولاد، نہ تو کسی کی اولاد اور نہ تیرا کوئی ہمسر ہے۔

فائدہ

رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو یہ دعا پڑھتے ہوئے سنا، تو فرمایا ''تو نے اللہ تعالیٰ کے اس اسم اعظم سے سوال کیا ہے کہ جس کے ذریعے دعا منظور کی جاتی ہے۔

(ابوداؤد، ترمذی، بحوالہ شِعار الْاخیار، محمد کریم بخش)

مندرجہ بالا دعا کو پڑھنے کے بعد دوسری دعائیں کی جائیں:

سید الاستغفار

((اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِيْ وَ اَنَا عَبْدُكَ، وَ اَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَ وَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَ اَبُوْءُ بِذَنْبِيْ، فَاغْفِرْلِيْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ))

اے اللہ! تو ہی میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا

بندہ ہوں، میں اپنی طاقت کے مطابق تجھ سے کئے ہوئے عہد اور وعدے پر قائم ہوں، برے کاموں کے (وبال سے) جو میں نے کئے تیری پناہ چاہتا ہوں، تیرے احسانات و انعامات جو تو نے مجھ پر کیے ہیں، ان کا اقرار ہے اور مجھے اپنے گناہوں کا بھی اعتراف ہے پس بخش دیجیے میرے گناہ، کیونکہ تیرے سوا میرے گناہ کوئی نہیں بخشتا۔

فائدہ

سیدنا شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص یہ دعا (سید الاستغفار) صبح کو صدق دل سے پڑھے گا، پھر اسی دن شام سے پہلے فوت ہو جائے، وہ شخص جنتی ہو گا اور جو رات کو پڑھے اور صبح سے پہلے فوت ہو جائے وہ شخص بھی جنتی ہو گا۔

(دعائیں التحائیں – مولانا محمد دائود راز دھلوی)

پریشانی اور مشکل کے اوقات میں

۱- نبی ﷺ فرماتے ہیں پریشانی اور مشکل کے اوقات میں جو شخص آیۃ الکرسی اور سورۃ البقرہ کی آخری آیات (لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ...... اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ) پڑھ لیا کرے، اللہ تعالیٰ اس کی فریاد رسی فرما کر پریشانی دور فرما دے گا۔

(اذکار اسلامی وظائف)

۲- جو ((لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ)) وردِ زبان کرے (الٰہی! تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے، بیشک میں ظالموں میں سے ہوں) اللہ تعالیٰ اُس کی بے چینی دور فرما دے گا۔ (ترمذی، حوالہ ایضاً)

۳- غم اور مشکل کے وقت ((اَللّٰهُ اَللّٰهُ رَبِّيْ لَآ اُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا)) اللہ، اللہ ہی میرا رب ہے، میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا ہوں۔ (ابوداؤد، بحوالہ اسلامی وظائف)

۴- ((اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْ فَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَّ اَصْلِحْ لِيْ شَاْنِيْ كُلَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ))

اے اللہ! میں تیری رحمت کا طلبگار ہوں، مجھے میرے نفس کے سپرد پل بھر کے لیے بھی نہ

چھوڑیے، میرے سب احوال درست فرما دے، تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔

(ابوداؤد، اسلامی وظائف، مولانا عبدالسلام بستوی دھلوی)

۵- ((اللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّیْنِ وَ قَھْرِ الرِّجَالِ))

اے اللہ میں تری پناہ چاہتا ہوں فکر وغم سے، ناتوانی اور سستی سے، بخل اور بزدلی سے، قرض کے غلبے اور لوگوں کے سخت دباؤ سے۔ (نسائی، بحوالہ ایضاً)

۶- ((یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ))

اے ہمیشہ زندہ رہنے والے اور سب کے تھامنے والے رب! میں تیری رحمت کے ذریعے فریاد کرتا ہوں۔

۷- ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾

اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں جہنم کی آگ سے بچا۔ (بخاری، بحوالہ اسلامی وظائف)

فائدہ

پریشانی اور غم میں مندرجہ بالا دعاؤں کو اکٹھا بھی کیا جا سکتا ہے اور مختلف اوقات میں الگ الگ بھی انہیں وردِ زبان بنایا جا سکتا ہے۔

ناقابل حل دشواریوں سے نکلنے کا علاج

﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا﴾

اللہ ہم کو کافی ہے اور بہت اچھا کارساز ہے، ہم نے اللہ ہی پر بھروسا کیا۔

(ترمذی، دعائیں التحائیں، محمد داؤد راز)

فائدہ

معلوم ہوا کہ دنیا میں کوئی مشکل چیز ایسی نہیں جس کو آسان کر دینے پر اللہ تعالیٰ قادر نہ ہو اور کانٹوں سے گزر کر ہی پھول ہاتھ آتے ہیں، مسلمان کبھی مشکلات سے گھبرا کر ناامید نہیں ہو جایا

کرتے، قرآن حکیم نا امیدی کو کفر سے تعبیر کرتا ہے، آج کل تو امتِ مسلمہ مشکلات میں گھری ہوئی ہے، یہود و ہنود نے ان کا عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ اس دعا کا پڑھنا یقیناً سود مند ثابت ہو گا ان شاء اللہ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ)) ننانوے بیماریوں کی دوا ہے، اُن میں سب سے زیادہ ہلکی تکلیف رنج وغم سے نجات پانا ہے۔ (حاکم، طبرانی، بحواله اسلامی وظائف)

((لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ)) کے پڑھنے سے رنج دور ہو جاتے ہیں اور فرمایا جو شخص ہمیشہ استغفار پڑھتا رہے (زبان سے کم از کم استغفر اللہ کا ورد کرے) اللہ تعالیٰ اس کی ہر مشکل آسان کر دیتا ہے اور ہر غم کو دور فرما دیتا ہے اور ایسی جگہ سے (حق حلال) کی روزی فراہم کرتا ہے کہ اُس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ (ابو داؤد، بحواله اسلامی وظائف)

اسی طرح (جان و مال) کے نقصانات کے وقت ان کلمات کو پڑھنا سود مند ثابت ہوتا ہے۔

((اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ، اَللّٰهُمَّ عِنْدَكَ اَحْتَسِبُ مُصِيْبَتِيْ فَأْجُرْنِيْ فِيْهَا وَ اَبْدِلْنِيْ مِنْهَا خَيْراً))

ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اُسی کی طرف جانے والے ہیں، اے اللہ! تجھ سے اپنی مصیبت کا ثواب مانگتا ہوں، تو اس میں مجھے اجر و ثواب سے نواز اور اس مصیبت کے بدلے میں اچھی چیز مرحمت فرما۔

فائدہ

قرآن حکیم میں غم اور پریشانی میں ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ پڑھنے والوں کو یہ خوشخبری دی ہے۔

﴿اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ﴾ (البقرہ:۲/۱۵۷)

ان پر ان کے رب کی نوازشیں اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

دشمن سے خوف کے وقت کی دعا

((اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَ نَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ)) (ابو داؤد، اسلامی وظائف)

اے اللہ! ہم تجھ کو ان دشمنوں کے مقابلے میں کرتے ہیں اور ان کی شرارتوں سے تیری پناہ

چاہتے ہیں۔

فائدہ

اہل ایمان دشمن کے مقابلہ کی مقدور بھر کوشش کرتے ہیں اور فتح و نصرت کی امید ساز و سامان یا اپنی ہمت اور کوشش پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور قوت پر رکھتے ہیں اور اس وقت صبر و استقامت کی دعا اُن کے لبوں پر جاری و ساری ہو جاتی ہے:

﴿رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (البقرہ:۲/۲۵۰)

اے ہمارے رب! ہم پر صبر کا فیضان کر، ہمارے قدم جما دے اور اس کافر گروہ پر ہمیں فتح نصیب فرما۔

بدبختی سے بچنے کی دعا

رسول اللہ ﷺ بدبختی سے پناہ مانگا کرتے اور یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

((اللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ وَدَرْكِ الشَّقَآءِ وَ سُوْءِ الْقَضَآءِ وَشَمَاتَةِ الْاَعْدَآءِ)) (بخاری، کتاب الدعوات)

اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں بلا کی مشقت سے اور بدبختی کے ملنے سے (قسمت کے برے فیصلے سے) اور دشمنوں کی خوشی سے۔"

فائدہ

زندگی میں مندرجہ بالا باتیں دل و دماغ کو زبردست متاثر کرتی ہیں اور زندگی کا مزا کرکرا ہو جاتا ہے، عبادت میں یکسوئی کا فقدان ہو جاتا ہے اور مایوسیوں، پریشانیوں کا گھیراؤ ہوتا ہے، اس دعا کو کرنے سے بدبختی خوش بختی میں بدل جاتی ہے، دعا کے قبول ہونے میں جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے صدقِ مقال (سچی بات کرنا اور حق کا ساتھ دینا) اور اکلِ حلال (حرام سے بچتے ہوئے حلال روزی کا کھانا) اولین شرط ہے۔

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص ((مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ)) (جو اللہ تعالیٰ چاہے وہی ہوتا ہے اور اس کی قوت اور سہارے کے بغیر ہم کہیں کے نہیں) کا ورد کر لیا کرے تو

سوائے موت کے اپنے اہل وعیال اور مال میں کوئی آفت نہ دیکھے گا۔(اذکار بحوالہ، اسلامی وظائف)

قرض کی ادائیگی اور رزقِ حلال کی تلاش

((اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَ اَغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ))

(ترمذی، کتاب الدعوات)

اے اللہ! تو میری کفایت فرما حلال روزی سے اور حرام (رزق) سے بچا اور اپنے فضل سے (اپنے در کے سوا) دوسروں سے بے نیاز فرما دے۔

فائدہ

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک غلام نے عرض کیا، میں اپنے آقا کو رقم ادا کر کے جلدی آزادی چاہتا ہوں آپ میری امداد فرمائیں، سیدنا علیؓ نے فرمایا: میں تجھے دو کلمے سکھا دیتا ہوں جو مجھے رسول اللہ ﷺ نے سکھائے اگر تجھ پر پہاڑ کے برابر بھی قرض ہو گا، اللہ تعالیٰ ادا کر دے گا۔

(بحوالہ : پیارے رسول کی پیاری دعائیں، مرتب محمد عطا اللہ حنیفؒ)

((اَللّٰھُمَّ فَارِجَ الْھَمِّ کَاشِفَ الْغَمِّ مُجِیْبَ دَعْوَةِ الْمُضْطَرِّیْنَ رَحْمٰنَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَ رَحِیْمَھُمَا اَنْتَ تَرْحَمُنِیْ فَارْحَمْنِیْ بِرَحْمَةٍ تُغْنِیْنِیْ بِھَا عَنْ رَّحْمَةِ مِّنْ سِوَاكَ))

اے اللہ! رنج وغم اور فکر و پریشانی کے دُور کرنے والے اے مولا! بے قراروں کی دعاؤں کو قبول کرنے والے، دنیا و آخرت کے رحمٰن و رحیم، تو میرے حال پر رحم فرما اور ایسی مہربانی عنایت فرما کہ تیرے در کے سوا میں ہر کسی سے بے نیاز ہو جاؤں۔

سوئے ہوئے ڈر اور وحشت کا احساس

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں رات کو وحشت پاتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سوتے وقت ان دعاؤں کو پڑھ کر سویا کرو:

((اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِہٖ وَ عِقَابِہٖ وَشَرِّ عِبَادِہٖ وَ مِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیٰطِیْنِ وَ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ)) (نزل، بحوالہ اسلامی وظائف)

میں پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کے پورے پورے کلمات کے ساتھ اس کے غضب و عذاب سے اور اس کے برے بندوں اور شیاطین کے وسوسوں سے اور اس بات سے بھی کہ وہ میرے پاس حاضر ہوں (اور مجھے بہکائیں)۔

بے خوابی کا علاج

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بے خوابی کے عارضہ کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ دعا پڑھ لیا کرو:

((اَللّٰهُمَّ غَارَتِ النُّجُوْمُ وَ هَدَأَتِ الْعُيُوْنُ وَ اَنْتَ حَیٌّ قَيّومٌ لَا تَأْخُذُكَ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ يَا حَیُّ يَا قَيُّومُ اَهْدِئْ لَيْلِیْ وَ اَنِمْ عَيْنِیْ))

(بحوالہ کتاب پیارے رسول کی پیاری دعائیں)

اے اللہ ستارے چھپ گئے اور آنکھیں آرام لینے لگیں، تو ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والا ہے، تجھ کو نیند اور اُونگھ نہیں آتی (مگر مجھے اپنی بے بسی کا اعتراف ہے) اے ہمیشہ زندہ رہنے والے اور سب کے سہارے مولا! مجھے آرام دے اور میری آنکھ کو سلا دے۔

اس کے علاوہ سوتے وقت مندرجہ ذیل وظائف و آداب کا اہتمام کیا جائے تو خیر و برکت کا حصول ہوگا، ان شاء اللہ:

سونے کے آداب

-- سونے سے قبل وضو کرنا

-- صاف ستھرے بستر پر سونا

-- قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل سورتیں پڑھنا: ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ، قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ ان سورتوں کو پڑھ کر دونوں ہاتھوں پر دم کر کے ان دونوں ہاتھوں کو تمام بدن پر پھیرنا، اس عمل کو تین بار دہرانا، سورۃ البقرہ کی آخری آیات اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ تک کا پڑھنا۔

آیۃ الکرسی کا پڑھنا (اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سے وَ هُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِيْمُ تک) اس کے علاوہ سورۃ الم

سجدہ (سورۃ نمبر۳۲) سورۃ ملک (سورۃ نمبر ٦٧) اور دن بھر تھکاوٹ دور کرنے کے لیے اکسیر نسخہ جو رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بتایا تھا (33 بار سبحان اللہ اور 33 بار الحمد للہ اور 34 بار اللہ اکبر) کی تسبیحات کرنا۔

-- دائیں پہلو کے بل لیٹتے ہوئے اپنے ہاتھ دائیں رخسار کے نیچے رکھ کر یہ دعا پڑھنا:

((اَللّٰھُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَ اَحْیٰ))

اے اللہ! میں تیرے نام کے ساتھ مرر ہا ہوں اور تیرے نام کے ساتھ ہی دوبارہ زندہ اٹھوں گا۔

(دعائیں التحائیں، مولانا محمد داؤد راز دھلوی)

فوائد

سونے میں انسان ایک دوسری زندگی میں چلا جاتا ہے، اس لئے سونے کے وقت جو اس کے تصورات وتخیلات ہوں گے، سونے کے بعد کی زندگی میں ضرور ان کا اثر نظر آئے گا، حدیثِ مبارکہ میں آتا ہے کہ مندرجہ بالا وظائف وآداب کے اہتمام سے رات بھر اللہ کے بندے شیطان کے شر اور اس کے وساوس سے محفوظ ہو جاتے ہیں، عشا کی نماز کے بعد ہی ذوق اور انہماک کے ساتھ اس کا التزام کر لیا جائے تو خیر و برکت کی راہیں فراخ ہو جاتی ہیں، پس مبارک ہیں وہ انسان جو ایمان و یقین پر سوتے اور اس پر جاگتے ہیں، اللہ تعالیٰ سب کو ایمان بخشے اور سونے اور جاگنے میں نیز زندگی گزارنے کے معاملے میں احکامِ الٰہی کی سنتِ نبوی ﷺ کے مطابق توفیق ملتی رہے۔ آمین!

احادیثِ مبارکہ سورۃ الم سجدہ (سورۃ نمبر۳۲) اور سورۃ الملک (سورۃ نمبر ٦٧) کی سونے سے پہلے تلاوت کرنے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ اگر کوئی شخص ان سورتوں کو نہ پڑھ سکے تو کم از کم دوسرے آداب و وظائف کا تو ضرور خیال رکھے اور اپنے بچوں کو بھی سکھائے تاکہ ان میں پاکیزگی اور طہارت پیدا ہو۔

سوکر اٹھنے کے وقت پڑھنے کی دعائیں

١) رسول اللہ ﷺ جب رات سونے کے بعد بیدار ہوتے تو دس دفعہ ﴿اللّٰہ اکبر﴾ دس مرتبہ ﴿الحمد لِلّٰہِ﴾ دس دفعہ ﴿سبحان اللّٰہ و بحمدہ﴾ دس مرتبہ ﴿اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ﴾ اور دس

دفعہ ﴿لا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ﴾ اور دس مرتبہ اس دعا کو پڑھتے تھے۔

۲) ﴿اللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ ضِیْقِ الدُّنْیَا وَضِیْقِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ﴾

''اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں، دنیا اور آخرت کی تنگیوں سے۔''

۳) ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَ اِلَیْہِ النُّشُوْرُ﴾

تمام تعریفیں اور تمام شکر اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں زندہ (بیدار) کیا ہمارے مرنے (سونے) کے بعد اور اُسی کی طرف سب کو جانا ہے۔

۴) ﴿لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ، لَہُ الْمُلْكُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾

صرف اللہ تعالیٰ ہی عبادت کے لائق ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں ہے، اُسی کی بادشاہت ہے، وہی تعریف کے قابل ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

۵) نمازِ تہجد سے پہلے آسمان کی طرف نظر کر کے آپ ﷺ سورۃ آلِ عمران کی آخری آیات ﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ سے لے کر اخیر تک پڑھ کر مندرجہ ذیل دعا پڑھتے تھے:

﴿لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ، لَہُ الْمُلْكُ، وَ لَہُ الْحَمْدُ وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ، وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ، اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ﴾

کوئی معبود نہیں ہے مگر اللہ اکیلا معبود، جس کا کوئی شریک نہیں، اُس کی بادشاہت ہے، اُسی کے لیے حمد و ثنا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اللہ کے لیے پاکیزگی اور تعریف ہے، وہ (پوری کائنات) کا اکیلا معبود ہے اور اللہ بہت بڑا ہے۔ نہیں ہے طاقت گناہوں سے بچنے کی اور نہیں ہے قوت نیکی کرنے کی مگر اللہ کی مدد کے ساتھ، اے اللہ! تو مجھے بخش دے۔

فائدہ

مندرجہ بالا دعاؤں میں سے جو آسانی سے پڑھی جا سکتی ہوں وہ باقاعدگی سے پڑھ لی جائیں، خیر و برکت سے محرومی نہ ہوگی۔ ان شاء اللہ، عقیدۂ توحید اور معرفتِ الٰہی یہ دونوں باتیں اتنی اہم ہیں

کہ جس کو یہ حاصل ہو جائیں اس کو دونوں جہاں کی دولت مل گئی، ان دعاؤں میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی، عظمت دل میں نقش ہوتی ہے اور ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ (دعائیں التحائیں، مولانا محمد داؤد راز)

بیت الخلا میں داخل ہونے کی دعا

﴿بِسْمِ اللّٰہ، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبْثِ وَالْخبائِثِ﴾

اللہ کے نام سے، اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں نر اور مادہ شیاطین سے۔

(پیارے رسول کی پیاری دعائیں، مولانا عطا اللہ حنیف)

بیت الخلا سے نکلنے کے بعد یہ دعا پڑھیے:

﴿غُفْرَانَكَ﴾ اے اللہ! میں تجھ سے مغفرت کا طلبگار ہوں۔ (حوالہ ایضاً)

احتیاط:

(۱) بیت الخلا میں قبلہ کی طرف نہ منہ کرکے اور نہ ہی پشت کر کے بیٹھے۔

(۲) ذکر کرنا ممنوع ہے۔

(۳) دائیں ہاتھ سے استنجا نہ کرے۔

(۴) راستہ میں یا لوگوں کے سایہ کی جگہ پر رفع حاجت کرنا لعنت کا باعث ہے۔

(بحوالہ شب و روز کی دعائیں، پروفیسر کمال حسن عثمانی)

گھر سے نکلتے وقت کی دعائیں:

۱) ﴿بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ﴾

(میں اس گھر سے) اللہ کے نام کے ساتھ (نکل رہا ہوں) میں نے بھروسا کیا اللہ پر، اور گناہ سے بچنے کی ہمت ہے نہ نیکی کرنے کی طاقت، مگر اللہ کی توفیق سے ہی۔

فائدہ اس دعا کو پڑھنے والے سے کہا جاتا ہے، اے شخص! تیری کفایت کی گئی تو بچا لیا گیا، تو ہدایت دیا گیا، شیطان اُس سے دور ہو جاتا ہے اور شیطان دوسرے شیطان سے کہتا ہے: ایسے آدمی کے لیے تیرا کیا خیال ہے جو راستہ دکھایا اور کفایت کیا گیا اور بچا لیا گیا۔

(دعائیں، التحائیں، محمد داؤد راز)

۲) ﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِكَ اَنۡ اَضِلَّ، اَوۡ اُضَلَّ، اَوۡ اَزِلَّ اَوۡ اُزَلَّ، اَوۡ اَظۡلِمَ اَوۡ اُظۡلَمَ، اَوۡ اَجۡھَلَ اَوۡ یُجۡھَلَ عَلَیَّ﴾

اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں (اس بات سے) کہ میں گمراہ ہو جاؤں یا مجھے گمراہ کر دیا جائے، میں پھسل جاؤں یا مجھے پھسلا دیا جائے، میں ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے، میں کسی سے جہالت سے پیش آؤں یا میرے ساتھ جہالت سے پیش آیا جائے۔

فائدہ:

بازاروں میں فتنہ و فساد، گمراہی اور شر کا ہر وقت اندیشہ ہے، جس طرح ظالم بننا بُرا ہے، اُسی طرح مظلوم بننا بھی کوئی محمود چیز نہیں ہے، سودا سلف خریدتے وقت دھوکہ دینا یا دھوکے میں مبتلا ہو جانا پریشانی کی بات ہے، بندۂ مومن کی زندگی ہر لحاظ سے صاف ستھری رہتی ہے، دنیا اور آخرت میں یہی اُس کی کامیابی کا راز ہے، بازار میں داخل ہونے کے بعد بھی زبان اللہ تعالیٰ ہی کے ذکر سے تر رہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص بازار میں داخل ہونے کے بعد یہ دعا پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اُس کے لیے لاکھوں نیکیاں لکھے گا اور جنت میں اُس کے لیے گھر بنائے گا۔

﴿لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ، لَهُ الۡمُلۡكُ، وَ لَهُ الۡحَمۡدُ يُحۡيِيۡ وَ يُمِيۡتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوۡتُ بِيَدِهِ الۡخَيۡرُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيۡءٍ قَدِيۡرٌ﴾

اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اُس کا کوئی شریک نہیں (اس پوری کائنات کا تنہا مالک ہے) اُس کا ملک ہے اور اُسی کے لیے تعریف ہے، وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے وہ (ہمیشہ سے ہے) اور ہمیشہ زندہ رہے گا، اُسے (کبھی) موت نہیں، اُسی کے ہاتھ میں ہر بھلائی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے (اور سب اُس کے حضور بے بس ہیں)۔

(دعائیں التجائیں، محمد داؤد راز)

فائدہ

حقیقت یہ ہے کہ شیاطین کے مکر و فریب اور ہر قسم کے فتنوں اور بلاؤں سے بچنے کا علاج اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مضمر ہے، اس لیے رب کریم نے اہل ایمان کو تاکید کے ساتھ ذکر کی تاکید فرمائی

ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝ وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا﴾

(الاحزاب: ٣٣/٤١-٤٢)

اور ایمان والو! اللہ کو کثرت سے یاد کرو اور صبح وشام اُس کی تسبیح کرتے رہو۔

نماز سے فراغت کے بعد کاروبار کی مشغولیت میں بھی ذکر اللہ کے اہتمام کو پیشِ نظر رکھو، بلکہ کثرت سے ذکر کیا کرو۔

﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (الجمعه:٦٢/١٠)

”پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (یعنی رزقِ حلال) تلاش کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو، شاید کہ تمہیں فلاح نصیب ہو جائے۔“

اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی صفات اس طرح بیان کی گئی ہیں:

﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ﴾ (النور: ٢٤/٣٧)

”(اے بندے) جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے اور اقامتِ صلوٰۃ و ادائے زکوٰۃ سے غافل نہیں کر دیتی، وہ اُس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل الٹنے اور دیدے پتھرا جانے کی نوبت آ جائے گی۔

عبادات: صوم وصلوٰۃ، حج اور زکوٰۃ، قرآن حکیم کی (تدبر و تفکر سے) تلاوت ان سب کا مقصد اللہ تعالیٰ کے ذکر میں متوجہ ہونا اور منہمک رہنا ہے، اور اسی میں دنیا اور آخرت کی فوز و فلاح ہے، افسوس کہ دورِ حاضر کے مسلمان غفلت کا شکار ہو چکے ہیں اور مختلف پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔

گھر میں داخل ہوتے وقت کی دعا

﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلَجِ وَ خَيْرَ الْمَخْرَجِ، بِسْمِ اللّٰهِ وَ لَجْنَا، وَ بِسْمِ اللّٰهِ خَرَجْنَا، وَ عَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا﴾ (حسن المسلم)

''اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں گھر میں داخل ہونے اور گھر سے نکلنے کی بھلائی اور بہتری کا، اللہ کے نام کے ساتھ ہم (گھر میں) داخل ہوئے اور اللہ ہی کے نام کے ساتھ ہم نکلے اور اپنے رب پر ہی ہم نے توکل کیا۔''

فائدہ

گھر میں داخل ہوتے ہی اپنے اہل وعیال کو سلام کیا جائے:

﴿السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهُ﴾

اے اہلِ خانہ! تم پر اللہ تعالیٰ کی سلامتیاں، رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔

رب کریم کا ارشاد ہے:

﴿فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً﴾

(النور: ٢٤/٦١)

''جب گھر میں داخل ہوا کرو تو اپنے لوگوں کو سلام کیا کرو، یہ دعائے خیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر فرمائی ہوئی بڑی بابرکت اور پاکیزہ ہے۔''

فائدہ:

اسلام کے پاکیزہ نظامِ حیات پر غور کیجیے کہ وہ دنیا و آخرت کو کس شان سے سنوارتا اور نکھارتا ہے۔

کھانے پینے سے متعلق دعائیں اور آداب

۱- کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا کہ صفائی اور پاکیزگی جزوِ ایمان ہے۔

۲- کھانا دائیں ہاتھ سے اور اپنے سامنے سے کھانا۔

۳- کھانا مل کر کھانے سے برکت حاصل ہوتی ہے، ساتھیوں کا خیال رکھے اور حریص بن کر جلدی جلدی نہ کھائے۔

۴- کھانا پیٹ بھر کر نہیں بھوک رکھ کر کھانا کہ اس کے بہت سے طبی فوائد ہیں، نیز ٹیک لگا کر کھانے سے منع کیا گیا ہے (کہ یہ تکبر کی علامت ہے)۔

۵- کھانا کھانے کے بعد برتن کو انگلیوں سے اور انگلیوں کو منہ سے اچھی طرح صاف کر لینا چاہیے،

حصولِ برکت کے علاوہ اس سے ہاضمہ بھی درست رہتا ہے۔

۶- کھانا رزقِ حلال سے ہو...... رزقِ حلال میں دو باتیں ضروری ہیں، حق حلال کی روزی ہو اور کھانا فی نفسہٖ حلال ہو، حرام نہ ہو۔

۷- کھانے میں عیب نہ نکالنا چاہیے، اگر پسند ہو تو کھا لے ورنہ چھوڑ دے۔

۸- پانی ٹھہر ٹھہر کر دو تین سانس میں پینا چاہیے، پانی کے برتن میں سانس نہیں لینی چاہیے۔ ممکن ہے کہ منہ یا ناک سے تھوک وغیرہ نکل کر برتن میں پڑ جائے اور وہ آدمی کو مکروہ معلوم ہو، پھر یہ بھی معلوم ہے کہ ہر سانس جو اندر سے باہر آتی ہے، وہ بدن کی کثافتوں کو لے کر باہر نکلتی ہے، اس لیے باہر کی صاف ہوا اس میں شامل نہ کرنا چاہیے۔

۹- پانی بے ضرورت کھڑے ہو کر نہیں پینا چاہیے، کیونکہ یہ وقار کے خلاف ہے اور طبی حیثیت سے بھی مضر ہے، البتہ کبھی کبھی کوئی پی لے تو کوئی حرج نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کبھی کھڑے کھڑے پانی پی لیا، مگر اس کی عادت نہیں بنانی چاہیے، کیونکہ پانی پینے میں ضرورت ہے کہ اندر کے پٹھے ذرا ڈھیلے ہو جائیں اور یہ بات بیٹھ کر پینے سے حاصل ہوتی ہے، البتہ زم زم کا پانی برکت، دعا اور شاید تعظیم کی خاطر کھڑے ہو کر پینا مسنون ہے۔

۱۰- پانی مشکیزہ کے منہ یا پیالہ کے سوراخ سے نہیں پینا چاہیے، کیونکہ اس سے اول تو پانی کی مقدار کا اندازہ نہیں ہوتا کہ کتنا پی لیا، پھر یہ دیکھا نہیں جا سکتا کہ اس کے اندر کوئی مضر چیز تو نہیں ہے؟

۱۱- کھانے اور پانی کے برتنوں کو ڈھانک کر رکھنا چاہیے تاکہ اس میں گرد و غبار یا کوئی نجس یا کوئی کیڑا مکوڑا نہ پڑ جائے یا کوئی جانور پانی نہ پینے پائے۔

(خلاصہ سیرت النبی ج۶، علامہ سید سلیمان ندوی)

۱۲- کھانا کھانے اور پانی پینے سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا چاہیے۔

(پیارے رسول کی پیاری دعائیں)

۱۳- کھانے میں ہاتھ ڈالتے وقت یہ پڑھا جائے۔

﴿بِسْمِ اللّٰهِ وَ عَلٰى بَرَكَةِ اللّٰهِ﴾

اللہ کا نام لے کر اور اُس کی برکت سے کھانا کھاتا ہوں۔ (حوالہ ایضاً)

۱۴- کھانے کے شروع میں بسم اللہ کہنا بھول جائے اور درمیان میں یاد آئے تو ان کلمات کو ادا کیا جائے:

﴿بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَ اٰخِرَهٗ﴾

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں کھانے کے اول بھی اور آخر بھی۔

کھانا کھانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا شکر اس طرح ادا فرماتے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَ سَقَانَا وَ جَعَلَنَا مُسْلِمِیْنَ﴾

ہر تعریف اور ہر شکر اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہم کو کھانا کھلایا اور ہم کو سیراب کیا اور ہم کو مسلمانوں میں سے کیا۔ (حوالہ ایضا)

فصل کا نیا میوہ کھانے پر

فصل کا نیا میوہ کھانے پر رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک پر یہ کلمات جاری ہو جاتے:

﴿اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْ ثِمَارِنَا، وَ بَارِكْ لَنَا فِیْ مَدِیْنَتِنَا وَ بَارِكْ لَنَا فِیْ صَاعِنَا وَ مُدِّنَا﴾

اے اللہ! ہمارے پھلوں میں برکت عطا فرما اور ہمارے شہروں میں برکت عطا فرما اور ہمارے صاع اور مُد (نبی ﷺ کے زمانے کے پیمانے تھے) میں برکت عطا فرما۔

(شب و روز کی دعائیں، پروفیسر کمال حسن عثمانی)

دودھ پیتے وقت اس دعا کو پڑھے

رسول اللہ ﷺ جب دودھ نوش فرماتے تو یہ دعا پڑھتے:

﴿اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْهِ وَ زِدْنَا مِنْهُ﴾

اے اللہ! ہمیں اس میں برکت دے اور (اس نعمت کو) مزید عطا فرما۔ (حوالہ ایضا)

کھانا بھی کھاؤ اور گناہ بھی بخشواؤ

سیدنا معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے کھانا کھایا اور کہا:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ هٰذَا وَ رَزَقَنِیْهِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَ لَا قُوَّةٍ﴾

تمام تعریفیں اور شکر اُس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے کھانا کھلایا اور میری کوشش اور قوت کے بغیر مجھے عطا کیا۔ (دعائیں التجائیں، محمد داؤد راز)

رسول اللہ ﷺ نے کھانا کھانے کے بعد مندرجہ بالا دعا پڑھنے والے کو یہ خوشخبری دی ہے کہ اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔(سبحانہ اللہ! کھانے کے بعد تن بھی درست اور روح بھی شادان!)

مہمان میزبان کو یہ دعا دے

﴿اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِیْمَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْلَهُمْ وَارْحَمْهُمْ﴾

اے اللہ! جو رزق تو نے انہیں دیا ہے، اس میں برکت عطا فرما، ان کی مغفرت فرما اور ان پر رحم کر۔

(شب و روز کی دعائیں، پروفیسر کمال حسن عثمانی)

آدابِ لباس اور دعائیں

انسان کا شرف لباس سے ہے اور یہ رب کریم کا اس پر بہت بڑا انعام ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِكُمْ وَ رِیْشًا وَ لِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِكَ خَیْرٌ﴾ (الاعراف:۷/۲۶)

”اے اولادِ آدمؑ! ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے جو تمہارے ستر کو ڈھانکے اور تمہارے لیے جسم کی حفاظت اور زینت کا سامان بھی ہو (اور حقیقت یہ ہے) کہ بہترین لباس تقوٰی کا لباس ہے، ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (الاعراف:۷/۳۱)

”اے آدم کے بیٹو! ہر نماز کے وقت اپنی زینت (یعنی لباس) اختیار کرو۔“

گویا کہ لباس انسان کے لیے زیب و زینت اور شرم وحیا کا باعث ہے۔

اس لیے رب کریم نے اس زینت کو بطورِ عنایت اس طرح ذکر فرمایا ہے۔ خوشنمائی اور زیبائی تو انسان کی قدر و منزلت اور عزت و وقار کا باعث ہے اور یہی بات تو اسے تمام مخلوقات میں ممتاز بناتی ہے۔

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ﴾ (الاعراف:۷/۳۲)

آپ کہہ دیجیے! کس نے اللہ کی زینت کو جس کو اس نے بندوں کے لیے پیدا کیا ہے، منع کیا ہے۔

ہاں ہاں! منع کردہ باتیں تو یہ ہیں جن سے بندوں کو بچنا لازم ہے۔

﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ ﴾ (الاعراف:۷/۳۳)

آپ کہہ دیجیے کہ میرے رب نے تو بے حیائی کی باتوں کو خواہ وہ کھلی ہوں یا چھپی منع کیا ہے۔

سید سلیمانؒ ندوی لکھتے ہیں:

ان آیات میں جس بے حیائی کی طرف اشارہ ہے وہ برہنگی ہے اور جس زینت کے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ ستر پوشی ہے، ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کپڑے سے مقصد ستر پوشی کے علاوہ زیب و زینت بھی ہے۔

مندرجہ بالا آیات میں 'لباس التقوی' کا ذکر آیا ہے۔

اس سے مراد تقوٰی اور پرہیز گاری ہی کا لباس ہے، شاہ عبدالقادر محدث دہلوی اس آیت پر لکھتے ہیں:

''اب وہی لباس پہنو جس میں پرہیز گاری ہو، مرد ریشمی لباس نہ پہنے اور دامن دراز نہ رکھے اور جو منع ہوا ہے سو نہ کرے اور عورت بہت باریک نہ پہنے کہ لوگوں کو نظر آوے اور اپنی زینت نہ دکھاوے۔ (حواشی ترجمہ قرآن، شاہ عبدالقادرؒ بحوالہ سیرت النبیؐ)

لباس کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھا جائے:

۱- مردوں کو کسی ضرورت اور مجبوری کے بغیر خاص ریشم کا بنا ہوا کپڑا نہیں پہننا چاہیے کیونکہ اس سے زنانہ پن کا اظہار ہوتا ہے، وہ اس عیش و تنعُّم کی زندگی کی یاد دلاتا ہے جو مردوں کی جدوجہد اور محنت و مشقت کی زندگی کے خلاف ہے، مردوں کو عورتوں کی اور عورتوں کو مردوں کی مشابہت سے منع فرمایا گیا ہے۔

۲- عربوں میں لباس کا دامن اتنا لمبا یا تہبند اتنا نیچے رکھنا کہ وہ زمین پر گھسٹتا ہوا چلے بڑائی کی نشانی سمجھی جاتی تھی، جسے اسلام میں سخت ناپسندیدہ قرار دیا گیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کی طرف قیامت کے دن نظر نہیں اٹھائے گا۔

۳- ایسا لباس جس کی طرف بے اختیار لوگوں کی انگلیاں اٹھیں، پہننا ٹھیک نہیں، خواہ وہ امیروں کی زرق برق پوشاکیں ہوں یا مولویوں کا نمائشی عبا یا صوفیوں کی گیروا رنگ، کیونکہ ایسے کپڑوں کے پہننے والوں کا اصل منشا اپنے آپ کو دوسروں سے ممتاز بنانے کی چھپی خواہش ہوتی ہے اور یہ تفوّق و امتیاز کی ہوس نفس کا کھلا غرور ہے (جبکہ اسلام غرور کی ہر شکل سے بچاتا ہے اور سادگی ہی میں بندۂ مومن کی شان جھلکتی ہے)۔

۴- ایسا کپڑا پہننا جس سے ستر پوشی نہ ہو، یعنی اس سے ستر کے پورے حدود نہ چھپیں جائز نہیں، خاص طور پر عورتوں کے متعلق ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ کتنی کپڑے پہننے والیاں ہیں جو حقیقت میں برہنہ رہتی ہیں۔ ایک دفعہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بڑی بہن سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کوئی ایسا ہی کپڑا پہن کر آئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اے اسماء! جب عورت جوان ہو جائے تو اس کو (چہرہ اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ) ان کے سوا کھولنا حلال نہیں۔''

۵- مردوں کے لیے عام طور پر سفید رنگ کے کپڑے آپ ﷺ نے پسند فرمائے ہیں۔

۶- آستین والی پوشاک پہنتے وقت داہنے ہاتھ میں آستین ڈالنی چاہیے (کہ دائیں جانب خیر و برکت کی علامت ہے)۔

۷- لباس پہنتے وقت رسول اللہ ﷺ یوں فرمایا کرتے تھے:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ کَسَانِیْ مَآ اُوَارِیْ بِهٖ عَوْرَتِیْ وَ اَتَجَمَّلُ بِهٖ فِیْ حَیَاتِیْ))

سب تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے مجھ کو وہ چیز پہنائی جس سے میں نے اپنے ستر کو چھپا لیا اور اس سے اپنی زندگی میں زینت حاصل کرتا ہوں۔ (اسلامی وظائف، عبدالسلام بستوی)

لباس پہنو اور گناہ بخشواؤ

نیا لباس پہنتے تو آپ ﷺ فرمایا کرتے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی کَسَانِیْ هٰذَا وَ رَزَقَنِیْهِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَ لَا قُوَّةٍ﴾

تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے مجھے یہ لباس پہنایا اور میری محنت و قوت کے بغیر

مجھے عطا کیا (محض اپنے فضل سے یہ سب کچھ عطا کیا، دست و بازو کی قوت بھی تو اُسی کا انعام ہے)

رسول اللہ ﷺ نے اس دعا کے پڑھنے والے کو یہ بشارت دی ہے کہ اُس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں، سبحان اللہ! کریم کی عطا و بخشش کا کیا کہنا!

(دعائیں التحائیں، محمد داؤد راز)

نیا لباس پہننے والے کے لیے دعا

﴿اِلۡبَسۡ جَدِیۡدًا وَّ عِشۡ حَمِیۡدًا وَ مُتۡ شَهِیۡدًا﴾

پہنو! نیا لباس اور زندگی بسر کرو قابلِ تعریف اور شہادت کی موت تمہارے نصیب میں ہو۔

نیا لباس پہننے والے کے لیے اس بات کی بھی تمنا کرنا:

﴿تُبۡلِیۡ وَ یُخۡلِفُ اللّٰهُ تَعَالٰی﴾

تم اس (لباس کو) بوسیدہ کرو اور اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے عوض اور دے۔ (حِصن المُسلِم)

فائدہ

اسلام کی پاکیزہ تعلیمات پر غور کرتے جایے کہ اپنے کسی بھائی کے نئے لباس کو دیکھ کر حسد کا نہیں خوشی کا اظہار ہو رہا ہے اور ان دعائیہ کلمات سے مخاطب کا دل کس قدر بلند ہو جاتا ہے اور متکلم کے لیے اس کا دل بھی محبت اور مسرت سے معمور ہو جاتا ہے۔

لباس بدلتے وقت کیا پڑھنا چاہیے

﴿بِسۡمِ اللّٰهِ﴾ اللہ کے نام کے ساتھ۔

(کہ تمام برکتیں اور رحمتیں اس کی طرف سے نازل ہوتی ہیں)۔

آدابِ سفر اور دعائیں

رسول اللہ ﷺ نے سفر سے متعلق قیمتی ہدایات ارشاد فرمائی ہیں، ان ہدایات پر عمل کرنے سے نہ صرف سفر آسان ہو جاتا ہے بلکہ مختلف خطرات سے بچاؤ بھی ہو جاتا ہے۔

۱۔ قافلہ اور جماعت کی شکل میں سفر کرو تو جس بھائی کے پاس فالتو سواری ہو اپنے اس بھائی کو دے دے جس کے پاس سواری نہیں ہے (آج کل گاڑی والا اپنی گاڑی میں بٹھا لے) اور جس کے

پاس فالتو توشہ (راشن) ہو وہ اپنے اس بھائی کو اس میں شامل کرے جو تہی دست ہو۔

فائدہ

سفرِ حج میں اس رفاقت اور ہمدردی کا تو جگہ جگہ موقع ملتا رہتا ہے اور یہ سفر، سفرِ سعادت بن جاتا ہے۔

۲- رات میں تنہا سفر کرنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا۔

۳- آپ کسی اہم ترین سفر کے لیے جمعرات کے دن صبح سویرے گھر سے نکلنا پسند فرماتے تھے۔

۴- رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ سفر سے واپسی پر پہلے مسجد میں تشریف لے جا کر دو رکعت نماز شکرانہ ادا فرماتے، پھر لوگوں کو شرفِ ملاقات بخشتے، اسی طرح مسافر کو روانہ ہوتے وقت دو رکعتیں پڑھنی چاہییں اور اہل خانہ کے لیے صحت وسلامتی کے لیے یہ دعا پڑھنی چاہیے۔

﴿اللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِيْ الْاَهْلِ، اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ وَّعْثَآءِ السَّفَرِ وَ كَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ وَ مِنَ الْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ وَ مِنْ دَعْوَةِ الْمَظْلُوْمِ وَ مِنْ سُوْءِ الْمَنْظَرِ فِي الْاَهْلِ وَالْمَالِ﴾

اے اللہ! تو ہی رفیقِ سفر ہے اور میرے بعد گھر والوں کی خبر گیری کرنے والا بھی تو ہی ہے، اے اللہ! سفر کی تکلیفوں سے اور ناکام لوٹنے سے اور نفع کے بعد نقصان سے اور مظلوم کی بد دعا سے اور اہل وعیال کی بری حالت دیکھنے سے میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔

فائدہ

سفر میں ناکامی لے کر لوٹنا یا ظلم کر کے کسی غریب کی بد دعا لینا یا پیچھے سے اہل خانہ میں کسی حادثہ کا رونما ہونا...... اس پاکیزہ دعا میں ان تمام چیزوں سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی گئی ہے، جو شخص سفر میں ان تمام آفات سے بچ گیا، یقیناً اس کا سفر کامیاب رہا، اللہ تعالیٰ ہر نیک مسافر کی یہ دعا قبول فرمائے اور دونوں جہاں میں کامیاب کرے۔ (دعائیں التحائیں، مولانا محمد داؤد رلز)

۵- رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ اگر اجتماعی شکل میں سفر ہو رہا ہو تو ایک کو قائدِ قافلہ بنا لو تاکہ شانِ اجتماعیت قائم رہے۔ اسی کو امیرِ سفر کہا جاتا ہے۔

فائدہ

امیرِ سفر صاحبِ علم اور فہم، دانشمند اور زیرک ہونا چاہیے اس کا فرض بنتا ہے کہ وہ سفر کے ساتھیوں کو اعتماد میں لے اور کسی کی اچھی رائے کو پسند کرے، رسول اللہ ﷺ اللہ کے رسول، خاتم النبیین، روشن ضمیر اور صاحبِ بصیرت تھے، پھر رب کریم سے ہمہ وقت وحی کے ذریعہ رہنمائی ہوتی تھی پھر بھی آپ ﷺ کو حکم ہوتا ہے۔

﴿شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ﴾ (ال عمران: ۳/۱۵۹)

(اے نبیؐ) اپنے (معاشرتی اور سیاسی امور میں) ان سے (صحابہ کرامؓ) مشورہ لیا کرو۔

مسافر کو رخصت کرنے کی دعا

رخصت ہوتے وقت مسافر یا مجاہد کو یہ دعا دیں:

۱- ﴿اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ وَ اَمَانَتَكَ وَ خَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ﴾

تیرا دین، تیری امانت (یعنی اہل وعیال وغیرہ) اور تیرا انجام کار اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ ہر طرح سے تیرا نگہبان ہے۔

۲- ﴿زَوَّدَكَ اللّٰهُ التَّقْوٰى وَ غَفَرَ ذَنْبَكَ وَ يَسَّرَ لَكَ الْخَيْرَ حَيْثُ مَا كُنْتَ﴾

اللہ تعالیٰ تقویٰ کو تیرا زادِ راہ بنائے اور تیرے گناہ بخش دے اور تو جہاں کہیں بھی ہو تیرے لیے بھلائی آسان کر دے۔

مسافر بھی مقیم کو اسی بھلے طریقے سے دعا دیتا ہے:

﴿اَسْتَوْدِعُكُمُ اللّٰهَ الَّذِىْ لَا تَضِيْعُ وَدَائِعُهٗ﴾ (حصن المسلم)

میں بھی تمہیں سپرد کرتا ہوں اس اللہ کے کہ نہیں ضائع ہوتی اس کے سپرد کی ہوئی چیزیں۔

فائدہ

غور کیجیے! یہ دعائیں کس قدر پاکیزہ ہیں، خاتم النبیین جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی حوضِ کوثر میں دھلی ہوئی زبان سے جو توحید اور معرفتِ الٰہی سے لبریز ہے، سفرِ حج کا مسافر ہو یا جہاد فی سبیل اللہ کا مسافر ہو، یا طلبِ علم کا مسافر ہو۔

یا کسی اور جائز ضرورت کے لیے سفر کر رہا ہو، سب کو ان دعاؤں کے ساتھ رخصت کرنا مسنون ہے، جب مسافر روانہ ہو جائے تو اس کے لیے یہ دعا کی جائے:

﴿اَللّٰهُمَّ اطْوِلَهُ الْبُعْدَ وَهَوِّنْ عَلَيْهِ السَّفَرَ﴾

اے اللہ اس کے لیے مسافت کی دوری گھٹا دے اور اس پر سفر آسان کر دے۔

فائدہ

اگر چہ آج کل ریل اور ہوائی جہاز کے سفر سے دنوں اور مہینوں کی مسافت گھنٹوں میں طے ہو رہی ہے مگر خطرات وحوادث کا امکان رہتا ہے اس لیے بندہ مومن ہر وقت اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کے کرم اور فضل پر نگاہ رکھتا ہے۔ (دعائیں التحائیں، مولانا محمد داؤد راز)

سواری کی دعا

﴿اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَ اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ﴾

اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے (تین بار) کیا ہی ذات پاک ہے وہ جس نے اس سواری کو ہمارے لیے مسخر کر دیا، ورنہ ہم میں یہ طاقت کہاں تھی کہ (اسے اپنے بس میں کر لیتے) اور بالآخر ہم نے اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

کشتی یا جہاز میں سوار ہوتے وقت

﴿بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖيهَا وَ مُرْسٰهَآ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

اللہ تعالیٰ کے نام سے اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے، بلاشبہ میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔

دوران سفر

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ، کا بیان ہے کہ جب ہم بلندی پر چڑھتے تو تکبیر (اللہ اکبر) کہتے اور جب نیچے اترتے تو تسبیح (سبحان اللہ) کہتے۔ (حسن المسلم)

کسی جگہ ٹھہرنے کی دعا

﴿ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴾

اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا ہے اس کے شر سے اللہ کے پورے پورے کلمات کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں۔

صبح وشام کی دعائیں

۱- آیۃ الکرسی ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ.......... حِفْظُهُمَا وَ هُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ﴾(البقرہ:۲/۲۵۵)
صبح وشام ایک ایک مرتبہ پڑھی جائے اور ترجمہ کو ذہن میں رکھا جائے۔

۲- ﴿(صبح کے وقت) اَصْبَحْنَا (شام کے وقت اَمْسَيْنَا) عَلٰى فِطْرَةِ الْإِسْلَامِ وَ كَلِمَةِ الْإِخْلَاصِ وَ عَلٰى دِيْنِ نَبِيِّنَا مُحَمَّد (صلى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ) وَ عَلٰى مِلَّةِ اَبِيْنَا اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَّ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (ایک مرتبہ) ''ہم نے صبح کی (شام کی) فطرتِ اسلام اور کلمۂ اخلاص پر اور اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر اور اپنے باپ سیدنا ابراہیم (علیہ السلام) کی ملت پر جو یکسو مسلمان (خالص اللہ کے مطیع اور فرمانبردار) تھے اور وہ مشرک نہ تھے۔

۳- ﴿اَصْبَحْنَا وَ اَصْبَحَ (شام کے وقت اَمْسَيْنَا وَ اَمْسٰى) اَلْمُلْكُ لِلّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، رَبِّ اَسْأَلُكَ خَيْرَ مَا فِيْ هٰذَا الْيَوْمِ (رات کے وقت هٰذِهِ الَّيْلَةِ) وَ شَرِّ مَا بَعْدَهٗ (رات کے وقت مَا بَعْدَها) رَبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَ سُوْءِ الْكِبَرِ، رَبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَ عَذَابٍ فِي الْقَبْرِ﴾
''ہم نے صبح کی (شام کی) اور اللہ تعالیٰ کے سارے ملک نے صبح کی (شام کی) اور تمام تعریف اللہ کے لیے ہے، اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا (اس پوری کائنات کا مالک) ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اُسی کے لیے بادشاہت ہے اور اُسی کے لیے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اے میرے رب! اس دن (رات میں) میں جو خیر ہے اور جو اس کے بعد خیر ہے، میں تجھ سے اس کا سوال کرتا ہوں اور اس دن (رات) کے شر سے اور اس کے بعد کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اے میرے رب! میں سستی اور بڑھاپے کی برائی سے تیری پناہ چاہتا

ہوں، اے میرے رب! میں آگ کے عذاب اور قبر کے عذاب سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

فائدہ

دعا کے ہر ہر لفظ پر غور کیجیے، رب کائنات کی عظمت و کبریائی کا اعتراف ہے، اس سے ہر خیر کی طلب ہے اور ہر برائی کے شر سے اس کی پناہ اور حفاظت کی تمنا ہے۔ ناکارہ اور بیکار عمر سے بچنے کے لیے اُس کے حضور دعا مانگی گئی ہے، اور آتشِ جہنم سے بچاؤ کے لیے اُس سے بھیک مانگی گئی ہے، گویا کہ دنیا اور آخرت کی بھلائی اس دعا میں شامل ہے۔

۴- ﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ الْعَفْوَ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ، اَللّٰھُمَّ اَسْأَلُکَ الْعَفْوَ وَ الْعَافِیَۃَ فِی دِیْنِیْ وَ دُنْیَایَ وَ اَھْلِیْ وَ مَالِیْ، اَللّٰھُمَّ اسْتُرْعَوْرَاتِیْ وَ آمِنْ رَّوْعَاتِیْ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنِیْ مِنْ بَیْنَ یَدَیَّ وَ مِنْ خَلْفِیْ وَ عَنْ یَّمِیْنِیْ وَ عَنْ شِمَالِیْ وَ مِنْ فَوْقِیْ وَ اَعُوْذُ بِعَظْمَتِکَ اَنْ اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِیْ﴾ ''اے اللہ کریم! میں تجھ سے دنیا اور آخرت کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں اپنے دین، اپنی دنیا اور اپنے مال اور اہل و عیال میں تجھ سے معافی اور عافیت کا سوال کرتا ہوں، یا اللہ! میرے عیوب کی پردہ پوشی فرما اور میری گھبراہٹوں اور پریشانیوں کو امن اور سلامتی میں رکھ دے۔ اے اللہ کریم! میرے سامنے سے، میرے پیچھے سے، میرے دائیں طرف سے اور میرے بائیں طرف سے اور میرے اوپر سے (گویا کہ ہر جانب اور ہر طرف سے) میری حفاظت فرما، میں تیری بزرگی کا واسطہ دے کر اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں اپنے نیچے سے ہلاک کیا جاؤں۔

۵- ﴿سیّد الاستغفار (اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ)﴾ جس کا پہلے ذکر آچکا ہے، اس کا ورد صبح و شام بڑا نافع ہے۔

۶- ﴿قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ (سورۃ الاخلاص) قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (سورۃ الفلق) قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ (سورۃ الناس)﴾ کا ورد (تین تین مرتبہ) بہت سی بلاؤں اور آفتوں سے بچاؤ کا موثر علاج ہے اور ساتھ ہی اس دعا کو تین مرتبہ پڑھ لیا جائے۔

﴿بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِہٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَاءِ وَ ھُوَ السَّمِیْعُ

الْعَلِيْمُ﴾ ''اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں جس کے نام کے ساتھ زمین و آسمان میں کوئی چیز نقصان نہیں پہنچاتی اور وہی خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔''

۷- ﴿رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ) نَبِيًّا وَّ رَسُوْلًا﴾ (تین دفعہ) ''میں اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی اور رسول ہونے پر (بدل و جان) راضی ہوں۔''

۸- ﴿اَللّٰهُمَّ عَافِنِيْ فِيْ بَدَنِيْ، اَللّٰهُمَّ عَافِنِيْ فِيْ سَمْعِيْ، اَللّٰهُمَّ عَافِنِيْ فِيْ بَصَرِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ، اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ، وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ﴾ (تین مرتبہ) ''اے اللہ! مجھے میرے جسم میں عافیت دے، اے اللہ! مجھے میرے کانوں میں عافیت دے، اے اللہ! مجھے میری آنکھوں میں عافیت دے، تیرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق (اور مشکل کشا) نہیں ہے۔ اے اللہ! میں ناشکری اور فقر (تنگدستی) سے اور عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں، تیرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔''

۹- ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَ رِضٰى نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَ مِدَادَ كَلِمَاتِهٖ﴾ (تین مرتبہ) ''اللہ پاک ہے (ہر بھول اور ہر نقص سے) اور اس کی تعریف کے ساتھ میں اس کی پاکیزگی بیان کرتا ہوں، اُس کی مخلوق کی گنتی کے برابر (جو لا تعداد اور بے شمار ہے اور اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا ہے) اور اُس کے نفس کی رضا کے برابر اور اُس کے عرش کے وزن کے برابر اور اُس کے کلمات کی سیاہی کے برابر (جس کی مقدار اور تعداد لا محدود ہے، اُسے بھی وہی خالق و مالک ہی جانتا ہے)۔''

فائدہ

قرآن حکیم میں رب کریم کا ارشاد ہے:

﴿وَ لَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ (لقمٰن: ۲۷/۳۱)

زمین میں جتنے درخت ہیں اگر وہ سب کے سب قلم بن جائیں اور سمندر (دوات بن

جائے) جسے سات مزید سمندر روشنائی مہیا کریں، تب بھی اللہ کی باتیں (لکھنے سے) ختم نہ ہوں گی (سبحان اللہ!) ظاہر ہوا کہ مندرجہ بالا دعا بھی اپنی قدر و قیمت کے لحاظ سے بے مثل ہے اور اس کا اجر و ثواب بھی بے حساب ہے۔

۱۰- ﴿اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ﴾ (تین مرتبہ)

''میں اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کے ساتھ اس کی پناہ میں آتا ہوں ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی۔''

فائدہ

ظاہر ہے عرش سے فرش تک سب کچھ اُسی کا ہے اور وہ ہر چیز کا خالق ہے، اُس کی پناہ میں آنے کے بعد کوئی چیز انسان کو نقصان نہیں پہنچا سکتی ہے۔

۱۱- ﴿حَسْبِیَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ﴾ (سات مرتبہ)

مجھے اللہ ہی کافی ہے، اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں نے اُسی پر بھروسا کیا اور وہ عرشِ عظیم کا رب ہے۔

فائدہ

اہل ایمان کا اللہ ہی پر بھروسا ہوتا ہے، وہ کفار کے مقابلے میں کبھی پست حوصلہ نہیں ہوتے، انہیں ڈرایا اور دھمکایا جاتا ہے مگر ان کے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے اور توکل علی اللہ کی نعمت سے ہمیشہ بہرہ ور رہتے ہیں۔ سورۃ ال عمران میں آتا ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ﴾ (ال عمران:۳/ ۱۷۳)

وہ لوگ (یعنی مسلمانوں) کو ان لوگوں نے (یعنی فتنہ پرداز اور شرپسند لوگوں نے) کہ کفار نے تمہارے مقابلے پر لشکر جمع کر لیے ہیں، تم ان سے خوف کھاؤ تو اس بات نے انہیں ایمان میں اور بڑھا دیا اور (بلا خوف ان کی زبان سے یہ کلمات جاری ہو گئے ''حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ'' ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔

۱۲- ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ، يُحْيِيْ وَ يُمِيْتُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (دس مرتبہ)

''اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں، اُسی کے لیے بادشاہت ہے اور وہی حمد و شکر کے لائق ہے، بھلائی اسی کے ہاتھ میں ہے وہی زندہ کرتا ہے، وہی مارتا ہے (موت وحیات کا صرف وہی مالک ہے) اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

سیدنا عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو صبح کی نماز کے بعد تشہد ہی کی حالت میں قبلہ رخ ہو کر مندرجہ بالا کلمۂ توحید دس مرتبہ پڑھے، اُسی طرح مغرب کی نماز کے بعد تو اس کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور دس برائیاں معاف ہوں گی، دس درجے بلند ہوں گے اور شام سے صبح تک گناہوں سے محفوظ رہے گا (سبحان اللہ!) دس منٹ سے بھی کم وقت اس پر صرف ہوتا ہے اور اس کا اجر وصلہ بے انتہا ہے۔

۱۳- ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ﴾ (سو مرتبہ) اللہ تعالیٰ پاک ہے اور اُس کی تعریف کے ساتھ (میں اس کی تسبیح کرتا ہوں)۔

﴿اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَ اَتُوْبُ اِلَيْهِ﴾ (سو مرتبہ) میں اللہ کریم سے بخشش مانگتا ہوں اور اس کی طرف توبہ (رجوع) کرتا ہوں۔ (دعائیں التجائیں، مولانا محمد داؤد راز)

فائدہ

انسان اس کائنات میں جو زندگی گزارتا رہا ہے، وہ صبح و شام کی زد میں ہی آتی ہے، ان دعاؤں میں یہ سبق دیا گیا ہے کہ ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، یہ شب و روز، آفتاب و ماہتاب خود مملوک ہیں، مخلوق ہیں اور سب اُس خالق کے حکم کے تابع ہیں گویا کہ مسلم ہیں اور کائنات میں تمام اشیاء انسان کی خدمت پر مامور ہیں اور انسان کو اس دنیا میں رب کائنات کی نیابت اور خلافت کا حق ادا کرنا ہے اور اُس کی عبادت و ریاضت اور اطاعت وفرمانبرداری سے ہی یہ حق وہ احسن طریق پر ادا کرسکتا ہے اور یہ ہے ''دینِ اسلام'' کا راستہ۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ

اِلَیۡهِ یُرۡجَعُوۡنَ﴾

اب کیا یہ لوگ اللہ کی اطاعت کا طریق (دین اللہ) چھوڑ کر کوئی اور طریقہ چاہتے ہیں؟ حالانکہ آسمان و زمین کی ساری چیزیں چار و ناچار اللہ ہی کی تابع فرمان (مسلم) ہیں اور اُسی کی طرف سب کو پلٹنا ہے۔

اور یہ بھی ارشاد ہوا:

﴿وَ سَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا مِّنۡهُ﴾ (الجاثیہ:۴۵/۱۳)

"(وہ اللہ ہی تو ہے) جس نے زمین اور آسمان کی ساری ہی چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا (یہ) سب کچھ اپنے پاس سے۔"

اس آیت مبارکہ پر سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

"اس (آیت مبارکہ) کے دو مطلب ہیں...... ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کا یہ عطیہ دنیا کے بادشاہوں کا سا عطیہ نہیں ہے جو رعیت سے حاصل کیا ہوا مال رعیّت ہی میں کچھ لوگوں کو بخش دیتے ہیں بلکہ کائنات کی یہ ساری نعمتیں اللہ کی اپنی پیدا کردہ ہیں اور اُس نے اپنی طرف سے یہ انسان کو عطا فرمائی ہیں، دوسرے یہ کہ نہ ان نعمتوں کے پیدا کرنے میں کوئی اللہ کا شریک ہے، نہ انہیں انسان کے لیے مسخر کرنے میں کسی اور ہستی کا کوئی دخل، تنہا اللہ ہی اُن کا خالق ہے اور اُسی نے اپنی طرف سے وہ انسان کو عطا کی ہیں۔" (مختصر حواشی)

چند جامع دعائیں

۱- خانگی حالات کی درستگی کی دعا:

﴿اَللّٰهُمَّ اَصۡلِحۡ لِیۡ دِیۡنِیَ الَّذِیۡ هُوَ عِصۡمَةُ اَمۡرِیۡ وَ اَصۡلِحۡ لِیۡ دُنۡیَایَ الَّتِیۡ فِیۡهَا مَعَاشِیۡ وَ اَصۡلِحۡ لِی اٰخِرَتِیَ الَّتِیۡ فِیۡهَا مَعَادِیۡ وَاجۡعَلِ الۡحَیٰوةَ زِیَادَةً لِّیۡ فِیۡ كُلِّ خَیۡرٍ وَ اجۡعَلِ الۡمَوۡتَ رَاحَةً لِّیۡ مِنۡ كُلِّ شَرٍّ﴾

"اے اللہ کریم! تو میرے دین کی اصلاح فرما جو میرے ہر کام کی سدھار کا ذریعہ اور ہر بہتر کام

کی حفاظت کرنے والی چیز ہے اور میری خانگی اور دنیاوی اصلاح فرما دے جس سے میری معاش متعلق ہے اور میری آخرت کو ٹھیک کر دے جہاں مجھے مر کر جانا ہے اور میری زندگی کو میرے لیے ہر خیر و بھلائی کی زیادتی کا سبب بنا دے اور موت کو ہر برائی سے راحت کا سبب بنا دے کہ موت کے بعد ہر برائی سے راحت نصیب ہو۔"

فائدہ

معلوم ہوا کہ زندگی وہی بہتر ہے جو بھلائیوں میں گزرے، موت وہ بہتر ہے جس کے بعد راحت نصیب ہو اور رب کریم سے یہ مژدۂ جانفزا ملے:

﴿يَاۤ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ۝ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ﴾ (الفجر:۸۹/۲۷-۳۰)

"اے نفسِ مطمئن! چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو (اپنے انجامِ نیک سے) خوش (اور اپنے رب کے نزدیک) پسندیدہ ہے، تو شامل ہو جا میرے (نیک) بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔"

آج ذی قعدہ، ۱۴۲۹ھجری کی اکیسویں تاریخ ہے جب یہ پاکیزہ دعائیں زیبِ قرطاس کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے اور سب کو یہ سعادت نصیب فرمائے۔ آمین!

سعادتِ دارین اور حصولِ قناعت

﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهٖ عَاجِلِهٖ وَ اٰجِلِهٖ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَ مَالَمْ اَعْلَمْ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهٖ عَاجِلِهٖ وَ اٰجِلِهٖ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَالَمْ اَعْلَمْ، اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَئَلَكَ عَبْدُكَ وَ نَبِيُّكَ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَاذَ بِهٖ عَبْدُكَ وَ نَبِيُّكَ، اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ وَمَا قَرَّبَ اِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ اَوْ عَمَلٍ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنَ النَّارِ وَ مَا قَرَّبَ اِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ اَوْ عَمَلٍ وَ اَسْئَلُكَ اَنْ تَجْعَلَ كُلَّ قَضَآءٍ قَضَيْتَهٗ لِیْ خَيْرًا﴾

اے اللہ کریم! میں تجھ سے دنیا و آخرت کی تمام بھلائیوں کو، جن کو میں جانتا ہوں اور جن کو میں

نہیں جانتا، مانگتا ہوں اور تیری پناہ چاہتا ہوں دنیا و آخرت کی تمام برائیوں سے، جن کو میں جانتا ہوں اور جن کو نہیں جانتا، اے اللہ! تجھ سے میں ان بھلائیوں کو مانگتا ہوں جن کو تیرے بندے اور تیرے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مانگا ہے اور اُن سے پناہ چاہتا ہوں جن سے تیرے بندے اور تیرے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پناہ چاہی ہے، اے اللہ! میں تجھ سے جنت مانگتا ہوں اور وہ بات اور وہ کام جو مجھے جنت کے قریب کر دے اور دوزخ سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور اس بات اور اس کام سے جو دوزخ سے نزدیک کرے اور میں تجھ سے یہ مانگتا ہوں کہ ہر فیصلۂ تقدیر کو میرے حق میں بہتر بنا دے۔

فائدہ

معلوم ہوا کہ فیصلۂ تقدیر کو اٹل جاننا غلط ہے، اللہ تعالیٰ چاہے تو ہر تقدیر کو بدل سکتا ہے، اسی لیے حدیثِ مبارک میں آیا ہے کہ دعاؤں سے تقدیر بھی بدل جایا کرتی ہے، رب کریم سے ہمیشہ خیر کی طلب کرنی چاہیے اور شر سے اُس کی پناہ طلب کرنی چاہیے، قرآن حکیم کی اس دعا میں دنیا و آخرت کی بھلائیاں جمع کر دی گئی ہیں۔

﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾

اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بھلائی اور اچھائی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

قلبِ سلیم اور حق پر استقامت کے لیے

﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الثَّبَاتَ فِی الْاَمْرِ وَالْعَزِیْمَةَ عَلَی الرُّشْدِ وَ اَسْئَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ وَ حُسْنَ عِبَادَتِكَ وَ اَسْئَلُكَ قَلْباً سَلِیْمًا وَ لِسَانًا صَادِقًا وَ اَسْئَلُكَ مِنْ خَیْرِ مَا تَعْلَمُ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنَ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَ اَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تَعْلَمُ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْب﴾

اے اللہ کریم! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے (دین کے معاملات میں) میں ثابت قدم اور رشد و ہدایت پر مضبوطی سے جمے رہنے کی طاقت و توانائی عطا فرما، میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے

اپنی نعمتوں پر شکر گزاری کی توفیق اور اپنی عبادت بہترین طریقے سے کرنے کی صلاحیت عطا فرما اور میں تجھ سے قلبِ سلیم اور صدقِ مقال کی توفیق مانگتا ہوں اور ہر اُس خیر (بھلائی) کا طلبگار ہوں جسے تو جانتا ہے اور ہر اُس شر (برائی) سے پناہ مانگتا ہوں جو تیرے علم میں ہے (اور اپنی خطاؤں اور گناہوں) تیری بخشش کا خواستگار ہوں، صرف اور صرف تو ہی ہر غیب کا جاننے والا ہے۔

فائدہ

دراصل حق پر ثابت قدمی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی ممکن ہے اور اس کی طلب نماز کی ہر رکعت میں ''سورۃ الفاتحۃ'' میں کی جاتی ہے ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ اس کا ترجمہ عربی تفاسیر میں اس طرح کیا جاتا ہے ﴿وَفِّقْنَا لِلطَّرِيْقِ الْوَاضِحِ لَا اِعْوِجَاجَ فِيْهِ وَ هُوَ الْاِسْلَامُ......﴾ اے ربِ کریم! اس روشن اور واضح راستے پر استقامت عطا فرما جس میں کوئی کجی نہیں اور وہ دینِ اسلام ہے، پھر اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اس طرح ثابت قدمی کی نوید عطا فرماتا ہے:

﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ﴾(ابراهيم: ١٤/٢٧)

''ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ قولِ ثابت (کلمۂ طیبہ) پر مضبوط رکھتا ہے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔''

اس طرح شکر گزاری کی توفیق بھی اسی مہربان خالق کی طرف سے ملتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور اس طرح مانگتے تھے:

﴿رَبِّ اَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَ حُسْنِ عِبَادَتِكَ﴾

اے ربِ کریم! اپنے شکر اور اچھے طریق سے عبادت کرنے کی توفیق عطا فرما۔

انبیائے کرام بھی رب تعالیٰ سے شکر کی توفیق طلب کرتے ہیں، سیدنا سلیمان علیہ السلام بادشاہت ملنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور اس طرح فریاد کرتے ہیں:

﴿رَبِّ اَوْزِعْنِيْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَ عَلٰى وَالِدَيَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَ اَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ﴾

''اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر بجا لاؤں جو تو نے مجھ

پر اور میرے ماں باپ پر انعام کی ہیں اور میں ایسے نیک اعمال کرتا رہوں جن سے تو خوش رہے، مجھے اپنی رحمت سے نیک بندوں میں شامل کر دے۔"

اسی طرح قلبِ سلیم بھی رب کریم کو بہت پسند ہے، یعنی ایسا دل جو اُس کی توحید سے معمور ہو، ارشاد ہوتا ہے:

﴿يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ○ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ﴾ (الشعراء:٢٦/٨٨-٨٩)

"(لوگو یاد رکھو!) جس دن مال اور اولاد نہیں بلکہ سلامتی والا دل (قلب سلیم) اللہ کے حضور کام آئے گا۔"

اے رب کریم! ہمیں قلبِ سلیم عطا فرما!

محبت الٰہی کی دعا:

﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَ حُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ يُبَلِّغُنِیْ حُبَّكَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ وَ مَالِیْ وَ اَهْلِیْ وَ مِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ﴾

"اے اللہ! میں تیری محبت مانگتا ہوں اور تیرے چاہنے والوں کی محبت اور ایسے عمل کی توفیق چاہتا ہوں جو مجھے تیری محبت کی طرف لے جائے۔ اے اللہ! تو اپنی محبت میرے جان و مال اور اہل و عیال اور ٹھنڈے پانی سے زیادہ مجھے عطا فرما۔"

فائدہ:

اللہ تعالیٰ ہمارا خالق و مالک ہے، اس نے ہمیں ان گنت نعمتوں سے نوازا ہے جس کا شمار اور احاطہ ناممکن ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ (ابراهيم: ١٤/٣٤)

"اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔"

شکل و صورت، عقل و فہم، علم و عمل اور لازوال انعام و جزا بھی اس کے حصے میں آیا، جبکہ وہ اطاعت و فرمانبرداری کا راستہ اختیار کرے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾ (التين:٩٥/٤)

”یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا۔“

اس قدر انعامات پانے کے بعد اس پر لازم آتا ہے کہ اس کی اپنے خالق و مالک سے محبت سب سے بڑھ کر ہو، اسی لیے سچے اور کھرے اہل ایمان کے بارے میں آتا ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾

”ایمان رکھنے والے لوگ سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔“

پھر اہل ایمان کی ایک دوسرے سے رفاقت اور محبت ہوتی ہے اور اس میں سرِ فہرست اہل ایمان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہوتی ہے اور اُن کی محبت کا معیار صدقِ دل سے ان کی اطاعت ہے، اہل ایمان کی رفاقت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

﴿وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾ (التوبہ:۹/۷۱)

”مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔

اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کا ذکر اہل ایمان کے لیے اس طرح آتا ہے:

﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ (الاحزاب:۳۳/۶)

”بلاشبہ نبی (ﷺ) تو اہل ایمان کے لیے ان کی اپنی ذات پر مقدم ہیں۔“

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی (کامل) مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اُس کے نزدیک اُس کے والد اور اُس کے بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

﴿لا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ﴾

اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کا معیار آپ ﷺ کی اتباع میں مضمر ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((كُلُّ اُمَّتِيْ يَدْ خُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ أَبٰى، قِيْلَ: وَ مَنْ يَأْبٰى؟ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: ”مَنْ أَطَاعَنِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَ مَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ أَبٰى))

(رواه البخاری، رياض الصالحين، باب محافظة الاعمال)

(آپؐ نے فرمایا) میری امت کا ہر شخص جنت میں جائے گا مگر جس نے انکار کیا (وہ جنت سے محروم رہے گا) پوچھا گیا، اے اللہ کے رسول! بھلا ایسا (مسلمان) کون ہے جو انکار کرے؟ ارشاد ہوا ''جس نے میری سنت کی پیروی کی وہ جنت میں جائے گا اور جس نے نافرمانی کی تو گویا کہ اُس نے انکار کیا۔

اور جنت میں رسول اللہ ﷺ کا قرب نمازوں کی حفاظت اور پابندی سے حاصل ہوتا ہے، اس حدیث مبارک پر غور کیجیے:

ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ (خادم رسول ﷺ) فرماتے ہیں کہ رات کو میں نبی ﷺ کی خدمت میں رہتا، آپ ﷺ کے لیے وضو کا پانی لاتا اور دوسری ضروریات کا انتظام کرتا، ایک دن آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم کچھ مانگو'' عرض کیا ﴿اَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ﴾ مجھے تو آپ ﷺ کی رفاقت جنت میں مطلوب ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اور کچھ، میں نے عرض کیا، مجھے اور کچھ نہیں چاہیے بس یہی چاہیے۔ ارشاد ہوا: ﴿فَاعِنِّیْ عَلٰی نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ﴾ (میرے ساتھ جنت میں رہنا چاہتے ہو) تو سجدوں کی کثرت سے میری مدد کرو۔

اے محبت رسول کا دعوی کرنے والو! ذرا ٹھنڈے دل سے ان باتوں پر غور کرلو۔

(اسوۂ حسنہ، تالیف بنت الاسلام)

اور اہل ایمان کی آپس میں محبت کو بڑی خوبصورت مثال سے سمجھا دیا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِیْ تَوَادِّهِمْ وَ تَرَاحُمِهِمْ وَ تَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَكٰى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى))

(متفق علیہ، ریاض الصالحین، باب تعظیم حرمات المسلمین)

''اہل ایمان باہم محبت ومودت، رحمت وشفقت میں ایک جسم کی مانند ہیں کہ اس کا اگر ایک حصہ تکلیف میں مبتلا ہو (مثلاً آنکھ یا کان) تو سارا جسم بسبب جاگنے اور بخار کے بیقرار رہتا ہے۔''

پھر رب کریم سے شکر اور نیک اعمال کی بھی توفیق مانگی جاتی ہے اور وہی زندگی ساحلِ مراد سے ہمکنار ہوتی ہے جو نیکیوں سے عبارت ہو، اس لیے حکم ہوتا ہے۔

﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ﴾ (البقرہ:۲/۱۴۸)

''پس تم بھلائیوں (نیکیوں) کی طرف سبقت کرو۔''

اور یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لی جائے کہ نیک اعمال وہی ہوتے ہیں جو احکامِ الٰہی کے مطابق ہوں اور جنہیں سنتِ نبوی ﷺ کے مطابق سرانجام دیا جائے۔

محتاجی اور ذلت سے بچنے کی دعا:

((اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْفَقْرِ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْقِلَّةِ وَالذِّلَّةِ وَ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ))

''اے اللہ! میں محتاجی سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور نیکی کرنے میں قلت سے اور ذلت سے اور اس سے بھی کہ میں کسی پر ظلم کروں یا کوئی مجھ پر ظلم کرے، تیری پناہ چاہتا ہوں۔''

فائدہ:

معلوم ہوا کہ محتاجی و اِفلاس کا نتیجہ ذلت اور رسوائی ہے جس سے زندگی اجیرن اور پریشان ہو جاتی ہے اور قلّت سے ہر نیک کام میں کمی اور کمزوری کا پیدا ہونا ہے اور رزقِ حلال کی قلت بھی اس میں داخل ہے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو حلال روزی کثیر اور وافر عطا فرمائے اور محتاجی و اِفلاس کی ذلت سے محفوظ رکھے نیز ہر نیک کام میں آگے بڑھنے کی سعادت سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین!

(دعائیں التجائیں، مولانا محمد داؤد)

شیطان اور نفس کی برائی سے بچنے کی دعا:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمُدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنَ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، وَ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ، وَ مَنْ يُضْلِلْهُ فَلَاهَادِیَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ))

یقیناً تمام تعریفوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، ہم اُسی کی تعریف کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں

اور اس سے معافی چاہتے ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے نفسوں کی شرارتوں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے پناہ طلب کرتے ہیں، جسے اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کر دے اُسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔

شیطانِ مردود کے وسوسوں سے بچنے کے لیے مندرجہ ذیل قرآنی دعا پڑھنی چاہیے:

﴿رَّبِّ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ، وَاَعُوْذُ بِکَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ﴾

(المؤمنون: ۲۳/ ۹۷-۹۸)

''اے میرے رب! میں شیاطین کے وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور اے میرے رب! میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں۔'' (دعائیں التجائیں، مولانا محمد داؤد)

فائدہ

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ﴾ یہ کلمات آخر تک رسول اللہ ﷺ اپنے ہر خطبے اور ہر وعظ سے قبل فرمایا کرتے تھے، یہ کلمات اور آیاتِ مبارکہ شیاطین کے مکروفریب سے بچنے کے لیے انسان کو رب العالمین کی پناہ گاہ کی جانب راہنمائی کرتی ہیں اور اس پناہ گاہ میں آنے کے بعد انسان کو کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

شکر گزار بندہ بننے کی طلب:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ صَبُوْرًا وَّ اجْعَلْنِيْ شَكُوْرًا وَاجْعَلْنِي فِيْ عَيْنِيْ صَغِيْرًا وَّ فِيْ اَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيْرًا))

اے اللہ! تو مجھے بہت صبر کرنے والا اور بہت شکر کرنے والا بنا دے اور مجھے میری نظر میں چھوٹا اور دوسروں کی نظر میں بڑا بنا دے۔ (اسلامی وظائف، عبدالسلام بستوی)

فائدہ:

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمتیں اور سہولتیں صحت اور آرام ملنے پر اس کا شکر گزار بندہ بن کر رہنا اور

کبھی تنگی اور ترشی میں تکلیف اور بیماری میں صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا شانِ بندگی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''بندۂ مومن کا خوب حال ہے، وہ ہر حال میں خیر اور بھلائی کو اپنے دامن میں چنتا ہے اور یہ بات صرف اسی کے نصیب میں آتی ہے، اگر اسے راحت اور خوشی ملتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہے تو اس کے لیے بہتر ہوتا ہے اور اگر اسے کوئی تکلیف اور پریشانی پہنچتی ہے تو صبر سے کام لیتا ہے تو یہ بات بھی اس کے لیے خیر کا باعث ہوتی ہے۔

((اِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ، وَاِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ))

(رياض الصالحين، باب الصبر)

قرآن حکیم میں صبر اور شکر کرنے والوں کو عظیم خوشخبری دی گئی ہے۔ صابرین کے لیے لازوال اجر کا اعلان اس طرح ہوتا ہے۔

﴿اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (الزمر:٣٩/١٠)

(رب کریم کا ارشاد ہے) صبر کرنے والوں کو تو اُن کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔

شاکرین کو اُس محسن آقا نے اس انعام سے نوازا ہے:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾ (ابراهيم: ١٤/٧)

اگر تم شکر گزار بنو گے تو میں تمہیں اور زیادہ نوازوں گا۔

پھر غور کیجیے کہ اس دعا میں اپنے لیے عاجزی اور خاکساری کی تمنا کی گئی ہے:

﴿وَاجْعَلْنِيْ فِيْ عَيْنِيْ صَغِيْرًا﴾

یا اللہ! مجھے میری نظر میں چھوٹا بنا دے، یعنی میرے دل میں کبھی غرور اور تکبر پیدا نہ ہو، ہاں لوگوں کے ہاں عزت و تکریم ہو۔

﴿وَفِيْ اَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيْرًا﴾

اور نبی ﷺ نے بھی عاجزی اختیار کرنے والوں کو یہ بشارت دی ہے۔

((وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ)) (رياض الصالحين، باب تواضع)

''اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر خاکساری اور عاجزی اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے سرفرازی اور بلندی عطا فرماتا ہے۔''

اس کے برعکس تکبر اور غرور اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ﴾ (لقمن:۳۱/۱۸)

(یاد رکھو!) اللہ تعالیٰ کسی خود پسند اور فخر جتانے والے شخص کو پسند نہیں کرتا۔

اب حدیثِ مبارک پر بھی غور کیجیے:

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ))

یعنی وہ شخص جنت میں نہ جا سکے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوا۔

اس پر ایک شخص نے عرض کیا کہ ایک شخص پسند کرتا ہے کہ اس کا پہناوا خوبصورت ہو۔

ارشاد ہوا: ﴿اِنّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ﴾

اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور وہ جمال (خوبصورتی) پسند فرماتا ہے۔

درحقیقت ﴿الكِبْرُ بَطَرُ الحَقِ وَ غَمْطُ النَّاسِ﴾ ''غرور ونخوت تو حق وصداقت سے منہ موڑنا اور لوگوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا ہے، سیدنا لقمان علیہ السلام کی قیمتی نصائح کو جو انہوں نے اپنے فرزندِ ارجمند کو کیں، رب کریم کو پسند آ گئیں اور قرآن حکیم میں ان کا ذکر فرما دیا، ان میں سے یہ بھی تھی:

﴿وَ لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَ لَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا﴾ (لقمن:۳۱/۱۸)

اور لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کرو اور نہ زمین پر اکڑ کر چلو۔

کامیاب زندگی کے لیے چند سنہری اصول

1- ((اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الصِّحَّةَ وَالْعِفَّةَ وَالْاَمَانَةَ وَ حُسْنَ الْخُلُقِ وَالرِّضَاءَ بِالْقَدْرِ))

(مشکوٰۃ، اسلامی وظائف، عبدالسلام بستوی)

اے اللہ! میں تجھ سے تندرستی اور پرہیزگاری چاہتا ہوں اور دیانتداری اور خوش خُلقی اور تقدیر پر راضی رہنے کی آرزو کرتا ہوں۔

فائدہ:

اچھی صحت کے ساتھ ہی صوم وصلوٰۃ کو حسن وخوبی کے ساتھ قائم کیا جا سکتا ہے۔ نیز صحت کے ساتھ ہی فریضۂ جہاد احسن طریق پر سرانجام پاتا ہے اور معاشرتی زندگی میں عفت اور امانتداری کی قدر و قیمت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، عِفت (حیا) جب رخصت ہو جائے تو وہ معاشرہ بے راہ روی کا شکار ہو جاتا ہے اور جب امانتداری جاتی رہے تو معاشی ڈھانچہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے اور روزِ جزا بندۂ مومن کے میزانِ عمل میں خوش خلقی سے زیادہ وزنی اور کوئی بات نہ ہوگی، جیسا کہ احادیثِ مبارکہ میں آتا ہے، اور تقدیر پر راضی رہنا بھی ایمان کی علامت ہے، البتہ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ خیر اور بھلائی کی طلب رہنی چاہیے اور وہ رب قدیر تقدیر کو بدلنے پر پوری طرح قادر ہے۔ لَا يَرُدُّ الْقَضاءَ اِلَّا الدُّعاء.

۲- غصے اور فتنوں سے بچاؤ کی طلب:

﴿اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ اِغْفِرْلِيْ ذَنْبِيْ وَ اَذْهِبْ غَيْظَ قَلْبِيْ وَ اَجِرْنِيْ مِنْ مُّضِلَّاتِ الْفِتَنِ مَا اَحْيَيْتَنَا﴾ (اَحمَد، اسلامی وظائف)

اے اللہ! نبی محمد ﷺ کے رب! میرے گناہ بخش دے اور میرے غصہ کو نکال دے اور جب تک تو مجھے زندہ رکھے گمراہ کرنے والے فتنوں سے نجات دے۔

فائدہ

اہل ایمان کا اپنے رب تعالیٰ سے اپنی خطاؤں اور لغزشوں پر بخشش چاہتے رہنا انہیں اپنے آقا و مولا کی رضامندی کا حقدار بنا دیتا ہے، ان کی زبانیں اس صدا سے سرشار رہتی ہیں:

﴿رَبَّنَا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْعَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ﴾ (ال عمران:۳/۱۹۳)

اے ہمارے رب! جو قصور ہم سے ہوئے ہیں اُن سے درگزر فرما جو برائیاں ہم میں ہیں انہیں دور فرما دے اور ہمارا خاتمہ نیک ابرار وصالحین کے ساتھ کر۔

اور غصے کے موقع پر اپنے نفس پر ضبط رکھنا اور غصے کو پی جانا، لوگوں سے درگزر کرنا، اور خوش حالی اور تنگدستی میں صدقہ وخیرات (حسبِ توفیق کرتے رہنا یہ ایسی خوبیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں اور ایسے لوگ محسنین کی صف میں شامل ہو جاتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ، وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ﴾

(جنت اہلِ تقویٰ کے لیے ہے یہ وہ لوگ ہیں) جو ہر حال میں مال خرچ کرتے ہیں، خواہ بد حال ہوں یا خوشحال، جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں...... ایسے صالحین اللہ کو پسند ہیں۔

پھر اس دعا میں فتنہ وفساد کا ذکر ہے، جس سے زندگی کا سکون تہہ و بالا ہو جاتا ہے اور ایسا فتنہ جو گمراہی کی طرف لے جائے اور زیادہ نقصان دہ ہے اور دنیا و آخرت میں خسارے کا باعث ہے۔ قربِ قیامت میں یہ فتنے زیادہ پھیل جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے ہمیں محفوظ رکھے۔ آمین!

عزت اور مرتبہ کی طلب

((اَللّٰھُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا وَاَکْرِمْنَا وَلَا تُھِنَّا وَ اَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا وَ اٰثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَیْنَا وَ اَرْضِنَا وَ ارْضَ عَنَّا)) (اسلامی وظائف، عبدالسلام بستوی)

''اے اللہ! تو ہم کو بڑھا، گھٹا نہیں اور ہم کو عزت دے اور رسوائی سے بچا اور ہم کو عطا فرما، محروم نہ کر اور ہم کو بڑھا کر پسند فرما اور غیروں کو ہم پر نہ بڑھا اور ہمیں (زندگی کے اطمینان اور مسرتوں) سے بہرہ ور فرما اور ہم سے راضی ہو جا۔''

فائدہ

اللہ تعالیٰ سے فریاد کی گئی ہے کہ وہ مسلمانوں کو نفری اور شوکت میں بڑھائے اور ان میں کمی نہ فرمائے اور انہیں عزت اور سرفرازی عطا فرمائے (ہاں تکبر وغرور سے بچائے) یا اللہ! ہمیں اپنی رحمتوں سے نواز، محروم نہ رکھ، اور ہماری اجتماعیت تیرے سایۂ رحمت میں رہے اور دشمنوں کو ہمارے اوپر مسلط نہ فرما، اور ہماری زندگی سرور وطمانیت سے لبریز ہو جائے اور ہمہ وقت تیری رضا مندی سے بہرہ ور رہیں۔

اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کی طلب

((اَللّٰھُمَّ مَغْفِرَتُكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِیْ وَ رَحْمَتُكَ اَرْجٰی عِنْدِیْ مِنْ عَمَلِیْ))

(مستدرك حاكم، كتاب الدُّعاء، رشيد الله يعقوب)

''یا اللہ! میرے گناہوں سے آپ کی بخشش (کہیں) زیادہ وسیع ہے اور آپ کی رحمت میرے نزدیک میرے عمل سے زیادہ امید افزا ہے۔''

فائدہ:

دراصل اللہ تعالیٰ کی رحمت لامحدود اور بے انتہا ہے، اسی کا فرمان ہے:

﴿وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ﴾ (الاعراف: ۷/۱۵٦)

''اور میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔''

اور اس رحمت کی بنا پر وہ اپنے بندوں کے گناہ معاف فرما دیتا ہے اور اس کا یہ اعلان گنہگاروں کے دل کی ڈھارس ہے:

﴿قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ﴾ (الزمر: ۳۹/۵۳)

(اے نبیؐ میری جانب سے) کہہ دیجیے کہ اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو جاؤ، بالیقین اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے، وہ تو غفور اور رحیم ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ بندوں پر لازم ہے کہ اپنے رب کی دعوت کا جواب دیں:

﴿وَاَنِیْبُوْۤا اِلٰی رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ﴾

(الزمر: ۳۹/۵٤)

تم (سب) اپنے رب کی طرف جھک پڑو اور اس کے احکام کی پوری طرح تعمیل کرو اس سے قبل کہ تمہارے پاس عذاب آ جائے اور پھر تمہاری مدد نہ کی جائے۔

نیک اعمال سرانجام دینے کے باوجود کسی شخص کو اس بات پر ناز نہیں ہونا چاہیے بلکہ اپنے رب کی رحمت پر نظر رہنی چاہیے۔ محض اس کی رحمت اور فضل سے ہی کامیابی ممکن ہوسکتی ہے۔

دنیا کی رسوائی سے بچنے اور اچھے انجام کے لیے

﴿اَللّٰهُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِی الْاُمُوْرِ كُلِّهَا وَ اَجِرْنَا مِنْ خِزْیِ الدُّنْیَا وَ عَذَابِ

الْآخِرَةِ﴾ (مسند احمد، بحوالہ اذکار و ادعیۃ، ڈاکٹر محمد لقمان سلفی)

اے اللہ! تمام امور میں ہمارا انجام اچھا کر اور دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے ہمیں بچا۔

فائدہ:

بندۂ مومن کی یہ آرزو اور دلی تمنا ہوتی ہے کہ اس کی آخرت سنور جائے اس لیے کہ یہ دنیا عارضی ہے اور آخرت ہمیشہ رہنے والی ہے۔

﴿وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى﴾ (الاعلیٰ:۸۷/۱۷)

''اور آخرت تو بہت بہتر اور بہت بقا والی ہے۔''

اس لیے عقلمند وہی ہے کہ جو دائمی اور ابدی چیز کو عارضی اور فانی پر ترجیح دے مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ چند روزہ حیاتِ مستعار کو بھی وہ عزت اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں گزارنا چاہتا ہے اور ہر قسم کی رسوائی اور ذلت سے بچنا چاہتا ہے، اس دعا میں اسی بات کی تمنا کی گئی ہے۔

خشوع و انکساری والی زندگی کی طلب

﴿اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مِسْكِيْنًا وَّ اَمِتْنِيْ مِسْكِيْنًا وَّ احْشُرْنِيْ فِيْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ﴾

(نسائی، حوالہ ایضاً)

اے اللہ! مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھ اور مجھے مسکین کی موت دے اور مجھے مسکینوں کی جماعت میں روزِ قیامت اٹھا۔

فائدہ:

مسکین کے معنی عجز و خاکساری کے ہیں نہ کہ فقر اور غربت کے، کیونکہ ایسے فقر سے جو انسان کو ذلیل و خوار کر دے، اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کی گئی ہے، ہاں تکبر و غرور کے مقابلے میں فروتنی اور خاکساری اللہ تعالیٰ کو پسند ہے جس کی آرزو اِس دعا میں کی گئی ہے۔ شیطان نے فخر و غرور کیا تو تباہ و برباد ہو گیا اور سیدنا آدم علیہ السلام عاجزی سے رب تعالیٰ کے ہاں سرخرو ہو گئے، حقیقت یہ ہے کہ انسان کو رب کائنات نے خاک سے بنایا اور اس کے لیے خاکسار بن کر رہنا ہی بہتر ہے۔

بڑھاپے کے وقت وسعتِ رزق کی خواہش

﴿اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ اَوْسَعَ رِزْقِكَ عَلَيَّ عِنْدَ كِبَرِ سِنِّيْ وَ اِنْقِطَاعِ عُمُرِيْ﴾

(مستدرك حاكم، حواله ايضاً)

اے اللہ! تو اپنی روزی کو میرے لیے میرے بڑھاپے میں اور آخری وقت میں زیادہ کشادہ کر دینا۔

فائدہ:

بڑھاپے میں انسان کام کاج کے قابل نہیں رہتا، اعضا و جوارح جواب دے جاتے ہیں اور بسا اوقات اولاد بھی ساتھ چھوڑ جاتی ہے، اس وقت رب کریم کی طرف سے حق حلال کی روزی کا سرو سامان بہت بڑی نعمت ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے وقت میں ہر مومن کے لیے آسانی اور کشادگی پیدا فرما دے۔ آمین!

نصرت و ہدایت، شکر و تقوی کے حصول کے لیے

﴿رَبِّ اَعِنِّيْ وَ لَا تُعِنْ عَلَيَّ، وَانْصُرْنِيْ وَ لَا تَنْصُرْ عَلَيَّ، وَامْكُرْلِيْ وَ لَا تَمْكُرْ عَلَيَّ وَاهْدِنِيْ وَ يَسِّرِ الْهُدٰى لِيْ وَ انْصُرْنِيْ عَلٰى مَنْ بَغٰى عَلَيَّ، رَبِّ اجْعَلْنِيْ لَكَ شَكَّارًا، لَكَ ذَكَّارًا، لَكَ رَهَّابًا، لَكَ مُطِيْعًا، اِلَيْكَ مُخْتِبًا، اِلَيْكَ اَوَّاهاً مُنِيْباً، رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِيْ وَاغْسِلْ حَوْبَتِيْ وَاَجِبْ دَعْوَتِيْ وَاهْدِ قَلْبِيْ وَ سَدِّدْ لِسَانِيْ وَ ثَبِّتْ حُجَّتِيْ وَاسْلُلْ سَخِيْمَةَ قَلْبِيْ﴾ (صحيح ترمذى، حواليه ايضاً)

اے اللہ! میری مدد فرما اور میرے خلاف کسی کی مدد نہ فرما اور مجھے نصرت سے بہرہ ور کر اور میرے خلاف کسی کی نصرت نہ کر اور میرے لیے اچھی تدبیر فرما اور میرے خلاف تدبیر نہ کر، اور مجھے ہدایت دے اور میرے لیے راہِ ہدایت کو آسان فرما دے اور جو شخص میرے خلاف بغاوت کرے اس کے مقابلے میں میری مدد فرما، اے میرے رب! مجھے بہت زیادہ تیرا شکر کرنے والا، تیرا ذکر کرنے والا، تجھ سے خوف کھانے والا، تیرا اطاعت گزار، تیری جناب میں پناہ لینے والا اور انابت و رجوع کرنے والا بنا دے، اے میرے رب! میری توبہ قبول فرما اور میرے گناہ دھو دے، میری دعا قبول فرما اور میرے دل کو ہدایت نصیب فرما، میری زبان کو سچائی سے آراستہ فرما

اور میری حجت کو ثبات بخش (دینی خدمات کو ثبت اور دوام عطا فرما) اور میرے دل کی ظلمت و تاریکی کو دور فرما دے۔

فائدہ:

غور کیجیے! رسول اللہ ﷺ کی دعا کا ہر ہر لفظ دل میں اتر جانے والا اور زندگی کو روشنی اور ہدایت سے بہرور کرنے والا ہے اور زبانِ مبارک کوثر و تسنیم میں ڈھلی ہوئی۔

ذکرِ الٰہی:

ذکرِ الٰہی کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا اور اسلامی عبادات کا مقصد بھی اپنے خالق و رازق، معبودِ حقیقی اور رب العالمین کی یاد ہے، جیسا کہ نماز کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

نماز ذکر ہے:

﴿اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ﴾ (طٰہٰ: ۱۴/۲۰)

(اے انسانو!) میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، پس تم میری ہی عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔

حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

تکلیفاتِ شرعیہ میں یہ سب سے پہلا اور سب سے اہم حکم ہے جس کا ہر انسان مکلّف ہے، علاوہ ازیں جب اُلوہیت کا مستحق بھی وہی ہے تو عبادت بھی صرف اسی کا حق ہے۔ عبادت کے بعد نماز کا خصوصی حکم دیا (عبادت کا مفہوم یہ ہے کہ زندگی کے ہر معاملے میں سنتِ نبوی کے مطابق رب العزت کے احکام کی پیروی ہوگی) حالانکہ عبادت میں نماز بھی شامل تھی تاکہ اس کی وہ اہمیت واضح ہو جائے، جیسے کہ اس کی ہے "لِذِكْرِیْ" (یعنی نماز کو قائم کرو میری یاد کے لیے) کا ایک مطلب یہ ہے کہ تو مجھے یاد کرے، اس لیے یاد کرنے کا طریقہ عبادت ہے اور عبادات میں نماز کو خصوصی اہمیت و فضیلت حاصل ہے، دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب بھی میں تجھے یاد آ جاؤں نماز پڑھ لو، یعنی اگر کسی وقت غفلت، ذہول یا نیند کا غلبہ ہو تو اس کیفیت سے نکلتے ہی اور میری یاد آتے ہی نماز پڑھ لو، جس

طرح کہ نبی ﷺ نے فرمایا ''جو نماز سے سو جائے یا بھول جائے تو اس کا کفارہ یہی ہے کہ جب بھی اسے یاد آئے نماز پڑھ لے۔ (صحیح بخاری، کتاب المواقیت، بحوالہ احسن البیان)

''قیامِ صلوٰۃ'' میں پانچ نمازوں کی بروقت ادائیگی ہے:

﴿اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوۡکِ الشَّمۡسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیۡلِ وَقُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ اِنَّ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ کَانَ مَشۡہُوۡدًا﴾ (بنی اسرائیل:۱۷/۷۸)

(اے نبیؐ) نماز قائم کرو زوالِ آفتاب سے لے کر رات کے اندھیرے تک اور فجر کے قرآن کا بھی التزام کرو کیونکہ قرآنِ فجر مشہود ہوتا ہے۔

''زوالِ آفتاب سے لے کر رات کے اندھیرے تک'' اس میں ظہر سے لے کر عشا تک کی چاروں نمازیں آ جاتی ہیں اور فجر کے قرآن سے مراد فجر کی نماز میں قرآن پڑھنا ہے اور قرآنِ فجر کے مشہود ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے خاص طور پر اس کے گواہ بنتے ہیں کیونکہ اس وقت کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔(مختصر حواشی، سید مودودیؒ) ''پھر اقامتِ صلوٰۃ'' میں نہ صرف نمازوں کی حفاظت کا ذکر آیا بلکہ اجتماعیت (یعنی باہم مل کر پڑھنے) کی بھی تاکید آتی ہے۔

﴿حٰفِظُوۡا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوۃِ الۡوُسۡطٰی وَ قُوۡمُوۡا لِلّٰہِ قٰنِتِیۡنَ﴾ (البقرہ:۲/۲۳۸)

اپنی نمازوں کی نگہداشت رکھو خصوصاً صلوٰۃ الوسطیٰ (نمازِ عصر) کی، اور اللہ تعالیٰ کے آگے اس طرح کھڑے ہو، جیسے فرمانبردار غلام (مل کر) کھڑے ہوتے ہیں۔

ایسے ہی صالحین کے لیے اجرِ عظیم کی خوشخبری دی گئی:

﴿وَ الۡمُقِیۡمِیۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ الۡمُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ اُولٰٓئِکَ سَنُؤۡتِیۡہِمۡ اَجۡرًا عَظِیۡمًا﴾ (النساء:۴/۱۶۲)

اور صلوٰۃ و زکوٰۃ کی پابندی کرنے والے اور اللہ اور روزِ آخرت پر سچا عقیدہ رکھنے والے لوگوں کو ہم ضرور اجرِ عظیم سے نوازیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث مبارکہ پر بھی غور کر لیجیے:

''سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بدوی (گاؤں کا باشندہ) رسول اللہ ﷺ کی

خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا، اے اللہ کے رسول! ﷺ مجھے ایسا عمل بتا دیجیے جس کے ذریعے میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔"

﴿دُلَّنِيْ عَلٰى عَمَلٍ إِذَا عَمِلْتُهُ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ﴾

ارشاد ہوا "اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، فرض نماز کی پابندی کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان المبارک کے روزے رکھو۔" ﴿تَعْبُدُ اللّٰهَ لَا تُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا وَ تُقِيْمُ الصَّلَاةَ الْمَكْتُوْبَةَ وَ تُؤْتِي الزَّكَاةَ الْمَفْرُوْضَةَ وَتَصُوْمُ رَمَضَانَ﴾ عرض کرنے لگا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، میں اس سے آگے نہیں بڑھوں گا۔ ﴿وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا أَزِيْدُ عَلٰى هٰذَا﴾ جب وہ واپس ہوا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص جنتی آدمی کو دیکھنا چاہتا ہو، وہ اسے دیکھ لے: ﴿مَنْ سَرَّهٗ أَنْ يَنْظُرَ إِلٰى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْيَنْظُرْ إِلٰى هٰذَا﴾ (صحیح مسلم، کتاب الایمان)

یہ ہے ﴿وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ﴾ کی عملی تفسیر اور اس کا اجرِ عظیم، اس لیے قرآن حکیم میں آتا ہے:

﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ أَذْكُرْكُمْ﴾ (البقرہ:۲/۱۵۲)

(اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے) تم مجھے یاد رکھو، میں تمہیں یاد رکھوں گا۔

یعنی بندوں کو حکم ہو رہا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کا حق خلوص اور وفاداری سے بجا لائیں اور اُس کی حمد و ثنا سے اُن کی زبانیں تر رہیں وہ انہیں مغفرت اور بخشش سے نواز کر اپنی رحمت سے انہیں جنت میں لازوال اور ابدی انعامات سے نوازے گا۔

روزہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے:

صلوٰۃ (نماز) کے بعد صوم (روزہ) کو لیجیے، یہ صبح سے شام تک احکامِ الٰہی کی پابندی ہے، گویا کہ بندۂ مومن یہ تمام وقت مولا و مالک کی اطاعت اور فرمانبرداری میں گزارتا ہے، اور وہ "فَاذْكُرُوْنِيْٓ" کی سراپا تصویر بنا رہتا ہے، نمازوں کی پابندی کرتا ہے، قرآن حکیم کی غور و تدبر سے تلاوت کرتا ہے، زبان و بیان کی حفاظت کرتا ہے، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے، گویا کہ حقوق اللہ اور

حقوق العباد کی پوری طرح پابندی کرتا ہے۔ اور روزوں کے ثمرات کو قرآن حکیم اس طرح بیان کرتا ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (البقرہ:۲/۱۸۳)

اے ایمان والو! تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے انبیاء کے پیروؤں پر فرض کئے گئے تھے، اس سے توقع ہے کہ تم میں تقوای کی صفت پیدا ہوگی۔

اور اہلِ تقوای ہی کے لیے آخرت میں باغ و بہار اور حیاتِ جاودانی ہے:

﴿اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ﴾ (ھود:۱۱/۴۹) بلاشبہ انجام کار اہل تقویٰ کے لیے ہی ہے۔

زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کی یاد ہے:

''زکوٰۃ'' کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال میں سے صرف اسی مولا کی رضا کے لئے غربا و مساکین، بیوگان اور یتامٰی کی مدد ہے، صالحین کی یہ صفت بتائی گئی ہے:

﴿وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِیْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا ۝﴾ (الدھر: ۷۶/۸-۱۰)

(یہ لوگ) اللہ تعالیٰ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (اور ان کے دل کی صدا یہ ہوتی ہے) کہ ہم تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر کھلا رہے ہیں (یہاں تک کہ) ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ، ہمیں تو اپنے رب سے اُس دن کے عذاب کا خوف لاحق ہے جو سخت مصیبت کا انتہائی طویل دن ہوگا۔''

رب کریم کی طرف سے انہیں اس خلوص اور وفاداری کا جواب اس طرح ملتا ہے:

﴿فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْیَوْمِ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ۝ وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِیْرًا﴾ (الدھر: ۷۶/۱۱-۱۲)

پس اللہ تعالیٰ انہیں اس دن کے شر سے بچالے گا اور انہیں تازگی اور سرور بخشے گا اور ان کے صبر کے بدلے میں انہیں جنت اور ریشمی لباس عطا کرے گا۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کا مقصد تزکیۂ نفس کا حصول ہے اور ایسا نفس ہی اللہ تعالیٰ کی محبت سے لبریز ہوتا ہے جو آخرت میں اس کی کامیابی کو یقینی بنا دیتا ہے۔

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ﴾ (التوبہ:۹/۱۰۳)

(اے نبیؐ) ان کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) لے کر انہیں پاک کیجیے (کہ اس سے ان کے اعمال و اخلاق کی تطہیر اور مال و منال میں اضافہ ہوگا) اور ان کے لیے دعا کیجیے، آپ کی دعا ان کے لیے موجبِ اطمینان وتسکین ہوگی۔

حافظ صلاح الدین یوسف اس آیتِ مبارکہ کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''یہ حکم عام ہے، صدقے سے مراد فرضی صدقہ، یعنی زکوٰۃ بھی ہوسکتی ہے اور نفلی صدقہ بھی، نبی ﷺ کو کہا جارہا ہے کہ اس کے ذریعے سے آپ مسلمانوں کی تطہیر اور ان کا تزکیہ فرمائیں جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زکوٰۃ وصدقات انسان کے اخلاق و کردار کی طہارت اور پاکیزگی کا ایک بڑا ذریعہ ہیں۔ علاوہ ازیں صدقے کو صدقہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خرچ کرنے والا اپنے دعوائے ایمان میں صادق ہے (نیز زکوٰۃ کی ادائیگی سے نہ صرف نفس پاکیزہ ہوتا ہے بلکہ وہ مال جس کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پھلتا پھولتا بھی ہے، دنیا میں اس کے اثرات نمایاں ہوں یا نہ ہوں مگر آخرت میں اعمالِ حسنہ کا اضافہ یقینی ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ صدقہ وصول کرنے والے کو صدقہ دینے والے کے حق میں دعائے خیر کرنی چاہیے جس طرح یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو دعا کرنے کا حکم دیا اور آپ ﷺ اس کے مطابق دعا فرمایا کرتے تھے، اس حکم کے عموم سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ زکوٰۃ کی وصولی امامِ وقت کی ذمہ داری ہے، اگر کوئی اس سے انکار کرے تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے طرزِ عمل کی روشنی میں اس کے خلاف جہاد ضروری ہے۔ (ابن کثیر، بحوالہ احسن البیان)

معلوم ہوا کہ زکوۃ وصدقہ سے غربا و مساکین کی خدمت رب تعالیٰ کی رضامندی کا ذریعہ ہے اور اس کا اجر اس کے ہاں عظیم ہے۔

﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ○ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ○ وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى ○ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى ○ وَلَسَوْفَ يَرْضَى﴾ (اللیل:۹۲/۱۷-۲۱)

(اور جہنم سے دور رکھا جائے گا) وہ نہایت پرہیز گار جو پاکیزہ ہونے کی خاطر اپنا مال (اللہ کی راہ میں دیتا ہے) اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں ہے کہ جس کا بدلہ اس نے دینا ہو، وہ تو صرف اپنے رب برتر وعظیم کی رضا جوئی کے لیے یہ کام کرتا ہے اور ضرور (رب بھی) عنقریب اس سے رضامند ہو جائے گا۔

مفسرین کا بیان ہے کہ یہ آیات سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ جنھوں نے اپنا مال غلاموں کو آزاد کرنے میں لٹا دیا۔ رب کریم! ہمیں بھی ایسے ہی صالحین میں سے بنا دے آمین!

حج اللہ تعالیٰ کی یاد ہے:

حج کے ایام میں بھی جہاں رب کریم کے حضور اپنے گناہوں اور خطاؤں کی بخشش چاہنا ہے وہاں کثرت کے ساتھ ذکر و اذکار سے نفس کی تطہیر و تزکیہ بھی مطلوب ہے۔ نیز اس میں مسلمانوں کے لیے بہت سے سیاسی، معاشی، معاشرتی اور اخلاقی و روحانی فوائد بھی ہیں، قرآن حکیم نے اسے مختصر الفاظ میں بیان کر دیا ہے، تاکہ وہ بہت سے فوائد سے بہرہ ور ہوں ﴿لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ﴾ (الحج:۲۲/۲۸)

ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ﴾ (البقرہ: ۲/۲۰۳)

”(حج کے) گنتی کے چند روز ہیں جو تمھیں اللہ کی یاد میں بسر کرنے چاہییں۔“

اخلاص کے ساتھ کیے ہوئے حج کے ثمرات و ثواب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

((اَلْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّةُ)) (بخاری، مسلم)

حجِ مبرور کا ثواب جنت کے علاوہ کوئی نہیں ہو سکتا۔

قرآن کی تلاوت ذکر ہے:

قرآن حکیم کی غور وفکر سے تلاوت تو مسلسل اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿ذٰلِکَ نَتْلُوْهُ عَلَیْکَ مِنَ الْاٰیٰتِ وَ الذِّکْرِ الْحَکِیْمِ﴾ (ال عمران:۳/۵۸)

(اے نبیؐ) یہ آیات اور حکمت سے لبریز تذکرے ہیں جو ہم آپ کو سنا رہے ہیں۔

دنیاوی مشاغل میں اللہ تعالیٰ کی یاد

گویا کہ مسلمان کے شب و روز، اوقات ولمحات اللہ تعالیٰ کی یاد میں بسر ہوتے ہیں، یہاں تک کہ مشاغلِ تجارت اور خرید وفروخت بھی انہیں ذکر اللہ سے غافل نہیں ہونے دیتے۔

﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوةِ﴾ (النور: ۲۴/۳۷)

ایسے لوگ جنہیں تجارت اور خرید وفروخت اللہ کی یاد سے اور اقامتِ صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ سے غافل نہیں کر دیتی (یہی لوگ اپنے رب سے بہترین جزا پائیں گے)۔

حقیقت یہ ہے کہ اہل ایمان کی کامیابی کا راز ذکرِ الٰہی میں مضمر ہے اور رب کی رحمتوں سے بھی ذاکرین ہی بہرہ ور رہتے ہیں:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰهَ ذِکْرًا کَثِیْرًا ۝ وَّ سَبِّحُوْهُ بُکْرَةً وَّ اَصِیْلًا ۝ هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَ مَلٰٓئِکَتُهٗ لِیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَ کَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا ۝ تَحِیَّتُهُمْ یَوْمَ یَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ وَ اَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا کَرِیْمًا﴾

(الاحزاب: ۳۳/۴۱-۴۴)

اے ایمان والو! اللہ کو کثرت سے یاد کرو اور صبح وشام اس کی تسبیح کرتے رہو، وہی ہے جو تم پر رحمت فرماتا ہے اور اس کے ملائکہ تمہارے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں تاکہ وہ تمہیں (ظلمت وکفر) کی تاریکیوں سے (ایمان واسلام) کی روشنی میں نکال لائے، وہ مومنوں پر بہت مہربان ہے، جس روز وہ (اللہ تعالیٰ) کے حضور پیش ہوں گے ان کا استقبال سلام سے ہوگا، اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے بڑا باعزت اجر تیار کر رکھا ہے، سبحان اللہ! ان

آیات میں اہل ایمان کو جس انعام و اعزاز سے نوازا گیا ہے اس کے مقابلے میں دنیا اور اس کے تمام خزانے ہیچ ہیں۔

ہر پہلو میں اللہ تعالیٰ کی یاد:

یہی وہ اہل ایمان ہیں جو اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے، سفر و حضر میں ہر پہلو اور ہر کروٹ پر اپنے آقا و مولا کو یاد کرتے ہیں:

﴿اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ○ الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِهِمۡ﴾

(آل عمران:۳/۱۹۰-۱۹۱)

زمین اور آسمانوں کی پیدائش میں اور رات اور دن کے ہیر پھیر میں یقیناً عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے ہوئے کرتے ہیں۔

ہر چیز اللہ کی تسبیح کر رہی ہے:

دراصل دینِ اسلام عقلمندوں اور ہوشمندوں کے لیے ہے جو تدبر و تفکر سے کام لیتے ہیں، یہ حقیقت ہے کہ کائنات کی ہر چیز رب کائنات کی حمد و ثنا اور تسبیح و تہلیل میں مصروف ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ﴾ (الحدید:۵۷/۱)

آسمانوں او زمین میں جو کچھ ہے (سب اللہ کی تسبیح کر رہے ہیں، وہ ہر طرح قدرت رکھنے والا اور حکیم ہے (اس کا یہ پورا کارخانہ حکمت و قدرت کی دلیل ہے)۔

انسانوں کو اس نے تمام مخلوقات پر عزو شرف بخشا ہے، اگر وہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری اور حمد و ثنا سے محروم رہے تو یہ اُس کی بڑی نادانی ہے، آئندہ نبی ﷺ کے لیل و نہار کے اذکار پر گفتگو ہوگی۔ ان شاء اللہ!

اذکار

اس لفظ کا مفرد "ذِکْرٌ" ہے جس کا معنی اللہ تعالیٰ کی یاد ہے، یہ مختلف طریقوں سے ہوتی ہے

جیسا کہ گزشتہ درس میں بتایا جا چکا ہے، اسلام میں تمام عبادات کا مقصد رب العزت کی یاد ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، تلاوتِ قرآن اللہ تعالیٰ کی یاد ہے، اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر اَن گنت انعامات اور احسانات ہیں، ان پر اس کا شکر گزار بندہ بن کر رہنا یہ بھی اس مولا و مالک کی یاد ہے، بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے متعدد انعامات ہوئے یہ روحانی بھی تھے اور مادی بھی...... انبیائے اکرام علیہم السلام ان کی صلاح و فلاح کے لیے آتے رہے، یہ روحانی فیوض و برکات تھیں۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے دورِ نبوت میں ان کو فرعون کے پنجۂ استبداد سے نجات دی گئی، لق و دق صحرا میں من وسلویٰ کا نزول، گرمی سے بچنے کے لیے بادلوں کا سایہ، اللہ کے حکم سے میٹھے اور ٹھنڈے چشموں کا جاری و ساری ہونا وغیرہ یہ مادی فوائد وثمرات تھے۔ انہیں یاد دلایا جا رہا ہے:

﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَ اَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ (البقرہ:۲/۴۷)

اے بنی اسرائیل! یاد کرو میری اس نعمت کو جس سے میں نے تمہیں نوازا تھا اور اس بات کو کہ میں نے تمہیں دنیا کی ساری قوموں پر فضیلت عطا کی تھی۔

سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

''اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہمیشہ کے لیے تمہیں تمام دنیا کی قوموں سے افضل قرار دیا تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایک وقت تھا جب دنیا کی قوموں میں تم ہی وہ ایک قوم تھے جس کے پاس اللہ کا دیا ہوا علمِ روشن تھا اور جسے اقوامِ عالَم کا امام و رہنما بنا دیا گیا تھا تاکہ وہ بندگی رب کے راستے پر سب قوموں کو بلائے اور چلائے۔'' (مختصر حواشی)

اس کے بعد اس قوم کی مسلسل اور پیہم نافرمانیوں کے سبب یہ نعمت ان سے سلب کر لی گئی اور قیادت و سیادت بنی اسرائیل سے بنی اسماعیل کو منتقل ہوگئی اور خاتم النبیین جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت ہمیشہ کے لیے نسلِ انسانیت کے لیے ثبت ہوگئی، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس نعمتِ عظمیٰ کو اس طرح یاد دلایا ہے:

﴿وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ

كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾

(ال عمران:۳/۱۰۳)

(مسلمانو!) سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے، تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے (اس دین رحمت کے ذریعے) تمہارے دل جوڑ دیے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔

اور دینِ اسلام کو اتمامِ نعمت (نعمت کی تکمیل) قرار دیا گیا ہے کیونکہ یہ لوگوں کی دنیا اور آخرت دونوں کو سنوارتا اور نکھارتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدہ:۵/۳)

آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔

اس آیتِ مبارکہ پر سید مودودیؒ رقمطراز ہیں:

دین کو مکمل کر دینے سے مراد اس کو ایک مستقل نظامِ فکر و عمل اور ایک ایسا مکمل نظامِ تہذیب و تمدن بنا دینا ہے جس میں زندگی کے جملہ مسائل کا جواب اصولاً یا تفصیلاً موجود ہو اور ہدایت و رہنمائی حاصل کرنے کے لیے کسی حال میں اس سے باہر جانے کی ضرورت پیش نہ آئے، نعمت تمام کرنے سے مراد نعمتِ ہدایت کی تکمیل کر دینا ہے اور اسلام کو دین کی حیثیت سے قبول کر لینے کا مطلب یہ ہے کہ تم نے میری اطاعت و بندگی اختیار کرنے کا جو اقرار کیا تھا اس کو چونکہ تم اپنی سعی و عمل سے سچا اور مخلصانہ اقرار ثابت کر چکے ہو، اس لیے میں نے اسے درجۂ قبولیت عطا فرمایا ہے اور تمہیں عملاً اس حالت کو پہنچا دیا ہے کہ اب فی الواقع میرے سوا کسی کی اطاعت و بندگی کا جوا تمہاری گردنوں پر باقی نہیں رہا، اب جس طرح اعتقاد میں تم میرے مسلم ہو اسی طرح عملی زندگی میں بھی میرے سوا کسی اور

کے مسلم (مطیع وفرمانبردار) بن کر رہنے کے لیے کوئی مجبوری تمہیں لاحق نہیں رہی ہے۔

(مختصر حواشی)

صراطِ مستقیم پر گامزن رہنا:

اللہ تعالیٰ کا ذکر بندۂ مومن کو صراطِ مستقیم پر گامزن رکھتا ہے، اس لیے کہ اس کے ذکر سے وہ کئی قسم کی بلاؤں اور پریشانیوں سے بچ نکلتا ہے، نفس اور شیاطین کے مکر وفریب سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور رہنمائی اس کے شاملِ حال ہو جاتی ہے، اس کی دنیا اور آخرت سنور جاتی ہے اور اہل ایمان مرد ہوں یا عورتیں انہیں یہ خوشخبری سنا دی گئی ہے:

﴿اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَ الْحٰفِظٰتِ وَ الذّٰکِرِیْنَ اللّٰهَ کَثِیْرًا وَّ الذّٰکِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا﴾ (الاحزاب:۳۳/۳۵)

بالیقین جو مرد اور عورتیں مسلم ہیں، مومن ہیں، مطیع فرماں ہیں، راست باز ہیں، صابر ہیں، اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں، صدقہ دینے والے ہیں، روزے رکھنے والے ہیں اپنے ستر کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں، اللہ نے ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔

اسلام کی پاکیزہ اور مصفی تعلیمات پر غور کیجیے کہ اعمالِ صالحہ کے اجر وثواب پر عورتوں اور مردوں کو برابر رکھا گیا ہے بلکہ اس آیتِ مبارکہ کی روشنی میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اگر کوئی عورت نیک اعمال سر انجام دینے میں مستعد اور پابند ہے تو فضیلت کے لحاظ سے مرد سے کہیں بڑھ کر ہے اور وہ مرد جو ان اعمال سے غافل ہے، آخرت میں سزا پا سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر سب سے قیمتی چیز ہے اور اس سے غفلت بہت بڑا نقصان ہے:

﴿وَلَذِکْرُ اللّٰهِ اَکْبَرُ﴾ (العنکبوت:۲۹/۴۵)

بیشک اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔

ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا نفس اور شیطان سے بچاؤ کا اکسیر نسخہ ہے، اس لیے رب کریم نے رسول اللہ ﷺ کو خاص طور پر نصیحت فرمائی:

﴿وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ وَ لَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ (الاعراف:۷/۲۰۵)

(اے نبیؐ) اپنے رب کو صبح و شام یاد کیا کرو دل ہی دل میں زاری اور خوف کے ساتھ اور زبان سے بھی ہلکی آواز کے ساتھ، تم ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

چنانچہ حدیثِ مبارکہ میں آتا ہے:

((عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ "كَانَ النَّبِيُّ صلی الله علیه وسلم يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ أَحْيَانِهِ")) (مسلم، رقم الحدیث: ۳۷۳)

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر پہلو اور ہر کروٹ پر اللہ تعالیٰ کا ذکر فرماتے تھے۔

سیدنا عبداللہ بن بُسر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ اسلام کی بہت سی باتوں میں سے کوئی ایسی بات ارشاد فرمایے کہ میں اس پر مضبوطی کے ساتھ عمل پیرا ہو جاؤں، آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ)) (ترمذی، رقم الحدیث: ۳۳۷۵)

"یعنی تمہاری زبان ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رہے۔"

ظاہر ہے اس ذکر میں تمام عبادات، تلاوتِ قرآن اور اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے، کھاتے پیتے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا، تکبیر و تہلیل زبان پر جاری و ساری رہے گی اور ذکر ہی اس ارفع و اعلیٰ مقام پر پہنچا کر اسے اپنے رب کا پسندیدہ بندہ بنا دے گا۔

حسن البنا شہید لکھتے ہیں:

اسلام آدمی کی اصلاح، اس کے تزکیے اور اسے ہر ممکنہ سربلندی سے ہمکنار کرنے کے لیے آیا ہے، اسلام نے پوری انسانیت کے لیے زندگی کے حقیقی اور اعلیٰ مقاصد کو واضح کر دیا ہے، وہ انسان کو خیر کے اعلیٰ ترین معیار تک لے جانا چاہتا ہے، یہ اعلیٰ ترین مقام اللہ سبحانہ وتعالیٰ جل جلالہ کی قدوسیت کا ہے (یعنی بندہ ہمہ وقت اپنے رب کی تقدیس وتحمید بیان کرتا رہے) یہ اس طرح کہ کسی لحہ بھی اپنے مولا و مالک کی نافرمانی نہ کرے۔ اس کا ارشاد ہے:

﴿فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ (الذاریات:۵۱/۵۰)

اللہ کی جانب لپکو (اس کے احکام کو حرزِ جان بناؤ) میں تمہارے لیے اس کی طرف سے صاف صاف خبردار کرنے والا ہوں۔

برادرِ عزیز! یہ حقیقت جان لینے کے بعد آپ کو اس بات پر کوئی حیرت نہیں ہونی چاہیے کہ بندۂ مسلم کو ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے رہنا چاہیے، اس پر بھی کوئی حیرت نہیں ہونی چاہیے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ [جنہیں اپنے رب کی معرفت پوری مخلوق سے زیادہ حاصل تھی] کو...... ذکر، دعا، شکر، تسبیح اور تحمید کے شان دار اور بلیغ کلمات عطا ہوئے ہیں اور یہ کہ آپ ﷺ زندگی کے چھوٹے، بڑے، عمومی، خصوصی، ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کا ذکر فرماتے رہتے تھے۔

آپ کو اس امر میں بھی کوئی حیرت نہیں ہونی چاہیے کہ ہم اخوان المسلمون کے ہر فرد سے یہ مطالبہ اور تقاضا کرتے ہیں کہ وہ عزیز وغفار رب کا قرب حاصل کرنے کے لیے اپنے نبی ﷺ کی سنت کو اپنائے، آپ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کرے اور جو دعائیں (اور اذکار) آپ ﷺ سے منقول ہیں انہیں ذہن نشیں کر لے، رب العزت کا فرمان ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ (الاحزاب:۳۳/۲۱)

درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کی (حیاتِ طیبہ) میں ایک بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یومِ آخرت کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔

(ماثورات)

خاتم النبیین جنابِ محمد رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوتا ہے:

﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَ کُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ ۝ وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ﴾ (الحجر:۱۵/۹۸،۹۹)

(اے نبیؐ) اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہیے، اس کے حضور سجدہ بجا لایے اوراس آخری گھڑی تک اپنے رب کی بندگی کرتے رہیے جس کا آنا یقینی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو رب کریم کے حضور سے عظیم بشارت مل رہی ہے کہ منکرینِ حق کی باتوں سے آپ مت گھبرائیں، آپ اپنے مشن کو جاری و ساری رکھیں، آپ کی زبانِ مبارک اپنے آقا و مولا کی یاد سے تر رہے، دعا و مناجات میں مصروف رہیں اور زندگی کے آخری لحات تک نمازوں کی پابندی کریں، اس سے یقیناً طمانیت و سرور ملے گا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت آپ کے شاملِ حال رہے گی اور یہی ہر بندۂ مومن کا زادِ آخرت ہے، اب چند اذکار النبی ﷺ پیشِ خدمت ہیں۔

ہر فرض نماز کے بعد اذکار

۱- سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب نماز ختم کرتے تو بآوازِ بلند یہ پڑھتے:

﴿اَللّٰهُ اَكْبَرُ﴾ (ایک بار)

اللہ بہت بڑا ہے۔

۲- سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو یہ کلمات ادا فرماتے:

﴿اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ﴾ (تین بار)

میں اللہ سے بخشش مانگتا ہوں۔

پھر یہ دعا پڑھتے:

﴿اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَ مِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ﴾

یا اللہ! آپ سلامتی والے ہیں، آپ سے ہی سلامتی حاصل ہوتی ہے، آپ بابرکت ہیں، اے بزرگی اور عزت والے!

۳- سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا ''مجھے تم سے محبت ہے'' میں نے عرض کیا ''مجھے بھی آپ سے محبت ہے'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا نماز کے بعد ہمیشہ یہ دعا پڑھا کرو:

﴿رَبِّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِكَ وَ شُکْرِكَ وَ حُسْنِ عِبَادَتِكَ﴾

اے رب! مجھے مدد دے کہ میں آپ کی یاد، آپ کا شکر اور آپ کی خوب عبادت کرتا رہوں۔

۴- سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ہر نماز کے بعد یہ پڑھتے تھے:

﴿لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَآ اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ﴾

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، (اس پوری کائنات کا) اکیلا مالک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہی ہے، وہی سزاوارِ حمد و ثنا اور وہی ہر چیز پر قادر ہے، یا اللہ! نہیں روک سکتا جو آپ عطا کریں اور نہیں کوئی دے سکتا جو چیز آپ روک دیں اور نہیں فائدہ دے سکتی کسی دولت مند کو آپ کے عذاب سے (اس کی) دولت۔

۵- سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز ختم کرتے تو بلند آواز سے پڑھتے:

﴿لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّآ اِیَّاهُ، لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَآءُ الْحَسَنُ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ وَلَوْ کَرِهَ الْکَافِرُوْنَ﴾

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا (اس پوری کائنات کا) مالک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اُسی کی بادشاہی ہے اور وہی سزاوارِ حمد و ثنا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے، نہیں ہے طاقت نقصان سے بچنے کی اور فائدہ حاصل کرنے کی مگر اللہ کے ساتھ، نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ، اور ہم صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں، نعمتیں پہنچانا اور فضل کرنا اسی کا کام ہے، اسی کے لیے اچھی تعریف

ہے اور اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، ہم خاص طور پر اسی کی فرمانبرداری کرتے ہیں اگرچہ کافر برا جانیں۔''

٦- سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
کہ جو شخص ان کلمات کا نماز کے بعد ورد کرے گا، اس کے گناہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں گے تو بھی بخشے جائیں گے۔

﴿ سُبْحَانَ اللّٰهِ ﴾ اللہ پاک ہے (ہر عیب اور نقص سے۔ (۳۳ مرتبہ)

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ ہر تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ (۳۳ مرتبہ)

﴿اللّٰهُ اَكْبَرُ﴾ اللہ بہت بڑا ہے (۳۴ مرتبہ)

﴿ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ (ایک مرتبہ)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا (اس کائنات کا) مالک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہی ہے اور وہی سزاوارِ حمد و ثنا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

٧- سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ ﷺ منبر پر فرما رہے تھے کہ جو شخص ہر نماز کے بعد آیت الکرسی (اللّٰهُ لَا اِلٰـهَ هُوَ الحيُّ القيومُ...... الی آخرہ) پڑھے، اسے بہشت میں داخل ہونے سے سوائے موت کے کوئی چیز روکنے والی نہیں (یعنی مرتے ہی بہشت میں داخل ہو جائے گا)۔

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیت الکرسی اور سورۂ اِخلاص (قُلْ هُوَ اللّٰهُ احد) دونوں کو ملا کر پڑھنے کی یہ فضیلت بیان فرمائی گئی ہے۔

٨- سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ ہر نماز کے بعد قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النّاسِ پڑھا کرو (قرآن حکیم کی یہ آخری سورتیں ان کا ترجمہ اور تشریح دیکھیے)۔

٩- سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو تین بار فرماتے:

﴿سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَ سَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

پاک ہے تیرا رب عزت والا ان تمام عیوب سے جو کافر کہتے ہیں اور سلام ہو سب رسولوں پر اور ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ رب العالمین کے لیے ہیں۔

ایک حدیثِ مبارک میں ہے کہ نماز کے بعد یہ کلمات کہنے والے کو (عبادت کا) پورا پورا ثواب مل جاتا ہے۔ (پیارے رسول ﷺ کی پیاری دعائیں، مولانا عطاء اللہ حنیف)

فائدہ:

فرض نمازوں کے بعد ان اذکار کے الفاظ پر غور کیجیے...... اِن میں رَب العزت کی حمد و ثنا، کبریائی اور عظمت کا بیان ہے، اس کی تحمید و تقدیس ہے اور حقیقت میں بزرگی اور بڑائی کے لائق وہی ذاتِ اقدس ہے۔

﴿فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (الجاثیه: ٤٥/٣٦-٣٧)

پس اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہے جو آسمانوں اور زمین اور تمام جہانوں کا رب ہے (لہٰذا) تمام بزرگی اور بڑائی آسمانوں اور زمین میں اسی کی ہے اور وہی غالب اور حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں اور خطاؤں پر بخشش طلب کی گئی ہے، کلماتِ استغفار بڑے قیمتی ہیں، رب کریم کا ارشاد ہے:

﴿اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ○ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ○ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا﴾ (نوح: ٧١/١٠-١٢)

(لوگو!) اپنے رب سے معافی مانگو، بلاشبہ وہ بڑا ہی معاف کرنے والا ہے (دل سے ندامت کے آنسو بہیں) تو وہ تم پر آسمان سے بارانِ رحمت کا نزول فرمائے گا، تمہیں مال اور اولاد سے نوازے گا (تمہارے جان و مال میں برکت عطا فرمائے گا) تمہارے لیے باغ پیدا کرے گا اور تمہارے لیے نہریں جاری کر دے گا (جس سے تمہارے کھیت

لہلہانے لگیں گے اور روزی کشادہ ہو جائے گی)۔

اور حقیقت میں معافی ان ہی لوگوں کے لیے ہوتی ہے جنہیں اپنی خطاؤں اور گناہوں پر ندامت ہو اور وہ پشیمان ہو کر اپنے رب سے معافی مانگیں اور آئندہ اپنی اصلاح کر کے احکامِ الٰہی کو حرزِ جاں بنائیں۔

﴿وَ الَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَ مَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَ لَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾

(اٰل عمران:۳/۳۵)

(وہ لوگ) جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی کوئی ناشائستہ کام ہو جائے یا کوئی گناہ کر بیٹھیں تو فوراً اللہ کے ذکر میں محو ہو جاتے ہیں اور اپنے گناہوں کے لیے استغفار کرتے ہیں، فی الواقع اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون گناہوں کو بخش سکتا ہے؟ اور وہ کبھی دانستہ اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے (بلکہ دل سے اپنی خطاؤں کا اقرار کرتے ہیں)۔

اس لیے اہل ایمان کو حکم ہو رہا ہے:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا﴾ (التحریم:۶۶/۸)

''اے ایمان والو! تم اللہ کے سامنے سچی خالص توبہ کرو۔''

ایسی توبہ کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس طرح ملتا ہے:

﴿عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ (التحریم:۶۶/۸)

قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ دور کر دے اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہیں۔

اور جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ بشارت دی ہے:

((اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ))

(سچے دل سے) گناہ سے توبہ کر لینے والا ایسا ہو جاتا کہ گویا اس نے سرے سے کوئی گناہ

کیا ہی نہیں۔ (لسان القرآن، حنیف ندویؒ)

پاکستان کو معرضِ وجود میں آئے ساٹھ برس سے زائد کا عرصہ بیت چکا ہے، ہم نے اللہ تعالیٰ سے عہد و پیمان کیا تھا کہ آزادی ملنے پر ہم اس کے نظام کو اس خطۂ زمین میں جاری و ساری کریں گے افسوس کہ ہم خواہشاتِ نفسانی کا شکار ہو گئے اور تمام وعدوں کو پس پشت ڈال دیا، آیئے رب کے حضور سچی توبہ کریں اور اس کے احکام پر سنتِ نبوی کے مطابق عمل پیرا ہوتے ہوئے اس کے احکام نافذ کریں، اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔ آمین

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی یاد، اس کی حمد و ثنا، اس کی کبریائی اور بڑائی کا اعلان، اور اس کے حضور اپنی خطاؤں اور گناہوں پر توبہ و استغفار کرنا عاجز بندوں کے لیے کامیابی اور کامرانی کا راستہ ہے، اس کا حکم ہے:

﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ○ وَمِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ﴾ (ق:۵۰/۳۹-۴۰)

(اے نبیؐ) اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہیے طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب سے پہلے اور رات کے وقت، پھر اس کی تسبیح کیجیے اور نمازوں کے بعد بھی۔

طلوعِ آفتاب سے پہلے ظاہر ہے کہ نمازِ فجر کو قائم کرنے کی طرف اشارہ ہے اور غروبِ آفتاب سے پہلے نماز ظہر اور عصر کی اِقامت کا اعلان ہے اور 'لیل' سے نماز مغرب اور عشا کی نمازوں کی حفاظت اور ان کو قائم کرنا ہے، نیز نماز تہجد کی فضیلت و اہمیت بھی اس میں شامل ہے، اس کے علاوہ ''اَدْبَارَ السَّجود'' میں نمازوں کے بعد بھی تسبیحات کی شانِ فضیلت بیان ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا تو ہر لمحہ اور ہر سانس، ہر پہلو اور ہر کروٹ اپنے آقا و مولا کی یاد میں بسر ہوتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کے ان گنت انعامات پانے کے بعد اہل ایمان کی جنت میں صدا اور پکار کیا ہو گی۔

﴿دَعْوٰهُمْ فِیْهَا سُبْحٰنَکَ اللّٰهُمَّ وَ تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ وَ اٰخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (یونس: ۱۰/۱۰)

اُن کے منہ سے یہ بات نکلے گی ''سبحان اللہ'' اور ان کا باہمی سلام یہ ہو گا ''السلام علیکم'' اور

ان کی ہر بات کا اختتام ہوگا ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' یعنی تمام حمد وثنا کا مالک اللہ ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کثرت ذکر میں نہ صرف اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے بلکہ دنیا اور آخرت میں یقینی کامیابی بھی ملتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

((اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ، اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ))

جو لوگ ایمان لائے ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں، یاد رکھو! صرف اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

پھر ارشاد ہوا:

﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (الجمعه:٦٢/١٠)

اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو تاکہ تم فلاح پالو۔

چند اذکار:

۱) سب سے افضل ذکر:

﴿اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (ترمذی، بحوالہ اسلامی وظائف، عبدالسلام بستوی)

سب ذکروں سے بہتر ذکر 'لا الہ الا اللہ' کو وردِ زبان بنانا ہے۔

فائدہ:

آپ ﷺ نے فرمایا تم اپنے ایمان کو تروتازہ رکھا کرو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ایمان کو کیسے تروتازہ رکھیں، ارشاد ہوا ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کثرت سے پڑھا کرو۔

(احمد، طبرانی، حوالہ ایضاً)

''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' پڑھتے ہوئے دل کی گہرائی اور خلوص سے اس بات کی تصدیق کی جائے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت اور اطاعت کے لائق نہیں ہے، وہی داتا اور مشکل کشا ہے، وہی تکلیفوں کو دور کرنے والا اور روزی رساں ہے، وہی موت وحیات کا مالک ہے ہر نبی اور رسول نے لوگوں کو اسی کلمہ طیبہ کی طرف بلایا:

﴿وَ مَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِیۡۤ اِلَیۡہِ اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ﴾

(الانبیا: ۲۱/۲۵)

(رب کریم کا ارشاد ہے) آپ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔

پھر اس کلمہ طیبہ کی مثال ایک پاکیزہ اور مضبوط درخت کی مانند ہے جس کی جڑیں زمین کے اندر گہرائی میں پیوست ہیں اور وہ ایسا تناور درخت ہے کہ جس کی شاخیں آسمان کی بلندی کو چھو رہی ہیں جو اپنے رب کے حکم سے سدابہار ہے اور ہر وقت پھل دیتا ہے۔

﴿اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا کَلِمَۃً طَیِّبَۃً کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ اَصۡلُہَا ثَابِتٌ وَّ فَرۡعُہَا فِی السَّمَآءِ ○ تُؤۡتِیۡۤ اُکُلَہَا کُلَّ حِیۡنٍۭ بِاِذۡنِ رَبِّہَا﴾ (ابراھیم: ۱٤/۲٤،۲٥)

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کو کس چیز سے مثال دی ہے؟ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اچھی ذات کا درخت جس کی جڑ زمین میں گہری جمی ہوئی ہے اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں، ہر آن وہ اپنے رب کے حکم سے اپنے پھل دے رہا ہے۔

اس آیتِ مبارکہ پر حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

''اس کا مطلب ہے کہ مومن کی مثال اس درخت کی طرح ہے، جو گرمی ہو یا سردی ہر وقت پھل دیتا ہے، اسی طرح مومن کے اعمالِ شب و روز کے لمحات میں ہر آن اور ہر گھڑی آسمان کی طرف لے جائے جاتے ہیں، کلمہ طیبہ سے مراد اسلام یا ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' ہے۔ (احسن البیان)

''کلمہ طیبہ'' پر استقامت اور استقلال اللہ تعالیٰ کے نزدیک انتہائی محبوب عمل ہے جو لوگ توحید پر مضبوطی سے جمے رہتے ہیں، انہیں یہ خوشخبری دی جاتی ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَ لَا تَحۡزَنُوۡا وَ اَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ○ نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓؤُکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ فِی الۡاٰخِرَۃِ وَ لَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَشۡتَہِیۡۤ اَنۡفُسُکُمۡ وَ لَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَدَّعُوۡنَ ○ نُزُلًا

مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ﴾ (حٰمٓ السجدہ: ۴۱/ ۳۰-۳۲)

جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہی ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے (موت کے وقت) ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نہ ڈرو، نہ غم کرو اور خوش ہو جاؤ اس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی، وہاں جو کچھ تم چاہو گے تمہیں ملے گا اور ہر چیز جس کی تم تمنا کرو گے وہ تمہاری ہوگی، یہ ہے سامانِ ضیافت اس (بزرگ و برتر) ہستی کی طرف سے جو غفور اور رحیم ہے۔

سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

(یہ وہ لوگ ہیں) جو محض اتفاقاً کبھی اللہ کو اپنا رب کہہ کر نہیں رہ گئے اور نہ اس غلطی میں مبتلا ہوئے کہ اللہ کو اپنا رب کہتے بھی جائیں اور ساتھ ساتھ دوسروں کو اپنا رب بناتے بھی جائیں، بلکہ ایک مرتبہ یہ عقیدہ قبول کر لینے کے بعد پھر ساری عمر اس پر قائم رہے، اس کے خلاف کوئی دوسرا عقیدہ اختیار نہ کیا، نہ اس عقیدے کے ساتھ کسی باطل عقیدے کی آمیزش کی اور اپنی عملی زندگی میں بھی عقیدۂ توحید کے تقاضوں کو پورا کرتے رہے۔

(مختصر حواشی)

''مسلم'' کے معنی ہی مطیع اور فرمانبردار کے ہیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ احکامِ الٰہی کی کامل اطاعت سنتِ نبویؐ کے مطابق زندگی کے ہر میدان میں ہوگی..... انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی معاملات معاشی شعبہ ہو یا سیاسی امور، یہ سب قرآن وسنت کے مطابق طے پائیں گے۔

دین پر استقامت اختیار کرنے والے ہی ثبات وقرار سے ہمکنار ہوتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے:

﴿یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ﴾

(ابراهیم: ۱۴/ ۲۷)

ایمان لانے والوں کو اللہ ایک قولِ ثابت (کلمۂ توحید) کی بنیاد پر دنیا اور آخرت، دونوں میں ثبات عطا کرتا ہے۔

حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

اس کی تفسیر حدیث میں اس طرح آتی ہے کہ ''موت کے بعد قبر میں جب مسلمان سے سوال کیا جاتا ہے، تو وہ جواب میں اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، پس یہی مطلب ہے اللہ کے اس فرمان ''یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' کا۔

(صحیح بخاری، بحوالہ احسن البیان)

رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں میں استقامت کی طلب بھی رہتی تھی۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰی طَاعَتِكَ)) (کتاب الدعوات، ریاض الصالحین)

اے اللہ! دلوں کو پھیرنے والے، ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کی طرف پھیر دے۔

((یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰی دِیْنِكَ))

اے اللہ! دلوں کو پلٹنے والے ہمارے دلوں کو اپنے دین پر ثبات اور استقامت عطا فرما۔

اور اس اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ دنیا سے رخصت ہونے کی تمنا رہنی چاہیے۔ سیدنا یوسف علیہ السلام غلامی سے بادشاہت ملنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد کرتے ہیں:

﴿فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ﴾ (یوسف:۱۲/۱۰۱)

اے زمین و آسمان کے بنانے والے (خالق و مالک) تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا سرپرست ہے، میرا خاتمہ اسلام پر کر اور انجام کار مجھے صالحین میں ملا۔

یہ آرزو اور تمنا اس عاجز لکھنے والے کی بھی ہے، اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔ آمین!

مختصر مگر وزنی عمل:

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: دو کلمے ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں، یہ زبان پر ہلکے پھلکے ہیں (روزِ جزا و سزا) اعمال کے ترازو میں بھاری اور وزنی ہیں، وہ کیا ہیں؟ ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ﴾ اللہ تعالیٰ (ہر عیب اور نقص سے اپنی لا

تعداد اور لا محدود) تعریفوں کے ساتھ پاک ہے اور اللہ تعالیٰ (اپنی بے پناہ) عظمتوں اور بزرگیوں کے ساتھ (ہر عیب اور نقص سے) پاک ہے۔

فائدہ:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری کا آغاز ﴿اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ﴾ سے کیا ہے، اس لیے کہ جب تک ہمارے اعمال صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نہ ہوں، نیز وہ قرآن وسنت نبوی ﷺ کے مطابق نہ ہوں، اس وقت تک وہ قبول نہیں ہوتے ہیں اور ہمارا ہر چھوٹا بڑا عمل یہاں تک کہ رائی کے برابر نیکی یا بدی بھی روزِ قیامت ہمارے سامنے آجائے گی۔

امام بخاریؒ نے کتاب کا اختتام بڑی خوبصورت حدیثِ مبارک سے کیا ہے اور اہل ایمان کو خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کا مژدۂ جانفزا سنایا کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنے کے بعد اگر اپنے اعمال کا پلڑا وزنی بنانا چاہتے ہیں تو اللہ جل شانہٗ کی حمد وثنا اور عظمت و کبریائی کو اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے، سوتے جاگتے، کھاتے پیتے وردِ زبان بنائیں۔

﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ﴾

اگر سفر کے دوران ان کلمات کو پڑھتے جائیں تو وہ سفر بھی انتہائی قیمتی اور بے خطر ہوسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے ذکر و شکر اور اچھی عبادت کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿رَبَّنَا اَعِنَّا عَلٰى ذِكْرِكَ وَ شُكْرِكَ وَ حُسْنِ عِبَادَتِكَ﴾ آمین

باقیاتِ صالحات (قائم اور دائم رہنے والی نیکیاں) رسول اللہ ﷺ نے مندرجہ ذیل کلماتِ مبارکہ کو باقی رہنے والی نیکیاں قرار دیتے ہوئے ان کے کثرتِ ورد کا ارشاد فرمایا ہے:

﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾

پاک ہے اللہ اور سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اللہ بہت بڑا ہے اور نہیں ہے طاقت گناہ سے بچنے کی اور نہ نیکی کرنے کی مگر اللہ کے ساتھ۔

فائدہ:

مندرجہ بالا کلمات کا وردِ اعمالِ صالحہ کے ترازو میں انتہائی وزنی اور قیمتی ہے۔

ل سُبْحَانَ اللّٰه، اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ ''التسبِیْحُ'' کے معنی تنزیہِ الٰہی بیان کرنے کے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ ہر خطا اور بھول سے پاک ہے، کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید میں مصروف ہے۔

﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾ (بنی اسرائیل: ۱۷/ ٤٤)

ساتوں آسمان اور زمین اور جو بھی ان میں ہے اس کی تسبیح کر رہے ہیں، ایسی کوئی چیز نہیں جو اس (رب العالمین) کو اس کی پاکیزگی اور تعریف (تحمید وتسبیح) کے ساتھ یاد نہ کرتی ہو (سبحان اللہ وبحمدہٖ) مگر تم لوگ اس کی تسبیح سمجھ نہیں سکتے۔

اس کی تائید بعض آیاتِ قرآنی سے بھی ہوتی ہے۔ سیدنا داوٗد علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے:

﴿اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ﴾ (صٓ: ۳۸/ ۱۸)

(رب کریم کا فرمان ہے) ہم نے پہاڑوں کو اُن کے ساتھ مسخر کر رکھا تھا کہ صبح وشام وہ اُن کے ساتھ تسبیح کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید اور تکبیر وتہلیل ﴿اللّٰه اکبر اور لَا الٰه اِلا اللّٰه﴾ کہنا اُس کی حمد وثنا کو بیان کرنا اور اُس کی عظمت و کبریائی کا اعلان کرنا صرف اور صرف اُسی ذاتِ برتر و برحق کے لئے ہے۔ اِس لیے کہ یہ سب کچھ اُسی نے بنایا اور سجایا ہے اور ہر چیز اُسی کی مطیع اور فرمانبردار ہے، اِنسان کو تو اُس نے اشرف المخلوقات بنایا ہے، شکل وصورت، فہم وفراست، علم و ہنر، ذہن وفکر کی صلاحیتوں اور اَن گنت انعامات سے نوازا ہے، اگر وہ اِن نعمتوں کو بھلا کر کوئی اور راستہ اختیار کرے تو یہ اُس کی نادانی اور حماقت ہے۔

﴿اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ﴾ (الِ عمران: ۳/ ۸۳)

اب کیا یہ لوگ اللہ کی اطاعت کا طریقہ (دِيْنُ اللّٰه) چھوڑ کر کوئی اور طریقہ چاہتے ہیں حالانکہ آسمان وزمین کی ساری چیزیں چار و ناچار اللہ ہی کی تابع فرمان (یعنی مسلم) ہیں۔

سفر کی تسبیح وتکبیر

ب) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم جب اوپر چڑھتے تو تکبیر "اَللّٰهُ اَكْبَر" کہتے تھے اور نیچے اترتے تو تسبیح "سُبْحَانَ اللّٰه" کہتے تھے۔ (بخاری، رقم الحدیث: ۲۹۹۳)

یہی بات سیڑھیاں چڑھتے اور نیچے اترتے وقت پیش نظر رہنی چاہیے۔ دل میں یہ خیال آئے کہ میں بلند نہیں ہو رہا ہوں بلکہ "اَللّٰهُ اَكْبَر" اللہ ہی بلند اور برتر ہے اور "سُبْحَانَ اللّٰه" کہتے وقت اس طرف توجہ جائے کہ میرا اللہ نہ بھولتا ہے اور نہ پھسلتا ہے مگر میں بھول اور پھسل سکتا ہوں۔ اگر وہ مجھے اِن پریشانیوں سے بچائے تو میں بچ سکتا ہوں۔

خوشی محسوس کرنے اور خوش کن کام پر دعا

ج) رسول اللہ ﷺ کو کسی خوش کن چیز کی اطلاع ملتی تو آپ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ ریز ہو جاتے جس میں تکبیر و تسبیح کے کلمات ادا ہوتے، اس کے علاوہ زبانِ مبارک سے بھی "سُبْحَانَ اللّٰه" اور "اَللّٰهُ اَكْبَر" کے کلمات جاری وساری ہو جاتے۔ (حِصن المسلم)

د) سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "سب سے افضل دعا "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" ہے اور سب سے افضل ذکر "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" ہے۔"

ذ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ جنت کے خزانوں میں سے ہے۔ ﴿فَاِنَّهَا كَنْزٌ مِنْ كُنُوْزِ الْجَنَّةِ﴾

دکھوں اور تکلیفوں میں، پریشانیوں اور مصیبتوں میں اس کا وِرد عجب تاثیر رکھتا ہے۔ ایک روایت جس میں نبی ﷺ نے فرمایا جو روزانہ سو مرتبہ ﴿لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ پڑھے گا وہ کبھی مفلس نہ ہو گا۔ نیز اس کا ورد کرنا دشمنوں پر نیز شیاطین پر فتح اور کامیابی کے لیے بھی بڑا مفید ہے۔ (اذکار و اَدعیہ، ڈاکٹر محمد لقمان سلفی)

بڑے ہی جامع کلمات

اُم المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے روایت کی ہے کہ وہ فجر کی نماز کے بعد چاشت کے وقت تک اپنی جائے نماز پر بیٹھی ذکر و دعا میں مشغول رہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اُن کو اِس حال میں دیکھ کر کہا

کہ میں نے تیرے بعد چار کلمات تین بار کہے ہیں، اگر آج کے تیرے کلمات کے ساتھ اِن کا وزن کیا جائے تو یہ کلمات زیادہ بھاری ہوں گے۔

﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ خَلْقِهٖ، سُبْحَانَ اللّٰهِ رِضَا نَفْسِهٖ، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ، سُبْحَانَ اللّٰهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهٖ﴾

''اللہ تعالیٰ ہر نقص وعیب سے پاک ہے۔ اپنی مخلوقات کی تعداد کے برابر اللہ تعالیٰ ہر نقص وعیب سے پاک ہے اتنی بار جس سے وہ راضی ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہر نقص وعیب سے پاک ہے اتنی بار جو اُس کے عرش کے وزن کے برابر ہو۔ اللہ تعالیٰ ہر نقص وعیب سے پاک ہے جو اُس کے کلمات کی روشنائی کے برابر ہے۔'' (حوالہ ایضاً)

﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ خَلْقِهٖ﴾

اب اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو اُس کے سوا بھلا کون جان سکتا ہے؟ مخلوقات کی انواع واقسام (مثلاً کسی جرثومے سے ہاتھی تک) اور ان کے درمیان کتنے انواع کی مخلوق ہے۔ اسے کون بتا سکتا ہے؟ پھر ہر نوع کی تعداد کی کسے خبر ہے؟ کیا روئے زمین کی چیونٹیوں کی تعداد کوئی گن سکتا ہے؟ انسان تو کسی درخت کے پتوں کو شمار وقطار میں لانے سے قاصر ہے۔

﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ﴾ (المدثر: ٧٤/٣٢)

اور تیرے رب کے لشکر کو اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

﴿وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّ رَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا﴾ (الانعام: ٦/٥٩)

درخت سے گرنے والا کوئی پتہ ایسا نہیں جس کی اُس (رب علیم) کو خبر نہ ہو۔

آفتاب، ماہتاب اور اَن گنت ستاروں کی تعداد کون بتا سکتا ہے اور لاتعداد فرشتوں کی تعداد کی بھلا کسے خبر ہے۔ پس جس طرح اُس کی مخلوق اَن گنت اور بے شمار ہے اِسی طرح اُس کے لئے تسبیحات لاتعداد ہیں۔

﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ رِضَا نَفْسِهٖ﴾

اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمتوں اور رضا مندیوں کا کیا ٹھکانہ ہے؟ وہ تو بار بار اُن کے لئے

اپنی بخشش اور رحمت کا اعلان فرماتا ہے:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ (الزمر: ۵۳/۳۹)

(اے نبیؐ!) کہہ دیجیے (کہ رب کریم کا ارشاد ہے) کہ اے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ، یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے، وہ تو غفور رحیم ہے۔

اُس رب العالمین کے صفاتی ناموں میں "الرَّحْمٰنُ، الرَّحِيْمُ" بھی ہیں جن کا علی الترتیب معنی بے حد مہربان کے ہیں یعنی جس کی رحمت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور جس کی رحمت ہمیشہ جاری و ساری رہتی ہے۔

﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ﴾

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے عرش کی کیفیت اور وزن اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے۔

اِسی طرح اُس کے لئے حمد وثنا اور تسبیح وتحمید بھی لامحدود ہے۔ اور بندے اُس کا حق ادا کرنے سے عاجز و قاصر ہیں اور اگر اخلاص کے ساتھ اُس کی توفیق اور رحمت سے تھوڑا سا بھی حق ادا کریں تو وہ قبول فرما لیتا ہے اور مزید انعامات سے نوازتا ہے۔

﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ مِدَادِ كَلِمَاتِهٖ﴾

قرآنِ حکیم میں آتا ہے:

﴿قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا﴾ (الكهف: ۱۰۹/۱۸)

(اے نبیؐ) کہہ دیجیے کہ اگر سمندر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لئے روشنائی بن جائے تو وہ ختم ہو جائے، مگر میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں، بلکہ اتنی ہی روشنائی ہم اور لے آئیں تو وہ بھی کفایت نہ کرے۔

"کلمات" سے مراد اللہ تعالیٰ کا علمِ محیط، اُس کی حکمتیں اور وہ براہین ہیں جو اُس کی وحدانیت

پر دال ہیں، انسانی عقلیں اِن سب کا احاطہ نہیں کرسکتیں اور دنیا بھر کے درختوں کے قلم بن جائیں اور سارے سمندر بلکہ اُن کی مثل اور بھی سمندر ہوں وہ سب سیاہی میں بدل جائیں، قلم گھس جائیں گے اور سیاہی ختم ہو جائے گی لیکن رب کے کلمات اور اُس کی حکمتیں ضبطِ تحریر میں نہیں آسکیں گی۔

(احسن البیان)

اور اس طرح اُس رب کریم کے لئے اور بے پایاں حمد و ثنا کا اظہار صرف زبان کی حد تک کیا جا سکتا ہے اور اُس کا پورا پورا حق ادا کرنے سے عاجز بندے قاصر ہیں مگر اس کے باوجود یہ اُس کا فضل اور رحمت ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اَن گنت انعامات اور احسانات سے نوازتا رہتا ہے۔ جس کے نیچے ہم دبے جا رہے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ (ابراهیم: ١٤/٣٤)

(اے بندو!) اگر تم اللہ تعالیٰ کے انعامات شمار کرنا بھی چاہو تو ایسا نہیں کر سکتے ہو۔

ہم تھوڑا بہت ذکر و شکر جو کرتے ہیں اس کی توفیق بھی اُسی سے طلب کرتے ہیں۔

﴿رَبَّنَا اَعِنَّا عَلٰی ذِکْرِکَ وَ شُکْرِکَ وَ حُسْنِ عِبَادَتِکَ﴾

اے ہمارے رب! ہمیں اپنے ذکر و شکر اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق عطا فرما۔

قرآن و حدیث کی جتنی بھی دعا ہیں، اُن سب میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے بخشش اور اُس کی رحمت طلب کی گئی ہے، اُس سے ہدایت اور رہنمائی کی بھیک مانگی گئی ہے۔ نفس اور شیاطین کے مکر وفریب سے اُس کی پناہ میں آنے کی درخواست کی گئی ہے۔ اُسی رب رحیم کا اپنے نبی کو حکم ہوتا ہے۔

﴿وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ﴾

یا اللہ! ہم سب کو بخشش دیجیے اور ہم پر رحم بھی فرمایے تا کہ زندگی کی شاہراہ پر مضبوطی سے گامزن رہیں اور آپ کی رحمت کے سہارے ایمان کے ساتھ سفرِ آخرت پر روانہ ہوں۔ آمین!

درود شریف کے فضائل:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا

تَسْلِيْمًا﴾ (الاحزاب: ۵۶/۳۳)

اللہ اوراس کے ملائکہ نبی پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود وسلام بھیجتے رہا کرو۔

حافظ صلاح الدین یوسف اس آیتِ مبارکہ پر لکھتے ہیں:

''اس آیت میں نبی ﷺ کے اس مرتبہ ومنزلت کا بیان ہے جو ملاءِ اعلیٰ (آسمانوں) میں آپ ﷺ کو حاصل ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرشتوں میں آپ ﷺ کی ثنا و تعریف کرتا اور آپ ﷺ پر رحمتیں بھیجتا ہے اور فرشتے بھی آپ ﷺ کی بلندیِ درجات کی دعا کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے عالمِ سفلی (اہل زمین) کو حکم دیا کہ وہ بھی آپ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام بھیجیں تا کہ آپ ﷺ کی تعریف میں علوی اور سفلی دونوں عالم متحد ہو جائیں، حدیث میں آتا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! سلام کا طریقہ تو ہم جانتے ہیں (یعنی نماز میں التحیات کے اندر ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ'' پڑھتے ہیں تو ہم درود کس طرح پڑھیں؟) اس پر آپ ﷺ نے وہ درودِ ابراہیمی بیان فرمایا جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔ (صحیح بخاری، بحوالہ احسن البیان)

سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

''اللہ کی طرف سے اپنے نبی پر صلوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپؐ پر بے حد مہربان ہے، آپ ﷺ کی تعریف فرماتا ہے، آپ کے کام میں برکت دیتا ہے، آپؐ کا نام بلند کرتا ہے اور آپ پر اپنی رحمتوں کی بارش فرماتا ہے، ملائکہ کی طرف سے آپ پر صلوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ ﷺ سے غایت درجے کی محبت رکھتے ہیں اور آپ ﷺ کے حق میں اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ آپ ﷺ کو زیادہ سے زیادہ بلند مرتبہ عطا فرمائے، اہل ایمان کی طرف سے آپ ﷺ پر صلوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی آپؐ کے حق میں اللہ سے دعا کریں کہ وہ آپ ﷺ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ (مختصر حواشی)

رسول اللہ ﷺ پر درود وسلام بھیجنے سے کئی قیمتی باتیں معلوم ہوتی ہیں، مولانا امین احسن اصلاحی

نے اس پر بڑی اچھی گفتگو کی ہے:

-- ایک یہ کہ جس نبیؐ کا مرتبہ اللہ اور اس کے فرشتوں کی نظروں میں یہ ہے کہ اللہ ان پر رحمت نازل فرماتا ہے اور فرشتے ان پر رحمت کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں، حَیف ہے اگر انسانوں میں سے کچھ لوگ ان کے درپے آزار ہوں درآنحالیکہ نبی ﷺ کا اصلی احسان انسانوں ہی پر ہے نہ کہ اللہ اور اس کے فرشتوں پر۔

-- دوسری یہ کہ جو لوگ نبی ﷺ پر درود وسلام بھیجتے ہیں وہ نبی ﷺ پر کوئی احسان نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتوں کی ہم نوائی کر کے وہ اپنے کو سزاوارِ رحمت بناتے ہیں، جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے جب آپ ﷺ کو اللہ کی رحمت اور فرشتوں کی دعائیں حاصل ہیں تو وہ دوسروں کی دعاؤں کے محتاج نہیں ہیں۔

-- تیسری یہ کہ نبی ﷺ پر درود وسلام بھیجنا مرضِ نفاق کا علاج ہے، اس لیے کہ یہاں جس محل میں اس کی ہدایت فرمائی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ منافقوں کی طرح نبی ﷺ کو ایذا پہنچانے کے بجائے اہل ایمان کو نبی پر درود بھیجنا چاہیے، اس سے یہ بات واضح طور پر نکلتی ہے کہ جو لوگ درود کا اہتمام رکھتے ہیں ان کے اندر نفاق راہ نہیں پاتا۔

-- چوتھی یہ کہ مقصود درود وسلام کی تکثیر ہے۔ موقع ومحل بھی اس مفہوم کا متقاضی ہے اور آیت کے الفاظ بھی اسی کے شاہد ہیں، اس لیے کہ ''سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا'' میں مصدر تاکید وتکثیر کے مفہوم پر دلیل ہے، اس وجہ سے ہم ان فقہا کی رائے کو صحیح نہیں سمجھتے جو کہتے ہیں کہ اگر عمر بھر میں ایک مرتبہ بھی کوئی درود پڑھ لے تو اس آیت کا حق ادا ہو جائے گا۔ (تدبر قرآن، جلد پنجم)

سید قطبؒ شہید لکھتے ہیں:

''اللہ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ عالَمِ بالا میں نبیؐ کی تعریف کی جاتی ہے اور فرشتوں کی طرف سے درود کے معنی یہ ہیں کہ وہ نبی ﷺ کے لیے دعا کرتے ہیں، کیا ہی عظیم مرتبہ ہے آپ ﷺ کا اللہ تعالیٰ کے ہاں! یہ پوری کائنات آپ کے لیے دعا گو ہے، اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ ثنا اور تعریف ہوتی ہے جو باقی ہے اور ازلی اور ابدی ہے اور پوری کائنات اس کے

ہمقدم ہے اس نعمت اور تکریم سے بڑی اور نعمت کیا ہوسکتی ہے، ہم انسانوں کے درود وسلام کا اللہ اور پوری کائنات کے درود وسلام سے کیا مقابلہ! انسانوں سے صلوٰۃ وسلام کا مطالبہ اس لیے کیا گیا ہے کہ ان کی یہ حقیر آواز بھی کائنات کی گونج میں مل کر اس عظیم ثنا میں شریک ہو جائے اور اس طرح انسان بھی اس بڑی تقریب میں شرکت کے مدعی بن جائیں، جبکہ اللہ کی جانب سے صلوٰۃ وسلام تو ازلی اور ابدی ہوگا۔ اس عظیم حمد وثنا کو دیکھتے ہوئے جس میں رب تعالیٰ، فرشتے، کائنات اور انسان بھی شریک ہیں اگر کوئی بدبخت نبی ﷺ جیسے ممدوحِ کائنات اور رب کائنات کو اذیت دیتا ہے تو اس کا یہ فعل کس قدر گھناؤنا، گھٹیا، قبیح، قابلِ ملامت اور قابلِ گرفت ہے۔ اس لیے ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾ (الاحزاب:۵۷/۳۳)

جو لوگ اللہ اور رسول اللہ کو اذیت دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ نے لعنت فرمائی ہے اور ان کے لیے رسوا کن عذاب مہیا کر دیا ہے۔

یہ فعل اور بھی قبیح ہو جاتا ہے کہ ایک مخلوق اپنے خالق کو اذیت دیتی ہے...... حالانکہ لوگ اللہ کو اذیت دے ہی نہیں سکتے، بلکہ اندازِ کلام یہ بتاتا ہے کہ وہ رسول اللہ کو اس قدر سخت اذیت دیتے ہیں جس سے گویا اللہ جل شانہ کو اذیت پہنچتی ہے (اور اللہ کی لعنت ان پر برستی ہے، لعنت کا مطلب اللہ کی رحمت سے دوری اور محرومی ہے) اور یہ محرومی ہی خسارے اور نقصان کا باعث ہوگی۔

چند احادیثِ مبارکہ صلوٰۃ وسلام کی فضیلت میں:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عشراً))

(رواهُ مسلم، مشكوٰة، بابُ الصَّلوٰةِ عَلى النّبى ﷺ وَ فَضْلِهَا)

جو شخص مجھ پر ایک دفعہ صلوٰۃ کہے، اللہ تعالیٰ اس کو دس گنا اجر عطا فرماتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنے والے پر اللہ تعالیٰ کی دس رحمتیں نازل ہوتی ہیں تو رسول اللہ ﷺ پر کئی گنا رحمتیں بڑھا دی جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو بھلا کون گن سکتا ہے!

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلوٰةً وَّاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرَ صَلَوٰتٍ وَ حُطَّتْ عَنْهُ عَشْرُ خَطِيْئَاتٍ وَ رُفِعَتْ لَهُ عَشْرُ دَرَجَاتٍ))

(رواهُ النسائی، حواله ایضاً)

جس نے مجھ پر ایک دفعہ صلوٰۃ پڑھا اللہ تعالیٰ کی اس پر دس رحمتیں نازل ہوتی ہیں، دس خطائیں معاف ہوتی ہیں اور دس درجات بلند کیے جاتے ہیں۔

یہ تو کم از کم انعامات ہیں، اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ جس قدر بڑھانا چاہے، بڑھا سکتا ہے، اس کی رحمت اور فضل کی کوئی حد نہیں ہے:

﴿فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً﴾ (البقرہ: ۲/ ۲۴۵)

اللہ تعالیٰ اسے کئی گنا بڑھا چڑھا کر اجر سے نواز سکتا ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ کے لیے تو لازوال اجر ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ اخلاق کی بلندیوں پر فائز ہیں اور آپ کے امت پر احسانات بہت زیادہ ہیں، آپ ﷺ نے جن نیک اعمال کی بنیاد رکھی اور اسے دیکھ کر جن لوگوں نے ان کو اپنایا ان کا اجر انہیں الگ ملا اور پھر ان سب کا اجر نبی ﷺ کے نامۂ اعمال میں جمع ہوا۔

((وَ اِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ، وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ))

''(اے نبیؐ) اور یقیناً آپ کے لیے ایسا اجر ہے جس کا سلسلہ کبھی ختم ہونے والا نہیں اور بلاشبہ آپ اخلاق کے بڑے مرتبہ پر ہیں۔''

پھر غور کیجیے کہ کثرتِ درود سے بندے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو جذب کرتے ہیں اور وہ انہیں کفر و نفاق کے اندھیروں سے نکال کر ایمان اور اسلام کی روشنی میں لاتا ہے۔

پھر غور کیجیے کہ سورۂ احزاب کی آیت ۵۶ میں کثرتِ درود کا ذکر آیا ہے تو اسی سورت کی آیت ۴۳ میں رب کریم نے یہ خوشخبری بھی سنا دی ہے۔

﴿هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَ مَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَ كَانَ

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا﴾ (الاحزاب:۳۳/۴۳)

وہی (رب کریم) ہے جو تم پر اپنی رحمتیں برساتا ہے اور اس کے فرشتے تمہارے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں تاکہ وہ تمہیں تاریکیوں سے روشنی میں نکال لائے، وہ مومنوں پر بہت مہربان ہے۔

یہ ''دعائے رحمت'' اور ''روشنی'' ان شاء اللہ ان لوگوں کے نصیب آئے گی جو کثرت سے خلوص کے ساتھ درود پڑھتے ہیں اور روزِ قیامت رسول اللہ ﷺ کی شفاعت بھی نصیب ہوگی، اس حدیثِ مبارکہ پر غور کیجیے۔

سیدنا رویفع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ صَلَّى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ جَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ)) (رواہ احمد، مشکوۃ، بابُ الصّلوۃِ علی النبی ﷺ)

جو شخص رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھے اور دعا کرے کہ ''اے اللہ! (رسول اللہ ﷺ) کو روزِ قیامت قرب کی جگہ عطا فرما'' اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگی۔

مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام بزار اور امام طبرانی نے بھی کبیر اور اوسط میں روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے، قرب کی جگہ سے یہاں ''مقامِ محمود'' مراد ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ فرمایا ہے، آپ کی شفاعت سے ہر مومن کو فائدہ پہنچے گا (جو کفر و شرک سے بچتے ہیں اور مقدور بھر دین پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں) ہاں ایسے لوگ بھی جو آپ کے لیے دعا کریں، آپ کی خصوصی شفاعت کے مستحق ہوں گے، ہر اذان سننے کے بعد بندۂ مومن اس طرح دعا کرتا ہے:

﴿اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَآئِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِيْلَةَ وَ الْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَ نِ الَّذِىْ وَ عَدْتَّهٗ﴾

اے اس پوری پکار (اذان) اور کھڑی ہونے والی نماز کے رب! تو محمد (ﷺ) کو وسیلہ اور بزرگی اور جس مقامِ محمود کا وعدہ فرمایا ہے وہ عنایت فرما۔

وسیلہ جنت میں ایک نہایت ہی بلند مقام۔ (حوالہ ایضا)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص صبح اور مغرب کی نمازوں کے بعد کلام کرنے سے پہلے سو بار درود پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کی سو ضرورتیں پوری فرماتا ہے تیس دنیا میں اور ستر آخرت میں، اس درود کے الفاظ یہ ہیں:

﴿اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ﴾ (القول البدیع، بحوالہ پیارے رسول کی پیاری دعائیں)

''یا اللہ! رسول اللہ ﷺ پر رحمتیں نازل فرما۔''

امید ہے کہ کوئی شخص کم فرصت میں یہ درود سو بار پڑھ لے تو اس ثواب سے محروم نہ رہے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہی میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی محبت کا حصول ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ﴾

(ال عمران: ۳/۳۱)

(اے نبی!) لوگوں سے کہہ دیجیے کہ ''اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔

اس طرح رسول اللہ ﷺ کی رفاقت ان لوگوں کو بھی حاصل ہوگی، آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿اَوْلَى النَّاسِ بِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلٰوةً﴾ (مشکوۃ، حوالہ ایضاً)

قیامت کے دن مجھ سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو مجھ پر کثرت سے صلوٰۃ پڑھیں گے۔

جب بھی ان کا نام کانوں میں پڑے تو کم از کم ''ﷺ'' زبان پر جاری و ساری ہو جائے، اللہ تعالیٰ ہمیں آپ ﷺ کی صحیح معنوں میں اتباع اور درود پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

دینِ اسلام: مکمل نظامِ حیات

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ﴾ (ال عمران:۳/۱۹)

(لوگو!) اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین (یعنی نظامِ حیات) صرف اسلام ہے۔

اس دین کے علاوہ کوئی بھی طریقہ زندگی اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہیں ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾

(ال عمران:۳/۸۵)

اس اسلام کے سوا جو شخص اور طریقہ اختیار کرنا چاہے، اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام و نامراد ہوگا۔

حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

''اسلام وہی دین ہے جس کی دعوت و تعلیم تمام پیغمبر اپنے اپنے دور میں دیتے رہے ہیں اور اب اس کی کامل ترین شکل وہ ہے جسے نبی آخر الزمان سیدنا محمد ﷺ نے دنیا کے سامنے پیش کیا جس میں توحید ورسالت اور آخرت پر اس طرح یقین و ایمان رکھنا ہے جس طرح نبی کریم ﷺ نے بتایا ہے۔ اب محض یہ عقیدہ کہ اللہ ایک ہے یا کچھ اچھے عمل کر لینا، یہ اسلام نہیں نہ اس سے نجاتِ آخرت ہی ملے گی، ایمان و اسلام اور کامل دین یہ ہے کہ اللہ کو ایک مانا جائے اور صرف اسی ایک معبود کی عبادت کی جائے (عبادت کا مفہوم یہ ہے کہ زندگی کے ہر ہر معاملے میں صرف اور صرف اسی کے احکام کی پیروی اسوۂ حسنہ کی روشنی میں کی جائے) محمد رسول اللہ ﷺ سمیت تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لایا جائے اور

نبی ﷺ کی ذات پر رسالت کا خاتمہ تسلیم کیا جائے اور ایمان کے ساتھ ساتھ وہ عقائد و اعمال اختیار کیے جائیں جو قرآن کریم میں یا حدیثِ رسول ﷺ میں بیان کیے گئے ہیں۔ اب دین اسلام کے سوا کوئی اور دین عنداللہ قبول نہیں ہوگا۔

﴿وَ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾
(آل عمران: ۳/۸۵)

''اِس فرماں برداری (اسلام) کے سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں ناکام و نامراد رہے گا۔''

نبی ﷺ کی رسالت پوری انسانیت کے لیے ہے۔

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ (الاعراف:۷/۱۵۸)

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا﴾ (الفرقان:۲۵/۱)

اور حدیث میں ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جو یہودی یا نصرانی مجھ پر ایمان لائے بغیر فوت ہو گیا، وہ جہنمی ہے۔ (صحیح مسلم) مزید فرمایا: ﴿بُعِثْتُ اِلَى الْاَحْمَرِ وَالْاَسْوَدِ﴾ میں احمر و اسود (یعنی تمام انسانوں کے لیے) نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں، اسی لیے آپ ﷺ نے اپنے وقت کے تمام سلاطین اور بادشاہوں کو خطوط تحریر فرمائے جن میں انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ (تفسیر احسن البیان)

مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

''اَلدِّیْن'' سے مراد دینِ حقیقی ہے، یعنی وہ دین جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت کیلئے اتارا۔ اللہ تعالیٰ چونکہ عدل و قسط کو قائم کرنے والا ہے اس وجہ سے اس نے بندوں کو صحیح زندگی گزارنے کا طریقہ بتانے کے لیے ایک دین عطا فرمایا جس کا نام ''اسلام'' ہے، یہی دین اس کائنات کے تمام نظامِ تکوینی میں نافذ ہے۔

جیسا کہ قرآن حکیم میں آتا ہے:

﴿اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ

﴿اِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ﴾ (ال عمران:۳/۸۳)

اب کیا یہ لوگ اللہ کی اطاعت کا طریقہ (دین اللہ) چھوڑ کر کوئی اور طریقہ چاہتے ہیں؟ حالانکہ آسمان و زمین کی ساری چیزیں چار و ناچار اللہ ہی کی تابع فرمان (یعنی مسلم) ہیں اور اسی کی طرف سب کو پلٹنا ہے۔

(گویا ہر نبی اور رسول اللہ کی طرف سے اسلام کی دعوت لے کر آیا اور سب سے پہلا مسلمان اللہ کا رسول ہی ہوتا ہے) اس سے الگ اس نے کسی کو کوئی اور دین نہیں دیا لیکن یہود و نصاریٰ نے باہمی اختلاف و عناد، ضد اور سرکشی کی وجہ سے اس میں بہت سے اختلافات پیدا کر دیے اور یہودیت و نصرانیت کے ناموں سے (خود ساختہ) اپنے الگ الگ دین کھڑے کر لیے، ان کا یہ اختلاف کسی بے خبری پر مبنی نہیں تھا بلکہ حق واضح ہو جانے کے باوجود محض شرارتِ نفس، باہمی دشمنی اور عناد اور اپنی اپنی بدعات و خرافات کی بنیاد پر تھا، اس طرح انہوں نے اللہ کی عظیم نعمت (یعنی دین اسلام کی نعمت) پا کر ضائع کر دی، اللہ تعالیٰ چونکہ حی و قیوم اور قائم بالقسط ہے، اس وجہ سے اس نے اس نظام عدل و قسط یعنی اسلام کو از سرِ نو تازہ اور مکمل صورت میں نازل فرمایا اور خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کی تکمیل فرما دی: ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ (المائدہ: ۵/۳) تاکہ لوگ ہدایت کی صراطِ مستقیم پائیں اور دنیا و آخرت دونوں کی فلاح حاصل کریں (اور قیامت تک لوگوں کے لیے کوئی بہانہ نہ رہے کہ انہیں راہِ حق کی روشنی نہ ملی) اب بھی اگر انہوں نے وہی روش اختیار کیے رکھی جو اس سے پہلے اختیار کی اور اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے رہے تو یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کا حساب بہت جلد چکا دینے والا ہے، یعنی یہ مہلت جو انہیں ملی ہوئی ہے اس کو بہت طویل نہ سمجھیں: ﴿اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَ هُمْ فِیْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ﴾ (الانبیاء: ۲۱/۱) قریب آ گیا ہے لوگوں کے حساب کا وقت اور وہ ہیں کہ غفلت میں منہ موڑے ہوئے ہیں۔ (تدبّر قرآن)

"دین اسلام" روزِ اول سے ہے اور یہ ایک ہے۔ اس پر مولانا سید محمد میاں دہلوی اس طرح رقمطراز ہیں:

- (غور کیجیے) کہ یہ دنیا خود بخود ہوگئی یا اس کو کسی نے پیدا کیا؟

- پیدا کرنے والا ایک ہے یا کئی ہیں؟
- پیدا کرنے والے کو مددگاروں کی ضرورت ہے یا نہیں؟
- وہ ہم جیسا ہے یا ہم جیسا نہیں ہے؟
- اس کے بیوی بچے اور اولاد ہے یا نہیں ہے؟

ان میں سے ایک ہی بات حق ہو سکتی ہے۔

وہی ایک بات اول سے آخر تک تمام نبیوں اور تمام رسولوں نے پیش کی اس کا نام ''الدّین'' ہے۔ (یعنی نظامِ حیات) ان سب نبیوں نے یہی بتایا کہ:

- دنیا اور دنیا کی ہر ایک چیز جس میں انسان بھی ہے مخلوق ہے۔
- صرف ایک ذاتِ خالق ہے۔
- وہ کامل واکمل ازلی اور ابدی ہے۔
- وہ ہر ایک حاجت سے پاک ہے۔
- وہ نرالا ہے، نہ اس کا کوئی ہم جنس ہے، نہ اس کے کوئی مشابہ ہے۔

نہ اس کے بیوی بچے ہیں، نہ اس کا کوئی مددگار ہے، نہ کسی مددگار کی اس کو ضرورت ہے:

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ○ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ○ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ○﴾ (الاخلاص:۱۱۲)

(اے نبیؐ) اللہ سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں، نہ اس کی کوئی اولاد ہے نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر اور مدِ مقابل ہے (اس پوری کائنات میں یکتا اس کا راج ہے)۔

- انسانی زندگی کے دو حصے ہیں...... ایک دنیاوی زندگی اور دوسری وہ زندگی جو اس کے بعد آئے گی، اصل زندگی وہی ہے (وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى اور آخرت کی زندگی بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے)۔
- ہر ایک عمل کی پاداش ہے اس کا اچھا یا برا نتیجہ ہے، ہماری یہ زندگی کھیتی ہے، ہم جیسا بوئیں گے ویسا کاٹیں گے (اَلدُّنْيَا مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةِ (الحدیث) دنیا آخرت کی کھیتی ہے)، اللہ تعالیٰ کی مخلوق

صرف وہی نہیں جو ہمارے سامنے ہے، اس کے علاوہ اور بھی مخلوق ہے جس کو ہم ان آنکھوں سے یا مادی آلات سے نہیں دیکھ سکتے، ایسی ہی ایک مخلوق ہے جس کو فرشتہ کہا جاتا ہے۔

- تمام کائنات ختم ہونے والی ہے، صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔
- قیامت برحق ہے، جب موجودہ دنیا ختم ہو جائے گی ایک دوسرا عالم سامنے آئے گا۔ اس میں انسانوں کے اعمال کا حساب ہوگا جو اچھے ثابت ہوں گے ان کو جنت ملے گی، جو برے ثابت ہوں گے ان کو دوزخ میں دھکیل دیا جائے گا (قرآن حکیم نے چند لفظوں میں ان دونوں کا فیصلہ اس طرح دیا ہے ﴿فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ○ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ○ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ○ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ○ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى○﴾ (النازعات: ٧٩/٣٧-٤١) تو جس نے سرکشی کی تھی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تھی [گویا کہ اس نے من چاہی زندگی گزاری تھی] دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہوگی اور جس نے اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے کا خوف کیا تھا اور نفس کو بری خواہشات سے باز رکھا تھا [گویا کہ اس نے رب چاہی زندگی گزاری تھی] جنت اس کا ٹھکانہ ہوگی۔

انبیاء علیہم السلام کو ماننے والے جو ان باتوں کو مانتے رہے ان کو ''مسلم'' کہا گیا، مگر بہت سے لوگوں نے اپنی عقل کو رہنما بنایا اور عقل ان حقائق کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتی تھی، لہٰذا بھٹکتے رہے۔ اور طرح طرح کی باتیں نکالیں اور انہیں مذہب بنا لیا۔

قرآن حکیم نے خواہشاتِ نفس کے پجاری کا یوں ذکر کیا ہے:

﴿اَرَئَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا﴾ (الفرقان:٢٥/٤٣)

کیا آپ نے اسے بھی دیکھا جو اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہے؟ کیا آپ اس کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں؟

پھر شیطان (ابلیس) اور اس کی ذُرّیت نے برائیوں اور بے حیائیوں، خرافات اور بدعتوں کو خوشنما بنا کر لوگوں کو اس طرف لگا دیا، طرح طرح کے وساوس میں مبتلا کرنا تو اس کا خاص کارنامہ ہے، قرآن حکیم نے اس کی نت نئی چالوں سے آگاہ کر دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَلَوْ لَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَ لٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (الانعام:٦/٤٣)

رب کریم کا ارشاد ہے: (لوگوں کے برے اعمال کی وجہ سے) جب ہماری طرف سے ان پر سختی آئی تو کیوں نہ انہوں نے عاجزی اختیار کی؟

مگر ان کے دل اور سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کو اطمینان دلایا کہ جو کچھ تم کر رہے ہو خوب کر رہے ہو (آخر کار عذاب ان کا مقدر ٹھہرا)

شیطان لوگوں کو بت پرستی کی طرف اس طرح مائل کرتا ہے:

﴿وَقَالُوْا لاَ تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلاَ تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلاَ سُوَاعًا وَّلاَ يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا﴾

(نوح: ٧١/٢٣)

(بت پرست لوگوں نے کہا) ہرگز نہ چھوڑو اپنے معبودوں کو۔ ودّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو۔ یہ پانچوں قومِ نوح علیہ السلام کے نیک آدمیوں کے نام تھے جب یہ فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کے عقیدت مندوں کو کہا کہ ان کی تصویریں بنا کر تم اپنے گھروں اور دکانوں میں رکھ لو تا کہ ان کی یاد تازہ رہے اور ان کے تصور سے تم بھی ان کی طرح نیکیاں کرتے رہو، جب یہ تصویریں بنا کر رکھنے والے فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی نسلوں کو یہ کہہ کر شرک میں ملوث کر دیا کہ تمہارے آبا تو ان کی عبادت کرتے تھے جن کی تصویریں تمہارے گھروں میں لٹک رہی ہیں، چنانچہ انہوں نے ان کی پوجا شروع کر دی۔ (صحیح بخاری، بحوالہ احسن البیان)

شرک و بت پرستی

خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثتِ مبارک سے پہلے مشرکینِ مکہ نے شیطان کے اسی مکر و فریب سے بیت اللہ میں سینکڑوں بت سجا رکھے تھے جن میں لات، منات، عزیٰ وہبل وغیرہ نمایاں تھے، جب ان سے پوچھا جاتا کہ تم ان کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ تو اس طرح جواب دیتے:

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ (الزمر :٣٩/٣)

ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تک ہماری رسائی کرا دیں یا پھر ان کی سفارش اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہو جائے۔

﴿وَ يَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (یونس: ۱۰/۱۸)

کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔

پھر ایسا بھی ہوا کہ یہ شرک نسل بعد نسل منتقل ہوا۔ قرآن حکیم نے متعدد مقامات پر ان کی اس باطل دلیل کو ردّ کیا ہے:

﴿وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ نَا اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ﴾ (لقمٰن: ۳۱/۲۱)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ پیروی کرو اس چیز کی جو اللہ نے نازل کی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو اس چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، (قرآن حکیم اس بات کا دلیل سے اس طرح جواب دیتا ہے) کیا یہ انہی کی پیروی کریں گے خواہ شیطان ان کو بھڑکتی ہوئی آگ ہی کی طرف کیوں نہ بلاتا رہا ہو؟

رب کا کلام انسانوں کی عقل پر پھر اس طرح دستک دیتا ہے:

﴿وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ﴾ (البقرہ: ۲/۱۷۰)

اور ان سے جب کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو احکام نازل کیے ہیں ان کی پیروی کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اسی طریقے کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، اچھا اگر ان کے باپ دادا نے عقل سے کچھ بھی کام نہ لیا ہو اور راہِ راست نہ پائی ہو تو کیا پھر بھی یہ انہی کی پیروی کیے چلے جائیں گے؟

قرآن حکیم کے مختلف مقامات پر کہیں يَعْقِلُوْنَ، تَعْقِلُوْن، تَشْعُرُوْن، يَشْعُرُوْنَ، يَتَدَبَّرُوْنَ، يَتَفَكَّرُوْنَ جیسے الفاظ فکر و تدبر کی دعوت دیتے ہیں، یہ کتابِ ہدایت دراصل اہلِ دانش و بینش کے لیے ہے، اندھوں اور بہروں کے لیے نہیں ہے اور غور و فکر ہی سے کوئی شخص راہِ حق پا سکتا ہے۔ مثلاً اس آیتِ مبارکہ پر غور کیجیے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِاجْتَمَعُوْا لَهٗ وَ اِنْ يَّسْلُبْهُمُ

الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ﴾ (الحج:۷۳/۲۲)

(لوگو! غور سے سنو) جن معبودوں کو تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے (مثلاً روٹی کا ذرہ وغیرہ) تو وہ اسے چھڑا بھی نہیں سکتے، مدد چاہنے والے بھی (بے عقل) اور کمزور اور جن سے مدد چاہی جاتی ہے۔ وہ بھی (بے بس) اور کمزور ترین۔

اس آیت پر غور کیجیے:

﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ (الانبیاء:۲۲/۲۱)

اگر آسمان و زمین میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور بھی معبود ہوتے تو دونوں (آسمان و زمین) درہم برہم ہو جاتے۔

یہ آیتِ مبارکہ اس پوری کائنات میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور یکتائی پر دلیلِ قاطع ہے، یہ پورے کا پورا نظام فرش سے عرش تک ایک ہی خالق و مالک کے تحت چل رہا ہے۔

''اگر واقعی آسمان و زمین میں دو (یا اس سے زائد) معبود ہوتے تو کائنات میں تصرف کرنے والی دو ہستیاں ہوتیں، دو کا ارادہ و شعور اور مرضی کارفرما ہوتی اور جب دو ہستیوں کا ارادہ اور فیصلہ کائنات میں چلتا تو یہ نظمِ کائنات اس طرح قائم رہ ہی نہیں سکتا تھا جو ابتدائی آفرینش سے بغیر کسی ادنیٰ توقف کے قائم چلا آ رہا ہے، کیونکہ دونوں کا ارادہ ایک دوسرے سے ٹکراتا، دونوں کی مرضی کا آپس میں تصادم ہوتا، دونوں کے اختیارات ایک دوسرے کی مخالف سمت میں استعمال ہوتے جس کا نتیجہ ابتری اور فساد کی صورت میں رونما ہوتا اور اب تک ایسا نہیں ہوا تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ کائنات میں صرف ایک ہی ہستی ہے جس کا ارادہ و مشیت کارفرما ہے، جو کچھ بھی ہوتا ہے صرف اور صرف اسی کے حکم پر ہوتا ہے، اس کے دیے ہوئے کو کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے وہ اپنی رحمت روک لے، اس کو دینے والا کوئی نہیں۔ (احسن البیان)

اسی بات کو ایک اور مقام پر اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا

بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾ (المؤمنون:۲۳/۹۱)

نہ تو اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا اور نہ اس کے ساتھ اور کوئی معبود ہے ورنہ ہر معبود اپنی مخلوق کو لیے پھرتا اور ہر ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتا، جو اوصاف یہ (مشرکین) سناتے ہیں ان سے اللہ پاک (اور بے نیاز) ہے۔

یہ آفتاب و ماہتاب اور اَن گنت ستاروں کا نظام اس قدر مضبوط اور مربوط ہے کہ واضح معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی صاحبِ اختیار و قدرت کے حکم کے پابند ہیں، ان میں کوئی تصادم نہیں ہوتا:

﴿لاَ الشَّمْسُ يَنْبَغِيْ لَهَا اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلاَ الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَسْبَحُوْنَ﴾ (یٰسٓ:۳۶/۴۰)

نہ آفتاب کی یہ مجال ہے کہ ماہتاب کو پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لے جا سکتی ہے یہ سب (اپنے اپنے مدار پر) تیرتے پھرتے ہیں۔

پھر غور کیجیے کہ انسان کا جسم رب کائنات کی قدرت کا شاہکار ہے...... سر سے پاؤں تک تمام اعضا کس تناسب اور خوبی سے سجا دیے ہیں اور اسے نہ صرف شکل و صورت میں بلکہ عقل و نظر میں تمام مخلوقات سے ممتاز بنایا ہے اور علم و عمل سے دنیا اور آخرت میں فوز و فلاح کی خوشخبری دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلاَ تُبْصِرُوْنَ﴾ (الذاریات: ۵۱/۲۱)

اور خود تمہارے اپنے وجود میں (رب کائنات کی قدرت کی) نشانیاں ہیں۔

اور انسان کی پیدائش سے موت تک تمام مراحل میں اس علیم و قدیر کی قدرت و طاقت ہویدا ہے:

﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَيْبَةً يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَ هُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ﴾ (الروم:۳۰/۵۴)

اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہیں کمزوری کی حالت میں نحیف و نزار پیدا کیا، پھر اس کمزوری کے بعد توانائی (جوانی) عطا کی پھر اس کے بعد کمزوری (کہولت) اور بڑھاپا (انتہائی ضعف) دیا، جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، وہ سب سے پورا واقف اور سب پر پورا قادر ہے۔"

یہ وہ حقائق ہیں جن سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جو نہایت کمزور و ناتواں حالت میں تم کو وجود بخشتا ہے، پھر اسی کمزوری اور ناتوانی کے بعد جوانی کی توانائیاں اور طاقتیں عطا فرماتا ہے، اس کے بعد پھر بڑھاپے کی صورت میں کمزوری کو لوٹا دیتا ہے اور زندگی کے آخری دور میں بیکسی اور بے بسی کی کیفیت اسی کے حکم سے طاری ہو جاتی ہے، پھر اسی کے حکم سے انسان کو موت آتی ہے۔

﴿لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ﴾ (الدّخان: ٤٤/٨)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہی زندگی عطا کرتا ہے اور موت دیتا ہے۔

اور ایسے بھی ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کو وہ بڑھاپے کی عمر میں پہنچنے سے پہلے ہی بلا لیتا ہے۔

﴿هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ (المؤمن: ٤٠/٦٧)

وہی اللہ تو ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر وہ تمہیں بچے کی شکل میں نکالتا ہے، پھر تمہیں بڑھاتا ہے کہ تم اپنی پوری قوت (جوانی) کو پہنچ جاؤ، پھر اور بڑھاتا ہے تاکہ تم بڑھاپے کو پہنچو اور تم میں سے کوئی پہلے ہی واپس بلا لیا جاتا ہے (یعنی بڑھاپے سے پہلے جب اور جس وقت اللہ چاہے بچپن اور جوانی میں) چھوڑ دیتا ہے تاکہ وہ مدت معین تک پہنچ جائیں (طبعی عمر پوری کر لیں) اور (اس طرح تم اس اللہ قادر وقدیر کی طاقت وقوت) پر غور وفکر کرلو۔

صاحب احسن البیان لکھتے ہیں:

یعنی جب تم ان اطوار اور مراحل پر غور کرو گے کہ نطفے سے علقۃ پھر مضغۃ، پھر بچہ، پھر جوانی، کہولت اور بڑھاپا (اور پھر موت) تو تم جان لو گے کہ تمہارا رب بھی ایک ہی ہے اور تمہارا معبود بھی ایک، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کے علاوہ یہ بھی سمجھ لو کہ جو اللہ یہ سب کچھ کرنے والا ہے، اس کے لیے قیامت والے دن انسانوں کو دوبارہ زندہ کر دینا بھی مشکل نہیں ہے اور وہ یقیناً سب کو زندہ فرمائے گا۔ (احسن البیان)

اس رب تعالیٰ کی طاقت وقدرت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے؟ اس لیے کہ وہ جو چاہتا ہے لفظ 'کن' سے پلک جھپکنے میں معرضِ وجود میں آ جاتا ہے۔

﴿اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ (یٰس:۸۲/۳۲)

وہ جب کبھی کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو کہہ دیتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔

پھر ارشاد ہوا:

﴿مَا خَلْقُكُمْ وَ لَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ﴾ (لقمٰن:۲۸/۳۱)

تم سب کی پیدائش اور مرنے کے بعد جلانا (اٹھانا) ایسا ہی ہے جیسے ایک جی کا، بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

شرفِ انسانیت:

جب رب کریم نے انسان کو ''احسنِ تقویم'' (بہترین شکل) میں بنایا، اسے علم وعقل سے آراستہ فرمایا، فہم وذکا کی دولت سے نوازا، زمین پر خلافتِ دنیا کا حقدار بنایا تو اس پر یہ بات لازم آتی ہے کہ وہ خالِصَۃً رب کائنات کی بندگی کا حق ادا کرے، اللہ تعالیٰ انبیا ورسل کو اسی فرض کو ادا کرنے کے لیے بھیجتا رہا اور خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ بھی اسی فریضہ کو پورا کرنے کے لے تشریف لائے، حکم ہوتا ہے:

﴿قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ (الزمر:۳۹/۱۱-۱۲)

(اے نبیؐ) ان سے کہیے! مجھے حکم دیا گیا ہے کہ دین کو اللہ کے لیے خالص کرکے اسی کی بندگی کروں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سب سے پہلے میں خود مسلم (اللہ کا فرمانبردار بندہ) بنوں۔

اور یہی بات سب اہل ایمان سے کہی گئی ہے:

﴿قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ وَ اَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ ادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ (الاعراف:۷/۲۹)

(اے نبیؐ) ان سے کہو میرے رب نے تو راستی وانصاف (توحید) کا حکم دیا ہے اور اس کا

حکم تو یہ ہے کہ ہر عبادت میں اپنا رخ ٹھیک رکھو اور اسی کو پکارو اپنے دین کو اس کے لیے خالص رکھ کر۔

صاحب احسن البیان لکھتے ہیں:

''انصاف سے مراد یہاں ﴿لا اِلٰـهَ اِلا اللّٰهُ﴾ یعنی توحید (اور توحید کا تقاضا ہے کہ زندگی کے ہر معاملے میں صرف اور صرف اسی کی اطاعت کی جائے اور یہ اطاعت اتباعِ رسول ﷺ کے مطابق ہوگی) اور ''اَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ'' سے مراد اپنی نمازوں میں خواہ دنیا میں جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہرے قبلہ کی طرف کرلو (تاکہ دنیا بھر کے مسلمانوں کی صف بندی اللہ تعالیٰ کے حضور یکساں ہو جائے) اور ''مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ'' ہر عمل کی مقبولیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ شریعت کے مطابق ہو اور دوسرے خالص رضائے الٰہی کے لیے ہو۔''

(احسن البیان)

شریعت محمدی سے پہلے بھی لوگوں کو اخلاص کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی تلقین کی گئی تھی۔ اہل کتاب کو اس طرح حکم ہوا:

﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ، حُنَفَآءَ وَ يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَ ذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ﴾

اور ان کو (یعنی اہل کتاب) اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں، اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر کے بالکل یک سو ہوں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں یہی نہایت صحیح و درست دین ہے۔

اللہ تعالیٰ کے احکام کو سنتِ نبوی ﷺ کے مطابق دل و جان سے مان لینے کا نام ''اسلام'' ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ۨ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ (الاعراف:۷/۱۵۸)

(اے نبیؐ کہہ دیجیے کہ) انسانو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے، پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبیِ امی پر جو اللہ اور اس کے ارشادات کو (دل و جان) سے مانتا ہے اور (زندگی کے ہر ہر معاملے میں) ان کی اتباع کرو۔ امید ہے کہ تم راہِ راست پالو گے۔

اس آیتِ مبارکہ سے یہ حقائق سامنے آتے ہیں:

ا) اس پوری کائنات کا خالق و مالک، موت و حیات پر پوری طرح قدرت رکھنے والا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

ب) اس کے سوا کائنات میں اور کوئی معبود نہیں ہے۔

ج) ہر نبی اور رسول نے اپنے اپنے زمانۂ نبوت میں اس توحید کی طرف لوگوں کو بلایا، جیسا کہ سورۃ الانبیاء میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾

(الانبیاء: ۲۱/۲۵)

(اے نبیؐ) ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھی بھیجا ہے اس کو یہی وحی کی ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، پس تم لوگ میری ہی بندگی کرو۔''

اور ہر رسول نے اپنی قوم سے یہی بات کہی:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ﴾ (الشعراء: ۲۶/۱۱۰)

پس تم اللہ کا خوف رکھو (ہر معاملے میں اس کے احکام کو مانو) اور میری فرمانبرداری کرو (میرے نقشِ قدم پر چلو)۔

اور ہر رسول رب کائنات کی اطاعت وعبادت میں پیش پیش ہوتا ہے، دوسرے لفظوں میں سب سے پہلا مسلمان ہوتا ہے اور اس کی زندگی دوسروں کے لیے بہترین نمونہ ہوتی ہے۔

یہود و نصاریٰ میں سے ہر ایک کو اس بات کا دعویٰ تھا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے یا نصرانی

تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کا ردّ اس طرح فرمایا:

﴿مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّ لَا نَصْرَانِيًّا وَّ لٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (ال عمران:۳/۶۷)

سیدنا ابراہیم نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی تھے بلکہ وہ کھرے (مخلص) مسلمان تھے اور وہ ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھے۔

انبیاء علیہم السلام کا دین اسلام ہی رہا ہے جس پر انہوں نے اپنی زندگیاں بسر کیں اور اسی دین پر دنیا سے رخصت ہونے کی تمنا کی۔

سیدنا یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے ہیں:

﴿فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ﴾ (یوسف:۱۲/۱۰۱)

اے آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا و آخرت میں میرا ولی (دوست) اور کارساز ہے، تو مجھے اسلام کی حالت میں فوت کر اور نیکوں میں ملا دے۔

سیدنا ابراہیمؑ پھر سیدنا یعقوبؑ اپنے بچوں کو اسی بات کی وصیت کرتے ہیں:

﴿يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ (البقرہ:۲/۱۳۲)

میرے بچو! اللہ نے تمہارے لیے یہی دین پسند کیا ہے، خبردار تم مسلمان ہی مرنا۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو رب کی بندگی کی طرف اس طرح بلاتے ہیں:

﴿اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ﴾ (ال عمران:۳/۵۱)

یقین مانو! میرا اور تمہارا رب اللہ ہی ہے۔ تم سب اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھی راہ ہے۔

پھر جب آپ نے لوگوں کی اکثریت کو کفر، تکبر اور ہٹ دھرمی اور بغاوت میں مبتلا پایا تو برملا اعلان فرمایا:

﴿مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ (ال عمران: ۳/۵۲)

اللہ تعالیٰ کی راہ میں میری مدد کرنے والا کون کون ہے؟

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے مخلص ساتھیوں نے ایمان و یقین سے اس طرح جواب دیا:

﴿نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ اشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾ (ال عمران: ۳/ ۵۲)

حواریوں (مخلص ساتھیوں) نے جواب دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ کے مددگار ہیں، ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور (اے عیسیٰ) آپ گواہ رہیے کہ ہم مسلمان (احکامِ الٰہی کے مطیع و فرمانبردار) ہیں۔

جب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے مخلص ساتھی مسلمان ہونے کا اقرار کر رہے ہیں تو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام تو پہلے مسلمان ہوئے۔

اسلام ہی دنیا اور آخرت میں کامیابی اور کامرانی کا راستہ ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پسندیدہ بندوں کا نام 'مسلمان' رکھا ہے اور یہ نام ہمیشہ سے رہا ہے اور شریعتِ محمدی ﷺ میں بھی یہی نام ہے۔

﴿هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَ فِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ (الحج: ۲۲/ ۷۸)

اللہ نے پہلے بھی تمہارا نام "مسلم" رکھا تھا اور اس (شریعت) میں بھی (تمہارا یہی نام ہے) تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ۔

شہادت (گواہی) پر سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

"اس سے مراد یہ ہے کہ آخرت میں جب پوری نوع انسانی کا اکٹھا حساب لیا جائے گا، اس وقت رسول اللہ ﷺ ہمارے ذمہ دار نمائندے کی حیثیت سے تم پر گواہی دیں گے کہ فکرِ صحیح اور عملِ صالح اور نظامِ عدل کی جو تعلیم ہم نے اسے دی تھی، وہ اس نے تم کو بے کم و کاست پوری کی پوری پہنچا دی اور عملاً اس کے مطابق کام کر کے دکھایا، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے تم کو عام انسانوں پر گواہ کی حیثیت سے اٹھنا ہوگا اور یہ شہادت دینی ہوگی کہ رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ تمہیں پہنچایا تھا وہ تم نے انہیں پہنچایا ہے اور جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے تمہیں دکھایا تھا، وہ تم نے انہیں دکھانے میں اپنی

حد تک کوئی کوتاہی تو نہیں کی (اور جو اس فریضۂ شہادتِ حق کو خلوصِ دل سے ادا کرتے رہیں گے، یقیناً ان کے لیے فوز وفلاح ہے)۔" (تفهيم القرآن)

قرآن حکیم نے امتِ مسلمہ کو اس فریضہ کو ادا کرنے کی ذمہ داری ان الفاظ میں ڈالی ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ (ال عمران: ۳/ ۱۱۰)

(اے مسلمانو!) اب دنیا میں تم ہی بہترین امت ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے، تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو (اسلام اور ایمان پر مضبوطی سے عمل پیرا رہتے ہو) اگر اہل کتاب بھی ایمان لاتے تو ان کے لیے بہتر تھا، اُن میں (تھوڑے) ایمان والے ہیں، لیکن اکثر فاسق ہیں۔

حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

"اس آیتِ مبارکہ میں امتِ مسلمہ کو "خیر امت" قرار دیا گیا ہے اور اس کی علت بھی بیان کر دی گئی ہے جو امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ایمان باللہ ہے گویا یہ امت اگر ان امتیازی خصوصیات سے متصف رہے گی تو 'خیر امت' ہے بصورتِ دیگر اس امتیاز سے محروم قرار پا سکتی ہے، اس کے بعد اہل کتاب کی مذمت سے بھی اس نکتے کی وضاحت مقصود و معلوم ہوتی ہے کہ جو "امر بالمعروف و نہی عن المنکر' نہیں کرے گا وہ بھی اہل کتاب کے مشابہ قرار پائے گا، ان کے بارے میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ﴾ (المائدہ) وہ آپس میں ایک دوسرے کو برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے روکتے نہ تھے اور یہاں اسی آیت میں ان کی اکثریت کو فاسق کہا گیا ہے۔ (احسن البیان)

بحیثیتِ مجموعی امت کا ہر ہر فرد داعی الی الخیر ہے، وہ اپنی پوری قوت و طاقت کے مطابق اپنے گھر میں، پاس پڑوس میں، عزیز و اقارب میں، دوست و احباب میں بھلائی کی دعوت دے اور برائی سے

روکے اور پھر قرآن حکیم کی ایک دوسرے مقام پر اہل علم کی ایک جماعت کو حکم ہوتا ہے کہ وہ ہمہ وقت خیر کو پھیلانے اور شر کو روکنے میں مصروف رہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (ال عمران:۳/۱۰۴)

تم میں سے کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی ہونے چاہیں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکتے رہیں جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پانے والے ہیں۔

د) شروع کی آیتِ مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خاتم النبین رسول اللہ ﷺ کی رسالت دائمی اور ابدی اور آپ نسلِ انسانیت کی طرف رسول ہیں اور لوگوں کے لیے دنیا و آخرت کی فوز و فلاح اسی بات میں ہے کہ صدقِ دل سے اسلام کی دعوت کو قبول کر لیں۔

رب کریم کا ارشاد ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ (البقرہ:۲/۲۰۸)

اے ایمان والو! تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

سید قطب شہید نے اس آیتِ مبارکہ پر بڑی مفید گفتگو کی ہے:

اہل ایمان کو دعوت:

''اہل ایمان کو بلایا جاتا ہے ایمان کے لقب کے ساتھ..... صفتِ ایمان کے ساتھ جو انہیں بہت ہی پیاری ہے، جو انہیں امتیاز بخشتی ہے، انہیں اوروں سے ممتاز بناتی ہے، جو انہیں اور ان کو پکارنے والے یعنی رب العالمین کے درمیان واحد رابطہ ہے، اہل ایمان کو پکار کر دعوت دی جاتی ہے کہ وہ پورے کے پورے اسلام میں آ جائیں۔

پہلا مفہوم:

اس دعوت کا پہلا اور ابتدائی مفہوم یہ ہے کہ اہل ایمان کلیۃً اللہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں، اُن

کا پورا وجود اپنے ہر چھوٹے اور بڑے معاملے میں، اللہ کے لیے ہو جائے، اُن کے تصور اور اُن کے شعور، اُن کی نیت اور ان کے عمل، ان کی خواہش اور ان کی قناعت کا کوئی حصہ بھی آزاد نہ رہ جائے...... وہ پورے کے پورے اسلام میں آ جائیں، پورے کے پورے اللہ تعالیٰ کے تابع ہو جائیں...... اور ہر معاملے میں اللہ کے ہوں اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہوں، وہ اپنی لگام اس کے ہاتھ میں مکمل یقین و اطمینان کے ساتھ تھما دیں جو ان کا خالق و مالک ہے، رہبر اور ہادی ہے اور انہیں پورا پورا یقین ہو کہ ان کا مولا و مالک خیر خواہی اور صحیح راہنمائی کے سوا کچھ بھی نہیں چاہتا، وہ اطمینان کر لیں کہ جس راہ پر وہ گامزن ہیں، جس کی طرف وہ رواں دواں ہیں وہی حق ہے اور اس میں دنیا و آخرت کی صلاح و فلاح ہے۔

نفاق اور تردد سے بالا:

اس مرحلے پر ''اہل ایمان'' کو مکمل تسلیم کی دعوت دینے سے اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ ابھی تک مسلمانوں کی صفوں میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جن کے دلوں میں تردد تھا، خلجان تھا جو ابھی تک اس بات پر مطمئن نہ تھے کہ انہوں نے ظاہراً اور باطناً ہر طرح سے احکامِ الٰہی کی پوری پوری اطاعت کرنی ہے اور یہ کوئی اچھنبے کی بات بھی نہیں ہے، تحریکات میں ایک طرف اگر مطمئن، پختہ کار اور مطیع و فرمانبردار لوگ ہوتے ہیں تو ساتھ ساتھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن میں کمزوریاں ہوتی ہیں یہ پکار اور یہ دعوت ایسی ہے جو ہر وقت اہل ایمان کو دی جاتی رہے گی کہ وہ مخلص ہو جائیں، یکسو ہو جائیں...... ان کے دل کی دھڑکنیں، ان کے شعور اور میلانات اللہ کے حکم اور اللہ کے ارادے سے ہم آہنگ ہو جائیں، وہ اللہ کے ہو جائیں جو انہیں ان کے نبیؐ اور ان کے اپنے نظام کی طرف لے جاتا ہے، بغیر کسی تردد، بغیر کسی خلجان اور پورے اطمینان اور یکسوئی کے ساتھ۔

سلامتی اور امن کی دنیا:

اور ایک مومن جب اس دعوت کو قبول کرتا ہے، شرحِ صدر کے ساتھ اور پورے طور پر، تو وہ ایک ایسی دنیا میں قدم رکھتا ہے جو امن کی دنیا ہے، جو سلامتی کی دنیا ہے، وہ ایک ایسے جہاں میں داخل ہو جاتا ہے جو اطمینان اور سلامتی کا جہاں ہے، جہاں اللہ تعالیٰ کی رضا اور سکون حاصل ہوتا ہے، وہ ایک

ایسے عالم میں جا پہنچتا ہے جس میں نہ حیرانی ہے نہ پریشانی، جس میں فساد ہے نہ گمراہی ہے جہاں نفسِ انسانی کے خفیہ ترین اور پوشیدہ ترین گوشوں میں بھی سکون ہے۔ اور انسان کی ظاہری اور اجتماعی زندگی میں سکون ہے، سلامتی ہے۔

معبودِ واحد کی بندگی کا شعور:

اس سلامتی کا قلبِ مومن پر پہلا اثر یہ ہوتا ہے کہ اسے اپنے خالق و مالک کے بارے میں صحیح تصور ملتا ہے، یہ تصور خالص بھی ہے اور ستھرا بھی، یہ کہ وہ واحد معبود ہے صرف اسی کی طرف مومن متوجہ ہوتا ہے اور وہی اس کا قبلہ ہوتا ہے، پھر اس عقیدہ پر مومن پوری یکسوئی اور استقلال کے ساتھ جم جاتا ہے نہ اب مختلف راستے رہتے ہیں نہ مختلف قبلے رہتے ہیں۔ اب وہ حالت نہیں رہی، جیسا کہ جاہلیت کی بت پرستی میں تھی کہ ایک معبود ادھر سے اس کا پیچھا کر رہا ہے تو دوسرا ادھر سے بلکہ اب وہ ایک ہی خالق ہے جو ارض و سما کا مالک ہے اور بندۂ مومن اس کی طرف نہایت ہی اطمینان، نہایت وثوق اور نہایت صحت اور نہایت صفائی کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے۔

خوف سے عاری زندگی:

وہ ایک اللہ ہے جو عزیز اور طاقتور ہے، جب مومن اس کی طرف پھرتا ہے تو وہ سچائی کی ایک زبردست قوت کی طرف پھرتا ہے جو اس کائنات کی واحد قوت ہے، اب یہ اطمینان و استراحت کی زندگی بسر کرے گا اور اسے کسی جھوٹی قوت کا کوئی ڈر نہ ہوگا، وہ کسی چیز سے خوف نہیں کھائے گا۔ وہ ایسے معبود کی بندگی کرے گا جو عزیز اور طاقتور ہے، جو غالب اور صاحب قدرت ہے، اس لیے اب اسے کسی چیز کی محرومی کا کوئی خوف نہ ہوگا، نہ وہ ایسی طاقتوں سے خوف کھائے گا نہ ایسی طاقتوں سے توقع کرے گا جن کے پاس نہ دینے کی طاقت ہے اور نہ محروم کرنے کی قوت ہے۔

بے عیب قوت کا سہارا:

وہ ایک عادل اور حکیم اللہ ہے، اس کی قوت اور اس کی قدرت ہی مظالم کے خلاف ضمانت ہے، خواہشاتِ باطلہ کے خلاف ضمانت، کھوٹ کے خلاف ضمانت ہے، وہ جاہلیت کے بتوں جیسا معبود نہیں ہے جن کے تصور کے ساتھ سفلی جذبات اور شہوات کا تصور لازم ہے، یہی وجہ ہے کہ جب ایک شخص

اسلام میں داخل ہوتا ہے تو وہ باطل معبودوں کو چھوڑ کر ایک مضبوط ذات کا سہارا لیتا ہے، جہاں سے انصاف ملتا ہے، امن ملتا ہے اور وہ ہر عیب ونقص سے پاک ہے، ہر خطا اور قصور سے مبرا ہے۔

مہربان اور مشفق مالک کے سایۂ رحمت میں:

وہ ایک ایسا رب ہے جو نہایت مہربان ہے، نہایت مشفق ہے، منعم ہے، وہاب ہے، گناہ معاف کرنے والا ہے، توبہ قبول کرنے والا ہے، وہ مصیبت زدہ کی پکار کو سنتا ہے اور قبول کرتا ہے، لہٰذا ایک مسلمان اس کے سایۂ رحمت و رأفت میں مامون ومحفوظ ہوتا ہے، سلامتی میں اور بہرہ مندی میں ہوتا ہے۔ اگر ضعیف ہو جائے تو اس پر رحم ہوتا ہے، اگر تائب ہو جائے تو اسے معاف کر دیا جاتا ہے۔

رب کی معرفت اور ایمان میں اضافہ:

اسلام میں آنے کے بعد ایک مومن کو اسلام سب سے پہلے اپنے اس رب کی صفات سے روشناس کراتا ہے جو اس کا خالق و رازق ہے، مومن ان صفات کا مطالعہ کرتا جاتا ہے، اس صفت میں اسے ایسا مفہوم ملتا ہے جس سے اس کا دل مانوس ہوتا جاتا ہے، اُس کی روح مطمئن ہوتی چلی جاتی ہے۔ اسے اپنے اس معبود برحق کی طرف سے حمایت، بچاؤ، مہربانی، رحمت عزت، شرافت، سکون و سلامتی کی گارنٹی ملتی ہے۔

صحیح فکر وسلامتی کی راہ:

سلامتی کے جس نظام میں یہ مومن داخل ہوتا ہے، اس سے اسے بندے اور اس کے رب کے مابین تعلق کے بارے میں صحیح تصور ملتا ہے، نیز یہ نظام اللہ تعالیٰ اور بندے کے تعلق اور اس کائنات کے بارے میں صحیح فکر دیتا ہے مثلاً یہ کہ وہ اللہ ہی ہے جس نے سچائی کے ساتھ اس کائنات کی تخلیق کی پھر اس نے ہر چیز کو حکمت کے ساتھ پیدا فرمایا اور انسان کو بھی حکمت کے ساتھ وجود میں لایا (جو اس کی قدرت کا شاہکار ہے) اس لیے اسے یونہی آزاد نہ چھوڑ دیا جائے گا۔

انسان کا منصب اور اعزاز:

اللہ تعالیٰ نے تمام کائناتی ماحول کو ایسا بنایا ہے کہ یہ سب کا سب اور اس کی ہر چیز انسانوں کے لیے مُمِدِّ حیات ہے، پھر زمین کے اوپر اور اندر جتنی چیزیں ہیں ان پر انسان کا اقتدار قائم کیا، اللہ تعالیٰ

کے نزدیک انسان بڑی ذی شرف مخلوق ہے، اس زمین پر وہ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اور نائب ہے، اس منصبِ خلافت کے چلانے میں خود اللہ تعالیٰ اس کا مددگار ہے (اس نے نہ صرف اسے شکل وصورت اور فہم و ذکا کی نعمت سے نوازا ہے بلکہ اس کی ہدایت کے لیے انبیائے کرام اور کتابیں بھی نازل فرمائیں جن کی پاک زندگیاں دوسروں کے لیے مشعلِ راہ بنیں۔)

اور پھر انسان کے اردگرد پھیلی ہوئی یہ کائنات بھی اس کی ہمدم ہے، اس کے ساتھ مانوس ہے، کائنات کی روح انسان کی روح سے ہم آہنگ ہے، یہ کائنات اور اس کی ہر چیز رب کائنات کی تسبیح میں مصروف اور اس کے احکام کی پابند ہے:

﴿وَ اِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ وَ لٰکِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِیۡحَهُمۡ﴾ (الاسراء: ١٧/٤٤)

(اس کائنات میں) کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کر رہی ہو، مگر تم لوگ ان کی تسبیح سمجھتے نہیں ہو۔

اور پھر ارشاد ہوا:

﴿وَلَهٗۤ اَسۡلَمَ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ طَوۡعًا وَّ کَرۡهًا وَّ اِلَیۡهِ یُرۡجَعُوۡنَ﴾

(آل عمران: ٣/٨٣)

آسمان وزمین کی ساری چیزیں چار و نا چار اللہ ہی کی تابع فرمان (یعنی مسلم) ہیں اور اسی کی طرف سب کو پلٹنا ہے۔

انسان کو بھی چاہیے اُسی مولا و مالک کی حمد وثنا بیان کرے۔ (اور اسی فکر اور عقیدے کو دنیا میں عام کردے)۔

عقیدۂ آخرت:

پھر اس نظام میں عقیدۂ آخرت ہے، مومن کی روح اور مومن کی دنیا میں یہ عقیدہ بہت اہم رول ادا کرتا ہے، اس پر سلامتی کا فیضان ہو جاتا ہے، اس کی زندگی سے ہر قسم کی بے چینی، پریشانی، مایوسی اور جھنجلاہٹ دور ہو جاتی ہے کیونکہ حساب و کتاب اس دنیا ہی میں ختم نہیں ہو جاتا، ضروری نہیں ہے کہ پوری پوری چیز اس دنیا میں چکا دی جائے، اصل حساب و کتاب تو عادلِ مطلق کی عدالت میں ہو

گا، اس لیے وہ اگر کوئی بھلائی کرتا ہے، اللہ کی راہ میں جدوجہد کرتا ہے اور اس دنیا میں کامیاب نہیں ہوتا اور اسے اس کا کوئی صلہ نہیں ملا تو نہ ملے۔ عنقریب اسے اللہ کی میزان کے مطابق مل جائے گا اور پورا پورا، جب اس دنیا میں حقوق کی غیر منصفانہ تقسیم ہوتی ہے، اس کی منشا کے خلاف ہوتی ہے تو وہ ''عدل'' کے معاملے میں مایوس نہیں ہوتا، عدالت تو لازماً لگنے والی ہے جس کا حاکم رب العباد اور رب العالمین ہے جو اپنے بندوں پر ظلم و زیادتی کا ارادہ ہی نہیں کرتا چہ جائیکہ ظلم کرے۔

مکمل اطاعت

اللہ تعالیٰ کے احکام کو دل و جان سے قبول کرنے کے بعد سنتِ نبوی ﷺ کے مطابق ان احکام کو زندگی کے ہر معاملے میں سرانجام دینے کا نام ''اسلام'' ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَ مَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا﴾ (النساء: ٤/ ١٢٥)

اس شخص سے بہتر اور کس کا طریقِ زندگی ہوسکتا ہے جس نے اللہ کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا اور (زندگی بھر) اپنا رویہ نیک رکھا اور یکسو ہو کر ابراہیمؑ کے طریقے کی پیروی کی۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اطاعت اور فرمانبرداری کو قرآن ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

﴿اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (البقرہ:٢/ ١٣١)

جب اس کے رب نے اس سے (یعنی سیدنا ابراہیم) کہا ''مسلم ہو جا'' تو اس نے فوراً کہا ''میں مالکِ کائنات کا ''مسلم'' (یعنی مطیع فرمانبردار ہو گیا)۔''

سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

''مسلم وہ جو اللہ تعالیٰ کے آگے سرِ اطاعت خم کر دے، اللہ ہی کو اپنا مالک، آقا، حاکم و معبود مان لے، جو اپنے آپ کو بالکلیّہ اللہ کے سپرد کر دے اور اس ہدایت کے مطابق دنیا میں زندگی بسر کرے جو اللہ کی طرف سے آئی ہو۔ اس عقیدے اور اس طرزِ عمل کا نام ''اسلام'' ہے اور یہی تمام انبیائے کرام کا دین تھا جو ابتدائے آفرینش سے دنیا کے مختلف ملکوں اور قوموں میں آئے۔'' (مختصر حواشی)

دینِ فطرت

''اسلام'' ہی بنی نوع انسان کے لیے دین فطرت ہے، اس لیے کہ ربِ کائنات جس نے ہر چیز کو بنایا ہے اس کے آگے جھکی ہوئی ہے اور اس کے حکم کی پابند ہے، انسان کو تو اس نے احسن اور اشرف بنایا ہے اور ان گنت انعامات سے نوازا ہے، اس زمین پر اسے نیابت اور خلافت کی ذمہ داریاں سونپی ہیں، وہ اگر اس راہ کو چھوڑ کر کوئی اور راہ اختیار کرے تو کیا اسے اس خالق و مالک کے ہاں انعام وصلہ مل سکتا ہے؟ ہرگز نہیں، اس حقیقت کو قرآن اس طرح بیان کرتا ہے:

﴿اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ﴾ (ال عمران:۳/۸۳)

اب کیا یہ لوگ اللہ کی اطاعت کا طریقہ (یعنی دین اللہ) چھوڑ کر کوئی اور طریقہ چاہتے ہیں؟ حالانکہ آسمان و زمین کی ساری چیزیں چاروناچار اللہ ہی کی تابع فرمان (یعنی مسلم) ہیں اور اسی کی طرف سب کو پلٹنا ہے۔

انسان کا اس دنیا میں امتحان ہے کہ وہ کونسا راستہ اختیار کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا یا نافرمانی کا، شکر کا یا کفر کا:

﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾ (الدھر:۷۶/۳)

ہم نے اسے راستہ دکھا دیا، خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔

حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

(رب العزت نے انسان کو سمع و بصر اور عقل وفہم کی قوتیں عطا کرنے کے علاوہ) انبیاء علیہم السلام، اپنی کتابوں اور داعیانِ حق کے ذریعے سے صحیح راستے کو بیان کر دیا اور اسے روشن بنا دیا۔ اب یہ اس کی مرضی ہے کہ اطاعتِ الٰہی کا راستہ اختیار کر کے شکر گزار بندہ بن جائے یا معصیت کا راستہ اختیار کر کے اسکا ناشکرا بن جائے، جیسے ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا ﴿كُلُّ النَّاسِ يَغْدُو فَبَائِعٌ نَفْسَهُ فَمُوْبِقُهَا اَوْ مُعْتِقُهَا﴾ (صحیح مسلم) ''ہر شخص اپنے نفس کی خرید وفروخت کرتا ہے، پس اسے ہلاک کر دیتا ہے یا اسے آزاد کرا لیتا

ہے، یعنی اپنے عمل وکسب کے ذریعے سے ہلاک یا آزاد کراتا ہے، اگر شر کمائے گا تو اپنے نفس کو ہلاک اور خیر کمائے گا تو نفس کو آزاد کرائے گا۔ (احسن البیان)

بندگیِ رب زندگی کا مقصد

زندگی کا مقصد ہی رب تعالیٰ کی بندگی ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (الذاریات:٥١/٥٦)

(رب کریم کا ارشاد ہے) میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔

اور عبادت سے مقصود صرف ''صوم وصلوٰۃ'' کی پابندی ہی نہیں بلکہ زندگی کے ہر ہر معاملے میں حکمِ الٰہی کو ماننا ہے، گویا کہ ہم چوبیس گھنٹوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے غلام ہیں اور اس غلامی کا حق اسوۂ حسنہ کی پیروی سے ادا ہوگا۔

سید قطب شہید لکھتے ہیں:

''انسان کو وجود میں لانے کی غرض و غایت اور اس کا مقصدِ تخلیق اللہ کی بندگی اور اللہ کی غلامی قرار دیا جاتا ہے، وہ پیدا ہی اس لیے ہوا ہے کہ اللہ کی غلامی کرے، حقیقت یہ ہے کہ اس طرح یہ انسان ایک بلند اور روشن افق پر ایک بلند ستارہ بن جاتا ہے، اس کا ضمیر اور اس کا شعور بلند ہو جاتا ہے، اس کے تمام اعمال اور تمام سرگرمیاں بلند ہو جاتی ہیں، اس کے وسائل اور اس کے ذرائع صاف ستھرے ہو جاتے ہیں، وہ اپنے تمام اعمال اور تمام سرگرمیوں میں اللہ کا غلام بن جاتا ہے، اس کا کمانا اور خرچ کرنا بھی عبادت بن جاتا ہے، وہ دنیا میں منصبِ خلافت حاصل کرتا ہے اور یہاں اسلامی نظامِ زندگی قائم کرتا ہے تو بھی عبادت کرتا ہے، اور رب کی غلامی اور بندگی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک مسلم نہ غدار ہوتا ہے نہ بدکار، وہ نہ فریب کار ہوتا ہے، نہ دھوکا باز، نہ ظالم ہوتا ہے اور نہ سفاک، وہ حصولِ مقصد کے لیے ناجائز ذرائع کام میں نہیں لاتا، نہ وہ خبیثانہ وسائل سے کام لیتا ہے، وہ خلوصِ نیت کے ساتھ اپنی منزل کی جانب رواں دواں رہتا ہے، قلبی طمانیت سے وہ ہر وقت سرشار رہتا ہے، اس کی یہ ساری کوششیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوتی ہیں۔

امن اور سلامتی کا مینار

اسلام یعنی ربانی نظامِ زندگی جس معاشرے کو جنم دیتا ہے، وہ معاشرہ بھی امن وسلامتی کا مینار ہوتا ہے، یہ معاشرہ اس نظام کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے جس کی کونپلیں اس قیمتی اور حسین نظریۂ حیات کے شجر سے پھوٹتی ہیں جو قلبِ مومن میں جاگزین ہے اور یہ معاشرہ رب رحیم کی رحمتوں سے ابھرتا اور نشوونما پاتا ہے، جہاں ہر شخص کی جان و مال اور عزت وآبرو محفوظ و مامون ہوتی ہے۔

رنگ ونسل کے فتنوں کا تدارک

اسلامی معاشرے کے افراد کے مابین صرف ایک رابطہ ہوتا ہے، یعنی نظریۂ حیات کا رابطہ، یہ بہت ہی وسیع نظریاتی معاشرہ ہوتا ہے...... تمام قومیات، تمام ملکی حدود، تمام زبانیں اور تمام رنگ اس کے مقابلے میں پگھل کر فنا ہو جاتے ہیں، غرض تمام غلط افکارِ قومیت، لسانیت، وطنیت اور رنگ ونسل کے تمام فکری فتنے جن کا انسان کی انسانیت کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ وہ سب کے سب اس وسیع الاساس اسلامی معاشرے میں جذب ہو جاتے ہیں۔

اسلامی معاشرے کی چند صفات

ذرا سنیے! اس معاشرے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی ہدایات:

''مومن تو آپس میں بھائی ہیں (جونہی کوئی ان میں بگاڑ پیدا ہو) تو اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو۔'' (الحجرات:٤٩/١٠)

اس معاشرے کی بہترین تصویر رسول اللہ ﷺ نے ایک مشہور حدیث میں کھینچی ہے ''باہمی محبت، باہمی رحم، باہمی مہربانی کے لحاظ سے مومنوں کی مثال ایک جسمِ واحد کی سی ہے، جسم میں سے ایک عضو بھی تکلیف میں ہو تو تمام جسم بے آرام ہوتا ہے اور وہ تکلیف کی وجہ سے جاگتا ہے اور اس میں بخار کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ (رواہ احمد)

ذرا دیکھیے! اس معاشرے کے عمومی آداب کیسے حسین ہیں:

﴿وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا﴾ (النساء:٤/٨٦)

اور جب کوئی احترام کے ساتھ تمہیں سلام کرے تو اس کو اس سے بہتر طریقہ کے ساتھ

جواب دو یا کم از کم اسی طرح۔

﴿وَ لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَ لَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ﴾ (لقمان:۳۱/۱۸)

اور لوگوں سے منہ پھیر کر (یعنی تکبر سے) بات نہ کرو، اور نہ زمین میں اکڑ کر چلو، اللہ تعالیٰ کسی خود پسند اور فخر جتانے والے شخص کو پسند نہیں کرتا۔

﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ﴾ (حٰمٓ السجدہ:۴۱/۳۴)

(اے نبی) نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں، تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو، تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے۔

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾

(الحجرات:۴۹/۱۱)

اے ایمان والو! نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو، ایمان لانے کے بعد فسق میں نام پیدا کرنا بہت بری بات ہے، جو لوگ اس روش سے باز نہ آئیں وہ ظالم ہیں۔

حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

''ایک شخص دوسرے کسی شخص کا ''استہزا'' یعنی اس سے مسخرا پن اسی وقت کرتا ہے جب وہ اپنے آپ کو اس سے بہتر اور اس کو اپنے سے حقیر اور کمتر سمجھتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایمان وعمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے اور کون نہیں؟ اس کا علم صرف اللہ کو ہے، اس

لیے اپنے آپ کو بہتر اور دوسرے کو کم تر سمجھنے کا کوئی جواز ہی نہیں، بنا بریں آیت میں اس سے منع فرما دیا گیا ہے اور کہتے ہیں کہ عورتوں میں یہ اخلاقی بیماری زیادہ ہوتی ہے، اسی لیے عورتوں کا الگ ذکر کر کے انہیں بھی بطورِ خاص اس برائی سے روک دیا گیا ہے اور حدیثِ رسول ﷺ میں لوگوں کے حقیر سمجھنے کو ''کِبْر'' (غرور) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ کبر (غرور) درحقیقت حق بات سے منہ موڑنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے۔ (احسن البیان)

سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

''مذاق اڑانے سے مراد محض زبانی ہی مذاق اڑانا نہیں ہے بلکہ کسی کی نقل اتارنا، اس کی طرف اشارے کرنا، اس کی بات پر یا اس کے کام یا اس کی شکل وصورت یا اس کے لباس پر ہنسنا یا اس کے کسی نقص یا عیب کی طرف لوگوں کو اس طرح توجہ دلانا کہ دوسرے اس پر ہنسیں، یہ سب مذاق اڑانے میں داخل ہیں۔ ''طعن'' کے مفہوم میں چوٹیں کرنا، پھبتیاں کسنا، الزام دھرنا، اعتراض جڑنا، عیب چینی کرنا اور کھلم کھلا یا زیرلب اشاروں سے کسی کو نشانۂ ملامت بنانا، یہ سب افعال شامل ہیں اور برے القاب سے یاد کرنا کہ کسی شخص کو ایسا لقب نہ دیا جائے جس سے اس کی تذلیل ہوتی ہو، مثلاً کسی کو فاسق یا منافق کہنا، کسی کو لنگڑا یا اندھا یا کانا کہنا۔ کسی کو اس کے اپنے یا اس کے ماں باپ یا خاندان کے کسی عیب یا نقص سے ملقب کرنا، کسی کو مسلمان ہو جانے کے بعد اس کے سابق مذہب کی بنا پر یہودی یا نصرانی کہنا یا خاندانی برادری یا گروہ کا ایسا نام رکھ دینا جو اس کی مذمت اور تذلیل کا پہلو رکھتا ہو، اس حکم سے صرف وہ القاب مستثنٰی ہیں جو اپنی ظاہری صورت کے اعتبار سے تو بدنما ہیں مگر ان سے مذمت مقصود نہیں ہوتی بلکہ وہ ان لوگوں کی پہچان کا ذریعہ بن جاتے ہیں جن کو ان القاب سے یاد کیا جاتا ہے، مثلاً حکیم نابینا کہ اس سے مقصود صرف پہچان ہے مذمت مقصود نہیں ہے۔'' (مختصر حواشی)

اس آیتِ مبارکہ کے آخری حصے پر غور کر لیا جائے:

﴿وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ یعنی جوان جاہلانہ باتوں سے باز نہیں آتا تو ایمان لانے کے بعد فسق میں نام پیدا کرنا بہت بری بات ہے اور جو اس روش سے باز نہ آئیں وہ ظالم ہیں۔

اسلام کی پاکیزہ اور روشن تعلیمات پر غور کرتے جایے۔

رب کریم کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ اِنَّنِیْ ھَدٰنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا وَ مَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ﴾ (الانعام:٦/١٦١)

(اے نبیؐ) کہہ دیجیے! میرے رب نے بالیقین مجھے سیدھا راستہ دکھایا ہے، بالکل ٹھیک دین جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں (سچا اور کھرا دین ہے) (سیدنا) ابراہیمؑ کا طریقہ جسے یکسو ہو کرانھوں نے اختیار کیا تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔

یہ دین اخلاقی، معاشرتی، معاشی، سیاسی، انفرادی اور اجتماعی ہدایات کا جامع ہے۔ چند اخلاقی ہدایات پر غور کیجیے:

دیانت داری اور امانت

نیک عمل مسلمانوں کی صفت یہ بتائی گئی ہے:

﴿وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَعَھْدِھِمْ رٰعُوْنَ﴾ (المؤمنون:٢٣/٨)

جو اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کا پاس و لحاظ رکھتے ہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ بیت اللہ کی چابی عثمان بن طلحہ کے پاس رہتی تھی، فتح مکہ کے وقت وہ ان کے ہاتھ سے زبردستی لے لی گئی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا وَ اِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ (النسآء:٤/٥٨)

(اے مسلمانو!) اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔

اس حکم کے مطابق یہ امانت ان کو واپس کی گئی، انھوں نے جب پوچھا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ

نے عثمان بن طلحہ کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہی حکم دیا ہے، وہ اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے، اسلام کے اس انصاف اور امانتداری کے حکم کا ان پر یہ اثر ہوا کہ وہ مسلمان ہو گئے۔ (سیرت النبی، ج:٦)

اس آیت میں مسلمانوں کو ان برائیوں سے بچے رہنے کی تاکید بھی کی گئی ہے جن میں بنی اسرائیل مبتلا ہو گئے تھے، ان کی بنیادی غلطیوں میں سے ایک یہ تھی کہ انہوں نے اپنے انحطاط کے زمانہ میں امانتیں یعنی ذمہ داری کے منصب اور مذہبی پیشوائی اور قومی سرداری کے مرتبے ایسے لوگوں کو دینے شروع کر دیے جو نا اہل، کم ظرف، بداخلاق، بددیانت اور بدکار تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ برے لوگوں کی قیادت میں ساری قوم خراب ہوتی چلی گئی، مسلمانوں کو ہدایت کی جارہی ہے کہ تم ایسا نہ کرنا، بنی اسرائیل کی دوسری بڑی کمزوری یہ تھی کہ وہ انصاف کی روح سے خالی ہو گئے تھے۔ وہ شخصی اور قومی اغراض کے لیے بے تکلف ایمان نگل جاتے تھے۔ صریح ہٹ دھرمی برت جاتے تھے، انصاف کے گلے پر چھری پھیرنے میں انہیں ذرا تامل نہ ہوتا تھا، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہدایت کرتا ہے کہ تم کہیں بے انصاف نہ بن جانا، خواہ کسی سے دوستی ہو یا دشمنی بہرحال بات جب کہو انصاف کی کہو اور فیصلہ جب کرو عدل کے ساتھ کرو۔ (مختصر حواشی)

یہ آیتِ مبارکہ نہ صرف انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے ہے بلکہ شعبۂ سیاست اور معاشی سرگرمیوں کے لیے بھی مشعلِ راہ ہے، اور اہل پاکستان کے لیے تو اس میں زبردست تنبیہ ہے۔ اہل وطن کا اس خیانت کے سبب جو حشر ہوا وہ تازیانۂ عبرت ہے۔

عفو و درگزر

لوگوں کو قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کی ترغیب دی ہے:

﴿وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

(النور:٢٤/٢٢)

اور چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر سے کام لیں، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تم کو معاف کرے اور اللہ کی صفت یہ ہے کہ وہ غفور اور رحیم ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو عفو و درگزر کی تعلیم اس ترغیب کے ساتھ دی ہے کہ تم

دوسروں کو معاف کرتے رہو، اللہ تمہیں معاف کرے گا اور جب اللہ غفور و رحیم ہے تو تم پر بھی اس کے اس ابرِ کرم کی کچھ چھینٹیں پڑنی چاہییں، چنانچہ جن مومنوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے جزائے خیر کا وعدہ فرمایا ہے، ان کی ایک صفت یہ بتائی ہے۔

﴿وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ﴾ (الشوریٰ: ۴۲/۳۷)

اور جب ان کو غصہ آ جائے تو وہ معاف کر دیتے ہیں۔

اورلوگوں سے درگزر کرنے والوں کو ''محسنین'' کی صف میں شامل کر دیا گیا ہے جو یقیناً اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے رتبہ کے لوگ ہیں:

﴿وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾(ال عمران:۳/۱۳۴)

(جنت ان متقین کے لیے تیار کی گئی ہے) جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں، ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں اور خاص طور پر دعوت وتبلیغ کے مواقع پر لوگوں کے درشت رویوں پر انہیں معاف کر دینا اور ان کی سختیوں کا جواب نرمی اور اخلاق سے دینا بڑی عزیمت کے کام ہیں، قرآن اس کا اس طرح اعلان کرتا ہے۔

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ﴾ (الاعراف:۷/۱۹۹)

(اے نبیؐ) نرمی اور درگزر کا طریقہ اختیار کرو، معروف کی تلقین کیے جاؤ اور جاہلوں سے نہ الجھو۔

دوسرے مقام پر بدی کا جواب بھلائی سے دینے کی نصیحت اس طرح کی گئی اور اس سے بہتر نتائج کی امید دلائی گئی۔

﴿وَلاَ تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلاَ السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِىْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِىٌّ حَمِيْمٌ﴾ (حٰم السجدہ:۴۱/۳۴)

(اور اے نبیؐ) نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں، آپ بدی کو اس نیکی سے دفع کیجئے جو بہترین ہو، آپ دیکھیں گے کہ آپ کے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے۔

خاتم النبیین جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے جس حسن و خوبی سے ان آیات کو عملی جامہ پہنایا، وہ

اس نیلگوں آسمان کے نیچے آپ ہی کا حصہ ہے، اس واقعہ پر غور کیجیے۔

''ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ ﷺ پر احد کے دن سے زیادہ سخت کوئی دن گزرا ہے؟ آپ نے فرمایا: مجھے تمہاری قوم سے بہت کچھ برداشت کرنا پڑا، سب سے زیادہ سخت عقبہ کا دن تھا، میں نے عبد یالیل بن عبد کلال کو دعوتِ اسلام دی، اس نے میری بات قبول نہیں کی، میں اپنے حال میں اسی فکر اور رنج میں چلا جا رہا تھا، قرنِ ثعلب میں پہنچ کر مجھے احساس ہوا کہ میں کہاں ہوں، سر اٹھایا تو ایک بادل تھا جو مجھ پر سایہ کیے ہوئے تھے، میں نے جو نظر ڈالی تو اس میں جبریل نظر آئے، مجھے پکارا اور کہا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا فرمان سنا اور آپ ﷺ کی قوم کا جواب سنا تو آپ ﷺ کی طرف پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے، اب آپ ﷺ اپنے معاملہ میں جو چاہیں حکم دیں، اگر آپ ﷺ کا ارشاد ہو تو میں ان دو پہاڑوں کے درمیان ان کو پیس دوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، میں امید کرتا ہوں کہ ان میں اللہ تعالیٰ ایسے لوگ پیدا کرے گا جو اس کی عبادت کریں گے اور اس کا شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ پھر تاریخ نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا صبر و عزیمت، اور استقامت و استقلال بار آور ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کے دل اسلام کے لیے کشادہ اور فراخ کر دیے اور وہ خادمِ اسلام بن گئے۔ (بخاری، مسلم، بحوالہ ریاض الصالحین)

<u>زندگی گزارنے کے چند سنہری اصول جو سودمند ہیں</u>

(ا) مشکلات کا حل:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ﴾ (البقرہ:۲/۱۵۳)

اے ایمان والو! (مشکلات میں) صبر اور نماز سے (اللہ تعالیٰ کی مدد) طلب کرو۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ صبر والوں کا ساتھ دیتا ہے۔ زندگی کے مصائب وآلام میں یہ آیت مبارکہ اہل ایمان کے لیے روشنی کا سامان مہیا کرتی ہے۔

(ب) زندگی کے بلند مقاصد:

﴿لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ (البقرہ:۲/۸۳)

اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، ماں باپ کے ساتھ، رشتے داروں کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرو، لوگوں سے بھلی بات کہو، نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔

(ج) رزقِ حلال:

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ (البقرہ:۲/۱٦۸)

لوگو! زمین میں جو حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں انہیں کھاؤ اور شیطان کے بتائے ہوئے راستوں پر نہ چلو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

قرآن حکیم کے الفاظ نگینے کی طرح جڑے ہوئے ہیں ایسا کیوں نہ ہو بلاشبہ یہ رب العالمین کا کلام ہے، فصاحت و بلاغت کا شاہکار ہے، غور کیجیے کہ دولفظوں ''حلال اور طیب'' میں غذا کے استعمال کے بہترین اصول دے دیے، رزق حلال سے مراد آمدنی کے ذرائع بھی جائز اور حلال ہوں اور وہ رزق بھی جائز اور حلال ہو، مثلاً شراب حرام ہے جبکہ پانی حلال ہے اور پانی بھی صاف ستھرا استعمال کیا جائے، اس میں غلاظت وغیرہ نہ ہو۔ اور لفظِ طیب میں ہر قسم کی ظاہری پاکیزگی شامل کر دی گئی ہے۔

اَطبّاء کا کہنا ہے کہ غذا کے اثرات دل و دماغ اور ذہن وفکر پر مرتب ہوتے ہیں، حلال اور طیب غذا افکار و اعمال کو صاف ستھرا رکھتی ہے جبکہ حرام اور گندی غذا سے انسان کے اخلاق متاثر ہوتے ہیں، دین اسلام میں حلال وحرام کا شعبہ بڑا واضح اور وسیع ہے اور یہ بات بلا مبالغہ کہی جا سکتی ہے کہ صرف یہی وہ دین ہے جس میں حلال اور حرام کے درمیان خطِ امتیاز کھینچ دیا گیا ہے۔

(د) صحیح راستہ:

﴿قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ (البقرہ:۲/۲٥٦)

(اسلام میں) صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے (یعنی ہدایت ضلالت سے روشن ہوچکی ہے) اب جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا اس

نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ (جس کا سہارا اس نے لیا ہے) سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

''طاغوت'' سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کی اللہ کے سوا پرستش کی جائے خواہ وہ خواہشاتِ نفس ہوں یا اینٹ اور پتھر کے بت ہوں یا قوم اور برادری کے غلط رسم و رواج ہوں، یا حکومت کے غلط فیصلوں کو ماننا ہو، یہاں تک کہ احکامِ الٰہی کو چھوڑ کر پیروں اور فقیروں کی باتوں کو ترجیح دی جائے، گویا کہ راہِ حق سے کسی طرح بھی انحراف ''طاغوت'' کہلاتا ہے اور ''طاغوت'' کے کلیۃً انکار سے ہی کوئی شخص دین پر ثابت قدم رہ سکتا ہے۔

اسلام دینِ فطرت ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو اسی فطرت پر پیدا فرمایا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَاَقِمْ وَجْهَکَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِکَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَ لٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (الروم: ۳۰/۳۰)

پس (اے نبیؐ اور آپ کی اتباع کرنے والو!) یک سو ہو کر اپنا رخ اس دین کی سمت میں جما دو (رب واحد کے احکام سنت نبویؐ کے مطابق بجا لاؤ) قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی، یہی راست اور درست دین ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

اس آیتِ مبارکہ سے یہ باتیں معلوم ہوتی ہیں:

-- فَاَقِمْ وَجْهَکَ لِلدِّيْنِ ...... دین (یعنی صرف دین اسلام) پر ثبات و دوام اختیار کرو، یہی سکون اور سلامتی اور فوز و فلاح کا راستہ ہے، اس کے علاوہ جو راستہ بھی ہوگا اس میں گمراہی اور تباہی ہے، فساد اور بگاڑ ہے، اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

-- حَنِيْفًا ...... ہر باطل راہ کو چھوڑ کر خالصۃً راہِ حق کو اختیار کرو۔

-- فِطْرَتَ اللّٰهِ ......فطرت کے لفظی معنی خلقت کے ہیں۔

حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

''فطرت کے اصل معنی خلقت (پیدائش) کے ہیں، یہاں اس سے مراد ملتِ اسلام (و

توحید) ہے، مطلب یہ ہے کہ سب کی پیدائش بغیر مسلم و کافر کی تفریق کے اسلام اور توحید پر ہوتی ہے، اس لئے توحید ان کی فطرت، یعنی جبلت میں شامل ہے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے ''دنیا میں پیدا ہونے والا ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، لیکن پھر اس کے ماں باپ (معاشرہ اور ماحول) اس کو یہودی، عیسائی اور مجوسی وغیرہ بنا دیتے ہیں گویا اس کی فطرت کو دبا دیتے ہیں۔'' (احسن البیان)

-- فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ...... اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اس فطرت، یعنی دین اسلام کی فطرت پر پیدا کیا ہے۔

-- لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ...... پس جس دین پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اسے تبدیل نہ کرو بلکہ صحیح تعلیم و تربیت سے ان کی نشو ونما کرو تا کہ وہ راہِ حق کو پالیں۔

-- ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ...... یہی مضبوط دین، یعنی دین اسلام ہے، جو زندگی گزارنے کا صاف ستھرا راستہ ہے۔

-- وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ...... مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں دل و دماغ سوچ بچار کے لیے تو دیا ہے مگر وہ اس سے کام نہیں لیتے ہیں۔

(ر) بدترین دشمن سے بچاؤ:

انسان کا سب سے بڑا دشمن شیطان ہے جو انسانوں کو ورغلاتا ہے دھوکہ اور فریب دیتا ہے، انہیں برائی اور بے حیائی پر اکساتا ہے، ان کے درمیان حسد و بغض کی چنگاریاں سلگاتا ہے اور انہیں آپس میں لڑاتا ہے، اور انہیں راہ حق سے دور لے جاتا ہے، انہیں شرک اور کفر کی راہ پر لگاتا ہے، اس کی نت نئی چالوں سے قرآن حکیم نے کئی مقامات پر آگاہ کیا ہے، ان آیات پر غور کریں:

﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ (المائدہ:٥/٩١)

شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے، پھر کیا تم ان چیزوں سے

باز رہو گے؟

﴿اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَ یَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَ اللّٰهُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَ فَضْلًا وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ﴾ (البقرہ:۲/۲٦٨)

(انفاق فی سبیل اللہ کے بارے میں) شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ وسعت والا اور علم والا ہے۔

یعنی بھلے کام میں مال خرچ کرنا ہوتو شیطان ڈراتا ہے کہ مفلس اور قلاش ہو جاؤ گے لیکن برے کام پر خرچ کرنا ہوتو ایسے اندیشوں کو نزدیک نہیں پھٹکنے دیتا، بلکہ ان برے کاموں کو اس طرح سجا اور سنوار کر پیش کرتا ہے اور ان کے لیے خفیہ آرزوؤں کو اس طرح جگاتا ہے کہ ان پر انسان بڑی سے بڑی رقم بے دھڑک خرچ کر ڈالتا ہے، چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ مسجد، مدرسے یا اور کسی کارِ خیر کے لیے کوئی چندہ لینے پہنچ جائے تو صاحب مال سو، دوسو کے لیے بار بار اپنے حساب کی جانچ پڑتال کرتا ہے اور مانگنے والے کو بسا اوقات کئی کئی بار دوڑاتا اور پلٹاتا ہے لیکن یہی شخص سینما، ٹیلی ویژن، شراب، شادی بیاہ، مقدمے بازی اور دیگر لغویات کے جال میں پھنستا ہے تو اپنا مال بے تحاشا خرچ کرتا ہے اور اس سے کسی قسم کی ہچکچاہٹ اور تردد کا ظہور نہیں ہوتا۔ (احسن البیان)

شیطان کی انسان سے دشمنی روزِ اول ہی سے ہے، جب رب کریم نے انسان کو خلافت فی الارض کے رتبہ پر سرفراز کیا تو وہ جل بھن اٹھا اور کہنے لگا۔

﴿وَّ لَاُضِلَّنَّهُمْ وَ لَاُمَنِّیَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُبَتِّکُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ وَ مَنْ یَّتَّخِذِ الشَّیْطٰنَ وَ لِیًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِیْنًا﴾

(النساء:٤/١١٩)

میں انہیں بہکاؤں گا، میں انہیں آرزوؤں میں الجھاؤں گا، میں انہیں حکم دوں گا کہ وہ میرے حکم سے جانوروں کے کان پھاڑیں گے اور میں ان سے کہوں گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑ دیں، سنو! جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رفیق بنائے گا وہ

صریح نقصان میں ڈوبے گا۔

مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں:

﴿وَلَاُضِلَّنَّهُمْ وَ لَاُ مَنِّيَنَّهُمْ﴾ انسانوں کے عقائد اور بنیادی خیالات کو بھی ڈگمگا دوں گا اور ان کے نفسانی جذبات اور خواہشات کو بھی ابھاروں گا...... گمراہیاں دو ہی طریقوں سے آ سکتی ہیں اور انسان شیطانی اثر دو ہی شکلوں سے قبول کر سکتا ہے، ایک عقل وفکر کی راہ ہے، دوسرے جذبات و احساسات کا راستہ، قرآن مجید کے دو جامع لفظوں نے ان سب کا احاطہ کر لیا، ضلال کے تحت ہر قسم کی عقلی، فکری، نظری گمراہیاں آ گئیں اور تمنّٰی کے تحت میں معاصی وفواحش کی جانب میلان اور نظر سے ان کی مضرّتوں کا غائب ہو جانا آ گیا۔ (تفسیر ماجدی)

﴿وَلَاٰ مُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ﴾

یہ بحیرہ اور سائبہ جانوروں کی علامتیں اور صورتیں ہیں، مشرکینِ عرب ان کو بتوں کے نام وقف کرتے تو شناخت کے لیے ان کا کان چیر دیتے تھے۔ (احسن البیان)

﴿وَلَاٰ مُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ﴾

(اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدلنا) کی کئی صورتیں بیان کی گئی ہیں، ایک تو یہی جس کا اوپر ذکر ہوا، یعنی کان وغیرہ کاٹنا، چیرنا، سوراخ کرنا، اُن کے علاوہ اور کئی صورتیں ہیں...... مثلاً اللہ تعالیٰ نے چاند، سورج، پتھر اور آگ وغیرہ اشیاء مختلف مقاصد کے لیے بنائی ہیں لیکن مشرکین نے اُن کے مقصدِ تخلیق کو بدل کر ان کو معبود بنا لیا، یا تغییر کا مطلب تغیرِ فطرت ہے یا حلت وحرمت میں تبدیلی ہے وغیرہ، اسی تغیر میں مردوں کی نس بندی کر کے اور اسی طرح عورتوں کے آپریشن کر کے انہیں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم کر دینا، میک اپ کے نام پر ابروؤں کے بال وغیرہ اکھاڑ کر اپنی صورتوں کو مسخ کرنا اور وشم (یعنی گودنے گدوانا) وغیرہ بھی شامل ہے یہ سب شیطانی کام ہیں (اور دور حاضر کی تہذیب کی علامتیں ہیں) جن سے بچنا اہل ایمان کے لیے ضروری ہے۔

گمراہی کے اسباب اور ان کا علاج

رب کریم کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ﴾ (البينة: ٩٨/٤،٥)

پہلے جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی ان میں تفرقہ برپا نہیں ہوا مگر اس کے بعد ان کے پاس (دین اسلام کا) بیان واضح آ چکا تھا اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں، اپنے دین کو اسی کے لیے خالص کر کے، بالکل یکسو ہو کر (زندگی کے ہر ہر معاملے میں احکامِ الٰہی کی سنتِ نبویؐ کے مطابق پیروی کی جائے) اور نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ دیں، یہی نہایت صحیح و درست دین ہے۔

سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

''یعنی اس سے پہلے اہل کتاب جو مختلف گمراہیوں میں بھٹک کر بے شمار فرقوں میں بٹ گئے، اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے ان کی رہنمائی کے لیے دلیل روشن بھیجنے میں کوئی کسر اٹھا رکھی تھی بلکہ یہ روش انہوں نے اللہ کی جانب سے رہنمائی آ جانے کے بعد (شیطان اور نفس) کی خواہشات کی پیروی میں اختیار کی تھی جس کے وہ خود ذمہ دار تھے۔'' (مختصر حواشی)

اس آیتِ مبارکہ سے مندرجہ ذیل باتوں کا پتہ چلتا ہے:

ا) اللہ تعالیٰ (رب کائنات) کی عبادت ہی کا ہمیشہ سے انسانوں کو حکم ملا ہے اور عبادت کا معنی اللہ تعالیٰ کی ہمہ وقت غلامی ہے۔

ب) ''حنیف'' کے معنی مائل ہونا، یکسو ہونا، اس کی جمع حنفاء ہے، یعنی ہر قسم کی گمراہی اور باطل خواہش سے منہ موڑ کر حق کی طرف آنا، اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کو اپنانا شرک سے بیزاری کا اعلان کر کے توحید کا اقرار کرنا کفر اور نفاق کا راستہ چھوڑ کر ایمان اور اخلاص کی راہ اختیار کرنا شیطان کی

ہر بات کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو دل و جان سے ماننا جیسا کہ حکم ہوتا ہے:

﴿وَ اَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (یونس:۱۰/۱۰۵)

(اے نبیؐ) یکسو ہو کر اپنے آپ کو ٹھیک ٹھیک اس دین پر قائم کر دو اور ہرگز ہرگز مشرکوں میں سے نہ ہو۔

سیدنا ابراہیمؑ کے بارے میں آتا ہے:

﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا وَ لَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (النحل:۱۶/۱۲۰)

(حقیقت یہ ہے کہ) سیدنا ابراہیمؑ اپنی ذات سے ایک اُمت تھے (کہ کفر و شرک کے پورے ماحول میں تن تنہا ڈنکے کی چوٹ توحید کا برملا اعلان کرنے والے تھے) اللہ کے مطیع فرمانبردار اور یکسو تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔

جب کوئی بندۂ مومن شرک و کفر سے بیزاری کا اعلان کر کے توحید اور اسلام کی نعمت سے بہرہ ور ہو جاتا ہے تو اس کا دل آقا و مولا کی ان گنت نعمتوں پر شکر کے جذبات سے لبریز ہو جاتا ہے اور سب سے بڑی نعمت اس کی جانب سے نعمت اسلام ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے اس کی دنیا و آخرت سنور جاتی ہے، سیدنا ابراہیمؑ کے بارے میں قرآن اعلان کرتا ہے:

﴿شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ اِجْتَبٰهُ وَ هَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَ اٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَ اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ (النحل:۱۶/۱۲۱-۱۲۲)

"(سیدنا ابراہیمؑ) اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے تھے، اللہ نے ان کو (نبوت) کے لیے منتخب کر لیا اور (ایمان) کا سیدھا راستہ دکھایا، دنیا میں ان کو بھلائی دی اور آخرت میں یقیناً صالحین میں سے ہوں گے۔"

اور سیدھا راستہ (خطِ مستقیم) ایک ہی ہو سکتا ہے اور وہ صرف ایمان و اسلام کا راستہ یہی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا راستہ ہے دنیا اور آخرت کی کامیابی اس راہ پر چلنے سے ہو گی اس کے علاوہ جو راہ بھی ہے گمراہی اور بربادی کی راہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ

ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (الانعام:١٥٣/٦)

اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی، اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے کہ تم کج روی سے بچو (تاکہ تم دنیا و آخرت میں کامیاب ہو جاؤ)۔

حق اور باطل کو، کفر اور اسلام کو، نیکی اور بدی کو، ظلم اور عدل کو غرضکہ ہر خیر اور ہر شر کو واضح کر دیا گیا ہے اور انسان کو اچھی یا بری راہ اختیار کرنے پر بااختیار بنا دیا گیا ہے۔ پس اب جو کوئی راہِ راست کو اپنائے گا وہ فوز و فلاح سے ہمکنار ہوگا اور جس نے راہِ راست کو چھوڑ دیا تباہ و برباد ہوگا، رب کریم نے نفسِ انسانی کو اپنی قدرتِ کاملہ پر شاہد ٹھہرایا ہے اور قسم بمعنی شہادت کے ہیں۔

﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ○ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ○ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ○ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾ (الشمس:٩١/٧-٢٠)

قسم ہے نفس کی اور اسے درست بنانے کی (اللہ تعالیٰ نے جسم کے ہر حصے کو مناسب اور خوشنما بنایا) اور اِس دِل میں بدی اور پرہیزگاری ڈال دی یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اسے خاک میں ملا دیا۔

ایک اور مقام پر اس طرح فرمایا:

﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾ (الدھر:٣/٧٦)

(رب کریم کا ارشاد ہے) ہم نے اسے (یعنی انسان) کو راستہ دکھا دیا، خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔

اللہ تعالیٰ نے ہی اس تمام کائنات کو پیدا کیا پھر اس میں متضاد صفات و خصوصیات کی حامل مخلوقات اور اشیاء کو پیدا کیا...... ایک طرف روشنی پیدا کی، دوسری طرف اس نے اندھیرا بھی پیدا کیا، پہاڑ بنائے تو پستیاں بھی بنائیں، آسمان بنائے تو زمین کو بھی بنایا، گرمی کے ساتھ سردی، امیری کے ساتھ غریبی، عقلمندی کے ساتھ بیوقوفی، بہادری کے ساتھ بزدلی، ایمانداری کے ساتھ بے ایمانی، سچ کے ساتھ جھوٹ، نرم دلی کے ساتھ سخت مزاجی، عاجزی و خاکساری کے ساتھ فخر و غرور اور خیر کے ساتھ شر

کو بھی پیدا فرمایا، خیر و بھلائی پھیلانے کے لیے فرشتے بنائے اور اس کے بعد انبیائے کرام کا سلسلہ چلایا جن کی پاک زندگیاں انسانوں کے لیے نمونہ بنیں اور خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کو نسلِ انسانیت کے لیے تا قیامت نمونہ بنا دیا، جبکہ شیطان (ابلیس) اور اس کے ساتھیوں کو شر پھیلانے کا سرغنہ قرار دیا، اب انسان کا سراسر امتحان ہے کہ وہ اچھائیوں اور بھلائیوں کا راستہ اختیار کرتا ہے یا برائیوں اور بے حیائیوں کی راہ پر چلتا ہے اگر وہ خیر کی راہ کو اپناتا ہے تو اس کا شمار ابرار و صالحین میں ہے اور اُس کو حیاتِ ابدی کی نوید ہے اور نیک لوگوں کے ساتھ جنت (باغ و بہار) اس کا ٹھکانہ ہے او اگر وہ شر کا راستہ اختیار کرتا ہے تو اسے برے عذاب کی دردناک خبر ہے۔ جو شیطان اور اس کے ساتھیوں کے رہنے کا مقام ہے۔ ہم نماز کی ہر رکعت میں اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعا کرتے ہیں:

﴿اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۝ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَ لَا الضَّآلِّيۡنَ﴾ (الفاتحہ:۱/۶-۷)

اے اللہ! ہمیں سیدھی اور سچی راہ پر چلا، ان لوگوں کی جن پر تیرا انعام ہوا (وہ انبیائے کرام، صدّیقین، شہدا اور صالحین ہیں) اور ان کی نہیں جن پر غضب کیا گیا (وہ لوگ جنہوں نے حق کو پہچانا مگر اس پر عمل پیرا نہیں ہوئے) اور نہ گمراہوں کی (یعنی وہ لوگ جو جہالت کے سبب راہِ حق سے برگشتہ ہو گئے)۔

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اس طرح خوشخبری عطا فرماتا ہے:

﴿اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا يُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ﴾ (البقرہ:۲/۲۵۷)

جو لوگ ایمان لاتے ہیں ان کا حامی اور مددگار اللہ ہے، وہ ان کو (کفر و ظلم) کی تاریکیوں سے (ایمان و عدل) کی روشنی میں لاتا ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَيۡهِمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّةِ الَّتِىۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ۝ نَحۡنُ اَوۡلِيٰٓـؤُكُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَفِى الۡاٰخِرَةِ وَلَكُمۡ فِيۡهَا مَا تَشۡتَهِىۡۤ اَنۡفُسُكُمۡ وَلَكُمۡ فِيۡهَا مَا تَدَّعُوۡنَ ۝ نُزُلًا مِّنۡ غَفُوۡرٍ رَّحِيۡمٍ﴾ (حٰمٓ السجدہ:۴۱/۳۰-۳۳)

جن لوگوں نے کہا اللہ ہی ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے یقیناً اُن پر (بوقتِ موت) فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اور اُن سے کہتے ہیں کہ "نہ ڈرو، نہ غم کرو اور خوش ہو جاؤ اس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی، وہاں جو کچھ تم چاہو گے تمہیں ملے گا اور ہر چیز جس کی تم تمنا کرو گے وہ تمہاری ہو گی (ظاہر ہے کہ اہل ایمان ہر خیر اور بھلائی کی آرزو کریں گے) یہ ہے سامانِ ضیافت اس ہستی کی طرف سے جو غفور اور رحیم ہے۔

منکرینِ حق کا انجام

قرآن حکیم اُن کی کوششوں کا اور ان کے انجام کا تذکرہ اس طرح کرتا ہے:

﴿وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (البقرہ:۲/۲۵۷)

اور جو لوگ کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں ان کے حامی اور مددگار طاغوت (ہر شیطان اور سرکش راہیں) ہیں وہ انہیں روشنی سے تاریکیوں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں، یہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

﴿فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ۝ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ۝﴾ (الشعراء:۲۶/۹۴-۹۵)

پس سب اوپر تلے جہنم میں ڈال دیے جائیں گے اور ابلیس کے تمام کے تمام لشکر بھی۔

انسان کا سب سے بڑا دشمن ابلیس (شیطان) ہے، شیطان عربی میں متمرّد اور سرکش کو کہتے ہیں خواہ وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے ہو، جیسا کہ قرآن حکیم میں آتا ہے:

﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَ مَا يَفْتَرُوْنَ﴾ (الانعام:۶/۱۱۲)

(رب کریم کا ارشاد ہے) اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کیے تھے کچھ آدمی اور کچھ جنوں میں سے، بعض بعضوں کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہے

ہیں تا کہ ان کو دھوکہ اور فریب میں مبتلا کر دیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ ایسے کام نہ کر سکتے، پس آپ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں کہ اپنی افترا پردازیاں کرتے رہیں۔

حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

''یہ وہی بات ہے جو مختلف انداز میں رسول اللہ ﷺ کی تسلی کے لیے فرمائی گئی ہے کہ آپ سے پہلے جتنے بھی انبیاء گزرے ان کی تکذیب کی گئی، انہیں ایذائیں دی گئیں وغیرہ وغیرہ، مقصود یہ ہے کہ جس طرح انہوں نے صبر اور حوصلے سے کام لیا، آپ بھی ان دشمنانِ حق کے مقابلے میں صبر و استقامت کا مظاہرہ فرمائیں، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیطان (ابلیس) کے پیروکار جنوں میں سے بھی ہیں اور انسانوں میں سے بھی اور یہ وہ ہیں جو دونوں گروہوں میں سے سرکش، باغی نافرمان اور متکبر قسم کے ہیں۔

''وَحْیٌ'' خفیہ بات کو کہتے ہیں (شیاطین کا ٹولہ) انسانوں اور جنوں کو گمراہ کرنے کے لیے ایک دوسرے کو چالبازیاں اور حیلے سکھاتے ہیں تا کہ لوگوں کو دھوکے اور فریب میں مبتلا کر سکیں، یہ بات عام مشاہدے میں بھی آتی ہے کہ شیطانی کاموں میں لوگ ایک دوسرے کے ساتھ خوب بڑھ چڑھ کر تعاون کرتے ہیں جس کی وجہ سے برائی بہت جلدی فروغ پا جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان شیطانی ہتھکنڈوں کو ناکام بنانے پر قادر ہے۔ لیکن وہ بالجبر ایسا نہیں کرے گا کیونکہ ایسا کرنا اُس کے نظام اور اصول کے خلاف ہے جو اُس نے اپنی مشیت کے تحت اختیار کیا ہے جس کی حکمتیں وہ بہتر جانتا ہے۔

(اور اس سے اگلی آیت میں یہ بتایا گیا) شیطانی وساوس کا شکار وہی لوگ ہوتے ہیں اور وہی اسے پسند کرتے ہیں اور اس کے مطابق عمل کرتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ جس حساب سے لوگوں کے اندر عقیدۂ آخرت کے بارے میں ضعف پیدا ہو رہا ہے، اسی حساب سے لوگ شیطانی جال میں پھنس رہے ہیں۔ (احسن البیان)

<u>شیاطین کا سربراہ (ابلیس) جنوں میں سے ہے:</u>

لغت میں جن کے معنی پوشیدہ کے ہیں، لفظ جن دو حروف ج اور ن پر مشتمل ہے جس میں

پوشیدگی کے معنی پائے جاتے ہیں، چنانچہ لغت میں جنت سے مراد وہ باغ ہے جس کی زمین درختوں کی وجہ سے نظر نہ آئے جنون (دیوانگی) کو اس لیے جنون کہتے ہیں کہ وہ عقل کو ڈھانپ لیتا ہے اور جنین وہ بچہ جو رحمِ مادر میں پوشیدہ ہوتا ہے، اسی طرح قبر کو جنین اس لیے کہتے ہیں کہ یہ دفن ہونے والے کو ڈھانپ لیتی ہے ''جنان اللیل'' سخت تاریکی اور جِنّ وہ مخلوق ہے جس کو رب کائنات نے اس طرح بنایا ہے کہ وہ انسانی نظروں سے اوجھل رہتی ہے۔

''ابلیس'' شیاطین کے سردار کا نام ہے اور یہ جنوں میں سے تھا، یہ لفظ اِبْلاس ہے جس کے معنی سخت نا امیدی کے باعث غمگین ہونے کے ہیں، چونکہ یہ نافرمانی اور تکبر کے باعث اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوا اور دھتکار دیا گیا، اس نا امیدی اور غم سے ابلیس کہلایا، جیسا کہ قرآن حکیم میں آتا ہے:

﴿وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا﴾ (الکہف: ۱۸/ ۵۰)

(رب کریم کا ارشاد ہے) اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم آدم کو سجدہ (تعظیمی) کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، یہ جنوں میں سے تھا، اُس نے اپنے رب کی نافرمانی کی، کیا پھر بھی تم اسے اور اس کی ذریّت کو مجھے چھوڑ کر اپنا سرپرست بناتے ہو؟ حالانکہ وہ تم سب کا دشمن ہے، ایسے ظالموں کا کیا ہی برا بدل ہے۔

اس آیتِ مبارکہ سے یہ حقائق سامنے آتے ہیں۔

۱- انسان کو اللہ تعالیٰ نے عز و شرف سے نوازا اور زمین پر اپنی خلافت کے رتبہ پر سرفراز کیا، جیسا کہ ﴿اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَة﴾ سے معلوم ہوتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی اس زمین پر اس کے احکام کو جاری و ساری کرے، پھر ارشاد ہوا: ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ﴾ ہم نے آدم کی اولاد کو عزت و تکریم سے نوازا، اور اسے علوم سے بہرہ ور فرمایا: ﴿وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا﴾ اور پڑھنا لکھنا اس کی زندگی کا حصہ بنا دیا ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ﴾ یہ پہلی وحی ہے جو خاتم النبیّین محمد رسول اللہ ﷺ

پر نازل ہوئی۔

۲- اس آیتِ کریمہ سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ابلیس (شیطان) فرشتہ نہیں تھا، فرشتہ اگر ہوتا تو حکمِ الٰہی سے سرتابی کی اسے مجال ہی نہ ہوتی، اس لیے کہ فرشتوں کی صفت اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمائی ﴿لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ وہ اللہ کے حکم کی نافرمائی نہیں کرتے اور وہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ (التحریم:٦٦/٦)

اگر وہ فرشتہ نہیں تھا تو پھر اللہ کے حکم کا وہ مخاطب ہی نہیں تھا کیونکہ اس کے مخاطب تو فرشتے تھے، انہیں کو سجدے کا حکم دیا گیا تھا صاحبِ روح المعانی نے کہا ہے کہ وہ فرشتہ یقیناً نہیں تھا لیکن وہ فرشتوں کے ساتھ ہی رہتا تھا اور ان میں ہی شمار ہوتا تھا (معلوم ہوتا ہے کہ بہت زیادہ عبادت و ریاضت کی وجہ سے اس نے فرشتوں کی صف میں جگہ پائی تھی) (بحوالہ احسن البیان)

۳- اس آیتِ کریمہ نے صراحت بھی کر دی ہے کہ وہ جنّوں میں سے تھا اور جنوں کی تخلیق آگ سے ہوئی ہے، جیسا کہ اس آیت سے پتہ چلتا ہے (رب کریم کا ارشاد ہے) ﴿وَ الْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ﴾ (الحجر:١٥/٢٧)

(اور انسان کی تخلیق سے پہلے) جنوں کو ہم آگ کی لپٹ سے پیدا کر چکے تھے جس طرح انسان کو رب کریم نے خاک سے بنایا اور یہ گوشت پوست کا ڈھانچہ ہے، اسی طرح آگ کی لپٹ (شعلے) کی بھی کوئی شکل ہے جسے اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

قرآن حکیم سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ انسان کی طرح جن بھی مکلّف مخلوق ہے، یعنی انسان اور جن دونوں رب تعالیٰ کی بندگی کے لیے پیدا کیے گئے اور روزِ قیامت ان دونوں کا حساب کتاب ہو گا، اور ان کے لیے جزا و سزا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (الذاریات:٥١/٥٦)

(رب کریم کا ارشاد ہے) میں نے جنوں اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں (پوری زندگی رب کریم کی اطاعت اور فرمانبرداری میں گزار دیں)

جس طرح انسانوں میں مسلم اور کافر، نیک و بد لوگ موجود ہیں اسی طرح جنوں میں یہ دونوں گروہ پائے جاتے ہیں۔

قرآن حکیم کی سورہ ''الجن'' سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قراءت سن کر جنوں کی ایک جماعت ہمہ تن گوش ہوگئی اور وہ لوگ اس کلامِ دل پذیر سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ایمان ان کے دلوں میں جاگزین ہوگیا اور وہ اپنی قوم کو اس کی دعوت دینے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''(اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیں کہ مجھے وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (قرآن) سنا اور کہا کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو راہ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے، ہم اس پر ایمان لا چکے (اب) ہم ہرگز کسی کو بھی اپنے رب کا شریک نہ بنائیں گے۔'' (سورة الجن:۷۲/۱-۲)

اور اس بات کا ذکر ''سورۃ الاحقاف'' میں اس طرح آتا ہے:

''اور یاد کرو! جبکہ ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو آپ کی طرف متوجہ کیا کہ وہ قرآن سنیں، پس جب (نبی ﷺ کے) پاس پہنچ گئے تو (ایک دوسرے سے) کہنے لگے خاموش ہو جاؤ پھر جب وہ پڑھا جا چکا تو اپنی قوم کو خبردار کرنے کے لیے واپس لوٹ گئے اور (اُن سے) کہنے لگے اے ہماری قوم! ہم نے یقیناً وہ کتاب سنی ہے جو موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد نازل کی گئی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو سچے دین (یعنی دین اسلام کی اور راہ راست کی (جو جنت کی طرف لے جاتا ہے) رہنمائی کرتی ہے، اے ہماری قوم! اللہ کے بلانے والے (نبی ﷺ) کا کہا مانو، اس پر ایمان لاؤ، تو اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں المناک عذاب سے پناہ دے گا اور جو شخص اللہ کے بلانے والے کا کہا نہ مانے گا پس وہ زمین میں کہیں (بھاگ کر اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتا اور نہ اللہ کے سوا کوئی اس کا مددگار ہوگا (جو اسے اللہ کے عذاب سے بچالے) یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

''صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مکہ کے قریب نخلہ وادی میں پیش آیا جہاں آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ جنوں کو تجسس تھا کہ آسمان میں ہم پر بہت زیادہ سختی کر دی گئی ہے اور اب ہمارا وہاں جانا تقریباً ناممکن بنا دیا گیا ہے، کوئی بہت ہی اہم واقعہ رونما ہوا ہے، جس کے نتیجے میں ایسا ہوا ہے، چنانچہ مشرق و مغرب کے مختلف اطراف میں جنوں کی ٹولیاں

واقعے کا سراغ لگانے کے لیے پھیل گئیں، ان میں سے ایک ٹولی نے یہ قرآن سنا اور یہ بات سمجھ لی کہ نبی ﷺ کی بعثت کا یہ واقعہ ہی ہم پر آسمان کی بندش کا سبب ہے اور جنوں کی یہ ٹولی آپ پر ایمان لے آئی اور جا کر اپنی قوم کو بھی بتایا۔ (مسلم، کتاب الصارة، بحواله احسن البيان)

بعض دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد آپ ﷺ جنوں کی دعوت پر ان کے ہاں بھی تشریف لے گئے اور انہیں جا کر اللہ کا پیغام سنایا اور متعدد مرتبہ جنوں کا وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ (فتح الباری، تفسیر ابن کثیر، بحواله احسن البيان)

اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ آپ ﷺ کی نبوت نہ صرف نسلِ انسانیت کے لیے ہے بلکہ جنوں کی طرف بھی ہے۔ اس لیے قرآن اعلان کرتا ہے:

﴿وَ مَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا﴾ (سبا:٣٤/٢٨)

(رب کریم کا ارشاد ہے) اور (اے نبیؐ) ہم نے آپ کو تمام ہی انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

دراصل انسان بمعنی عبد (بندے) کے ہے اور کائنات میں ہر چیز معبود برحق کے حضور بندے کی حیثیت رکھتی ہے:

﴿اِنۡ کُلُّ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ اِلَّاۤ اٰتِی الرَّحۡمٰنِ عَبۡدًا﴾ (مریم:١٩/٩٣)

زمین و آسمان کے اندر جو بھی ہیں سب اس کے حضور بندوں کی حیثیت سے پیش ہونے والے ہیں۔

۴۔ (سورۃ الکھف:۱۸/۵۰) یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ابلیس اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور تکبر کی وجہ سے مردود اور لعین قرار پایا اور اس کی گزشتہ عبادت و ریاضت ضائع ہوگئی۔

جیسا کہ اس سے پہلے بتایا جا چکا ہے، گمراہی پھیلانے میں ابلیس (شیطان) سب سے آگے ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ تمام برائیوں اور بے حیائیوں کا سرغنہ اور سردار وہی ہے۔ یہ جنوں میں سے تھا اور جنات کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی بندگی کے لیے پیدا فرمایا۔ جنات کی تخلیق آگ سے ہوئی جبکہ انسانوں کو خاک سے پیدا کیا گیا۔ ابلیس اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ عبادت و ریاضت کی بنا پر فرشتوں

(ملائکہ) کی صف میں شامل ہو چکا تھا۔

جب اللہ تعالیٰ نے انسان (آدم علیہ السلام) کو پیدا فرمایا تو ملائکہ کو حکم ہوا کہ آدم کی عزت بجا لاؤ اس لیے کہ اسے زمین پر خلافت و نیابت کی ذمہ داری سونپی جا رہی ہے۔ فرشتے حکم الٰہی کو بجا لائے جبکہ ابلیس نے اس وجہ سے انکار کر دیا کہ اس کی پیدائش آگ سے ہوئی کہ جس کا شعلہ فضا میں بلند ہوتا ہے اور انسان کی تخلیق خاک سے ہوئی ہے جو زمین پر بیٹھ جاتی ہے۔

﴿قَالَ مَا مَنَعَکَ اَلَّا تَسۡجُدَ اِذۡ اَمَرۡتُکَ قَالَ اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡهُ خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ وَّ خَلَقۡتَهٗ مِنۡ طِیۡنٍ﴾ (الاعراف:۷/۱۲)

(اللہ تعالیٰ نے پوچھا) ''اے ابلیس! تجھے کس چیز نے سجدہ (تعظیمی) کرنے سے روکا جبکہ میں نے تجھ کو حکم دیا تھا؟'' بولا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے (آدم علیہ السلام کو) خاک سے۔

اس تکبر و غرور، نافرمانی اور حکم عدولی کے باعث ابلیس اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے نکال دیا گیا، قرآن حکیم میں اس بات کا تذکرہ اس طرح آیا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اچھا تو یہاں سے نیچے اتر، تجھے حق نہیں ہے کہ یہاں رہ کر تکبر کرے، سو نکل جا کہ درحقیقت تو ان لوگوں میں سے ہے جو خود اپنی ذلت چاہتے ہیں۔'' بولا ''(اے اللہ) مجھے اس دن تک مہلت دیجیے جبکہ یہ سب دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔'' فرمایا: ''تجھے مہلت'' بولا: ''تو جس طرح آپ نے مجھے گمراہی میں مبتلا کیا ہے، میں بھی اب آپ کی سیدھی راہ پر انسانوں کی گھات میں لگا رہوں گا، آگے اور پیچھے، دائیں اور بائیں، ہر طرف سے ان کو گھیروں گا اور آپ ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائیں گے۔'' فرمایا: نکل جا یہاں سے ذلیل اور ٹھکرایا ہوا، یقین رکھ کہ ان میں سے جو تیری پیروی کریں گے، تجھ سمیت ان سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔ ابلیس کو اللہ تعالیٰ نے یہ ڈھیل اور مہلت کیوں دی؟ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکمت ہے جسے وہی بہتر جانتا ہے، بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی آزمائش کرنا چاہتا ہے کہ کون اس کے احکام کی پیروی کرتا ہے۔ اور کون شیطان کے بہکاوے میں آتا ہے، جو احکامِ الٰہی کی سنتِ نبویؐ کے مطابق پیروی کرتے ہیں ان کے

لیے آخرت میں فوز و فلاح اور ابدی باغ و بہار جنت کی شکل میں ہے اور جو شیطان کے راستے پر چلتے ہیں تو ان کے لیے آخرت میں دائمی ذلت وخواری دوزخ کی شکل میں ہے۔

(ترجمہ: الاعراف:١٤ تا ١٨)

ابلیس کے کفر کو قرآن حکیم اس طرح بیان کرتا ہے:

(رب کریم کا فرمان ہے) ''پھر جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدمؑ کو سجدہ (تعظیمی) کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ (تعظیمی) کیا، اُس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں ہو گیا، معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے منہ موڑنا کفر ہے اور تکبر وغرور میں آنا اُس سے بھی برا ہے جس کا انجام ذلت وخواری ہے۔

شیطان اور اس کے ہمنوا:

شیطان (ابلیس) نے جنوں اور انسانوں میں سے اپنے دوست اور ہمنوا بنانے شروع کیے اور شیاطین کا یہ لشکر (جو جنات اور انسانوں پر مشتمل ہے) لوگوں میں ہر برائی اور ہر بے حیائی، مکر و فریب، فتنہ اور فساد غرضکہ ہر قسم کے شر اور فساد پھیلانے میں مصروف رہتا ہے، مثلاً ان کے چند مکر و فریب اس طرح دیکھے جا سکتے ہیں۔

نفاق کا راستہ اختیار کرنا:

جب یہ منافق (اہل ایمان سے ملتے ہیں) تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اور جب (علیحدگی میں) اپنے شیاطین سے ملتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ اصل میں تو ہم تمہارے ساتھ ہیں اور ان لوگوں (یعنی اہل ایمان سے) محض مذاق کر رہے ہیں۔ (ترجمۃ البقرہ:٢/١٤)

یہاں پر شیاطین سے مراد انسانوں کے گمراہ لوگ (سردارانِ قریش اور یہودی) ہیں۔

جوا اور شراب

''اے ایمان والو! یہ شراب اور جوا اور تھان (بت) اور فال نکالنے کے پانسے کے تیر، یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے پرہیز کرو، امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہو گی، شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں

اللہ تعالیٰ کی یاد اور نماز سے روک دے، پھر کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے؟

(ترجمہ سورۃ المائدہ:۵/۹۰-۹۱)

مندرجہ بالا فتنوں میں شیطان نے لوگوں کو اس لیے مبتلا کیا ہے کہ ان میں لگا کر تمہارے درمیان برابر دشمنی اور انتقام کی آگ بھڑکاتا رہے، تمہیں حیا اور اخلاق سے دور لے جائے اللہ تعالیٰ کی بندگی سے روک دے جس کے نتیجے میں تمہاری دنیا اور آخرت تباہ و برباد ہو جائے۔

بے حیائی کی طرف لگانا

شیطان کی سب سے بڑی چال انسانوں کے خلاف انہیں برائی اور بے حیائی کی طرف لگانا ہے، رب کریم نے لوگوں کے لیے زندگی گزارنے کا صاف ستھرا راستہ تجویز فرمایا ہے اور وہ نکاح کا راستہ ہے جس سے معاشرتی زندگی میں بے حیائی کے تمام دروازے بند ہو جاتے ہیں جبکہ شیطان اس سیدھی اور سچی راہ سے ہٹانا چاہتا ہے۔

﴿اِنَّمَا یَاْمُرُکُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ الْفَحْشَآءِ وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

(البقرہ:۲/۱۶۹)

(شیطان) تمہیں بدی اور فحاشی کا حکم دیتا ہے اور یہ سکھاتا ہے کہ تم اللہ کے نام پر وہ باتیں کہو جن کے متعلق تمہیں علم نہیں ہے۔

"سُوْٓ" کا لفظ بدی اور گناہ کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ شرک و کفر، جھوٹ، مکر وغیرہ جب کہ فحشا کا لفظ کھلی ہوئی بدکاری اور بے حیائی کے لیے آتا ہے، جیسا کہ زنا اور لواطت وغیرہ، یعنی شیطان نکاح اور حیا کے راستے سے نکال کر بدکاری اور بے حیائی کی طرف مائل کرتا ہے اور دورِ حاضر میں ڈش اور ٹی وی پر تہذیبِ جدید کے نام پر اس نے حیاسوز مناظر دلکش انداز میں پیش کر دیے ہیں، جو لوگ شرم و حیا کو چھوڑ کر شیطان کے بہکاوے میں آتے ہیں یقیناً سب بڑے خسارے میں ہیں:

﴿وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف من گھڑت بات منسوب کرنا، مثلاً یہ کہنا کہ اللہ نے فلاں اور فلاں کو اپنا ساجھی اور شریک قرار دیا ہے یا بغیر کسی سند کے یہ دعویٰ کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں فلاں قسم کی چیزیں حرام ٹھہرائی ہیں، شرک و بت پرستی کی تمام راہیں

شیطان نے لوگوں کو وسوسوں کے ذریعے ان کے دلوں میں ڈالی ہیں۔

سورۃ نوح کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا نوح علیہ السلام کے دورِ نبوت میں پانچ نیک لوگ تھے جن کے نام ودّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر تھے، جب یہ فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کے عقیدت مندوں کو کہا کہ ان کی تصویریں بنا کر تم اپنے گھروں اور دکانوں میں رکھ لو تا کہ اُن کی یاد تازہ رہے اور اُن کے تصور سے تم بھی اُن کی طرح نیکیاں کرتے رہو، جب یہ تصویریں بنا کر رکھنے والے فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی نسلوں کو یہ کہہ کر شرک میں ملوث کر دیا کہ تمہارے آبا تو ان کی عبادت کرتے تھے جن کی تصویریں تمہارے گھروں میں لٹک رہی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ان کی پوجا شروع کر دی۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ نوح، بحوالہ احسان البیان)

مشرکینِ عرب کو بھی شیطان نے یہی بات سجھا دی تھی کہ انہوں اپنے بزرگوں کے مجسمے (اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ گھر) میں سجا دیے تھے جب ان سے پوچھا جاتا کہ تم ان کی بندگی کیوں کرتے ہو تو جواب میں کہتے:

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّ بُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾

ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ (بزرگ) اللہ تک ہماری رسائی کرا دیں۔

اس سے یہ بات واضح ہے کہ مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ ہی کو خالق، رازق اور مدبّرِ کائنات مانتے تھے، پھر وہ دوسروں کی عبادت کیوں کرتے تھے؟ اس کا جواب وہ یہ دیتے تھے جو قرآن نے یہاں نقل کیا ہے کہ شاید ان کے ذریعے سے ہمیں اللہ کا قرب حاصل ہو جائے یا اللہ کے ہاں یہ ہماری سفارش کر دیں۔ (بحوالہ احسن البیان)

قرآن حکیم نے مشرکین عرب کے اس فعل کو شرک قرار دیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے یہاں نا قابل معافی جرم ہے۔ وہ تنہا اس کائنات کا خالق و مالک ہے اور ہر بندے کی پکار بلکہ کائنات میں ہر جاندار کی پکار کو بیک وقت سنتا اور جواب دیتا ہے۔

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾

(البقرہ:٢/١٨٦)

(اے نبی) میرے بندے اگر آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو انہیں بتا دیجیے کہ میں ان سے قریب ہی ہوں، (زمین و آسمان میں) پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے میں اس کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہوں۔

وہ مالک تو ہر نفس میں پیدا ہونے والے وساوس سے آگاہ ہے اور ہماری رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہے۔

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ (ق: ۵۰/۱۶)

”(رب کریم کا ارشاد ہے) ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں ابھرنے والے وسوسوں تک کو ہم جانتے ہیں، ہم اس کی رگِ جان سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔“

یہ انسانوں کی بہت بڑی خطا ہے کہ اس خالق و مالک کو چھوڑ کر محض شیطان کے بہکاوے میں آ کر دوسروں کو پکاریں جبکہ یہ جسم و جان اور تمام نعمتیں صرف اور صرف اسی کی عطا کردہ ہیں۔

انسان کا سب سے بڑا دشمن شیطان ہے، اس کا اصل نام ابلیس ہے، یہ جنات میں سے ہے، بہت زیادہ عبادت و ریاضت کی وجہ سے اس کا شمار فرشتوں کی صف میں ہونے لگا، تخلیقِ آدمؑ پر رب کریم نے فرشتوں کو سیدنا آدم ﷺ کے لیے سجدہ تعظیمی کا حکم دیا، تمام فرشتوں نے اس حکم کی تعمیل کی مگر ابلیس تکبر و غرور میں آ گیا اور اس نے حکم ماننے سے انکار کر دیا اور وہ کافروں میں ہو گیا۔

﴿وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (البقرہ: ۲/۳۴)

(رب کریم کا ارشاد ہے) پھر جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے تعظیم کے لیے جھک جاؤ تو سب جھک گئے مگر ابلیس نے انکار کیا اور وہ اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں پڑ گیا اور نافرمانوں میں شامل ہو گیا۔

معلوم ہوا کہ عبادت حکم الٰہی کو ماننے کا نام ہے اور اس حکم کو ٹھکرانے پر کفر (انکار) لازم آتا ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے یہاں سخت سزا ہے، اپنی سرکشی اور غرور کی وجہ سے یہ شیطان کہلایا اور ہر سرکش

اور نافرمان شخص (جنوں اور انسانوں میں) شیطان کا دوست ہوتا ہے۔

یہ شیطان (ابلیس) رجیم اس لیے کہلایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے دربار سے دھتکار کر نکال دیا گیا، ملعون، سنگ سار کیا ہوا، راندۂ درگاہ۔ یہ ''لَعِیْن'' بھی کہلایا، لعنت کا لفظ عربی زبان میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری کے معنی میں آتا ہے، شیطان کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاِنَّ عَلَیْکَ لَعْنَتِیْۤ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ﴾ (صٓ: ۷۸/۳۸)

''(اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے) اور تیرے اوپر یوم الجزاء تک میری لعنت ہے۔''

ابلیس تکبر اور غرور کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوا گویا کہ ملعون ہوا اور جو کوئی اس کے ساتھ دوستی کرتا اور اس کا ہم سفر بن جاتا ہے وہ بھی ملعون ہو جاتا ہے اور ان کے لیے آخرت میں یہ سزا سنائی گئی:

﴿لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْکَ وَمِمَّنْ تَبِعَکَ مِنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ﴾ (صٓ: ۸۵/۳۸)

''(اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے) کہ (اے شیطان!) میں جہنم کو تجھ سے اور ان سب لوگوں سے بھر دوں گا جو (انسانوں اور جنوں میں سے) تیری پیروی کریں گے۔''

شیطان کا نام ''خناس'' بھی ہے، جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو یہ کھسک جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت برتی جائے تو دل پر چھا جاتا ہے اور وسوسوں سے لوگوں کو پریشان کرتا ہے، لڑاتا ہے، برائیوں اور بے حیائیوں کی طرف بلاتا ہے غرضکہ ہر نیکی سے منہ موڑتا ہے اور ہر برائی کی دعوت دیتا ہے اس کا دجل وفریب نت نئے دلکش اور دلفریب طریقوں سے ہوتا ہے۔

شیطان کو قیامت تک ڈھیل اور مہلت کیوں دی گئی؟ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے، اس کی حکمت کو وہی بہتر جانتا ہے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس میں لوگوں کا سراسر امتحان ہے آیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرتے ہیں یا شیطان کے راستے پر چلتے ہیں؟ اب گویا کہ اس دنیا میں دو گروہوں کا تصادم ہے...... ایک گروہ اہل ایمان کا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں وہ ہر چیز اور بھلائی کو اپناتے اور پھیلاتے ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور ان کے لیے دنیا اور آخرت میں فوز وفلاح ہے اور دوسرا گروہ اہل کفر کا ہے جو شیطان اور اس

کے ساتھیوں پر مشتمل ہے، وہ ہر شر اور برائی کو اپناتے اور پھیلاتے ہیں جو ان کی خواہشاتِ نفس کی پیداوار ہے۔ جنہیں دنیا اور آخرت میں نقصان اور خسارہ ہے، قرآن حکیم میں کئی مقامات پر ان کا تذکرہ آیا ہے، ان آیات پر غور کیجیے:

﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (البقرہ: ۲/۲۵۷)

''جو لوگ ایمان لاتے ہیں، ان کا حامی اور مددگار اللہ ہے وہ ان کو شرک و کفر کی تاریکیوں سے (ایمان و اسلام کی) روشنی میں لاتا ہے اور جو لوگ کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں ان کے حامی اور مددگار طاغوت (شیطان اور ان کی خواہشات ہیں) اور وہ انہیں روشنی سے تاریکیوں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں، یہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں، جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے۔

﴿اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ يَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَ اللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَ فَضْلًا وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ (البقرہ:۲/۲۶۸)

(انفاق فی سبیل اللہ یعنی غربا و مساکین کی خدمت وغیرہ کرنے پر) شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور (لغویات جیسے سینما، شراب وغیرہ) پر خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے اور (اخلاص کے ساتھ یتامیٰ اور بیوگان وغیرہ کی خدمت پر) اللہ تعالیٰ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے (جس کی جزا تمہیں ابدی جنت کی نوید ہے اور اس کی رضامندی سب سے بڑھ کر ہے)

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ علم ہونے کے باوجود کوئی شخص شیطان کے بہکاوے میں آکر گمراہ ہو جاتا ہے اور راہ حق سے دور جا پڑتا ہے، قرآن اس کے بارے میں بتاتا ہے۔

﴿وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ﴾ (الاعراف: ۷/۱۸۵)

(اور اے نبی) ان کے سامنے اس شخص کا حال بیان کیجیے جس کو ہم نے اپنی آیات کا علم عطا کیا تھا مگر وہ ان کی پابندی سے نکل بھاگا، آخر کار شیطان اس کے پیچھے پڑ گیا۔ یہاں تک کہ وہ گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا۔

یہ آیتِ مبارکہ عام ہے اور یہ ہر اس شخص پر چسپاں ہو جاتی ہے جو خواہشاتِ نفس کا پجاری بن کر حصولِ مال کے لیے صراطِ مستقیم کو چھوڑ دے، قرآن حکیم نے علمائے یہود کے اس طرزِ عمل کو اس طرح ظاہر کیا ہے:

﴿وَ لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوا الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (البقرہ:۲/۴۲)

''اور حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کرو اور نہ حق کو چھپاؤ، تمہیں تو خود اس کا علم ہے۔''

قرآن حکیم نے یہود و نصاریٰ کے علماء کا مالِ حرام کھانے کا ذکر اس طرح کیا ہے:

﴿اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (التوبہ:۹/۳۴)

ان اہل کتاب کے اکثر علماء اور درویشوں کا حال یہ ہے کہ وہ لوگوں کے مال باطل طریقوں سے کھاتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔

یعنی صحیح علم رکھنے کے باوجود لوگوں کو ان کی خواہشات کے موافق فتویٰ دینا اور ان سے نذرانہ وصول کرنا اور اس طرح عوام ان کے انہی جھوٹے سچے فتوؤں میں آ کر عمر بھر گمراہی میں پھنسے رہتے ہیں۔

مندرجہ بالا آیتِ مبارکہ کا آغاز ''یَاۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' گویا کہ یہود و نصاریٰ کے علماء کی قباحت سے اہل ایمان کو متنبہ کر دیا گیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس طرزِ عمل سے بچا کر رکھیں۔

اور اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کا رویہ مسلمانوں کے ساتھ کیسا ہے؟ قرآن اسے اس طرح بیان کرتا ہے:

﴿وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ﴾ (البقرہ:۲/۱۰۹)

''اہل کتاب میں سے اکثر لوگ یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح تمہیں ایمان سے پھیر کر پھر کفر

کی طرف لے جائیں۔ اگرچہ حق ان پر ظاہر ہو چکا ہے مگر اپنے نفس کے حسد کی بنا پر تمہارے لیے ان کی یہ خواہش ہے۔

اس بارے میں مسلمانوں کو زبردست تنبیہ کی جارہی ہے:

﴿وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ (النساء: ٤/١١٥)

''اور جو شخص رسول (ﷺ) کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے درآنحالیکہ اس پر راہِ راست واضح ہو چکی ہو تو اس کو ہم اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین جائے قرار ہے۔''

شیطان سے بچاؤ کے طریقے

(۱) اللہ تعالیٰ پر بھروسا:

اس لیے اللہ تعالیٰ کی مدد تلاش کرنے والے اور اس پر بھروسا رکھنے والے ہی شیطان کے مکر و فریب سے بچ سکتے ہیں:

﴿اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴾ (النحل:١٦/٩٩)

(شیطان کو) ان لوگوں پر تسلط حاصل نہیں ہوتا جو ایمان لاتے اور اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں۔

(۲) وسوسہ:

﴿وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ، اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾

اگر شیطان کی طرف سے تمہارے دل میں کسی طرح کا وسوسہ پیدا ہو تو اللہ سے پناہ مانگو، بے شک (وہ ہر وقت اور ہر حال میں بندوں کی) پکار سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

(۳) پرہیزگاری:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ﴾

حقیقت میں جو لوگ متقی ہیں ان کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ کبھی شیطان کے اثر سے کوئی برا خیال اگر

انہیں چھوبھی جاتا ہے تو فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں اور پھر انہیں صاف نظر آنے لگتا ہے کہ ان کے لیے صحیح طریقۂ کار کیا ہے۔

(۴) اخلاص:

اخلاص یہ ہے کہ بندہ خالص اللہ تعالیٰ کا ہو جائے، صرف اسی کی عبادت کے لیے اپنے آپ کو لگا دے، زندگی کے ہر معاملے میں صرف اسی سے مدد مانگے، ہر دکھ اور تکلیف میں صرف اسی کو پکارے، شیطان کا حملہ ایسے بندوں پر کامیاب نہیں ہوتا ہے، اسے اس بات کا اقرار کرنا پڑا۔

﴿وَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ، اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ﴾ (الحجرات:۱۵/۹۳-۴۰)

(شیطان بولا اے ربّ!) میں ان سب بندوں کو بہکا دوں گا سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں تو نے ان میں سے خالص کر لیا ہو۔

اے اللہ! ہمارے دلوں کو نعمتِ اخلاص سے نوازیے۔ آمین!

(۵) صراطِ مستقیم:

"صراطِ مستقیم" صرف اور صرف ایک ہی سیدھا راستہ ہے اور وہ ایمان اور اسلام کا راستہ ہے۔ اس پر ثبات و استقامت اختیار کرنا کامیابی و کامرانی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (الانعام:۶/۱۵۳)

(اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے) کہ یہی (اسلام کی پاکیزہ تعلیمات) میرا سیدھا رستہ ہے۔ لہٰذا تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ اس کے راستے سے ہٹا کر تمہیں پراگندہ کر دیں گے، یہ ہے وہ ہدایت جو تمہارے رب نے تمہیں کی ہے، شاید کہ تم کج روی سے بچو۔ (اور اللہ تعالیٰ کے انعام کے حقدار بن جاؤ)

اس صراطِ مستقیم پر استقامت کی خواہش اور آرزو اہل ایمان رب کریم کے حضور نماز کی ہر رکعت میں کرتے ہیں ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ اے مولا! ہمیں سیدھے راستہ پر چلا اور اس پر

استقامت فرما۔

شیطان اس دنیا میں ہر قسم کی گمراہیاں پھیلاتا ہے اور انسان کا روزِ اول ہی سے دشمن ہے، شرک پھیلاتا ہے(دیکھیے النساء:۴/۱۱۹) حلال وحرام کی تمیز اٹھاتا ہے (غور کیجیے الانعام:۵/۱۴۲ تا ۱۴۸) بے لباس کر دیتا ہے (دیکھیے الاعراف:۷/۲۷) فسق کی راہ دکھاتا ہے(غور کیجیے الکھف:۱۸/۵۰) فحاشی پھیلاتا ہے اور اس کے بچاؤ کا طریقہ اللہ تعالیٰ سے مدد حاصل کرنا ہے (دیکھیے النور:۲۴/۲۱)، نفاق کی راہ پر چلاتا ہے (غور کیجیے البقرہ:۲/۱۴) سخاوت کرنے پر تنگدستی کا خوف دلاتا ہے (غور کیجیے البقرہ:۲/ ۲۶۸) ریا کاری پر لگاتا ہے (دیکھیے النساء:۴/ ۳۸) لغویات میں مبتلا کرتا ہے (غور کیجیے النساء: ۴/ ۱۱۹-۱۲۰) برے اعمال کو زینت دیتا ہے (غور کیجیے الانعام:۶/ ۶) جوا اور شراب کے ذریعے سے دشمنی پیدا کرتا ہے (دیکھیے المائدہ:۵/۹۱) دائیں بائیں آگے پیچھے سے حملہ کرتا ہے (غور کیجیے الاعراف:۷/ ۱۶، ۱۷) لوگوں میں پھوٹ ڈالتا ہے (دیکھئے یوسف :۱۲/۱۰۰) دھوکہ اور فریب دیتا ہے (غور کیجیے ابراھیم:۱۴/۲۲) فضول خرچی کی ترغیب دیتا ہے (دیکھیے بنی اسرائیل:۱۷/۱۷) آباء و اجداد کی غلط باتوں پر چلانا (غور کیجیے لقمان:۱۳/۲۱) یہ تو چند برائی کے عنوانات ہیں جو قرآن حکیم کے حوالے سے بیان کئے گئے ہیں، اس کے علاوہ اس کے مکر وفریب کے حوالے سے نت نئے حربے ہیں، انسانوں اور جنوں میں اس کا لشکر لوگوں کو بھٹکانے میں ہمہ وقت مصروف رہتا ہے اور انہیں کئی اور خطرناک، مہلک برائیوں میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتے ہیں جن میں چند کا ذکر کیا جاتا ہے:

شیاطین جھوٹے لوگوں کا ساتھ دیتے ہیں اور انہیں جھوٹ پر اکساتے (الشعراء:۲۶/۲۲۲،۲۲۳)

جھوٹی قسمیں کھانا اور اپنے آپ کو سچا ثابت کرنا (التوبہ:۹/۶۲)

جھوٹ بولنا اور وعدہ خلافی کرنا (التوبہ:۹/ ۷۷) — خیانت کرنا (المائدہ:۵/۱۳)

بے گناہ شخص پر تہمت لگانا (النساء:۴/۱۱۲)

چغل خوری سے معاشرتی زندگی میں فساد پیدا کرنا (البقرہ:۲/۱۰۲)

لوگوں میں بدگمانی پیدا کرنا (الحجرات:۴۹/۱۲)

بُخل کی عادت پیدا کرنا (الفجر:۸۹/ ۱۷ تا ۲۰) — حرص پیدا کرنا (النساء:۴/ ۱۲۸)

چوری چکاری پر اکسانا (المائدہ: ۵/ ۳۸) لوگوں کو رشوت پر لگانا (المائدہ: ۵/ ۴۲)
سودی کاروبار اور سودی نظام کو پھیلانا (البقرہ: ۲/ ۲۷۵-۲۷۶)
لوگوں کو غیظ و غضب کا شکار کرنا (الاعراف: ۷/ ۱۹۹-۲۰۰)
بغض و کینہ پر ابھارنا (الحشر: ۵۹/ ۱۰) ظلم و ستم پر اکسانا (الاعراف: ۷/ ۳۳)
فخر و غرور کا عادی بنانا (الاعراف: ۷/ ۱۳) اِترانا اور ریا کاری (الانفال: ۸/ ۴۷)
خواہشاتِ نفس کا پجاری بنانا (الفرقان: ۲۵/ ۴۲)
خود بینی اور خود نمائی کا خوگر بنانا (النجم: ۵۳/ ۳۲) فضول خرچی پر لگانا (بنی اسرائیل: ۱۷/ ۲۷)
جادو اور لایعنی حرکات حرکات کا عادی بنانا (البقرہ: ۲/ ۱۶۹)
آفتاب پرستی (النمل: ۲۷/ ۲۴) بت پرستی (نوح: ۷۱/ ۲۳ تا ۲۵)
بت پرستی کا نسل در نسل منتقل ہونا (الانبیاء: ۲۱/ ۵۲ تا ۷۰)
بڑائی کا گھمنڈ اور آبائی طریقہ کی پیروی (یونس: ۱۰/ ۷۷ تا ۸۶)
حُبِّ زر کی کثرت کہ انسان اللہ تعالیٰ کا ناشکرا بندہ بن جائے (العادیات: ۱۰۰/ ۶-۸)
برے اعمال کو خوشنما بنانا (الانعام: ۶/ ۴۲ تا ۴۵)
ظالم لوگوں کا انجام اور ان کی ناکام آرزو (ابراہیم: ۱۴/ ۴۲-۴۶)

شیطانی گمراہیوں سے بچنے کی تدابیر

مندرجہ بالا خرابیوں کے علاوہ بہت سی گمراہیوں کا سبب فتنۂ شبہات اور فتنۂ شہوات ہیں، اللہ تعالیٰ نے انسان کو دل و دماغ غور و فکر کے لیے عطا فرمایا ہے، قرآن حکیم لوگوں کے دلوں پر دستک دیتا ہے کہ ہوش و حواس اور عقل و خرد سے کام لو۔ انفس و آفاق پر غور کرنے سے رب کائنات کی قدرت و طاقت عیاں ہو جاتی ہے، اس آیت پر غور کیجیے:

﴿اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ وَ الۡفُلۡكِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَ بَثَّ فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّ تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ

الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾ (البقرہ:۲/۱۶۴)

''جولوگ عقل سے کام لیتے ہیں ان کے لیے آسمانوں اور زمین کی ساخت میں، رات اور دن کے پیہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں، ان کشتیوں (اور جہازوں میں) جو انسان کے نفع کی چیزیں لیے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں رواں دواں ہیں، بارش کے اُس پانی میں جسے اللہ اوپر سے برساتا ہے، پھر اس کے ذریعے سے مردہ زمین کو زندگی بخشتا ہے اور (اپنے اسی انتظام کی بدولت) زمین میں ہر قسم کی جاندار مخلوق کو پھیلاتا ہے، ہواؤں کی گردش میں اور ان بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں (اور اللہ تعالیٰ کا جہاں حکم ہوتا ہے برس جاتے ہیں) بے شمار نشانیاں ہیں۔''

قرآن حکیم شروع سے آخر تک غور وفکر، اور سوچ بچار کی بھرپور دعوت دیتا ہے، وہ کہتا ہے کہ انسانو! اپنے آپ پر غور کرو، اللہ تعالیٰ نے تمہیں نہ صرف شکل وصورت میں بلکہ عقل وفہم میں بھی بہترین ساخت پر پیدا فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾ (التین:۹۵/۴)

﴿وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۝ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ (الذاریت: ۵۱/۲۰-۲۱)

زمین میں یقین کرنے والوں کے لیے (اللہ تعالیٰ کی قدرت کی) بہت سی نشانیاں ہیں اور خود تمہارے وجود میں بھی، تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟

تمہارے لیے رب کائنات نے طرح طرح کے پھل پھول اور انواع و اقسام کی غذائیں پیدا فرمائی ہیں، اسی کا ارشاد ہے:

﴿فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ۝ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ۝ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۝ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۝ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ۝ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ۝ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ۝ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ۝ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ﴾ (عبس:۸۰/ ۲۴-۳۲)

پھر ذرا انسان اپنی خوراک پر غور کرے کہ ہم نے خوب پانی برسایا، پھر زمین کو اچھی طرح پھاڑا، پھر اس کے اندر اگائے غلے (مختلف اناج) انگور اور ترکاریاں (مختلف ذائقے کی

سبزیاں) اور زیتون اور کھجوریں اور گھنے باغات اور دیگر کئی طرح کے پھل اور چارے جو تمہارے لیے اور تمہارے مویشیوں کے لیے سامانِ زیست ہیں۔

اسی طرح انسان غور وفکر سے کام لے تو اسے معلوم ہوگا کہ محسن رب نے اسے صدق و امانتداری کی تعلیم دی ہے اور کذب و خیانت سے بچایا ہے، عدل و انصاف کا سبق سکھایا اور ظلم وستم سے دور رکھا ہے، تواضع و خاکساری سے آراستہ کیا ہے اور تکبر وغرور سے بچایا ہے، احسان ومروت کی ہدایت فرمائی ہے، جبکہ بخل اور بدسلوکی سے منع کیا ہے، وہ کریم آقا حسنات سے مزین فرما کر اپنے دائمی و ابدی انعامات سے نوازنا چاہتا ہے جس کا نام 'جنت' ہے، جبکہ شیطان (ابلیس) اور اس کا لشکر ہر برائی اور بے حیائی پر آمادہ کرتا ہے، وہ خود بھی جہنمی ہے اور اس کے پیروکار بھی اسی برے انجام کو پہنچنے والے ہیں۔ شیطان اور اس کا لاؤ لشکر انسانوں کو اس نعمت سے محروم رکھنا چاہتا ہے، جو لوگ دل و دماغ کی صلاحیتوں کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں، وہ شیطانی وساوس کا شکار ہو جاتے ہیں اور عقل وفکر سے عاری ہو جاتے ہیں، قرآن ان کے متعلق اعلان کرتا ہے:

﴿وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴾ (الاعراف:۷/۱۷۹)

اور یہ حقیقت ہے کہ بہت سے جن اور انسان ایسے ہیں جن کو ہم نے جہنم کے لیے پیدا کیا ہے (یہ کون لوگ ہیں؟) کہ اُن کے پاس دل ہیں مگر وہ اُن سے سوچتے نہیں، اُن کے پاس آنکھیں ہیں مگر اُن سے دیکھتے نہیں (ظاہری بصارت ہے مگر بصیرت سے کام نہیں لیتے) ان کے پاس کان ہیں مگر وہ اُن سے سنتے نہیں، وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ گئے گزرے (کہ شرفِ انسانیت کو گم کر چکے ہیں) پس یہی لوگ غافل ہیں۔

عقل وشعور

معلوم ہوا کہ فتنۂ شبہات، ضعفِ بصیرت، قلتِ علم، عدمِ تدبر اور عقل وشعور سے خالی رہنے پر پیدا ہوتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دل و دماغ کی بھرپور صلاحیتیں ودیعت فرمائی ہیں اور پہلی وحی

جو خاتم النبیین پر نازل ہوئی اُس میں پڑھنے لکھنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے:

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَO خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍO اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُO الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِO عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْO﴾ (العلق:۹۶/۱-۵)

اور قرآنِ حکیم بھی غور وفکر کی کتاب، کتنے واشگاف الفاظ میں اعلان ہوتا ہے:

﴿اَفَلاَ یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَاO﴾ (محمد:۴۷/۲۴)

کیا لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے، یا اُن کے دلوں پر قفل چڑھے ہوئے ہیں؟

فتنۂ شہوات

اسلام کی پاکیزہ تعلیمات زندگی کو سنوارتی اور نکھارتی ہیں، وہ تقویٰ و طہارت کی تعلیم دیتا ہے، اسلامی عبادات صوم وصلوٰۃ، حج وزکوٰۃ سے بندۂ مؤمن میں تزکیۂ نفس پیدا ہوتا ہے۔

﴿وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِO﴾ (العنکبوت:۲۹/۴۵)

(مسلمانو!) نماز کو قائم کرو، یقیناً نماز فحش باتوں اور برے کاموں سے روکتی ہے (ضروری ہے کہ نماز پورے شعور اور جذبۂ احسان سے ادا کی جائے)

اور قرآنِ حکیم اُن لوگوں کا حال جو نماز سے غافل رہے اس طرح بیان کرتا ہے:

﴿فَخَلَفَ مِنْ م بَعْدِھِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ وَ اتَّبَعُوا الشَّھَوٰتِ فَسَوْفَ یَلْقَوْنَ غَیًّاO﴾ (مریم:۱۹/۵۹)

پھر اُن کے بعد وہ ناخلف لوگ اُن کے جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کیا اور خواہشاتِ نفس کی پیروی کی، پس قریب ہے کہ وہ گمراہی کے انجام سے دوچار ہوں۔

گزشتہ سطور میں بتایا جا چکا ہے کہ شیطان (ابلیس) گمراہی اور ضلالت کا سب سے بڑا فتنہ ہے، شرک اور بت پرستی، برائی اور بے حیائی، دھوکا اور فریب، بغاوت اور منکرات پھیلانا، اس کا اور اس کے ساتھیوں کا شب و روز کا مشغلہ ہے۔ دنیا اور آخرت میں ان کی تباہی و بربادی کی خبر باعثِ حزن و ملال ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کا دین لوگوں کی مکمل رہنمائی کرتا ہے، انہیں ایمان اور اخلاق سے آراستہ کرتا ہے، تقویٰ اور حیا کا درس دیتا ہے۔ اور انہیں دنیا اور آخرت میں کامیابی کا مژدۂ جانفزا سناتا ہے، جو

لوگ صدق دل سے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مان لیتے ہیں اور سنتِ نبوی ﷺ کے مطابق احکامِ الٰہی پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں، وہ ''حزب اللہ'' میں شامل ہو جاتے ہیں، اس کے برعکس جو لوگ شیطان اور اس کے رفقاء کو اپنا ہمنوا بنا کر اس کا ساتھ دیتے ہیں، ان کا شمار ''حزب الشیطان'' میں ہوتا ہے، قرآن حکیم ان دونوں گروہوں کا اس طرح ذکر کرتا ہے:

''اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے، گو وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبے قبیلے کے (عزیز و اقارب) ہی کیوں نہ ہوں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان لکھ دیا ہے اور جن کی تائید اپنی روح (نصرتِ خاص) سے کی ہے اور جنہیں ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہیں، جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہے اور یہ اللہ سے خوش ہیں:

﴿أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ أَلَآ إِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (المجادلة:٥٨/٢٢)

''یہ ہے اللہ کا لشکر، خوب سن لو کہ اللہ کا لشکر ہی کامیاب ہونے والا ہے (دنیا و آخرت میں انہی کے لیے سرخروئی ہے)۔''

اس کے برعکس ''حزب الشیطان'' کا لشکر اور اس کے برے انجام کا ذکر اس طرح ہوا ہے۔

''کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر نہیں کی جو ایسے لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب نازل کیا ہے۔ وہ نہ تمہارے ہیں نہ ان کے، اور وہ جان بوجھ کر جھوٹی بات پر (اپنے آپ کو سچا کرنے کے لیے) قسمیں کھاتے ہیں، اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے، بڑے ہی برے کرتوت ہیں جو وہ کر رہے ہیں، انہوں نے (اپنے بچاؤ کے لیے) اپنی (جھوٹی) قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے، اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔ ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گی، یہ تو جہنمی ہیں، ہمیشہ اسی میں رہیں گے، جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھا کھڑا کرے گا، تو یہ جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں (روزِ جزا و سزا اللہ تعالیٰ) کے سامنے بھی قسمیں کھانے لگیں گے اور سمجھیں گے کہ اس سے ان کا کچھ کام بن

جائے گا، خوب جان لو، وہ پرلے درجے کے جھوٹے ہیں، شیطان ان پر مسلط ہو چکا ہے اور اس نے اللہ کی یاد ان کے دل سے بھلا دی ہے ﴿اُولٰٓئِکَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ کوئی شک نہیں کہ شیطانی لشکر ہی خسارے والا ہے (دنیا اور آخرت میں اس کے لیے رسوائی ہے) (المجادلہ:۵۸/۱۴--۱۹)

حزب اللہ اور حزب الشیطان، یعنی حق اور باطل کا معرکہ دنیا میں کوئی نئی بات نہیں ہے، جب سے دنیا بنی ہے حق اور باطل کا معرکہ جاری ہے، جو قومیں اس معرکے کا سامنا کرنے سے گریز کرتی ہیں وہ دنیا سے مٹ جاتی ہیں اور جو اس میں ایمان کے ساتھ جان کی بازی لگائیں وہ زندہ رہتی ہیں:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی
اِس کشاکشِ پیہم سے زندہ ہیں اقوام
یہی ہے رازِ تب و تابِ ملتِ عربی

حق ہمیشہ ابھرتا ہے اور باطل مٹتا ہے، اہل حق باطل کے مقابلے میں اگر تعداد میں تھوڑے بھی ہوں تو وہ کامیاب ہوں گے، یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے:

﴿وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوْقًا﴾ (بنی اسرائیل:۱۷/۸۱)

(اور نبیؐ) اعلان کر دیجیے کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، باطل تو مٹنے ہی والا ہے۔

اور یہ بھی ارشاد ہوا:

﴿کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِیْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً کَثِیْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (البقرہ:۲/۲۴۹)

بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک قلیل گروہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک بڑے گروہ پر غالب آ گیا ہے۔

حق کو بلند و بالا کرنے کے لیے ایمان شرطِ اولین ہے، ارشاد ہوتا:

﴿ثُمَّ نُنَجِّیْ رُسُلَنَا وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کَذٰلِکَ حَقًّا عَلَیْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾

(یونس:۱۰/۱۰۳)

(رب کریم کا ارشاد ہے) ہم اپنے رسولوں کو اور ان لوگوں کو بچا لیا کرتے ہیں جو (صدق

دل سے) ایمان لائے ہوں، ہمارا یہی طریقہ ہے، ہم پر یہ حق ہے کہ مومنوں کو بچائیں۔
اور یہ بھی ارشاد ہوا:

﴿وَ لَا تَهِنُوۡا وَ لَا تَحۡزَنُوۡا وَ اَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ﴾ (ال عمران:۳/۱۳۹)

دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔

شیطان سے بچاؤ کی تدابیر

---دشمنی:

شیطان (ابلیس) انسان کا روزِ اول سے دشمن ہے، اس لیے ایسے دشمن کو کبھی دوست نہیں بنانا چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی رحمت تلاش کر کے اس پر حاوی رہنا چاہیے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّ الشَّيۡطٰنَ لَكُمۡ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوۡهُ عَدُوًّا اِنَّمَا يَدۡعُوۡا حِزۡبَهٗ لِيَكُوۡنُوۡا مِنۡ اَصۡحٰبِ السَّعِيۡرِ﴾ (فاطر:۳۵/۶)

یاد رکھو! شیطان تمہارا دشمن ہے تم اسے دشمن جانو، وہ تو اپنے پیروؤں کو اپنی راہ پر اس لیے بلا رہا ہے کہ وہ دوزخیوں میں شامل ہو جائیں۔

حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

''یعنی اس سے (یعنی شیطان سے اور اس کے ساتھیوں سے) سخت عداوت رکھو، اُس کے دجل وفریب، حملوں اور ہتھکنڈوں سے بچو اور ہوشیار رہو، ایسے ہی جس طرح دشمن سے بچاؤ کے لیے انسان تدابیر اختیار کرتا ہے، دوسرے مقام پر اسی مضمون کو اس طرح ادا کیا گیا ہے۔

﴿اَفَتَتَّخِذُوۡنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗۤ اَوۡلِيَآءَ مِنۡ دُوۡنِىۡ وَ هُمۡ لَكُمۡ عَدُوٌّ بِئۡسَ لِلظّٰلِمِيۡنَ بَدَلًا﴾

(الکہف: ۱۸/۵۰)

''(اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے) کیا تم اس شیطان اور اس کی ذریت (چیلوں اور مریدوں) کو مجھے چھوڑ کر اپنا دوست بناتے ہو؟ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں (ایسے) ظالموں کے لیے بڑا بدلہ ہے۔''

ظاہر ہے کہ تمام شیطانی وساوس، خیالات، طور طریقوں بدعات اور خرافات کو جھٹک دینا اور ان کو ردّ کر کے اللہ تعالیٰ کے احکام پر سنتِ نبویؐ کے مطابق عمل پیرا ہو جانا، اس میں خاندان اور برادری کے رسم و رواج کو ٹھکرانا، خواہشات اور آرزوؤں کا مقابلہ کرنا اور صرف شریعتِ اسلامیہ پر عمل پیرا ہو جانا ہی عزیمت اور کامیابی کا راستہ ہے، ان آیات پر غور کر لیجیے:

﴿قَدْتَّبَيَّنَ الرُّشْدُمِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ (البقرہ:۲/۲۵۶)

(رب کریم کا ارشاد ہے) ہدایت ضلالت سے روشن ہو چکی ہے (حق اور باطل واضح ہو گئے ہیں) اس لیے جو شخص طاغوت (شیطان اور ہر باطل خواہش) کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا، اُس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں، اور اللہ (جس کا سہارا اس نے لیا ہے) سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

--- رزقِ حلال:

شیطان لوگوں کو رزقِ حرام پر آمادہ کرتا رہتا ہے۔ رشوت، سودی کاروبار، خیانت اور دھوکا سے کمانا، ڈکیتی اور چوری سے مال حاصل کرنا اور دور حاضر میں لاٹری، پرائز بانڈز وغیرہ سے دولت کا حصول سب رزق حرام کے ذرائع ہیں، اس کے علاوہ شراب، مردار اور ایسے تمام جانوروں کا گوشت جنہیں شریعت نے حرام کیا، رزق کے ناجائز طریقے ہیں۔

قرآن حکیم واشگاف الفاظ میں اعلان کرتا ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ (البقرہ:۲/۱۶۸)

اے انسانو! زمین پر جو کچھ حلال اور پاکیزہ موجود ہے اس میں سے کھاؤ (پیو) اور شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی نہ کرو۔

حلال اور طیب کے الفاظ پر بار بار غور کر لیا جائے، یہ وہ رزق ہوسکتا ہے جس کے حصول کے ذرائع جائز ہوں، نیز فی نفسہٖ وہ رزق بھی حلال ہو حرام نہ ہو، یعنی حق حلال اور جائز محنت سے کمائی

ہوئی روزی ہو، نیز وہ رزق حلال، جیسا کہ صاف پانی حلال جبکہ شراب حرام ہے۔ اعمالِ صالحہ کی توفیق بھی انہیں نصیب ہوتی ہے جو رزق طیب کا استعمال کرتے ہیں، اسی لیے ارشاد ہوتا ہے:

﴿يَاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّي بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ﴾

(المؤمنون: ۲۳/۵۱)

اے رسولو! حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو، تم جو کچھ بھی کرتے ہو میں اسے خوب جانتا ہوں۔

مندرجہ بالا آیات سے معلوم ہوا کہ رزق حرام سے زندگی میں فساد اور بگاڑ پیدا ہوتا ہے، اور انسان شرفِ انسانیت سے محروم ہو جاتا ہے۔

---اسلام:

کلمۂ طیبہ کے صدقِ دل سے اقرار کے بعد اہل ایمان پر فرض ہو جاتا ہے کہ ان کی زندگیاں پوری کی پوری اسلامی سانچے میں ڈھل جائیں انفرادی اور اجتماعی زندگیاں، سیاسی اور معاشی سرگرمیاں، سب اسلام کے عطا کردہ اصولوں کے مطابق سرانجام پائیں۔ اس لیے اہل ایمان کو تاکیدی حکم مل رہا ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ (البقرہ:۲/۲۰۸)

اے ایمان والو! تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اسلام میں پورے پورے داخل ہونے سے نہ صرف تمہیں اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہوگی بلکہ اس سے تمہاری معاشرتی زندگی سکون اور سلامتی سے ہمکنار ہو جائے گی، اور تم دنیا و آخرت میں کامیاب ہو جاؤ گے، شیطان چاہتا ہے کہ تمہارے مختلف شعبۂ حیات میں فساد اور بگاڑ پیدا ہو، قرآن اس پر متنبہ کرتا ہے۔

﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ

اِلَّا خِزۡیٌ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ یُرَدُّوۡنَ اِلٰۤی اَشَدِّ الۡعَذَابِ﴾ (البقرہ:۲/۸۵)

(رب کریم کا ارشاد ہے) تو کیا تم کتاب کے ایک حصے پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصے کے ساتھ کفر کرتے ہو، پھر تم میں سے جو لوگ ایسا کریں، ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل وخوار ہو کر رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیے جائیں۔

---تَعَوُّذ:

شیطان اور اس کی ذریت سے بچاؤ کے لیے سب سے محفوظ اور مضبوط پناہ گاہ اللہ تعالیٰ کا سایۂ رحمت ہے، اس لیے قرآن حکیم کی تلاوت کے آداب میں پہلی بات تعوذ کے کلمات کا ادا کرنا لازمی قرار دیا گیا ہے، تاکہ بندۂ مومن اپنے آقا ومولا کے احکام کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر اپنی زندگی کو صحت وسچائی کے اصولوں سے آراستہ کر سکے۔ رب کریم نے تلاوتِ قرآن کے وقت تاکیداً حکم دیا ہے:

﴿فَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ﴾ (النمل:۹۸/۲۷)

جب بھی آپ قرآن پڑھیں تو اللہ کی پناہ مانگیں شیطان رجیم سے۔

﴿اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ﴾

میں اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتا ہوں شیطانِ رجیم سے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے شیطانی وساوس کے وقت خاص طور پر تعوذ کے کلمات پڑھنے کی تاکید فرمائی ہے، اس آیت پر غور کیجیے:

﴿وَاِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ﴾

(حٰمٓ السجدہ: ۳۶/۴۱)

اگر تم شیطان کی طرف سے کوئی اکساہٹ (وسوسہ) محسوس کرو تو اللہ کی پناہ مانگ لو، وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے (تمہاری فریادوں کو فوری سنتا ہے اور تمہارے حالات سے پوری طرح باخبر ہے (اور تمہاری حفاظت پر پوری قدرت رکھتا ہے۔)

اور ان دعائیہ کلمات پر غور کر لیجیے جو نبیﷺ کو رب کریم نے سکھائے ہیں:

﴿وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ○ وَاَعُوْذُ بِکَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ﴾

(المؤمنون:۲۳/۹۷-۹۸)

(اے نبی) دعا کرتے رہیے کہ اے میرے رب! میں شیاطین کے وسوسوں سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں اور اے میرے رب! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں۔

پھر رب کریم کی اپنے بندوں پر بے پناہ رحمت اور شفقت ہے کہ قرآن کے آخر میں ''سورۃ الفلق اور سورۃ الناس'' دو ایسی جامع اور نافع سورتیں نازل فرما دیں جس سے اپنی کتاب مبین کو ہر شیطانی دجل وفریب سے محفوظ کر دیا، نیز ان سورتوں کو تلاوت کرنے والوں کو بھی ہر شیطانی وسوسہ اور مکاری سے نجات دے دی ہے۔

هُدٰی اور هَوٰی میں فرق:

''اَلْهِدَایَةُ'' کے معنی لطف وکرم کے ساتھ کسی کی رہنمائی اور رہبری کرنے کے ہیں اور اسی سے لفظ هَدِیَّةٌ ہے جس کے معنی اس تحفہ کے ہیں جو بلا معاوضہ کسی کو پیش کیا جائے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے ''اَهْدَیْتُ الْهَدِیَّةَ'' میں نے فلاں کو ہدیہ بھیجا، یہاں پر شبہ ہوسکتا ہے کہ اگر هَدَایَةٌ کے معنی لطف و کرم کے ساتھ رہنمائی کرنے کے ہیں تو پھر کفار کو دوزخ کی طرف دھکیلنے کے لیے یہ لفظ کیوں استعمال ہوا ہے؟ جیسا کہ قرآن حکیم میں آتا ہے:

﴿فَاهْدُوْهُمْ اِلٰی صِرَاطِ الْجَحِیْمِ﴾ (الصّٰفّٰت:۳۷/۲۳)

''پھر ان (کفار) کو جہنم کا راستہ دکھاؤ۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک ہدایت کے اصل معنی تو لطف وکرم کے ساتھ رہنمائی کے ہیں لیکن یہاں کفار کے متعلق مبالغہ کے لیے بطورِ عبرت اور تحکم کے یہ لفظ استعمال ہوا ہے، جیسا کہ بشارت (خوشخبری) اچھے معنوں میں آتا ہے، مگر کفار کیلئے بطورِ تنبیہ اور سزا کے یہ لفظ آیا ہے:

﴿فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ﴾ (الانشقاق: ۸۴/۲۴)

''ان (کفار) کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیجیے۔''

شریعتِ اسلامیہ میں ہدایت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے:

﴿قُلۡ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الۡهُدٰى﴾ (البقرہ: ۲/۱۲۰)

''(اے نبیؐ) صاف بتا دیجیے کہ (زندگی گزارنے کا) راستہ بس وہی ہے جو اللہ نے بتایا ہے۔''

اور یہ راستہ رب العالمین کے سامنے اس کے تمام احکام کو مِن وعَن ماننا اور سرِ تسلیم خم کر دینا ہے اس ہدایت اور احکام کا نام 'اسلام' ہے اور خلوصِ دل سے اس پر عمل پیرا ہونے والے مسلمان ہیں، ارشاد ہوتا ہے:

﴿قُلۡ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الۡهُدٰى وَ اُمِرۡنَا لِنُسۡلِمَ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ﴾ (الانعام: ۶/۷۱)

(اے نبیؐ اعلان کر دیجیے) حقیقت میں صحیح رہنمائی تو صرف اللہ ہی کی رہنمائی ہے اور اس کی طرف سے ہمیں یہ حکم ملا ہے کہ مالکِ کائنات کے آگے سرِ اطاعت خم کر دیں (خلوص دل سے مسلمان بن جائیں)

اس ہدایت کا سروسامان روزِ اول سے ہوا:

اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا:

﴿قُلۡنَا اهۡبِطُوۡا مِنۡهَا جَمِيۡعًا فَاِمَّا يَاۡتِيَنَّكُمۡ مِّنِّىۡ هُدًى فَمَنۡ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَ لَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ﴾ (البقرہ: ۲/۳۸)

ہم نے کہا کہ ''تم سب یہاں (زمین پر) اتر جاؤ۔ پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا۔

یعنی آدم اور اولادِ آدم قیامت تک زمین پر رہے گی اور ان کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتابیں اور رسول آئیں گے، جو لوگ اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لیے دنیا اور آخرت میں کوئی غم اور پریشانی نہ ہوگی، ایک اور مقام پر اللہ نے اس طرح فرمایا:

﴿فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَاىَ فَلَا يَضِلُّ وَ لَا يَشۡقٰى﴾ (طٰہٰ: ۲۰/۱۲۳)

''جو میری ہدایت کو مانے گا وہ نہ دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ آخرت میں اسے بدنصیبی لاحق ہوگی۔''

ہدایت کا راستہ کبھی گم نہ ہوا:

ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّمَآ اَنۡتَ مُنۡذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوۡمٍ هَادٍ﴾ (الرعد:۱۳/۷)

''آپ تو صرف آگاہ کرنے والے ہیں اور ہر قوم کے لیے ہادی رہا ہے۔''

ہر نبی کو اللہ تعالیٰ نے حالات وضروریات اور اپنی مشیت ومصلحت کے مطابق کچھ نشانیاں اور معجزات عطا فرمائے لیکن کافر اپنے حسبِ منشا معجزات کے طالب ہوتے رہے ہیں، جیسے کفارِ مکہ نبی ﷺ کو کہتے کہ کوہِ صفا کو سونے کا بنا دیا جائے یا پہاڑوں کی جگہ نہریں اور چشمے جاری ہو جائیں وغیرہ وغیرہ۔ ان کی خواہش کے مطابق معجزہ صادر کر کے نہ دکھایا جاتا تو کہتے کہ اس پر کوئی نشانی (معجزہ) نازل کیوں نہ کی گئی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیغمبر! آپ کا کام صرف اِنذار وتبلیغ ہے، وہ آپ کرتے رہیے، کوئی مانے نہ مانے، اس سے آپ کو کوئی غرض نہیں، اس لیے کہ ہدایت دینا یہ ہمارا کام ہے، آپ کا کام راستہ دکھانا ہے، اس راستے پر چلا دینا یہ آپ کا نہیں، ہمارا کام ہے۔

پھر ارشاد ہوا ہر قوم کی ہدایت و رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہادی ضرور بھیجا ہے، یہ الگ بات ہے کہ قوموں نے ہدایت کا راستہ اپنایا یا نہیں اپنایا لیکن سیدھے راستے کی نشاندھی کرنے کے لیے پیغمبر ہر قوم کے اندر ضرور آیا، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَ اِنۡ مِّنۡ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيۡهَا نَذِيۡرٌ﴾ (فاطر: ۳۵/۲۴)

''ہر امت میں ایک نذیر (اللہ کا رسول لوگوں کو ڈرانے والا) ضرور آیا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کو نسلِ انسانیت کے لیے ہدایت کا دائمی معجزہ دیا گیا:

ارشاد ہوتا ہے:

﴿ شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِىۡٓ اُنۡزِلَ فِيۡهِ الۡقُرۡاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الۡهُدٰى وَ الۡفُرۡقَانِ﴾ (البقرہ: ۲/۱۸۵)

رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہِ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول

کر رکھ دینے والی ہیں۔

اور خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی تو سراجِ منیر (دائمی روشن چراغ) ہے جس کی روشنی چار دانگ عالم میں ہمیشہ چمکتی رہے گی اور کبھی ماند نہ پڑے گی اور یہی نسلِ انسانیت کے لیے سب سے بڑا معجزہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۝ وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا﴾ (الاحزاب:۳۳/۴۵-۴۶)

(اے نبی) یقیناً ہم نے ہی آپ کو (رسول بنا کر) گواہی دینے والا خوشخبری سنانے والا اور آگاہ کرنے والا بھیجا ہے اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

اس چراغ کی روشنی دلوں کو منور کرتی ہے جس سے کروڑوں نہیں اربوں انسانوں نے کسبِ فیض کیا اور رہتی دنیا تک کرتے رہیں گے، گویا کہ یہ چراغِ ہدایت دلوں کو آباد کرتا ہے، وہ نورِ توحید سے معمور ہو جاتے ہیں، انہیں سرسبز و شاداب بناتا ہے، جس کی شادابی پر کبھی خزاں نہیں آتی ہے، دنیا میں یہ دل اللہ کی یاد سے آباد رہتے ہیں، خدمتِ خلق سے مروت اور محبت کے پھول کھلتے ہیں اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی سدا بہار جنت ان کا دائمی مسکن ہوتا ہے:

﴿یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ۝ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ۝ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ﴾ (الفجر:۸۹/۲۷-۳۰)

اے نفسِ مطمئن! چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو (اپنے انجامِ نیک سے) خوش (اور اپنے رب کے نزدیک) پسندیدہ ہے، شامل ہو جا میرے (نیک) بندوں میں اور داخل ہو جا (میری ابدی) جنت میں۔

"نفسِ مطمئن سے مراد وہ انسان ہے جس نے کسی شک و شبہ کے بغیر پورے اطمینان اور ٹھنڈے دل کے ساتھ اللہ وحدہ لا شریک لہٗ کو اپنا رب اور انبیا کے لائے ہوئے دینِ حق کو اپنا دین قرار دیا (اور جنابِ محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں اپنی پوری زندگی گزار دی)۔" (مختصر حواشی از سید مودودی)

اس ابدی جنت میں داخلے کے بعد بے اختیار ان کی زبانوں پر یہ کلمات جاری و ساری ہو جائیں گے۔

﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وَ نُوْدُوْۤا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾

(الاعراف:٧١/٤٣)

(باغ و بہار میں آباد ہونے کے بعد اہل جنت کہیں گے) حمد و ثنا اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں ہدایت (یعنی اسلام) کا راستہ دکھایا، ہم خود راہ نہ پا سکتے تھے اگر اللہ ہماری رہنمائی نہ کرتا، ہمارے رب کے بھیجے ہوئے رسول واقعی حق ہی لے کر آئے تھے، اس وقت (رب کریم کی طرف سے) یہ ندا آئے گی کہ ''یہ جنت جس کے تم وارث بنائے گئے ہو تمہیں ان اعمال صالح کے بدلے میں ملی ہے جو تم (دنیا میں) کرتے رہے تھے۔

نیکی اور بدی کی راہ پر چلنے کا اختیار

اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ہر طرح سے شرف بخشا ہے......شکل و صورت میں عقل و فہم میں دوسری تمام مخلوقات سے ممتاز بنایا ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْۤ اٰدَمَ﴾

تو اس کے ساتھ ساتھ نیکی اور بدی کو پرکھنے کی تمیز بھی اسے عطا کی ہے، ایک بچہ بھی آگ کی تپش سے اپنا ہاتھ کھینچ لیتا ہے اور برف کی ٹھنڈک سے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھاتا ہے، اسی طرح ہر انسان کو شکر گزاری اور ناشکری کا فرق معلوم ہوتا ہے، کسی کے حسنِ سلوک اور غلط رویے کو سمجھتا ہے، خیر اور شر سے اس کا ضمیر آگاہ ہو جاتا ہے، قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا ذکر اس طرح کرتا ہے:

﴿اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا﴾ (الدھر:٧٦/٣)

''ہم نے (انسان) کو راستہ دکھایا، خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔''

گویا کہ یہ زندگی سراسر امتحان ہے، اور اسے احتیاط سے قانون کے مطابق گزارنے والا ہی کامیابی سے ہمکنار ہوسکتا ہے۔

﴿الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (الملک:٦٧/٢)

(اللہ تعالیٰ وہ ہے) جس نے موت اور حیات کو اس لیے پیدا کیا کہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے کام کون کرتا ہے؟

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ہدایت اور گمراہی کا پورا اختیار اس رب العزت کے ہاتھ میں ہے اور اس کے علاوہ کسی کو بھی ہدایت دینے کا یا گمراہ کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

<u>ہدایت کے طلبگار کو ہدایت فرماتا ہے:</u>

پھر بھی ہدایت کے طلبگار کو اپنی رحمت سے عطا فرما دیتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَللّٰهُ یَجْتَبِیْۤ اِلَیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْۤ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ﴾ (الشوریٰ:٤٢/١٣)

''اللہ جسے چاہتا ہے اپنا کر لیتا ہے اور وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اسی کو دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے۔''

<u>ہدایت پر استقامت:</u>

انسانی زندگی کے مراحل بڑے نازک ہیں، یہ خطرات میں بھری ہوئی ہے، انسان کا ازلی دشمن شیطان (ابلیس) ہر وقت اور ہر لمحہ اس کے درپے آزار ہے، نت نئی چالوں سے اس پر حملے کرتا ہے، سبز باغ دکھاتا ہے، اس نے اپنے ساتھ انسانوں اور جنوں میں سے اچھا خاصا لشکر تیار کر لیا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی قوت و طاقت رحمت اور فضل کے سامنے اس کے اور اس کے لاؤ لشکر کی تمام چالیں اور حربے بیکار ہیں، اسلام کی کھری اور سچی تعلیمات پر مضبوطی سے عمل پیرا ہو جانے پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اہل ایمان کے شاملِ حال رہتی ہیں، نماز کی ہر رکعت میں اللہ تعالیٰ کے حضور ہماری دعا ہوتی ہے:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ﴾

اے اللہ! ہمیں سیدھے راستہ پر استقامت عطا فرما اور حق بات تو یہ ہے کہ جب تک اس کا فضل

اور اس کی رحمت شاملِ حال نہ ہو ہماری کامیابی نہیں ہو سکتی ہے۔

ھُدیٰ اور ھَویٰ:

جیسا کہ گزشتہ درس میں بتایا جا چکا ہے کہ ''ھُدیٰ'' کے معنی لطف و کرم کے ساتھ کسی کی رہنمائی اور رہبری کرنے کے ہیں اور انسان کو یہ رہنمائی خالقِ کائنات اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ملی ہے اور یہ اُس کا انتہائی فضل اور کرم ہے کہ اُس نے انسان کو اپنی تمام مخلوقات پر فضیلت عطا فرمائی ہے، زندگی گزارنے کا منشور اور دستور ''دینِ اسلام'' عطا فرمایا ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے اس کی دنیا اور آخرت سنورتی ہے اور اسے حیاتِ جاوداں کی نویدِ جانفزا ملتی ہے۔ اس کے برعکس ''ھَویٰ'' دوسرا راستہ ہے جس کا انجام تباہی و بربادی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

امام راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں:

''اَلْھَویٰ'' کے معنی خواہشاتِ نفسانی کی طرف مائل ہونے کے ہیں اور جو شخص نفسانی خواہشات میں مبتلا ہوا اسے ھَوًی کہہ دیتے ہیں کیونکہ خواہشاتِ نفسانی انسان کو اس کے شرف و منزلت سے گرا کر مصائب و مشکلات میں مبتلا کر دیتی ہیں اور آخرت میں اس کا انجام '' ''ھاویة'' دوزخ ہے۔

ان آیاتِ مبارکہ پر توجہ دیجیے:

﴿وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَاهِيَهْ ۝ نَارٌ حَامِيَةٌ﴾

(القارعة: ١٠١/٨-١١)

''اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے (یعنی برائیاں نیکیوں پر غالب ہوں گی) اس کا ٹھکانا ہاویہ (دوزخ) ہے اور تمہیں کیا خبر کہ وہ کیا چیز ہے؟ وہ تیز و تند آگ ہے۔''

غور طلب بات یہ ہے کہ ''ھَاوِیَةٌ'' کا مادہ بھی ''ھَویٰ'' ہے یعنی ''ھَویٰ'' (خواہشات) کا انجام ''ھَاوِیَةٌ'' دوزخ ہے اور ''ھَویٰ'' اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ انسان راہِ حق سے انحراف کر کے خواہشات اور شیاطین کے راستوں کو اپنا لے۔

خواہشاتِ نفس کے پجاری کا حال ان الفاظ میں بیان ہوا ہے:

﴿اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا﴾ (الفرقان:٦٥/٤٣)

کیا آپ نے اسے بھی دیکھا جو اپنی خواہشِ نفس کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہے، کیا آپ اس کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں۔

حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

''یعنی جو چیز اس کے نفس کو اچھی لگی، اسی کو اپنا دین و مذہب بنا لیا، کیا ایسے شخص کو آپ راہ یاب کر سکتے ہیں؟ یا اللہ کے عذاب سے چھڑا سکیں گے؟ اس کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا:

﴿اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ﴾ (فاطر:۳۵/۸)

(بھلا کچھ ٹھکانا ہے اس شخص کی گمراہی کا) جس کے لیے اس کا برا عمل خوشنما بنا دیا گیا ہو اور وہ اسے اچھا سمجھ رہا ہو، حقیقت یہ ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں ڈال دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہِ راست دکھا دیتا ہے۔ پس (اے نبیؐ) خواہ مخواہ آپ کی جان ان لوگوں کی خاطر غم اور افسوس میں نہ گُھلے، جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اسے خوب جانتا ہے۔

اور گمراہی تو اُن لوگوں کا مقدر بنتی ہے جو حق بات پر غور و فکر نہیں کرتے، عقل و فکر سے عاری ہو جاتے ہیں، آباء و اجداد کی غلط باتوں کی پیروی میں لکیر کے فقیر ہو جاتے ہیں، قرآن حکیم ان کی اس غلط روش کو اس طرح بیان کرتا ہے:

﴿وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ﴾ (البقرہ:۲/۱۷۰)

ان سے جب کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو احکام نازل کیے ہیں ان کی پیروی کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اسی طریقے کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، اچھا اگر ان کے باپ دادا نے عقل سے کچھ بھی کام نہ لیا ہو اور راہِ راست نہ پائی ہو تو کیا پھر بھی یہ انہی کی پیروی کیے چلے جائیں گے؟

اور جب افراد اور قومیں حق بات کی طرف کسی طرح بھی رخ کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتیں تو انہیں ان کی ہٹ دھرمی اور سرکشی میں مزید مہلت دی جاتی ہے اور شیطان بھی ان کے برے اعمال کو

ان کے لیے خوشنما بنا کر دکھاتا ہے اور بالآخر یہی بات ان کی تباہی و بربادی کا سامان بنتی ہے، ان آیات پر غور کیجیے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''(اے نبیؐ) آپ سے پہلے بہت سی قوموں کی طرف ہم نے رسول بھیجے اور قوموں کو مصائب و آلام میں مبتلا کیا تاکہ وہ عاجزی کے ساتھ ہمارے سامنے جھک جائیں، پس جب ہماری طرف سے ان پر سختی آئی تو کیوں نہ انہوں نے عاجزی اختیار کی؟ مگر ان کے دل تو اور سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کو اطمینان دلایا کہ جو کچھ تم کر رہے ہو خوب کر رہے ہو، پھر جب انہوں نے اس نصیحت کو جو انہیں کی گئی تھی بھلا دیا تو ہم نے ہر طرح کی خوشحالیوں کے دروازے ان کے لیے کھول دیے (اور وہ اپنی سرکشیوں میں بڑھتے ہی چلے گئے) پھر یہاں تک کہ جب وہ ان نعمتوں میں جو انہیں عطا کی گئی تھیں بے خوف مگن ہو گئے تو اچانک ہم نے انہیں پکڑ لیا اور اب حال یہ تھا کہ وہ ہر خیر سے مایوس تھے، اس طرح ان لوگوں کی جڑ کاٹ کر رکھ دی گئی جنہوں نے ظلم کیا تھا۔'' (الانعام: ٦/٤٢-٤٥)

سرکشی اور باغیوں کا یہ انجام تو دنیا میں ہوا اور آخرت کے انجام کی خبر اس طرح دی گئی ہے:

﴿فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۝ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِىَ الْمَاْوٰى﴾

(النازعات: ٧٩/٣٧-٣٩)

''تو جس نے سرکشی کی تھی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تھی، دوزخ ہی اس کا ٹھکانہ ہو گی۔''

هُدٰى (ہدایت) سے محرومی اس لیے ہوتی ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہدایت کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں، بصارت رکھنے کے باوجود بصیرت سے محروم ہو جاتے ہیں، ان آیات پر غور کیجیے، قومِ ثمود کی رہبری کیلئے ان ہی میں سے سیدنا ہود علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا۔ وہ اپنی قوم کو کس قدر درد بھرے لہجے میں سمجھاتے ہیں۔

''یاد کرو جب ان کے بھائی ہود علیہ السلام نے ان سے کہا ''کیا تم ڈرتے نہیں؟ میں تمہارے لیے ایک امانتدار رسول ہوں [لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں، میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے، یہ تمہارا کیا حال ہے کہ ہر اونچے مقام پر لا حاصل ایک یادگار عمارت بنا ڈالتے ہو (جو یقیناً وسائل اور وقت کا ضیاع ہے) اور بڑے بڑے محل تعمیر کرتے

ہو، گویا تمہیں (اسی عارضی دنیا میں) ہمیشہ رہنا ہے اور جس کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو تو سختی اور ظلم سے پکڑتے ہو (جو سراسر شرفِ انسانیت کے خلاف ہے) پس تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو (اس طرح زندگی بسر کرو جس طرح میں احکامِ الٰہی کے مطابق زندگی گزار رہا ہوں) ڈرو اس (خالق و مالک) سے جس نے وہ کچھ تمہیں دیا جس کی تمہیں خبر ہے، تمہیں جانور دیے، اولادیں دیں، باغات اور چشمے دیے، مجھے تمہارے حق میں ایک بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔" انہوں نے جواب دیا:

"(اے ہودؑ!) تو نصیحت کر یا نہ کر، ہمارے لیے سب یکساں ہے، یہ باتیں تو یوں ہی ہوتی چلی آئی ہیں اور ہم عذاب میں مبتلا ہونے والے نہیں ہیں" آخر کار انہوں نے (سیدنا ہودؑ) کو جھٹلا دیا اور ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔ (الشعراء:۲۶/۱۲۴-۱۳۹)

ایک اور مقام پر قومِ ثمود کی تباہی و بربادی کا ذکر اس طرح آیا ہے کہ اس قوم نے ہدایت کا راستہ چھوڑ کر اندھا بنا رہنا پسند کر لیا:

﴿وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾

(حٰمٓ السجدہ: ۴۱/۱۷-۱۸)

(رب کریم کا ارشاد ہے) رہے ثمود، سو ہم نے ان کی رہبری کی، پھر بھی انہوں نے ہدایت پر اندھے پن کو ترجیح دی، جس بنا پر انہیں (سراپا) ذلت کے عذاب کی کڑک نے ان کے کرتوتوں کے باعث پکڑ لیا اور (ہاں) اہل ایمان کو ہم نے (بال بال) بچا لیا۔

قرآن حکیم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ دل کا اندھا پن سب سے برا اندھا پن ہے، بصارت رکھتے ہوئے کوئی شخص بصیرت سے محروم ہو جائے تو اس سے بڑی محرومی اور کوئی نہیں ہو سکتی، ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ﴾ (الحج:۲۲/۴۶)

کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں (کہ انفس و آفاق کو دیکھ کر) ان کے دل سمجھنے

والے ہوتے یا (صداقت کو پہچان کر) ان کے کان سننے والے ہوتے؟ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں مگر وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

جب یہ دل حقیقت شناس نہ رہیں اور اپنے خالق و مالک کو نہ پہچانیں اور بصارت رکھتے ہوئے بصیرت سے تہی دامن ہو جائیں تو دنیا میں اضطراب اور پریشانی رہتی ہے اور روزِ قیامت فی الحقیقت بصارت سے بھی محروم ہو جائیں گے۔ قرآن اس طرح بیان کرتا ہے:

﴿وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰى ○ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْۤ اَعْمٰى وَ قَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا ○ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا وَ كَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰى﴾ (طٰہٰ:۲۰/ ۱۲۴-۱۲۶)

(رب کریم کا ارشاد ہے) اور جو میرے 'ذکر' (درس نصیحت) سے منہ موڑے گا اس کے لیے دنیا میں تنگ زندگی ہو گی (سکون و سلامتی سے محروم ہو جائے گا) اور قیامت کے روز ہم اسے اندھا اٹھائیں گے، وہ کہے گا: اے رب! دنیا میں تو میں آنکھوں والا تھا، یہاں مجھے اندھا کیوں اٹھایا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "ہاں، اسی طرح تو ہماری آیات کو جبکہ وہ تیرے پاس آئی تھیں، تو نے بھلا دیا تھا، اسی طرح آج تو بھی بھلایا جا رہا ہے۔"

جب انسان، جس کا شرف اور مرتبہ فرشتوں سے بھی بلند ہے، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہدایت سے منہ موڑتا ہے اور خواہشاتِ نفس کا پجاری بن کر شیاطین کے بہکاوے میں آ جاتا ہے تو وہ اپنے مقام سے گر کر حیوانات سے بھی بدتر ہو جاتا ہے اور بدترین انجام کو پہنچتا ہے، قرآن اس حقیقت کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

﴿وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓىٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴾ (الاعراف:۷/۱۷۹)

(رب کریم کا ارشاد ہے) اور بہت سے جن اور انسان (اپنے اعمالِ بد کی وجہ سے) دوزخ میں جانے والے ہیں، اُن کے پاس دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں (دل و دماغ ہیں مگر غور نہیں

کرتے) ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں (بصارت موجود مگر بصیرت کو بروئے کار نہیں لاتے) ان کے پاس کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں (حق بات سن کر غفلت کا شکار ہو جاتے ہیں) وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے ہیں (کتنے جانور ہیں جو انسان کو نفع پہنچاتے ہیں، جیسا کہ گائے بھینس، بھیڑ، بکری وغیرہ، مگر بد بخت انسانوں کی زندگیاں بیکار ہوتی ہیں بلکہ موذی بن کر دوسرے انسانوں کو تکالیف اور دکھ دیتے ہیں) یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھو گئے ہیں (اور شرفِ انسانیت کو ضائع کر کے قعرِ مذلت میں گرے ہوئے ہیں)۔

قرآن حکیم بار بار لوگوں کو غور وفکر کی دعوت دیتا ہے:

﴿اَفَلاَ یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾ (محمد: ٤٧/٢٤)

کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے یا دلوں پر اُن کے قفل پڑے ہوئے ہیں۔

﴿وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ﴾

(المومنون: ٢٣/٧٨)

''وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں سننے اور دیکھنے کی قوتیں دیں سوچنے اور سمجھنے کو دل دیے، مگر تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو۔''

﴿وَهُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾

(المومنون: ٢٣/٨٠)

اللہ ہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے، گردشِ لیل ونہار اسی کے قبضہ قدرت میں ہے، کیا تمہاری سمجھ میں بات نہیں آتی؟

﴿کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُوْنَ﴾ (البقرہ:٢/٢١٩)

اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے (کامیاب زندگی گزارنے کے لیے) صاف صاف احکام بیان کرتا ہے، شاید کہ غور وفکر سے کام لو۔

غرضکہ قرآن حکیم ان لوگوں کے لیے جو عقل وفکر سے کام لیتے ہیں، پھر انفس و آفاق میں رب کائنات کی قدرت و طاقت کی کتنی ہی نشانیاں بکھری پڑی ہیں، اس مہربان آقا نے ہر دور اور ہر زمانے

میں ہر خطۂ زمین میں اور ہر قوم اور ہر بستی میں اپنے رسول ہدایت کے ساتھ بھیجے اور خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کو نسلِ انسانیت کے لیے مبعوث فرمایا اور سلامتی کا راستہ صرف اسلام ہے جو رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں احکامِ الٰہی کو دل و جان سے ماننا ہے:

﴿وَ مَنۡ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ فَقَدۡ فَازَ فَوۡزًا عَظِیۡمًا﴾ (الاحزاب:۳۳/۷۱)

جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اس نے یقیناً بہت بڑی کامیابی حاصل کی۔

''دین اسلام'' سلامتی کا راستہ ہے اور یہ رب کائنات اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا انسانوں پر بہت بڑا انعام ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَ مَنۡ اَحۡسَنُ دِیۡنًا مِّمَّنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحۡسِنٌ﴾ (النساء:۴/۱۲۵)

''اور اس شخص سے بہتر اور کس کا طریقۂ زندگی ہوسکتا ہے؟ جس نے اللہ کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا اور اپنا رویہ نیک رکھا۔''

جو لوگ تسلیم و رضا کے اس راستے پر گامزن ہو گئے، وہ دنیا و آخرت میں فوز و فلاح سے ہمکنار ہو گئے اور جنہوں نے خواہشاتِ نفس کے پیچھے لگ کر اس راستے کو بھلا دیا وہ ناکام و نامراد ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و شعور کی دولت سے نوازا، فہم و فراست کی نعمت عطا فرمائی، اس کے علاوہ اس کی رہبری اور رہنمائی کے لیے انبیاء و رسل بھیجے جن نفوسِ قدسیہ کی پاکیزہ زندگیاں لوگوں کے لیے مشعلِ راہ بنیں اور خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کو نسلِ انسانیت کے لیے قدوہ اور نمونہ بنایا۔

''اسلام'' زندگی گزارنے کا وہ صاف ستھرا قانون ہے جس سے انسانی صلاحیتوں اور قوتوں کا صحیح استعمال ہوتا ہے۔ وہ تدبر اور فکر کو جلا بخشتا ہے، حکمت و بصیرت کو روشن کرتا ہے، فہم و ذکا کو منور کرتا ہے اور علم و عقل کی راہ پر لگا دیتا ہے، جس سے زندگی تاریکیوں سے نجات پا کر روشنی میں آ جاتی ہے، امن اور سکون کا راستہ نکلتا ہے، ہمدردی اور مروت کے پھول کھلتے ہیں اور معاشرتی زندگی خوشگواری کی فضا سے مہک اٹھتی ہے۔

اس کے برعکس ابلیس (شیطان) ہمہ وقت انسانوں کو راہِ حق سے بھٹکانے میں مصروف ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ حکمت و بصیرت کو پسِ پشت ڈال دیتا ہے تو خواہشاتِ نفس کا پجاری بن جاتا

ہے، قوم اور برادری کے غلط رسم و رواج کو اپناتا ہے، تو سیدھے راستے سے پھسل جاتا ہے، فطرتِ سلیم کو دھندلا دیتا ہے تو گمراہی کے گڑھے میں گر جاتا ہے، فکر و شعور کو ضائع کر دیتا ہے تو تباہی و بربادی کے عمیق غار میں گر جاتا ہے، اس پر سید مودودیؒ نے بڑی اچھی گفتگو فرمائی ہے۔

انسانی صلاحیتوں کا بہترین استعمال:

اسلام ایسا مذہب ہے جو اللہ نے اپنے رسولوں کے ذریعہ بھیجا ہے، یہ مذہب خالص علم سے پیدا ہوا ہے، سراسر عقل کو اپیل کرتا ہے اور اس کا اصل مقصد انسان کو جہالت کی تاریکی سے نکال کر علم کی روشنی میں لانا ہے، تاکہ وہ کائنات میں اپنی اصلی حیثیت سے واقف ہو، موجودات کے ساتھ اپنے تعلق کی حقیقی نوعیت کو سمجھے اور علم وفہم کی روشنی میں اپنی تمام ظاہری و باطنی قوتوں اور مادی و روحانی وسائل کو اُس مقصد تک پہنچنے میں استعمال کرے جو درحقیقت انسانی زندگی کا اصل مقصد ہے، یعنی اس دنیا میں اُس خدمت کا ٹھیک ٹھیک حق ادا کرنا جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنا کر اس کے سپرد کی ہے اور آخرت میں اپنے مالک کی خوشنودی سے سرفراز ہونا جو ادائے فرض کا لازمی نتیجہ ہے۔

انسانی قوت کا صحیح استعمال:

یہ مذہب انسان کی کسی قوت کو بیکار نہیں کرتا بلکہ ہر ایک کو صرف کرنے کا صحیح راستہ بتاتا ہے۔ وہ انسان کی کسی خواہش کو پامال نہیں کرتا بلکہ ہر ایک کے لیے ایک جائز اور معقول حد مقرر کر دیتا ہے، وہ تخیل کو بلند پروازی سے روکتا نہیں بلکہ اس کی پرواز کے لیے ایک بہتر فضا اور ایک صحیح رُخ متعین کرتا ہے، وہ انسان کی عملی قوتوں کو مادی اسباب ووسائل کے اکتشاف اور ان سے انتفاع کرنے سے باز نہیں رکھتا بلکہ اس اکتشاف و انتفاع کو صحیح مقاصد کی طرف موڑ دیتا ہے۔ وہ ہر شخص کو اُسی کام میں لگاتا ہے جس کی اہلیت لے کر وہ پیدا ہوا ہے، خواہ اس کا میلان روحانیت کی طرف ہو یا مادّیت کی طرف، لیکن ان دونوں قسم کے انسانوں کو وہ ایسے علم اور ایسے تعقل سے بہرہ ور کر دینا چاہتا ہے جس کی مدد سے وہ افراط وتفریط کو چھوڑ کر ایک صراطِ مستقیم پر چل سکیں، انسان ہونے کی حیثیت سے اپنے فرائض کو سمجھیں اور بجا لائیں، ان کی ذات پر اللہ اور مخلوقات اور خود ان کے اپنے نفس کے جو حقوق ہیں ان کو جانیں اور ادا کریں، روحانیات کی طرف جائیں تو اُن میں اس قدر گم نہ ہو جائیں کہ تمام تر مکاشفات

اور لذاتِ روحانی ہی اُن کی جدوجہد کا محور بن کر رہ جائیں۔ اور مادیت کی طرف متوجہ ہوں تو ادھر بھی ان کا انہماک اس قدر نہ بڑھ جائے کہ وہ بالکل حسّی لذتوں اور جسمانی آسائشوں اور مادی کامیابیوں ہی کو اپنا کعبہ مقصود بنالیں۔

تدبّر کی ضرورت ہے:

یہ سراسر علمی و عقلی مذہب ہے، اس لیے اس کا صحیح اتباع بھی علم اور عقل کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ یہاں ہر ہر قدم پر تفقہ اور تدبر کی ضرورت ہے، جو شخص اس مذہب کی رُوح سے ناآشنا ہو، اس کی حکمتوں سے ناواقف ہو، اس کے اصول کو نہ سمجھتا ہو، اس کی تعلیم میں غوروفکر نہ کرتا ہو، وہ اُس راہِ راست پر استقامت کے ساتھ چل ہی نہیں سکتا جس کی طرف یہ مذہب رہنمائی کر رہا ہے۔ اس کا عقیدہ بے قیمت ہے جب تک کہ وہ زبانی اقرار سے گزر کر فکر و شعور پر حاوی نہ ہوگیا ہو۔ اُس کا عمل بے اثر ہے جب تک کہ وہ علم اور فہم کی روح سے معمور نہ ہو جائے۔ اس کا اتباعِ قانون بے معنی ہے جب تک قانون کی اسپرٹ اس کے جوارح سے گزر کر اس کے دل و دماغ پر چھا نہ گئی ہو۔ اگر محض تقلید کی راہ سے وہ بغیر سمجھے بوجھے اس مذہب کی صداقت پر ایمان رکھتا ہو اور اس کا اتباع کر رہا ہو، تو اس کا ایمان اور اتباع بالکل ایک ریت کے تودے کی طرح ہوگا، جسے ہوا کا ہر جھونکا اپنی نگاہ سے ہٹا کر دوسری جگہ جما سکتا ہے، ایسے جاہل کے ایمان اور اندھے کے اتباع میں کوئی پائیداری نہیں ہو سکتی۔ ہر گمراہ کرنے والا اس کو صحیح مرکز سے ہٹا سکتا ہے۔ ہر خوش نما راستہ اس کو اپنی طرف مائل کرسکتا ہے، ہر توہّم، ہر مفروضہ، ہر نظریہ اس کے اعتقاد کی بنیادوں کو متزلزل کرسکتا ہے۔ ہوائے نفس کی ہر لہر اور ضلالتِ عامہ کی ہر رو اس کو بہا کر کہیں سے کہیں لے جاسکتی ہے اگر وہ قدامت پسند ہوگا تو اعتقاد اور عمل کی ہر اُس گمراہی پر اصرار کرے گا جو آباء واجداد سے اس کو میراث میں ملی ہو۔ اگر تجدّد کا ذوق رکھتا ہوگا تو خواہشاتِ نفس کو اپنا الٰہ بنا کر ہر اُس نئے راستہ پر بھٹکتا پھرے گا جسے اس کے نفس کا شیطان اس کے سامنے مزین بنا کر پیش کردے۔ اگر کمزور طبیعت کا ہوگا تو ہر اُس راہرو کے پیچھے چل کھڑا ہوگا جو اسے زندگی کے راستہ پر کسی حیثیت سے کامیابی کے ساتھ قطع منازل کرتا نظر آئے۔ اگر خود اپنے اجتہاد سے کوئی راہ نکالنے کی اس میں صلاحیت ہوگی تو دین میں صحیح بصیرت نہ رکھنے اور الٰہی

قانون کے اصول سے ناواقف ہونے کی وجہ سے زندگی کے سفر میں ہر دوراہے پر پہنچ کر وہ علم کے بجائے ظن وتخمین سے کام لے گا اور آخر کہیں نہ کہیں جا کر سیدھے راستے سے بھٹک ہی جائے گا۔ غرض اس الٰہی مذہب کا صحیح اتباع اور اس اتباع میں استقامت، جہل اور نافہمی کے ساتھ ممکن ہی نہیں ہے۔اس کے لیے علم اور سمجھ بوجھ اور غور وفکر ناگزیر ہے اور انہی چیزوں کے کمال پر کمالی درجات مترتب ہوتے ہیں۔

کتاب اور حکمت

اس مذہب کی تاریخ پر نگاہ ڈالیے تو ہمارے اس بیان کی صداقت آپ کے سامنے نمایاں ہو جائے گی۔ جتنے انبیاء علیہم السلام اللہ کی طرف سے آئے وہ صرف ایک قانون اور ایک کتاب ہی لے کر نہیں آئے بلکہ اس کے ساتھ حکمت بھی لائے، تاکہ لوگ ان کی تعلیم کو سمجھیں اور علیٰ وجہ البصیرت اُس قانون کی پیروی کریں جو اُن کے ذریعہ سے بھیجا گیا تھا۔ ﴿فَقَدْ اٰتَيْنَا اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (النساء:٤/٥٤) ﴿وَ يُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (آل عمران:٣/٤٨) ﴿وَ اٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ﴾ (ص:٢٨/٢٠) ﴿قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ﴾ (الزخرف:٤٣/٦٣) یہ حکمت کیا چیز تھی؟ دین کی سمجھ، علم کی روشنی، بصیرت کا نور، تدبر کی صلاحیت، اور تفقہ کی قابلیت۔ جب کبھی کوئی نبی آیا اُس نے اپنے پیروؤں کو کتاب کے ساتھ یہ چیز بھی دی اور اسی کی مدد سے لوگ سیدھے رستے پر قائم رہے۔

دورِ جہالت کیسے شروع ہوا؟

اس کے بعد ایک دور جہالت اور اندھی تقلید کا آیا جس میں حکمت غائب ہوگئی اور کتاب باقی رہ گئی۔ کچھ عرصہ تک لوگ محض کتاب کو لیے ہوئے اُس ڈگر پہ چلتے رہے جس پر ان کے اسلاف انھیں چلا گئے تھے۔ مگر اب ان میں گمراہیوں کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی، کیونکہ وہ چیز ان میں باقی نہیں رہی تھی جس سے وہ کتاب کو سمجھتے اور ہدایت کو ضلالت سے ممتاز کرسکتے۔ رفتہ رفتہ ان کے قدم راہِ راست سے ہٹنے شروع ہوئے۔ کسی نے ہوائے نفس کا اتباع کیا۔ کسی نے ظن وتخمین کی پیروی کی۔ کسی نے گمراہ قوموں کے اثرات قبول کیے۔ کسی نے جھوٹے رہنماؤں کو ارباب من دون اللہ بنایا۔

آخر کار حکمت کے ساتھ کتاب بھی رخصت ہوگئی۔ اور اللہ کے بھیجے ہوئے دین کو مسخ کر کے اوہام اور خرافات اور فکر و عمل کی گمراہیوں کا مجموعہ بنا دیا گیا۔

بغیر فہم کے نقصان ہوتا ہے:

اس طرح بار بار دینِ الٰہی کے مسخ ہونے، اور کتبِ آسمانی کے گم یا محرف ہوجانے اور امتوں میں ہدایت کے بعد ضلالت کے پھیل جانے کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ دینِ الٰہی میں اصل چیز الفاظِ کتاب کی تلاوت اور رسومِ مذہب کی بجا آوری نہیں ہے، بلکہ تمام تر دارومدار کتب کے صحیح علم و فہم پر ہے۔ جب تک لوگوں میں حکمت رہی اور وہ آیاتِ الٰہی میں تدبر کرتے رہے، اور انبیاء کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم پر نورِ بصیرت کے ساتھ چلتے رہے، اس وقت تک کوئی چیز ان کو گمراہ نہ کرسکی۔ اور جب یہ چیز ان سے مفقود ہوگئی تو گویا ان میں بیماریوں کی استعداد پیدا ہوگئی۔ ان کے اندر بھی امراض پیدا ہوئے اور باہر سے بھی وبائی جراثیم نے اُن پر حملہ کیا، یہاں تک کہ دین اور کتاب اور قانون سب کچھ کھو کر وہ ضلالت کے ہزار ہا راستوں میں بھٹک گئے۔

خاتم النبیین محمد ﷺ کا دین کن کے لیے ہے؟

سابق انبیاء کے بعد محمد ﷺ کو ایسی کتاب اور ایسی ہدایت دے کر بھیجا گیا جس کو پچھلی کتابوں کی طرح مسخ اور محرف ہونے کا تو کوئی خطرہ نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو صحیح صورت میں باقی رکھنے کا ایسا انتظام کردیا ہے کہ اگر انسان اس کو بدلنے اور مٹانے کی کوشش بھی کرے تو کامیاب نہیں ہو سکتا۔ لیکن اب بھی اس کتاب اور اس ہدایت سے فائدہ اٹھانے، اور دین کے سیدھے راستے پر قائم رہنے، اور اعتقاد و عمل کی گمراہیوں سے بچنے کا انحصار کلیۃً اُسی چیز پر ہے جس پر ابتداء سے دینِ الٰہی کی بنا رکھی گئی ہے، یعنی علم اور عقل۔ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ہر زمانے اور ہر حال میں بہترین رہنما ہے، مگر اُن کے لیے جو علم اور عقل رکھتے ہوں۔ اللہ اور اُس کے رسول کی ہدایت کو سمجھیں، اس میں غور و خوض کریں، اس سے اکتسابِ نور کریں اور زندگی کی ہر راہ میں اس نور کو لے کر چلیں۔ رہے وہ لوگ جو تفقہ و تدبر کی نعمت کھو چکے ہیں اور صرف اس لیے مسلمان ہیں کہ اُن کے باپ دادا ان کو مسلمان چھوڑ گئے ہیں، تو درحقیقت ان کے لیے دین میں کوئی استقامت ہے ہی نہیں۔ وہ ہر

وقت گمراہی کے خطرہ میں ہیں۔ گمراہی ان کے اندر سے بھی پھوٹ سکتی ہے اور باہر سے بھی حملہ کر سکتی ہے۔ ممکن ہے کہ ان کی اپنی جہالت اور نافہمی ان کو راہِ راست سے بھٹکا دے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے گردو پیش جو ضلالتیں پھیلی ہوئی ہیں ان میں سے کسی کے پیچھے وہ بغیر جانے بوجھے لگ جائیں۔ کیونکہ ان کے پاس وہ چیز ہے ہی نہیں جو ان کو دین کے سیدھے رستے پر مضبوطی کے ساتھ قائم رکھ سکتی ہے۔

فہم سے محرومی گمراہی کا سبب ہے:

قرآن مجید میں انسان کی گمراہی کا اصل سبب صرف ایک چیز کو قرار دیا گیا ہے اور وہ آیاتِ الٰہی کو نہ سمجھنا ہے، چنانچہ وہ بار بار اس پر متنبہ کرتا ہے اور نہایت شدت کے ساتھ اس کی مذمت کرتا ہے:

﴿ اِنَّ شَرَّ الدَّوَّابِ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴾ (الانفال:٨/٢٥)

''اللہ کے نزدیک بدترین جانور وہ بہرے گونگے ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔''

﴿ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴾ (الاعراف:٧/١٧٩)

''اُن کے پاس دل ہیں مگر اُن سے سمجھتے نہیں۔ اُن کے پاس آنکھیں ہیں مگر اُن سے دیکھتے نہیں۔ ان کے پاس کان ہیں مگر ان سے سنتے نہیں۔ وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ اور بھی زیادہ گمراہ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔''

﴿صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ﴾ (التوبة:٩/١٢٧)

''اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا ہے، کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ بوجھ نہیں رکھتے۔''

﴿لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ﴾ (الحشر٥٩:١٣)

''اُن کے دِلوں میں اللہ سے زیادہ تمہارا (یعنی بندوں کا) خوف ہے، یہ اس لیے کہ وہ سمجھ بوجھ رکھنے والے لوگ نہیں ہیں۔''

﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾ (محمد:٤٧/٢٤)

''کیا وہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں؟''

﴿اَفَلَمۡ یَدَّبَّرُوا الۡقَوۡلَ﴾ (المؤمنون:۲۳/۶۸)

''کیا انھوں نے اُس بات پر جوان سے کہی جا رہی ہے غور نہیں کرتے؟''

گمراہی کی مزید صورتیں

اس عدمِ تدبر اور نافہمی کے نتائج دومختلف صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں اور وہ دونوں گمراہی کی بدترین صورتیں ہیں۔

ایک صورت یہ ہے کہ انسان بغیر سمجھے بوجھے اپنے دین و ایمان کو دوسروں پر چھوڑ دیتا ہے، خواہ وہ اس کو نجات کے رستے پر لے جائیں یا ہلاکت کے رستے پر۔

﴿وَ اِذَا قِیۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰی مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَی الرَّسُوۡلِ قَالُوۡا حَسۡبُنَا مَا وَجَدۡنَا عَلَیۡهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوۡ کَانَ اٰبَآؤُهُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ شَیۡئًا وَّ لَا یَهۡتَدُوۡنَ﴾ (المائدة:۵/۱۰۴)

''اور جب ان سے کہا گیا کہ آؤ اس کتاب کی طرف جو اللہ نے اُتاری ہے اور رسول کی طرف، تو بولے کہ ہمارے لیے وہی طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے آباء واجداد کو پایا ہے، کیا یہ لوگ باپ دادا ہی کی تقلید کریں گے، خواہ وہ کچھ نہ جانتے ہوں اور نہ راہ راست پر ہوں۔''

﴿اِتَّخَذُوۡۤا اَحۡبَارَهُمۡ وَ رُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ﴾ (التوبة:۹/۳۱)

''انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو رب بنا لیا ہے (کہ جس کو وہ حرام کہیں وہی ان کے نزدیک حرام ہے، خواہ اللہ نے اس کو حلال کیا ہو اور جس کو وہ حلال کہیں وہ ان کے لیے حلال ہے، خواہ اللہ نے اس کو حرام کیا ہو۔)''

﴿یَوۡمَ تُقَلَّبُ وُجُوۡهُهُمۡ فِی النَّارِ یَقُوۡلُوۡنَ یٰلَیۡتَنَاۤ اَطَعۡنَا اللّٰهَ وَ اَطَعۡنَا الرَّسُوۡلَا وَ قَالُوۡا رَبَّنَاۤ اِنَّاۤ اَطَعۡنَا سَادَتَنَا وَ کُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوۡنَا السَّبِیۡلَا﴾ (الاحزاب: ۳۳/۶۷)

''جب اُن کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کیے جائیں گے تو وہ کہیں گے کہ کاش ہم نے اللہ اور اس کے رسول کی بات مانی ہوتی، ''اور کہیں گے'' کہ اے رب ہمارے! ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی اور انھوں نے ہمیں راہِ راست سے گمراہ کر دیا۔''

دوسری صورت یہ ہے کہ انسان اللہ کی بخشی ہوئی ہدایت کو چھوڑ کر خود اپنی رائے پر اعتماد کرتا ہے۔ اس راہ میں اوّل تو علمِ یقین نہیں ہوتا (جو راہِ راست پر چلنے کا یقینی ذریعہ ہے) بلکہ زیادہ تر ظن و گمان ہوتا ہے، دوسرے بڑا خطرہ اس میں یہ ہے کہ انسان کی عقل پر نفس کی خواہشات غالب آ جاتی ہیں اور اس کو اعتدال کے خطِ مستقیم سے ہٹا کر افراط و تفریط کی جانب لے جاتی ہیں۔ جب انسان اس رستے پر چلتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہوتی ہے، جیسے کوئی گھٹا ٹوپ اندھیرے میں گامزن ہو، کہیں علمِ صحیح اور عقلِ سلیم کی بجلی اتفاق سے چمک گئی تو راستہ نظر آ گیا اور کچھ چل لیے ﴿كُلَّمَا اَضَاءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ﴾ ورنہ حیران ہو کر کھڑے ہو گئے ﴿وَ اِذَا اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا﴾ یا چلے تو کسی خار زار میں جا پھنسے یا کسی گڑھے میں گر گئے۔

﴿وَ مَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِىْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾ (یونس: ۱۰/۳۶)

''اور ان میں سے اکثر بجز گمان کے کسی اور چیز کی پیروی نہیں کرتے۔ اور گمان کا حال یہ ہے کہ وہ حق (علم یقین) سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کرتا۔''

﴿اَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ .... اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا﴾ (الفرقان: ۲۵/۴۳)

''کیا تو نے دیکھا اس شخص کو جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا الٰہ بنا لیا؟...... کیا تو گمان کرتا ہے کہ ایسے لوگوں میں سے اکثر سنتے اور سمجھتے ہیں؟ نہیں وہ تو بس جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ بدراہ۔''

﴿وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ﴾ (قصص: ۲۸/۵۰)

''اور اس سے زیادہ بدراہ اور کون ہو گا جس نے اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہشِ نفس کی پیروی کی؟''

﴿وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوَاهُ وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا﴾ (کہف: ۱۸/۲۸)

''اور اس شخص کی بات ہرگز نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور جس نے اپنی خواہشِ نفس کی پیروی اختیار کی ہے اور جس کے کام میں اعتدال سے تجاوز

ہے۔''

﴿وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (جاثية: ١٨/٤٥)

''اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرنا جو علم نہیں رکھتے۔''

تدبّر اور تفقہ لازمی امر ہے:

یہ نتائج ہیں آیاتِ الٰہی میں غور وخوض نہ کرنے اور تدبر و تفقہ سے کام نہ لینے کے۔ جو لوگ آیات کی تلاوت کرتے ہیں مگر ان کو نہیں سمجھتے، کتاب رکھتے ہیں مگر خود اس کی تعلیم میں بصیرت حاصل کرنے اور اس کے احکام کو معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ رسولؐ کی صداقت پر ایمان رکھتے ہیں مگر اس ہدایت کی طرف سے اندھے ہیں جو رسولؐ نے پیش کی ہے، اسلام کی حقانیت پر اعتقاد رکھتے ہیں مگر اس کے اصول اور اس کی روح سے ناواقف ہیں، ان کے لیے ہر ہر قدم پر یہ خطرہ ہے کہ گمراہی کی ان دونوں صورتوں میں سے کسی صورت میں مبتلا ہو جائیں۔اسی لیے اللہ اور اس کے رسولؐ نے مسلمانوں کو بار بار تاکید کی ہے کہ دین میں بصیرت پیدا کریں، اس کی تعلیم اور اس کے احکام کو سمجھیں اور کم از کم ان میں سے ایک گروہ ہمیشہ ایسا رہے جو تفقہ فی الدین حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دے تاکہ اپنے دوسرے بھائیوں کی صحیح رہنمائی کر سکے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿كِتَابٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْآ اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ (ص: ٢٩/٣٨)

''یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے تجھ پر اتاری ہے، برکت والی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات میں غور وخوض کریں اور جو عقل رکھتے ہیں وہ اس سے سبق لیں۔''

﴿قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ﴾ (الانعام: ٩٨/٦)

''ہم نے آیات کو مفصل بیان کر دیا ہے ان لوگوں کے لیے جو سمجھ رکھتے ہیں۔''

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (آل عمران: ١٦٤/٣)

''اللہ نے مومنوں پر بڑا ہی احسان کیا کہ ان میں خود انہی میں کا ایک رسول بھیج دیا جو ان

کو اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کے نفوس کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔''

﴿وَ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾ (بقرہ:٢/٢٦٩)

''اور جس شخص کو حکمت دی گئی اس کو بہت کچھ بھلائی دے دی گئی۔''

﴿فَلَوْ نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ﴾ (التوبة:٩/١٢٢)

''پھر کیوں ان کے ہر گروہ میں سے کچھ لوگ ایسے نہ نکلے کہ دین میں تفقہ حاصل کرتے اور واپس جا کر اپنی قوم کو آگاہ کرتے۔''

اس باب میں نبی ﷺ نے بکثرت ہدایات فرمائی ہیں، مثال کے طور پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اَلَا لَا خَيْرَ فِيْ عِبَادَةٍ لَيْسَ فِيْهَا تَفَقُّهٌ وَ لَا عِلْمٍ لَيْسَ فِيْهِ تَفَهُّمٌ وَ لَا قِرَاءَةٍ لَيْسَ فِيْهَا تَدَبُّرٌ۔))

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سن رکھو کہ اس عبادت میں کوئی بھلائی نہیں جس میں تفقہ نہیں ہے اور اس علم میں کوئی بھلائی نہیں جس میں سمجھ بوجھ نہیں ہے اور اس قرآن خوانی میں کوئی بھلائی نہیں جس میں تدبر نہیں ہے۔''

ایک دوسری حدیث میں ہے:

((مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ۔))

''اللہ جس کے لیے بہتری کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین میں تفقہ عطا کرتا ہے۔''

ایک اور حدیث میں ہے:

((اَفْضَلَ النَّاسِ اَفْضَلُهُمْ عَمَلًا اِذَا فَقَهُوْا دِيْنَهُمْ))

''لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہیں جو عمل کے اعتبار سے بہتر ہیں، بشرطیکہ دین میں سمجھ بوجھ رکھتے ہیں۔''

آج کل مسلمانوں میں کس بات کی کمی ہے؟

اس وقت مسلمانوں کے لیے سب سے بڑی بلکہ اصلی مصیبت یہی ہے کہ ان میں تفقہ فی الدین اور تدبر فی الکتاب والسنۃ نہیں ہے۔ اسی چیز کے فقدان نے ان کے اعتقادات کو کھوکھلا، ان کی عبادات کو بے روح، اُن کی مساعی کو پراگندہ و پریشان، اور ان کی زندگیوں کو بے ضابطہ و بدنظم کر دیا ہے۔ اسلام کے شیدائی ان میں بہت ہیں، مگر اسلام کو سمجھنے والے بہت ہی کم ہیں۔ قرآن اور محمد ﷺ کے نام پر مرمٹنے والوں کی کمی نہیں، مگر قرآن اور محمد ﷺ نے جس دین اور شریعت کو پیش کیا ہے اس کی روح اور اس کے اصول کو سمجھنے والے آٹے میں نمک کے برابر ہیں بلکہ اتنے بھی نہیں۔ یہ اسی نافہمی کے نتائج ہیں کہ جو لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہتے اور سمجھتے ہیں ان میں بدترین قسم کے توہمات اور مشرکانہ عقائد سے لے کر الحاد، دہریت اور کفر کی حد کو پہنچے ہوئے خیالات تک پائے جاتے ہیں اور ان کو اس بات کا احساس تک نہیں کہ جس اسلام کی پیروی کے وہ مدعی ہیں اس میں اور ان خیالات میں مکمل دُوری ہے۔ اس سے بدتر حالت اخلاق و عملی زندگی کی ہے بت پرستانہ رسم و رواج سے لے کر جدید مغربی تہذیب کے بدترین ثمرات تک ہر قسم کے اطوار اُس قوم میں رائج ہیں جو اپنے آپ کو اسلام کا پیرو کہتی ہے۔ اور الا ماشاء اللہ کسی گروہ کو یہ احساس تک نہیں کہ وہ کہاں کہاں اُس قانون کے اصول اور قواعد سے صریح انحراف کر گیا ہے جس پر ایمان رکھنے کا اس کو دعوای ہے۔ ہر غلط خیال اور غلط طریقہ جو کہیں سے آتا ہے ان میں رواج پا جاتا ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام میں اس کی بھی گنجائش ہے۔ ہر گمراہ کن شخص جو کسی خوش آیند طریقہ پر چل رہا ہے، بآسانی اِن کا رہنما بن جاتا ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ محمد ﷺ کے ساتھ ہم اس کی پیروی بھی کر سکتے ہیں۔ ہر چیز جو غیر اسلام ہے وہ بے تکلف اسلام کے ساتھ ایک ہی دماغ اور ایک ہی زندگی میں جمع کر لی جاتی ہے، کیونکہ اسلام اور غیر اسلام کا امتیاز علم وفہم پر موقوف ہے، اور اسی کا یہاں فقدان ہے۔ جو شخص مشرق اور مغرب کا فرق جانتا ہو وہ کبھی اس حماقت میں مبتلا نہیں ہو سکتا کہ مشرق کی طرف چل رہا ہو اور یہ سمجھے کہ مغرب کی سمت جا رہا ہوں۔ یہ فعل صرف ایک جاہل ہی کا ہو سکتا ہے اور یہی جہالت ہم ایک نہایت قلیل جماعت کے سوا مشرق سے لے کر مغرب تک مسلمانوں میں عام دیکھ رہے ہیں، خواہ وہ اَن پڑھ عوام ہوں، یا دستار بند علماء یا خرقہ

پوش مشائخ، یا کالجوں اور یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ حضرات۔ ان سب کے خیالات اور طور طریقے ایک دوسرے سے بدرجہا مختلف ہیں، مگر اسلام کی حقیقت اور اُس کی رُوح سے ناواقف ہونے میں یہ سب یکساں ہیں۔

نبی ﷺ کا ایک نہایت ہی حکیمانہ ارشاد ہے کہ:

((صِنْفَانِ اِذَا صَلَحَا صَلَحَتِ الْاُمَّةُ وَاِذَا فَسَدَ اَفْسَدَتِ الْاُمَّةُ، اَلسَّلْطَانَ وَالْعُلَمَاءُ))

''دو گروہ ہیں کہ اگر وہ درست ہوں تو امت درست رہے اور اگر وہ بگڑ جائیں تو امت بگڑ جائے، حکمران اور علماء۔''

مسلمانوں کی تاریخ کا ہر باب اس ارشادِ نبوی کی صداقت پر گواہ ہے۔اور سب سے زیادہ آج ہم اس کی صداقت کو نمایاں دیکھ رہے ہیں اگر ہمارے حکمرانوں اور علماء میں تقوای اور دین کا صحیح علم ہوتا تو نوبت یہاں تک نہ پہنچتی اور آج بھی اگر مسلمان قوموں کو ایسے رہنما میسر آجائیں تو حالات کے اس درجہ بگڑ جانے پر بھی اصلاح کے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

(ترجمان القرآن، شوال ٥٤ هجری، جنوری ٣٦ء)

ایمان اور اُس کے لوازمات

اسلام کی تکمیل ایمان سے ہوتی ہے۔

لغوی معنی: ایمان کا مادہ (ا م ن) ہے جس کے معنی امن، آرام، سکون اور سلامتی کے ہیں، اس کی ضد خوف ہے، جیسا کہ قرآن حکیم میں آتا ہے:

﴿فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ﴾ (البقرہ:٢/٢٣٩)

(رب کریم کا ارشاد ہے) اگر (حالت جنگ میں) تمہیں خوف ہو تو پیدل یا سواری پر (اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اور اشاروں سے نماز پڑھ لو) ہاں جب امن ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اس طرح کرو کہ جیسے اس نے تمہیں تعلیم دی ہے۔ (سنتِ نبوی کے مطابق باجماعت نماز ادا کرو)

ایمان کا اصطلاحی معنی:

زبان کے سچے اقرار اور دل کے کھرے یقین سے اللہ تعالیٰ کو ربّ واحد مان کر اُس کے احکام پر، خاتم النبیین جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں عمل پیرا ہو جانا، دراصل شریعت کو ایسا ایمان مطلوب ہے جس میں دل اور زبان ہم آہنگ ہوں۔

کیسا ایمان مطلوب ہے؟

ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ﴾ (الرعد:۱۳/۲۸)

جو لوگ ایمان لائے (صدقِ دل سے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب تسلیم کیا) اور نیک عمل (سنتِ نبویؐ کے مطابق) کیے وہ خوش نصیب ہیں اور ان کے لیے اچھا انجام ہے۔

ایمان، نماز اور انفاق

ایمان پانچ وقت کی نماز قائم کرنے کا بھی مطالبہ کرتا ہے، یہ چیز قبولِ ایمان کے ساتھ ہی فرض ہو جاتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ ایمان 'انفاق فی سبیل اللہ' کی ترغیب دیتا ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا فریضہ یکساں ادا ہوتا رہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿قُلْ لِّعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ یُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِیَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَ لَا خِلٰلٌ﴾ (ابراهیم: ۱۴/۳۱)

''(اے نبیؐ) میرے جو بندے ایمان لائے ہیں ان سے کہہ دیجیے کہ (اخلاص سے) نماز قائم کریں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کھلے اور چھپے (اللہ کی رضا کے لیے غرباء و مساکین پر) خرچ کرتے رہیں، قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید و فروخت ہو گی اور نہ دوست نوازی ہو سکے گی۔''

ایمان اور رمضان

ایمان یہ بھی مطالبہ کرتا ہے کہ ماہِ رمضان آئے تو اس میں پورے آداب کے ساتھ روزے رکھے جائیں، اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (البقرہ:۲/۱۸۳)

''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیے گئے جس طرح تم سے پہلے انبیاء کی امتوں پر فرض کیے گئے تھے، اس سے توقع ہے کہ تم میں تقوای کی صفت پیدا ہو جائے گی۔''

بات صوم وصلوٰۃ تک نہیں، ایمان کے اور بھی مطالبات اور تقاضے ہیں جو قرآن و سنت میں موجود ہیں۔

ایمان اور عدل وانصاف:

ایمان کا لازمی تقاضا ہے کہ عدل وانصاف سے کام لیا جائے اور ظلم وستم کے قریب بھی نہ پھٹکا جائے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا وَ اِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾ (النساء:۴/۱۳۵)

''اے ایمان والو! انصاف کے علمبردار بنو اور اللہ کی رضا کے سچے گواہ بنو، اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں ہی پر کیوں نہ پڑتی ہو، فریقِ معاملہ خواہ مال دار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے، لہٰذا اپنی خواہشِ نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔''

یہ آیتِ مبارکہ پاکستان کی عدلیہ کے لیے لمحۂ فکریہ ہے!

ایمان اور رزقِ طیب

ایمان لانے کے بعد ضروری ہے کہ رزقِ طیب کا استعمال کیا جائے جس کے نتیجے میں شکر گزاری کے جذبات نشوونما پائیں گے۔

رزقِ طیب وہ ہوتا ہے جس کے حصول کے ذرائع طیب ہوں، یعنی وہ حق حلال کی روزی چوری

اور ڈکیتی کا مال نہ ہو، رشوت اور سود سے حاصل کیا گیا نہ ہو، نیز فی نفسہ وہ رزق بھی طیب ہو، یعنی حلال ہو حرام نہ ہو، مثلاً پانی حلال ہے، جبکہ شراب حرام ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾ (البقرہ:۲/۱۷۲)

''اے ایمان والو! اگر تم حقیقت میں اللہ ہی کی بندگی کرنے والے ہو تو اللہ کی عطا کردہ (نعمتیں) رزق حلال کھاؤ اور اللہ کا شکر کیا کرو، اگر تم خاص اسی کی بندگی کرتے ہو۔''

باطل کے خلاف ڈٹ جانا

باطل اور کفر کے خلاف ڈٹ جانا اور ان کے مقابلے میں ثابت قدم رہنا، نظامِ حق وصداقت قائم کرنے کے لیے ہر وقت کمر بستہ رہنا بھی ایمان کی علامت ہے، قرآن اعلان کرتا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾

(ال عمران: ۳/۲۰۰)

''اے ایمان والو! صبر سے کام لو (خواہشاتِ نفس کو لگام دو) باطل پرستوں کے مقابلہ میں پامردی دکھاؤ، حق کی حمایت کے لیے کمر بستہ رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو، امید ہے کہ فلاح پاؤ گے۔''

اس وقت امتِ مسلمہ پر جو افتاد پڑی ہے وہ ڈھکی چھپی بات نہیں ہے اور پاکستان جس نازک موڑ پر کھڑا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ یہ آیتِ مبارکہ اہل اسلام اور اہل پاکستان کے لیے باعثِ موعظت ونصیحت ہے، کاش کہ ہم رب کے احکام کو دل وجان سے مانیں اور خسارے سے بچ نکلیں۔

حصولِ رزق کی ناجائز راہیں

ایمان کوئی جامد حقیقت نہیں ہے، بلکہ یہ متحرک اور رواں دواں عمل ہے۔ اچھے اعمال سے یہ پھلتا پھولتا ہے، اس میں لذت اور مٹھاس پیدا ہوتی ہے۔ جبکہ برے اعمال سے اس میں کمزوری پیدا ہوتی ہے اور قبیح حرکات پر سزا بھی ملتی ہے، اس آیت مبارکہ پر غور کیجیے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ

تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ (النساء:۴/۲۹)

''اے ایمان والو! آپس کے مال ناجائز طریقہ سے مت کھاؤ مگر یہ کہ تمہاری آپس کی رضامندی سے خرید وفروخت ہو اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو (غور تو کیا کرو) کہ اللہ تعالیٰ تم پر نہایت مہربان ہے (جو تمہیں زندگی گزارنے کے زریں اصول عطا فرماتا ہے)۔''

حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

''اس کے لیے بھی شرط یہ ہے کہ یہ لین دین حلال اشیاء کا ہو، حرام اشیاء کا کاروبار باہمی رضامندی کے باوجود ناجائز ہی رہے گا۔ علاوہ ازیں رضامندی میں ''خیارِ مجلس'' کا مسئلہ بھی آجاتا ہے، یعنی جب تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں سودا فسخ کرنے کا اختیار رہے گا (خریدنے والا بیچنے والے کو واپس کرسکتا ہے) جیسا کہ صحیح حدیث بخاری میں ہے:

﴿اَلْبَيْعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا﴾

''باہم سودا کرنے والوں کو، جب تک جدا نہ ہوں (سودا کو فسخ کرنے کا) اختیار ہے۔''

ناحق قتل و غارت

وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔

اس سے مراد خودکشی بھی ہوسکتی ہے۔ جو کبیرہ گناہ ہے اور ارتکابِ معصیت بھی (جیسا کہ کفر و شرک، برائی اور بے حیائی کا ارتکاب) جو انسان کی ہلاکت کا باعث ہے اور کسی مسلمان کو قتل کرنا بھی، کیونکہ مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں، اس لیے اس کا قتل بھی ایسا ہی ہے جیسے اپنے آپ کو قتل کیا۔ (احسن البیان)

اور مسلمان کو جانتے بوجھتے ہوئے (ناحق) قتل کرنے پر جو سزا ہے، قرآن اس کا ذکر اس طرح کرتا ہے:

﴿وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّلَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا﴾ (النساء:٤/٩٣)

''اور جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی جزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ

رہے گا، اُس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لیے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے۔''

یہ آیتِ مبارکہ ہم سب کے لیے زبردست لمحۂ فکر یہ ہے کہ اس میں مسلمانوں کو قتل کرنے کی سزا شدید ترین ہے اور خاص طور پر پاکستانی لوگوں کے لیے جہاں انسانی جان کی کوئی قیمت ہی نہیں رہی ہے۔ اسلام تو نسلِ انسانیت کا محافظ ہے، ذرا اس آیت پر بھی غور کرتے جایئے:

﴿اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا﴾

(المائدہ: ۵/۳۲)

''کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو، قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا اور جو شخص کسی ایک کی جان بچالے، اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کر دیا۔''

کسی کو ناحق قتل کرنا اللہ کی نگاہ میں جرمِ عظیم ہے اور اس کی وجہ سے شر اور فساد کا جو خطرناک دروازہ کھل جاتا ہے اس کا بند کرنا مشکل ترین کام ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے یہ حکم جاری کر دیا تھا کہ جو کوئی کسی کو ناحق قتل کر دے گا یا زمین میں فساد برپا کرنے کے لیے ایسا کرے گا تو گویا وہ تمام بنی نوعِ انسان کے قتل کا مرتکب ہوگا (اس سے حسد و بغض کی چنگاریاں نہ معلوم کتنی نسلوں تک پھیلیں گی) اور جو عفو و درگزر یا کسی اور طریقہ سے کسی کی زندگی کی بقا کا سبب بنے گا تو وہ گویا تمام لوگوں کی زندگی کا سبب بنے گا (اور یہ امن وسلامتی کی فضا نسلوں میں منتقل ہو جائے گی)۔

کیا ہم قرآن حکیم کی پاکیزہ تعلیمات پر غور کریں گے؟

ایمان اور اسلام:

اسلام تو یہ ہے کہ جب کوئی شخص اخلاص کے ساتھ کلمۂ طیبہ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ'' پڑھ لیتا ہے تو وہ صوم وصلوٰۃ کا پابند ہو جاتا ہے اور اگر اللہ اسے مال و دولت سے نوازے تو اس سے غربا و مساکین کی خدمت کرتا ہے اور مزید وسعت کے ساتھ زندگی میں کم ازکم ایک بار فریضۂ حج ادا کرتا ہے، جبکہ ایمان کا تعلق دل سے ہے کہ خلوصِ نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق و مالک تسلیم کر

کے اس کے ہر چھوٹے بڑے حکم کو سنتِ نبوی کی پیروی میں بجا لاتا ہے۔

اس آیتِ مبارکہ پر غور کیجیے:

﴿قَالَتِ الۡاَعۡرَابُ اٰمَنَّا قُلۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا وَلٰـكِنۡ قُوۡلُوۡۤا اَسۡلَمۡنَا وَلَمَّا يَدۡخُلِ الۡاِيۡمَانُ فِىۡ قُلُوۡبِكُمۡ وَاِنۡ تُطِيۡعُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ لَا يَلِتۡكُمۡ مِّنۡ اَعۡمَالِكُمۡ شَيۡـئًا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ﴾ (الحجرات: ٤٩/ ١٤)

''یہ بدوی (دیہاتی) کہتے ہیں کہ ''ہم ایمان لائے'' ان سے کہیے ''تم (ابھی) ایمان نہیں لائے، بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لائے، حالانکہ ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل ہی نہیں ہوا (تمہارا ایمان تو اس وقت مکمل ہوگا جب) تم اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی (زندگی کے ہر ہر معاملے میں) فرمانبرداری کرنے لگو گے تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہ کرے گا، بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اس آیتِ مبارکہ میں ''اسلام'' اور ''ایمان'' کا فرق واضح ہو جاتا ہے ''اسلام'' ایک ظاہری قانونی شکل رکھتا ہے، کلمۂ طیبہ کے اقرار کے ساتھ اس شخص پر اسلام کے احکام جاری ہو جاتے ہیں اور وہ مسلمانوں کی صف میں شامل ہو جاتا ہے، لیکن اس کی تکمیل ایمان سے ہوتی ہے جس میں دل کی گواہی کے ساتھ ساتھ زندگی کے ہر چھوٹے بڑے عمل میں احکامِ الٰہی کی تعمیل سنتِ نبویؐ کے مطابق کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

ایمان اور اعمالِ صالحہ کا تعلق چولی دامن کا سا ہے، ایسے ہی جس طرح اسلام اور ایمان کا تعلق ہے یعنی پہلے اسلام کا زبان سے اقرار ہوتا ہے اور دل کی شہادت کے ساتھ ایمان کا درجہ ملتا ہے اور یہی شہادت جب اعمالِ صالحہ کے سانچے میں ڈھلتی ہے تو ایمان پختہ ہوتا ہے، اس لیے ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاِنۡ تُطِيۡعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ لَا يَلِتۡكُمۡ مِّنۡ اَعۡمَالِكُمۡ شَيۡـئًا﴾ (الحجرات:٤٩/ ١٤)

''اگر تم اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی (زندگی کے ہر ہر معاملے میں) فرمانبرداری کرنے لگو گے تو اللہ تمہارے اعمال میں کچھ بھی کم نہ کرے گا (اور روزِ جزا اجرِ عظیم سے نوازے گا)۔''

اس بات کو اس طرح بھی واضح کیا گیا:

﴿وَ مَنْ یُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَی اللّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی وَ اِلَی اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾ (لقمٰن:۲۲/۳۱)

اور جو شخص اپنے آپ کو اللہ کے تابع کر دے (مسلم بن جائے، اللہ تعالیٰ کے احکام کو سنت نبویؐ کے مطابق ادا کرے) اور وہ (زندگی بھر) محسن (یعنی مخلص) بن کر رہے یقیناً اس نے مضبوط سہارا تھام لیا۔ (یعنی اللہ سے اس نے مضبوط عہد لے لیا کہ وہ اسے اپنی رحمتوں سے نوازے گا اور یقیناً اسے اپنی جنت عطا فرمائے گا) اور (یاد رکھو!) سارے معاملات کا فیصلہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا﴾ کے بعد والی آیتِ مبارکہ میں ایمان کی حقیقت کو اور واضح کر دیا ہے۔

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾ (الحجرات:۱۵/۴۹)

''حقیقت میں تو مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر انہوں نے کوئی شک نہ کیا اور اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، وہی سچے لوگ ہیں۔''

انصاف کی گواہی بھی ایمان کی علامت ہے:

رب کریم کا فرمان ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰۤی اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰی بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤی اَنْ تَعْدِلُوْا وَ اِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا﴾ (النساء: ۱۳۵/۴)

''اے ایمان والو! انصاف کے علمبردار اور اللہ کے واسطے گواہ بنو اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو، فریقِ معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے۔ لہٰذا اپنی خواہشِ نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو، اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا

سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔"

مندرجہ بالا آیتِ مبارکہ میں حکمت وبصیرت کے متعدد نِکات ہیں:

ا) اہل ایمان کو عدل و انصاف قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے، قیامِ عدل ایمان کی علامت ہے، جسے کسی جگہ اور کسی وقت بھی نظر انداز نہ کیا جائے۔

ب) کسی بات کے قیام کا مطلب ہے کہ اسے عزمِ راسخ اور مضبوط ارادے سے سرانجام دیا جائے اور اس کے جملہ حقوق کے ساتھ اسے بروئے کار لایا جائے، اس میں کسی قسم کی کوتاہی اور کمزوری کا عمل دخل نہ ہو، جیسا کہ دین کو قائم کرنے کے بارے میں حکم ہوتا ہے۔

﴿اَنْ اَقِيْمُوْا الدِّيْنَ وَلاَ تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾ (الشوریٰ: ۴۲/۱۳)

"(مسلمانو!) اللہ تعالیٰ کے دین کو پوری طرح قائم کرو اور متفرق نہ ہو جاؤ۔"

(ٹولیوں اور فرقوں میں نہ بٹ جاؤ) دین کو قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ زندگی کے ہر ہر شعبہ میں خواہ وہ اجتماعی ہو یا انفرادی، سیاسی ہو یا معاشی ہو، ملکی ہو یا بین الاقوامی اسے اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق سرانجام دو۔

اسی طرح نماز کے بارے میں حکم ہوتا ہے:

﴿وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ (البقرہ:۲/۸۳)

"نماز کو (پورے آداب کے ساتھ سنتِ نبویؐ کے مطابق) قائم کرو۔"

قیامِ عدل کے لیے بھی ضروری ہے بغیر کسی رعایت کے امیر وغریب، بادشاہ اور فقیر کے ساتھ عدل و انصاف کو روا رکھو۔

دین اسلام کو "دین قیم" کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ یہ زندگی گزارنے کا مضبوط اور مفید ترین نظام ہے، اس میں انسانوں کے لیے فوز وفلاح ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی:

﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ﴾ (البینة:۹۸/۵)

"(لوگوں کو ہمیشہ سے) اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی بندگی کریں (پوری

زندگی کو اس کی اطاعت میں دے ڈلیں) اور اس کے لیے دین کو خالص رکھیں۔ (سیدنا) ابراہیم حنیف کے دین پر اور نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ دیتے رہیں، یہی دین قیم ہے۔ (صاف ستھرا طریقِ زندگی ہے)

ج) مسئلۂ شہادت کے حوالے سے ارشاد ہوتا ہے کہ اس میں تمام مفادات اور تعلقات نظر انداز کر کے فقط اللہ کے لیے گواہی دو اگر چہ اس میں خود تمہاری ذات، تمہارے ماں باپ دوست واحباب اور اعزاء واقرباء کا نقصان ہو رہا ہو۔

زمانۂ جاہلیت میں اور دورِ حاضر کے زوال پذیر معاشرے میں کنبہ پروری، تعصب، مفاد پرستی اور ہٹ دھرمی کی بہت سی مثالیں ہیں، خود پاکستان میں عدلیہ ابھی تک پوری طرح بحال نہیں ہوئی ہے۔

د) اسلام جاہلیت کے تمام افعال شیاطین کی سجھائی باتیں ہوں یا باپ دادا کی غلط رسومات، خواہشاتِ نفس کے بت ہوں یا حکومتوں کے عدل کے خلاف کیے ہوئے فیصلے پر ضرب کاری لگاتا ہے اور انسانوں کو درست سمت کی طرف پھیر دیتا ہے۔

﴿قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ (الانعام:٦/١٦١)

''(اے نبیؐ) کہیے کہ میرے رب نے بالیقین مجھے سیدھا راستہ دکھایا ہے، بالکل ٹھیک دین جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں ''ابراہیمؑ کا طریقہ جسے یکسو ہو کر اس نے اختیار کیا تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔''

اور کامیابی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہے اور یہ بات یقیناً اسوۂ رسول ﷺ کی اتباع میں ہے، اس کا نام ''اسلام'' ہے:

﴿وَ كَیْفَ تَكْفُرُوْنَ وَ اَنْتُمْ تُتْلٰی عَلَیْكُمْ اٰیٰتُ اللّٰهِ وَ فِیْكُمْ رَسُوْلُهٗ وَ مَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ (ال عمران:٣/١٠١)

''(لوگو!) تمہارے لیے کفر کی طرف جانے کا اب کیا موقع باقی ہے جبکہ تم کو اللہ کی آیات

سنائی جا رہی ہیں اور تمہارے درمیان اس کا رسولؐ موجود ہے (قرآن اور سیرتِ طیبہ کی روشنی ہمیشہ چمکتی رہے گی) (یاد رکھو!) جو اللہ کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھامے گا (اس کے احکام کو سنت کی اتباع میں مانے گا) وہ ضرور راہِ راست پائے گا۔''

اور اہل ایمان کو اس آیت کے فوراً ہی بعد یہ نصیحت کی جا رہی ہے جسے ہر وقت اور ہر حال میں حرزِ جاں بنائے رکھنا چاہیے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ○ وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا﴾ (ال عمران:۳/۱۰۲-۱۰۳)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو (ہر وقت اور ہر لمحہ اللہ کے بندے بن کر رہو) تم سب مل کر اللہ کی رسی (قرآن حکیم) کو مضبوطی سے پکڑ لو (مضبوطی سے اس کے احکام پر عمل پیرا ہو جاؤ) اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو، اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے (نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے درمیان دینِ رحمت دے کر بھیجا ہے) اسلام سے پہلے تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہارے دل جوڑ دیے۔ اور اس کے فضل وکرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔

کاش کہ مسلمان ان آیات پر غور وفکر کر لیں۔

کلمۂ طیبہ- اسلام:

﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا ہرگز کوئی اِلٰہ نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اِس کلمۂ طیبہ کا جب کوئی شخص دل اور زبان سے سچائی کے ساتھ اقرار کر لیتا ہے تو وہ مسلمان ہو جاتا ہے اور اسلام کی بنیادی باتیں اس پر فرض ہو جاتی ہیں، سب سے پہلی بات نماز ہے، مثلاً ظہر کی نماز سے قبل کسی شخص نے اسلام قبول کیا تو اسے لازماً ظہر کی نماز اور پھر دن رات میں پانچ نمازیں پابندیِ وقت کے ساتھ سنتِ نبوی کے مطابق ادا کرنی ہوں گی۔ اس کے علاوہ ماہِ رمضان کے

روزے رکھنا اس پر لازم ہیں، ضرورت سے زائد مال پر زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے، جبکہ استطاعت رکھنے پر زندگی میں ایک بار فریضۂ حج ادا کرنا بھی لازمی امر ہے، اسلام کی بنیاد ان پانچ باتوں پر ہے:

کیسا ایمان مطلوب ہے؟

جبکہ ایمان زبان کے سچے اقرار اور دل کے کھرے یقین سے اللہ تعالیٰ کو رب واحد مان کر اس کے تمام احکام پر دل و جان سے جناب خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں عمل پیرا ہو جانا ہے اور شریعت کو ایسا ایمان مطلوب ہے جس میں دل اور زبان ہم آہنگ ہوں، ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ﴾ (الرّعد:۱۳/۲۸)

’’پھر جو لوگ ایمان لائے (صدق دل سے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب تسلیم کیا) اور ان کے دل اللہ کی یاد سے مطمئن ہیں۔‘‘

پھر اس ایمان کے ساتھ سنتِ نبوی کی پیروی میں وہ اعمالِ صالحہ کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَ حُسْنُ مَاٰبٍ﴾ (الرّعد:۱۳/۲۹)

’’پھر جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل (سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق کیے، وہ خوش نصیب ہیں اور انہی کے لیے اچھا انجام ہے۔‘‘

لذتِ ایمان:

لذت ایمان سے کون لوگ بہرہ ور ہوتے ہیں؟ وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب ہو جائے اور وہ رسول اللہ ﷺ کی محبت سے سرشار ہو کر ہر عمل اتباعِ رسول میں سرانجام دیں، اللہ تعالیٰ کی معرفت کا حصول دو طرح سے ہوتا ہے۔ ایک تو اس کی کتاب کی آیات پر غور وفکر کرتے رہنا تو دوسرے اس کی بنائی ہوئی وسیع و عریض کائنات، یعنی انفس و آفاق کا بھی گہری نظر سے مطالعہ کرنا اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کا راز آپ ﷺ کی اتباع میں ہے۔

معرفتِ الٰہی کا حصول:

اس عظیم اور حسین کائنات کو دیکھ کر بے اختیار عقلمند انسان کی زبان پکار اٹھتی ہے:

﴿فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِیۡنَ﴾ (المؤمنون: ۲۳/۱۴)

''کیسی شان والا ہے وہ اللہ جو بہترین پیدا کرنے والا ہے۔''

وہی تو ہے جو کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز کو بنانے والا ہے صرف بناتا ہی نہیں بلکہ اس کی نگہبانی بھی کرتا ہے۔

﴿اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ وَّ ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ وَّکِیۡلٌ﴾ (الزمر: ۳۹/۶۲)

''اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔''

پھر غور کیجیے کہ رب کریم کی اَن گنت مخلوقات ہیں کہ جن کا شمار قطار ناممکن ہے:

﴿وَمَا یَعۡلَمُ جُنُوۡدَ رَبِّکَ اِلَّا ہُوَ﴾ (المدثر: ۷۴/۳۱)

''تیرے رب کے لشکر کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے۔''

پھر ہر مخلوق کی ساخت اور رہنمائی کا بھی پورا سروسامان کر دیا:

﴿رَبُّنَا الَّذِیۡۤ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَہٗ ثُمَّ ہَدٰی﴾ (طٰہٰ: ۲۰/۵۰)

''ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی ساخت بخشی، پھر اس کو راستہ بتایا۔''

سید مودودی لکھتے ہیں:

''یعنی دنیا کی ہر شے جیسی بھی بنی ہوئی ہے اسی کے بنانے سے بنی ہے، پھر اس نے ایسا نہیں کیا کہ ہر چیز کو اس کی مخصوص بناوٹ دے کر یونہی چھوڑ دیا ہو بلکہ اس کے بعد وہی ان سب چیزوں کی رہنمائی بھی کرتا ہے، دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جسے اپنی ساخت سے کام لینے اور اپنے مقصدِ تخلیق کو پورا کرنے کا طریقہ اس نے نہ سکھایا ہو، کان کو سننا اور آنکھ کو دیکھنا، مچھلی کو تیرنا اور چڑیا کو اڑنا اسی نے سکھایا ہے، وہ ہر چیز کا صرف خالق ہی نہیں ہادی اور معلّم بھی ہے۔'' (مختصر حواشی)

پھر غور کیجیے کہ مخلوقات میں سے ہر ہر مخلوق کا روزی رساں بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے:

﴿وَ کَاَیِّنۡ مِّنۡ دَآبَّۃٍ لَّا تَحۡمِلُ رِزۡقَہَا ٭ۖ اَللّٰہُ یَرۡزُقُہَا وَ اِیَّاکُمۡ ۫ۖ وَ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ﴾

(العنکبوت: ۲۹/۶۰)

''کتنے ہی جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے، اللہ ان کو رزق دیتا ہے اور (اے انسانو!) تمہارا رازق بھی وہی ہے، وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔''

''وہ چیونٹی کو زمین کے کونوں کھدروں میں، پرندوں کو ہواؤں اور مچھلیوں اور دیگر آبی جانوروں کو سمندر کی گہرائیوں میں (یہی نہیں بلکہ پتھر کے اندر کیڑے کو بھی رزق عطا فرماتا ہے)۔'' (احسن البیان)

انسان کو بھی وہی رزق عطا فرماتا ہے، مگر اس نے اسے یہ شرف بخشا ہے کہ وہ محنت و مشقت سے اپنی روزی کمائے، یہ ہمت اور حوصلہ سلیقہ اور قرینہ تو اسی کا عطا کردہ ہے اور اس کے صلہ میں وہ اسے طرح طرح کے شیریں پھل اور قسم قسم کے اناج اور سبزیاں عطا فرماتا ہے۔ ان کی سیرابی تو یکساں پانی سے ہوتی ہے مگر ذائقے اور مزے مختلف ہوتے ہیں، بلکہ پہچان کے لیے رنگ روپ بھی مخصوص ہوتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَ فِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ زَرْعٌ وَّ نَخِیْلٌ صِنْوَانٌ وَّ غَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَ نُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰی بَعْضٍ فِی الْاُكُلِ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ﴾ (الرّعد:١٣/٤)

''اور دیکھو! زمین میں پاس پاس قطعے ہیں اور انگوروں کے باغات اور کھیت ہیں اور کھجوروں کے درخت ہیں، شاخ دار اور بعض ایسے ہیں جو بے شاخ ہیں، سب کو ایک ہی پانی سیراب کرتا ہے، مگر مزے میں ہم کسی کو بہتر بنا دیتے ہیں اور کسی کو کمتر، ان ساری چیزوں میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر سے کام لیتے ہیں۔''

''مُّتَجٰوِرٰتٌ'' ایک دوسرے کے قریب اور متصل (زمین کے حصے اور قطعات) پھر بھی غور کرو ایک حصہ خوب پیداوار دیتا ہے۔ اُس کے ساتھ ہی زمین شور ہے جس میں کسی قسم کی پیداوار نہیں ہوتی ''صِنْوَانٍ'' ایک درخت جس کی شاخیں اور تنے ہوں جیسے انار، انجیر اور بعض کھجوریں اور ''غَیْرُ صِنْوَانٍ'' جو اس طرح نہ ہوں بلکہ ایک ہی تنے والا ہو۔'' (احسن البیان)

''نُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰی بَعْضٍ فِی الْاُكُلِ'' بعض پھل اپنے استعمال کے لحاظ سے کثیر الفوائد ہیں، جیسا کہ سیب، انگور، انار اور کھجور اور اس میں یہ معنی بھی پوشیدہ ہیں کہ بعض شیریں اور لذیذ ہوتے

ہیں اور بعض تلخ اور کھٹے، یہ سب اس کی قدرت اور کاریگری کے نمونے ہیں۔

''یُسْقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ'' پانی تو سب کھیتوں اور باغوں کو یکساں دیا جاتا ہے، مگر پیداوار مختلف قسم کے اور ذائقے اور رنگ روپ میں فرق ہوتا ہے، یہ اس عظیم کاریگر کی قدرت کے کرشمے ہیں۔(سبحان اللہ!)

پانی

پانی اللہ تعالیٰ کی عجیب اور عظیم نعمت ہے، اس کا اندازہ موسم گرما میں افطاری کے وقت ہوتا ہے، اس کا ہر ہر قطرہ جسم و جان کے لیے راحت اور فرحت کا سامان بنتا ہے، گویا کہ اس کے بغیر جسم اور روح کا برقرار رہنا ناممکن ہے۔قرآن حکیم اس حقیقت کو اس طرح بیان کرتا ہے:

﴿وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾ (الانبیاء:۲۱/ ۳۰)

''اور ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے پیدا کیا (گویا کہ پانی پر ہر چیز کی زندگی کا انحصار ہے)۔''

پانی نہ صرف حیوانات کے لیے ضروری ہے بلکہ نباتات کے لیے بھی ایسا ہی ضروری ہے، اس کے بغیر کھیتوں کا سرسبز اور شاداب ہونا اور فصلوں اور پھلوں کا تیار ہونا ممکن نہیں ہے۔

اس آیتِ مبارکہ پر غور کیجیے:

﴿وَ تَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ وَ اَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِيْجٍ﴾ (الحج:۲۲/ ۵)

''(رب کریم کا ارشاد ہے) اور تم زمین کو خشک دیکھتے ہو پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ اُبھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کی خوشنما نباتات اُگاتی ہے۔''

اور ہوائیں کس کے حکم سے اپنے دوش پر بادلوں کو لیے، پھرتی ہیں اور بادل کس کے حکم پر فلاں فلاں مردہ زمین پر برس جاتے ہیں:

﴿وَ هُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ حَتّٰۤى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ (الاعراف:۷/ ۵۷)

''اور وہ اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے آگے خوشخبری لیے ہوئے بھیجتا ہے (خوشگوار ہوائیں بارانِ رحمت کا پیغام دیتی ہیں) پھر جب وہ پانی سے لدے ہوئے بادل اٹھا لیتی ہیں تو ہم اس بادل کا کسی خشک سرزمین کی طرف رخ پھیر دیتے ہیں، پھر اس میں سے پانی برساتے ہیں، پھر اس پانی سے ہر قسم کے پھل پھول نکالتے ہیں (جو اس کی قدرت اور طاقت کا پتہ دیتے ہیں) یوں ہی ہم مردوں کو نکال کھڑا کریں گے تاکہ تم سمجھو (رب قدیر کے لیے تو کوئی بات بھی مشکل نہیں، وہ تو صرف 'کن' فرماتا ہے اور وہ چیز ہو جاتی ہے)۔

لَذّتِ ایمان-معرفتِ الٰہی کا حصول

اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو اسوۂ رسول ﷺ کے مطابق سرانجام دینے کا نام اسلام ہے اور اسلام کی تکمیل ایمان سے ہوتی ہے اور ایمان کی حلاوت اور لذت اللہ تعالیٰ کی معرفت سے نصیب ہوتی ہے اور اس معرفت کا حصول انفس و آفاق پر غور وفکر کرنے سے ہوتا ہے، نیز اللہ تعالیٰ کی کتاب سے بصیرت حاصل کرنے سے بھی ملتا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ﴾ (البقرہ:۲/۲۶۶)

''اس طرح اللہ اپنی باتیں تمہارے سامنے کھول کھول کر بیان کرتا ہے شاید کہ تم غور وفکر کرو (اور راہ یاب ہو جاؤ۔)''

(ل) تمہاری پیدائش میں اور حیوانات میں (جن سے تم فائدہ حاصل کرتے ہو) ہواؤں کی گردش میں، لیل ونہار کی آمد و رفت میں اور مختلف قسم کی پیداوار میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نشان ہویدا ہیں:

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نشان:

﴿اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ○ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ○ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾

(الجاثیہ:۴۵/۳-۵)

''حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں بے شمار نشانیاں ہیں ایمان لانے والوں کے لیے اورتمہاری اپنی پیدائش میں اور ان حیوانات میں جن کو اللہ (زمین میں) پھیلا رہا ہے بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو یقین لانے والے ہیں اور لیل و نہار کے فرق و اختلاف میں اور اس رزق میں جسے اللہ آسمان سے نازل فرماتا ہے، پھراس کے ذریعہ سے مردہ زمین کو جی اٹھاتا ہے اور ہواؤں کی گردش میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جوعقل وفکر سے کام لیتے ہیں۔''

ب) زمین وآسمان:

سید قطب شہید لکھتے ہیں:

﴿اِنَّ فِیْ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِلْمُؤْمِنِیْنَ﴾

حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں (اللہ کی قدرت کی) بے شمار نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں اور وہ نشانیاں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں وہ کسی چیز تک محدود نہیں ہیں، اس کائنات کی جس چیز کو بھی انسان دیکھے اور مطالعہ کرے تو دل گواہی دیتا ہے کہ یہی پہلو ایک معجزہ ہے،سوال یہ نہیں کہ نشانی کہاں ہے؟ سوال یہ ہے کہ کون سی چیز نشانی نہیں ہے؟

پھر ذرا اس بات کو دیکھو کہ ان اجرامِ فلکی کی گردش اپنے اپنے مدار میں کس قدر تسلسل کے ساتھ قائم ہے، نہایت ہی خوبصورت ہم آہنگی کے ساتھ، انسان یہ چاہتا ہے کہ دیکھتا ہی رہ جائے اور اس کے مشاہدے سے جی بھرتا ہی نہیں اور بعض گردشیں کروڑوں سالوں میں مکمل ہوتی ہیں اور ایک سیکنڈ کا فرق نہیں پڑتا۔ (فی ظلال القرآن)

آفتاب و ماہتاب

آفتاب و ماہتاب اور لیل و نہار انسان کے مشاہدے میں آتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ کسی ذی شان مالک کے حکم سے فضائے بسیط میں تیر رہے ہیں اور ذرہ برابر بھی انحراف نہیں کرتے ہیں۔قرآن اعلان کرتا ہے:

﴿لَا الشَّمْسُ یَنْبَغِی لَهَا اَنْ تُدْرِکَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَکُلٌّ فِیْ فَلَکٍ

یَسْبَحُوْنَ﴾ (یٰسٓ:٣٦/ ٤٠)

”نہ آفتاب کی یہ مجال ہے کہ ماہتاب کو پکڑے اور نہ رات دن پر آگے بڑھ جانے والی ہے اور سب کے سب (اپنے اپنے مدار میں) آسمان میں تیرتے پھرتے ہیں (یہ مدبرِ کائنات اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے وجود پر ایک بڑی دلیل ہے)۔“

ج) لیل ونہار:

پھر لیل ونہار پر قرآن اس طرح روشنی ڈالتا ہے:

﴿قُلْ اَرَئَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰہُ عَلَیْکُمُ الَّیْلَ سَرْمَدًا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ مَنْ اِلٰہٌ غَیْرُ اللّٰہِ یَاْتِیْکُمْ بِضِیَآءٍ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ○ قُلْ اَرَئَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰہُ عَلَیْکُمُ النَّھَارَ سَرْمَدًا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ مَنْ اِلٰہٌ غَیْرُ اللّٰہِ یَاْتِیْکُمْ بِلَیْلٍ تَسْکُنُوْنَ فِیْہِ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾

(القصص:٢٨/ ٧١-٧٢)

”(اے نبی) ان (لوگوں سے) کہو کہ کبھی تم نے غور کیا کہ اگر اللہ قیامت تک تم پر ہمیشہ کے لیے رات طاری کر دے تو اللہ کے سوا وہ کون سا معبود ہے جو روشنی لا دے؟ کیا تم سنتے نہیں ہو؟ ان سے یہ بھی پوچھیے! کبھی تم نے سوچا کہ اگر اللہ قیامت تک تم پر ہمیشہ کے لیے دن طاری کر دے تو اللہ کے سوا وہ کون سا معبود ہے جو تمہیں رات لا دے تا کہ تم اس میں سکون حاصل کر سکو؟ کیا تم کو سوجھتا نہیں؟۔“

یہ دن رات اس نے کیوں بنائے، دن تو کام کاج کے لیے تا کہ تم اس میں رزقِ حلال کی دوڑ دھوپ کر سکو اور دن بھر کے تھکے ہارے شام کو جب گھر لوٹو تو رات کو اس نے راحت وآرام کے لیے بنایا تا کہ انسان اگلے روز کے لیے محنت ومشقت کرنے کا اہل ہو سکے، دن بھر مصروف رہنے والا انسان جب رات کو بستر پر دراز ہوتا ہے تو بڑی جلدی وہ نیند کی آغوش میں چلا جاتا ہے اور یہ بھی اس کی رحمت اور فضل کی بات ہے۔

﴿وَ مِنْ رَّحْمَتِہٖ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ وَ النَّھَارَ لِتَسْکُنُوْا فِیْہِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِہٖ وَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ﴾ (القصص:٢٨/ ٧٣)

''یہ اُسی (خالق و مالک) کی رحمت ہے کہ اس نے تمہارے لیے رات اور دن بنائے تاکہ تم (رات کو) سکون حاصل کرو اور (دن کو) اپنے رب کا فضل تلاش کرو (رزق حلال کی جستجو کرو) شاید کہ تم اس کے شکر گزار (بندے) بن جاؤ۔''

پھر غور کیجیے کہ یہ زمین جسے انسان بہت طویل و عریض سمجھتا ہے، یہ ایک نہایت ہی چھوٹا سا ذرہ ہے بمقابلہ ان بڑے ستاروں کے (صرف مشتری اس زمین سے ایک ہزار گنا بڑا استارہ ہے) پھر اس ذرۂ زمین کو اور اس وسیع فضائے کائنات کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے تھام رکھا ہے۔

پھر وہ ساز و سامان جو اللہ نے اس زمین میں اس کے ایک خاص مقام اور نظام کی وجہ سے ودیعت کیا ہے اور جس کی وجہ سے اس کے اوپر زندگی ممکن ہوئی ہے۔ اُس کا تو ہر ہر پہلو ایک نشانی ہے، اس ساز و سامان کی ہر چیز کے اپنے اپنے خواص نہایت باریک بینی کے ساتھ بڑی کثرت اور ہم آہنگی کے ساتھ یہاں جمع کیے گئے ہیں، اگر کسی ایک چیز کی خاصیت و ماہیت شمہ برابر بدل جائے تو زندگی کا پورا نظام خلل پذیر ہو جائے۔

غرض اس زمین کی ہر زندہ شے ایک علیحدہ نشانی ہے، ہر چیز کا ایک ایک جز اور ایک ایک عضو ایک الگ نشانی ہے، اس معاملہ میں عظیم الجثہ اشیاء (جیسا کہ ہاتھی) اور ذرہ برابر کی اشیاء (مکھی، مچھر اور چھوٹے چھوٹے جرثومے وغیرہ) نشانی ہیں، ایک بڑے درخت سے ایک چھوٹا سا پتا اٹھالو، اس کائنات کی پہنائیوں میں ایک چھوٹا سا نباتاتی پودا لے لو اور تجربہ کرو، اپنے حجم اور اپنی شکل کے اعتبار سے یہ ایک نشانی ہے۔ رنگ میں بھی اور اپنے چھوٹے پن میں بھی، انسان یا حیوان کے جسم کا ایک بال ہی لے لو، یہ بھی ایک نشانی ہے، اس کی ترکیب اس کا رنگ نشانی ہے، ہر پرندے کا ہر پر ایک نشانی ہے، اگر انسان اس زمین و آسمان میں چشمِ بصیرت کے ساتھ دیکھے تو اسے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نشانات ان گنت اور بے پناہ نظر آئیں لیکن یہ نشانیاں کس کے لیے ہیں؟ صرف اور صرف ان لوگوں کے لیے جن کا ایمان اور یقین روشن ہے۔ جو مومن ہیں اور مومن ہی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ روشنی سے دیکھتا ہے۔

قوت ایمان:

پس ایمان ہی وہ قوت ہے جو دلوں کے دروازے کھولتا ہے، پھر انسان پکار سنتا ہے، کوئی روشنی دلوں کو اندر آ کر منور کرتی ہے، کوئی تازہ بادِ نسیم کے جھونکے دنیائے دل پر تروتازگی بکھیرتے ہیں اور ایمان ہی کی وجہ سے انسان اس کائنات میں ہر طرف بکھری ہوئی نشانیاں دیکھ سکتا ہے، یہ ایمان ہی ہے جو دلوں کو ایسی فرحت بخش تازگی عطا کرتا ہے اور ان کے اندر رقت اور لطافت پیدا کرتا ہے جس کے نتیجے میں یہ دل وہ اشارات وصول کرتے ہیں جو اس کائنات میں انہیں ہر طرف سے وصول ہو رہے ہوتے ہیں اور یہ اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ان سے رب کائنات کی قدرت ہویدا ہے، اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہر چیز میں اعجاز اور قدرت ہے، اب اس کائنات کی طویل اور دور درازیوں سے واپس لا کر انسان کو اس کی اپنی ذات کی طرف لایا جاتا ہے اور اس کے قریب تر وہ جانور بھی ہیں جن سے وہ فائدہ اٹھاتا ہے۔ (فی ظلال القرآن)

د) انسان کی پیدائش:

﴿وَ فِیْ خَلْقِكُمْ وَ مَا یَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ﴾

''اور تمہاری اپنی پیدائش میں اور اُن حیوانات میں جن کو اللہ (زمین میں) پھیلا رہا ہے بڑی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو یقین لانے والے ہیں۔''

اس سے بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت و طاقت عیاں ہوتی ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن کیلانی لکھتے ہیں:

''انسان خود اپنے جسم کی اندرونی (اور بیرونی) ساخت پر غور کرے تو اسے بہت کچھ حاصل ہو سکتا ہے، اس کے اعضاء کی بیرونی ساخت اور اس سے کثیر المقاصد فوائد کا حاصل ہونا اور اس کے اندر خود کار مشینوں کا کام کرنا (دل، دماغ، معدہ، جگر وغیرہ) تکلیف کی صورت میں خود طبیعت کا مقابلہ کرنا، پھر انسان کے اندر جو جو قوتیں اور جذبات رکھ دیے گئے ہیں ان میں کسی ایک بات پر بھی غور کرنے سے انسان کو اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا اعتراف کیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہوتا۔'' (تیسر القرآن)

قرآن حکیم نے مختلف مقامات پر انسان کو اس طرف توجہ دلائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَفِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ (الذاریات: ۵۱/۲۱)

’’اور خود تمہارے اپنے وجود میں (اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں) کیا تم بصیرت حاصل نہیں کرتے۔‘‘

جانور بھی اللہ کی قدرت کے نشان ہیں:

پھر کتنے ہی جانور ہیں جو انسان کے لیے مفید ہیں، جیسے گائے، بھینس، بھیڑ، بکری جن سے وہ دودھ حاصل کرتا ہے (ہر شخص کے لیے مرغوب غذا ہے) اور ان کے گوشت سے انسانی جسم کو طاقت اور توانائی ملتی ہے اور بعض جانور تمہارے لیے سواری اور بار برداری کے کام آتے ہیں، جیسے گھوڑا، اونٹ، گدھا اور خچر وغیرہ، بھلا غور کیجیے بھینس اور گائے کی غذا بھس اور چارہ ہے اور اس کے عوض انسان کو کتنی بڑی نعمت ملتی ہے:

﴿وَ اِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ﴾ (النحل:١٦/٦٦)

(لوگو!) اور تمہارے لیے مویشیوں میں بھی ایک سبق موجود ہے، ان کے پیٹ سے گوبر اور خون کے درمیان ہم ایک چیز تمہیں پلاتے ہیں، یعنی خالص دودھ، جو پینے والوں کے لیے نہایت ہی خوشگوار ہے۔

اونٹ صحرائی علاقوں میں اپنے سوار اور اس کے ساز و سامان کے ساتھ بغیر کھائے پیئے سینکڑوں میل سفر کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ نے بڑا صابر جانور بنایا ہے اور وہ اپنے پیٹ میں پانی کا وافر ذخیرہ کر لیتا ہے جسے وہ آہستہ آہستہ استعمال میں لاتا ہے۔ قرآن اس طرح توجہ دلاتا ہے:

﴿اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ○ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ○ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ○ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ﴾ (الغاشیہ: ٨٨/١٧-٢٠)

’’تو کیا (یہ لوگ) اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بنائے گئے ہیں؟ آسمان کو نہیں دیکھتے (کہ بغیر ستونوں کے) کیسے اٹھایا گیا اور پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے جمائے گئے ہیں اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بچھائی گئی ہے؟‘‘

﴿وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾ لیل و نہار کے فرق و اختلاف میں اللہ کی قدرت کے نشان ہیں یہ

مشاہدہ ہر شہری اور دیہاتی، پڑھا لکھا اور اَن پڑھ، بچہ اور بوڑھا ہر روز صبح اور شام اپنی آنکھوں سے کرتا ہے:

سئ) آسمانوں سے رزق کا نزول

﴿وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَابِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾

''اور اس رزق میں جسے اللہ آسمان سے نازل فرماتا ہے اور پھر اس کے ذریعہ مردہ زمین جلا اٹھاتا ہے۔''

قرآن حکیم ان باتوں کی طرف توجہ دلاتا ہے جسے ہر شخص غور و فکر کر کے نتائج اخذ کر سکتا ہے، تم غور کرو کہ تمہارے سامنے پارک ہے جس کی گھاس خشک اور بے جان پڑی ہے اور درختوں کے پتے بھی مرجھا گئے ہیں، بارانِ رحمت کا نزول ہوتا ہے، وہی مردہ گھاس ہری بھری ہو جاتی ہے اور درختوں کے پتے سرسبز و شاداب ہو جاتے ہیں، آخر ان میں زندگی کون ڈالتا ہے؟ یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ انسانوں کے جسم جو مرنے کے بعد مٹی میں گھل مل گئے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں اپنی قدرت سے زندہ فرما دے گا۔

﴿وَ تَصْرِيفِ الرِّيحِ﴾ اور ہواؤں کی گردش میں (اللہ کی قدرت کے نشان ہیں)

پانی اور ہوا کی قدر و قیمت کو اگر انسان پہچان لے تو اللہ تعالیٰ کا شکر اور تعریف کیے بغیر نہ رہ سکے پانی کی قدر گرمی کی شدت میں ہوتی ہے اور ہوا کی قدر حبس کے وقت ہوتی ہے (اگرچہ ہوا کلیۃً رک نہیں جاتی ہے)۔

آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کے قدر دان صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو عقل و دانش سے کام لیتے ہیں۔ ﴿لِقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ﴾

بندۂ مومن اللہ تعالیٰ کی معرفت سے ایمان کی لذت اور حلاوت سے بہرہ ور ہوتا ہے، جہاں انفس و آفاق سے معرفتِ الٰہی کا حصول ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ساتھ قرآن حکیم کی آیات پر غور و فکر سے بھی اس کا ادراک ہوتا ہے، ہوا جس میں انسان سانس لیتا ہے، پانی جو اس کی زندگی کا باعث ہے، طرح طرح کے میوہ جات اور اجناس جو اس کے جسم کو قوت اور توانائی عطا کرتے ہیں، دن کی روشنی جس میں وہ کام کاج کرتا ہے اور رات کی تاریکی جس میں وہ آرام کرتا ہے، موت و حیات، یعنی انسانوں کا

پیدا ہونا اور مرنا، رب کائنات کی قدرت کے واضح نشان ہیں۔

انسان کی فضیلت اور عظمت:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا﴾ (بنی اسرائیل: ۱۷/ ۷۰)

''یہ تو ہماری عنایت ہے کہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی اور عظمت عطا کی اور انہیں خشکی اور تری میں سواریوں کی (نعمت سے) نوازا اور انہیں (طرح طرح کی) پاکیزہ چیزیں رزق سے ودیعت فرمائیں اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔''

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی لکھتے ہیں:

''انسان کی دوسری تمام مخلوق پر فضیلت اور تکریم یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو احسنِ تقویم پر پیدا کیا جو سیدھا کھڑا ہو کر چلتا ہے، پھر جس قدر توازن و اعتدال انسانی جسم میں ہے اور جس قدر اس کے اعضائے جسم کثیر المقاصد ہیں اتنے کسی دوسری (مخلوق) کے نہیں، مخلوق میں سب سے برتر اللہ کے فرشتے تھے، اللہ نے ان سے بھی آدم کو سجدہ (تعظیمی) کروایا اور اس طرح تمام مخلوق پر واضح کر دیا کہ انسان ہی اشرف المخلوقات ہے، پھر انسان کا بچہ جو باقی جانوروں کے بچوں سے کمزور پیدا ہوتا ہے اسے اتنی عقل و فراست عطا کی کہ وہ دنیا جہاں کی چیزوں کو اپنے کام میں لائے، بڑے بڑے جسیم اور طاقتور جانوروں کو رام کر کے ان پر سواری کرے، دریاؤں اور سمندروں میں کشتیاں او جہاز چلا کر سمندر کی پیٹھ پر سوار ہو، تمام مخلوق کے مقابلہ میں کھانے کے لیے اعلیٰ سے اعلیٰ، لذیذ سے لذیذ اور صاف ستھرے کھانے اپنی خوراک کے لیے تیار کرے، اعلیٰ سے اعلیٰ لباس اور رہائش کے لیے مکان تعمیر کرے، یعنی جتنا اقتدار و اختیار اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کیا ہے اتنا دوسری کسی مخلوق کو عطا نہیں کیا گیا اور یہ سب کچھ یقیناً اللہ ہی کی بخشش اور اس کا کرم ہے، پھر اس سے بڑھ کر حماقت اور ضلالت اور کیا ہو سکتی ہے کہ انسان دوسری مخلوقات کے مقابلہ میں ایسے بلند مرتبہ پر فائز ہو کر اللہ کے سوائے اس کی دوسری مخلوق کے سامنے سر جھکانے لگے؟ یا اپنے ہی جیسے کسی محتاج بندے کو حاجت روا اور

مشکل کشا سمجھنے لگے؟ (تیسر القرآن، ج ۲)

اس آیتِ مبارکہ میں انسان کے لیے حکمت و بصیرت کے کئی نکات پوشیدہ ہیں:

ا) انسان گلشنِ حیات کا گلِ سرسبد ہے...... شکل و صورت میں، عقل و شعور میں، علم و آگہی میں رب کائنات نے اسے فضیلت و عظمت سے نوازا ہے، ضروری ہے کہ وہ اپنے مقام او رمرتبے کو پہچانے اور اپنے محسن رب کا شکرگزار بندہ بن کر رہے (وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ)۔

ب) اس کے خالق و مالک نے زمین وآسمان کی ہر چیز اس کے لیے مسخر فرما دی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِى الْاَرْضِ﴾ (لقمٰن: ۳۱/ ۲۰)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی ہر چیز کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے۔

تسخیر کا مطلب ہے انتفاع (فائدہ اٹھانا) جس کو ''یہاں کام سے لگا دیا ہے'' سے تعبیر کیا گیا ہے جیسے آسمانی مخلوق، چاند، سورج، ستارے وغیرہ ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ نے ایسے ضابطوں کا پابند کر دیا ہے کہ یہ انسانوں کے لیے کام کر رہے ہیں اور انسان ان سے فیضیاب ہو رہے ہیں، دوسرا مطلب تسخیر کا تابع بنا دیا ہے۔ چنانچہ بہت سی زمینی مخلوق کو انسان کے تابع بنا دیا گیا ہے جنہیں انسان اپنی حسبِ منشا استعمال کرتا ہے، جیسے زمین اور حیوانات وغیرہ ہیں، گویا تسخیر کا مفہوم یہ ہوا کہ آسمان و زمین کی تمام چیزیں انسانوں کے لیے کام میں لگی ہوئی ہیں چاہے وہ انسان کے تابع اور اس کے زیر تصرف ہوں یا اس کے تصرف اور حکم سے بالا ہوں۔ (فتح القدیر، امام شوکانی، بحوالہ احسن البیان)

خشکی اور تری میں کتنی سواریاں اس کی خدمت میں لگی ہوئی ہیں، چند وہ سواریاں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس کا مطیع اور تابع بنا دیا ہے اور وہ ان سے نقل و حمل کا کام لیتا ہے، جیسا کہ اونٹ، گھوڑا، بیل، خچر وغیرہ اور اسی آقا کی بخشی ہوئی عقل سے اس نے اپنی سہولت کے لیے بسیں اور کاریں، ٹرک اور ٹریلر بنائے جو اسے اور اس کے ساز و سامان کو اِدھر سے اُدھر لے جاتے ہیں، اسی طرح پانی میں بحری جہاز اور کشتیاں انسانوں کو اور ان کے استعمال کی چھوٹی بڑی بہت سی اشیاء کی نقل مکانی میں معاون بنتی ہیں۔

اس کا سب سے بڑا فائدہ ''طیبات'' یعنی کھانے پینے کی پاکیزہ چیزوں کا تبادلہ ایک جگہ سے

دوسری جگہ اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں ہوتا رہتا ہے، جس سے نہ صرف لوگوں کو روزگار ملتا ہے بلکہ ہر جگہ اور ہر خطۂ زمین میں لوگوں کو وہ اشیاء آسانی سے مہیا ہو جاتی ہیں جن کی وہاں تیاری یا پیداوار نہیں ہوتی ہے، اس کے بغیر دنیا میں پھیلے ہوئے لوگوں کو نہ معلوم کتنی دشواریوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔

پھر غور کیجیے لکڑی کو جس سے جہاز اور کشتیاں بنائی جاتی ہیں پانی میں تیرنے کی قوت کس نے عطا کی ہے کہ بڑے بڑے جہاز منوں اور ٹنوں کے حساب سے وزن اٹھائے مختلف ملکوں میں چلے آتے ہیں:

﴿رَبُّكُمُ الَّذِیْ یُزْجِیْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِی الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ﴾ (بنی اسرائیل:۱۷/۶۶)

’’تمہارا (حقیقی) رب تو وہ ہے جو سمندر میں تمہاری کشتیاں (اور جہاز) چلاتا ہے تاکہ تم اس کا فضل (رزق حلال) تلاش کرو۔‘‘

پھر رب کائنات کی عطا کردہ عقل سے انسان نے ہوائی جہاز بنائے اور اس فضائے بسیط میں ہواؤں کے دوش پر محض اس کی رحمت سے دنیا بھر میں پرواز کرتا پھرتا ہے اور دنوں اور مہینوں کا سفر منٹوں اور گھنٹوں میں طے ہو جاتا ہے (وَ حَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ)

خشکی اور تری کے سفر میں انسان بے بس نظر آتا ہے، زور، وزر اور قوت و طاقت کے باوجود وہ کمزور پیدا کیا گیا ہے، قرآن اس حقیقت سے پردہ اٹھاتا ہے۔

﴿وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا﴾ (النساء:۴/۲۸)

اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

اس کی کمزوری اور بے بسی کا اندازہ اس وقت لگایے جب پیٹ میں درد ہونے لگے تو تڑپنے لگتا ہے اور جب تک اللہ اسے شفا نہ دے وہ بے چین رہتا ہے، آنکھ میں ذرہ پڑ جائے تو پریشان ہو جاتا ہے اور جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفا کا سروسامان نہ ہو سکون نہیں پاتا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ﴾ (الشعراء: ۲۶/۸۰)

’’جب میں (اپنی کوتاہیوں) سے بیمار ہو جاتا ہوں تو (اللہ کریم) اپنی (رحمت سے) مجھے

شفا عطا فرماتا ہے۔''

سفر کے دوران بھی جب اس قادرِ مطلق کی طرف سے موت کا حکم آجائے تو چلتی پھرتی بسیں اور کاریں آپس میں ٹکرا جاتی ہیں اور اچھے بھلے انسان لقمۂ اجل بن جاتے ہیں۔ فضا میں پرواز کرتے ہوئے ہوائی جہاز بلند بالا پہاڑوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتے ہیں اور وہ سواریوں سمیت زمین بوس ہو جاتے۔ بحری جہاز کبھی سمندری چٹانوں سے اور کبھی بڑی بڑی مچھلیوں (جیسا کہ ویل مچھلی) کے ٹکرانے سے ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں، سامان اور سواریاں سمندر کی تہہ میں چلے جاتے ہیں اور انسانوں کے لیے سمندر ہی قبر بن جاتا ہے۔ قرآن رب قدیر کی اس قدرت و طاقت کا اس طرح اعلان کرتا ہے۔

﴿وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ، اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ﴾

کسی شخص کو یہ خبر نہیں (کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے) وہ کس سرزمین میں دم توڑے گا، اس کا علم تو صرف اور صرف اللہ ہی کے پاس ہے اور وہ ہر ہر بات سے پوری طرح باخبر ہے، انسان نے سائنس میں بے پناہ ترقی کی بڑی بڑی ایجادات کیں مہلک امراض پر قابو پانے کے لیے ادویات دریافت کیں، انسانی جسم کے ہر عضو کا آپریشن کرنے میں مہارت حاصل کی اور اس کے ماہر ڈاکٹر تیار ہوئے، پھر بھی عاجز اور بے بس ہیں اور کسی شخص کو موت سے نہیں بچا سکتے بلکہ موت کے سامنے خود بھی ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔ مگر آج تک وہ موت کا تریاق تلاش نہ کر سکا، اسی بات سے اس کی عاجزی اور بے بسی کا پتہ چلتا ہے، قرآن اس حقیقت کو یوں آشکار کرتا ہے:

﴿کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ ○ وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّکَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ﴾ (الرحمن: ۲۶/۵۵-۲۷)

''ہر چیز جو اس زمین پر ہے فنا ہو جانے والی ہے اور صرف تیرے رب کی جلیل و کریم ذات ہی باقی رہنے والی ہے۔''

وہ اپنی تمام تر مہارتوں اور کامیابیوں کے باوجود رب عظیم کے در کا فقیر ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ﴾ (فاطر: ۳۵/۱۵)

''لوگو! تم ہی اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تو غنی و حمید ہے (یعنی ہر کمزوری سے مبرا اور لائق حمد و

ثنا ہے)۔''

ج) شروع کی آیتِ مبارکہ میں ''طیبات'' کا لفظ بڑا معنی خیز ہے، اللہ تعالیٰ نے اگر انسان کو اشرف بنایا ہے تو رزق میں بھی اسے طیبات سے نوازا ہے، حقیقت یہ ہے کہ طیبات (رزق حلال) کے استعمال ہی سے اسے اعمالِ صالحہ کی توفیق مل سکتی ہے۔

﴿يَاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ﴾

(المؤمنون: ۲۳/۵۱)

''اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک اعمال سرانجام دو، تم جو کچھ بھی کرتے ہو، میں اس کو خوب جانتا ہوں۔''

ظاہر ہے کہ پاکیزہ رزق وہی ہوسکتا ہے جسے رب نے مسلمانوں کے لیے حلال قرار دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نشاندہی فرمادی ہے اور پھر اس رزق کے حصول کے ذرائع بھی حلال ہوں ناجائز نہ ہوں۔ (وَ رَزَقْنٰهُمْ مِنَ الطَّيِّبٰتِ)

د) انسان کو دوسری مخلوقات پر فضیلت اور برتری دی گئی ہے...... شکل وصورت میں، علم و ادب میں عقل وخرد میں، سلیقہ اور ہنرمندی میں، اور سب سے بڑھ کر خلافت اور نیابت کے عہدہ پر سرفرازی میں اس کا مقام اور مرتبہ سب سے بلند ہے۔ پھر اعمالِ حسنہ سے اپنے آپ کو آراستہ کرنے میں اس کے لیے آخرت میں ابدی راحت اور لازوال زندگی کی نوید ہے۔

پھول کی ہر پنکھڑی، ہوا کا ہر جھونکا، پانی کی ہر لہر، روشنی کی ہر کرن، انسانی جسم کا رواں رواں رب کائنات کی قدرت کے نشان ہیں۔ رنگ برنگ پھولوں کا خوشنما منظر اور طرح طرح کی اُن میں مہک مختلف پھلوں کے ذائقے اور ان کی مٹھاس، موسموں کی تبدیلیاں اور ہر موسم کا اپنا مزہ، باران رحمت کا نزول اور فصلوں کا سرسبز و شاداب ہونا، آفتاب و ماہتاب کا طلوع وغروب اور افقِ آسمان کے دلکش مناظر، لیل ونہار کی آمد و رفت اور زندگی کے حسن و جمال میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کے نشاں موجود ہیں۔

انسانوں کی پیدائش اور ان کے مختلف رنگ روپ، ان کے لباس اور مکانات، ان کی زبانیں اور

بولیاں، قوم اور قبیلے، ان کے درمیان انس و محبت سے بھی اسی خالق و مالک کی قدرت ہویدا ہے۔

انسان کی موت و حیات، صحت اور بیماری، تنگی اور آسانی، خوشی اور غمی اور پھر انسان کی بیچارگی اور بے بسی میں اسی مالک الملک کی قدرت آشکارا ہوتی ہے۔

پھر قرآن حکیم کی ہر ہر آیت رب العالمین کا پاکیزہ کلام اور شاہکار ہے اور جو بے مثل اور بے مثال ہے اور لوگوں کی ہدایت کے لیے جواہرات بکھرے پڑے ہیں جنہیں حرزِ جاں بنانے پر ان کے لیے ابدی اور دائمی زندگی کا پیغامِ جانفزا ہے، آیئے! اب چند آیات پر غور وفکر کرتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی قدرت عیاں ہوتی ہے، وسیع وعریض سمندر میں آبِ شریں کی لہر رواں دواں ہے تو اس کے ساتھ ساتھ ہی نمکین اور کڑوے پانی کی لہر بھی اپنی منزل کی طرف بڑھ رہی ہے اور ان کے درمیان اگرچہ کوئی آڑ نہیں ہے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپس میں گھلتے ملتے نہیں ہیں:

﴿وَهُوَ الَّذِىْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا﴾ (الفرقان:۲۵/۵۳)

''وہ (اللہ ہی تو ہے) جس نے دو سمندروں کو ملا رکھا ہے جن میں سے ایک کا پانی لذیذ و شیریں ہے اور دوسرے کا کھاری کڑوا، پھر ان کے درمیان ایک پردہ اور سخت روک کھڑی کردی ہے۔''

مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ لکھتے ہیں:

''کہیں گرم پانی کی روئیں چل رہی ہیں، کہیں ٹھنڈے پانی کی، کہیں کھاری پانی کی، کہیں میٹھے پانی کی، اور یہ روئیں اتنی لمبی ہوتی ہیں جو سمندر کے اندر ہی اندر ایک ملک سے دوسرے ملک تک چلی جاتی ہیں پھر کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ اوپر کھاری پانی ہے، نیچے ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا دریا بہہ رہا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک طرف کھاری پانی کا دریا بہہ رہا ہے تو اس کے ساتھ متصل میٹھے پانی کا دریا چل رہا ہے اور یہ پانی اپنی اپنی حدود کے اندر رہتے ہیں، باہم ملتے نہیں۔ ملاح حضرات اپنی واقفیت کی بنا پر سمندر میں ٹھنڈا اور میٹھا پانی بھی حاصل کر لیتے اور میں نے خود دو مقامات چترال اور کراچی میں دیکھا ہے کہ ایک طرف گرم پانی کا چشمہ ابل رہا ہے اور ساتھ ہی متصل دوسری طرف ٹھنڈے اور

میٹھے پانی کا چشمہ بہہ رہا ہے، حالانکہ زمین کے نیچے پانی کی سطح ایک ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانی کی یہ مثال اسی لیے دی ہے کہ یہ بات عام لوگوں کے مشاہدہ میں آ چکی ہے (خاص طور پر دیہی علاقوں میں جہاں ہینڈ پمپ استعمال ہوتا ہے بعض جگہوں میں زمین کے اندر بور کرنے سے ٹھنڈا پانی اور میٹھا پانی مل جاتا ہے اور بعض مقامات پر کڑوا اور گرم پانی دستیاب ہوتا ہے)۔ (تیسیر القرآن)

کیا اب بھی غافل انسان اپنی چشمِ بصیرت سے اللہ کی اس نشانی اور عظیم الشان نعمت اور قدرت کو نہ دیکھے گا؟

جس طرح زمین کے اوپر سمندر، دریا، چشمے اور ندی نالے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بہہ رہے ہیں، اسی طرح زمین کے نیچے بھی پانی کے سوتے جاری و ساری ہیں کہ انسان ٹیوب ویل یا ہینڈ پمپ کے ذریعے سے اس سے فیضیاب ہو رہا ہے، قرآن اس حقیقت سے اس طرح پردہ اٹھاتا ہے:

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ﴾ (الملك:٦٧/٣٠)

''(اے نبیؐ) آپ کہہ دیجیے! کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر تمہارا (پینے کا) پانی زمین میں اتر جائے تو کون ہے جو تمہارے لیے نتھرا ہوا پانی لائے؟''

''غَوْرٌ کے معنٰی ہیں خشک ہو جانا یا اتنی گہرائی میں چلا جانا کہ وہاں سے پانی نکالنا ناممکن ہو، یعنی اللہ تعالیٰ خشک فرما دے کہ اس کا وجود ہی ختم ہو جائے یا اتنی گہرائی میں کر دے کہ ساری مشینیں پانی نکالنے میں ناکام ہو جائیں، تو بتاؤ! پھر کون ہے جو تمہیں جاری، صاف اور نتھرا ہوا پانی مہیا کر دے؟ یعنی کوئی نہیں ہے، یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ تمہاری معصیتوں کے باوجود تمہیں پانی سے بھی محروم نہیں فرماتا۔ (احسن البیان)

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ نباتات اور حیوانات کی زندگی کا انحصار پانی پر ہے، اور یہ رب کائنات کی عظیم نعمتوں میں سے ہے اور بڑی ہی سستی اور عام ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ (الانبیاء:٢١/٣٠)

''(رب قدیر کا ارشاد ہے) اور تمام جاندار چیزیں ہم نے پانی سے بنائیں، کیا لوگ (ہماری اس خلاقی کو) نہیں مانتے؟''

ایک اور مقام پر اس طرح ارشاد ہوا:

﴿اَفَرَاَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ○ ئَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ○ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴾ (الواقعه: ٥٦/٦٧-٧٠)

''(لوگو!) کبھی تم نے آنکھیں کھول کر دیکھا یہ پانی جو تم پیتے ہو، اسے تم نے بادل سے برسایا ہے یا اس کے برسانے والے ہم ہیں؟ ہم چاہیں تو اسے سخت کھاری بنا کر رکھ دیں۔ پھر کیوں تم شکر گزار نہیں ہوتے۔''

قابل توجہ بات یہ ہے کہ آبی بخارات تو کھاری پانی کے ہوں اور بارش کا پانی خوشگوار، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے، سطحِ سمندر سے سورج کی حرارت کی وجہ سے آبی بخارات اٹھتے ہیں، یہی بخارات بعد میں بادلوں کی شکل اختیار کر کے بارش کی صورت میں برستے ہیں، سمندر کا پانی جس سے بخارات اٹھتے ہیں سخت کھاری ہوتا ہے مگر جو بارش برستی ہے اس میں کھاری پن نام کو نہیں ہوتا۔ (اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کا کھاری پن شیریں پن میں تبدیل ہو جاتا ہے)

غور کیجیے کہ انسان جن جڑی بوٹیوں یہ دوائیوں کا عرق کشید کرتا ہے ان میں ذائقہ بھی منتقل ہو جاتا ہے اور اس کی بو باس بھی، مثلاً سونف یا اجوائن یا گاؤ زبان یا گلاب کے عرق میں ان اشیاء کا ذائقہ بھی منتقل ہوتا ہے اور بو بھی، لیکن سمندر کا کھاری پن آبی بخارات میں منتقل نہیں ہوتا اور یہ اللہ کی خاص رحمت ہے، ورنہ اس زمین کا کوئی جاندار ایسا پانی پی کر زندہ ہی نہ رہ سکتا تھا، نہ ہی ایسے پانی سے پیداوار اُگ سکتی ہے جو پانی کے بعد جانداروں کی زندگی کا دوسرا بڑا سہارا ہے۔ (بحوالہ تیسیر القرآن)

لفظ ''مُزْن'' پر غور کر لیا جائے، اس سے بارش کے پانی کی شرینی اور خوشگواری کی طرف اشارہ آ گیا ہے ﴿قِیْلَ هُوَ السَّحَابُ الْاَبْیَضُ خَاصَّةً وَهُوَ اَعْذَبُ مَاءٍ﴾ (تفسیر الکشاف)

اللہ تعالیٰ کی ان گنت صفات میں سے حکیم اور خبیر بھی ہیں، یعنی اس کا ہر کام حکمت پر مبنی ہے اور وہ اس سے پوری طرح باخبر بھی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ وَ لَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ وَ هُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ﴾ (سبا: ٣٤/١)

''ہر حمد اور ہر شکر اس اللہ کے لیے ہے جو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا مالک ہے اور آخرت میں بھی اسی کی حمد اور اسی کے لیے شکر ہے، وہ حکیم اور خبیر ہے۔''

جس طرح ہوا کی کثافت کو دور کرنے کے لیے اس نے پودوں اور درختوں کے ذریعہ 'آکسیجن' کا انتظام فرمایا ہے۔ اسی طرح پانی کے ''کھاری پن'' کو دور کرنے کے لیے فضا ہی میں یقیناً اس قادرِ مطلق نے اس کی صفائی اور کشید کرنے کا انتظام فرمایا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ﴾ (قٓ:۵۰/۹)

''(رب کریم نے فرمایا) اور آسمان سے ہم نے برکت والا پانی نازل کیا اور اس سے باغات اور (طرح طرح کے) غلے پیدا کیے۔''

﴿فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ﴾

انسان جب اپنی ساخت پر غور و فکر کرتا ہے کہ وہ شکل وصورت اور فہم و بصیرت کے لحاظ سے دوسری تمام مخلوقات سے برتر ہے، وہ اپنی خوراک پر نظر دوڑاتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان گنت نعمتوں سے نوازا گیا ہے، وہ اپنے لباس اور بود و باش کو دیکھتا ہے تو وہ جانتا ہے کہ خوش لباسی اور راحت اس کے حصے میں آئی ہے اور پھر جب وہ زندگی اور اس کے مختلف ادوار کا جائزہ لیتا ہے تو رب کائنات کی قدرت کو نمایاں طور پر محسوس کرتا ہے۔ اس حقیقت کا ادراک صرف ان لوگوں کو ہی حاصل ہوتا ہے جو عقل و خرد کو کام میں لاتے ہیں، آیے! چند آیات پر بصیرت حاصل کرتے ہیں:

﴿وَفِي الْاَرْضِ اٰيَاتٌ لِّلْمُوقِنِيْنَ ○ وَفِيْ اَنفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ (الذاریات:۵۱/۲۰-۲۱)

''(لوگو!) زمین میں (اللہ تعالیٰ کی قدرت کی) بہت سی نشانیاں یقین لانے والوں کے لیے ہیں اور خود تمہارے اپنے وجود میں بھی ہیں، تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟''

''لِلْمُوْقِنِيْن'' ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں یقین کی طلب اور حق کی جستجو ہے۔

''وَفِي الْاَرْضِ اٰيَاتٌ لِّلْمُوقِنِيْنَ'' آفتاب و ماہتاب سے لے کر ریگستان کے ذروں اور دریا کے قطروں اور گھاس کی پتیوں اور ننھے سے ننھے کیڑوں تک بڑی چھوٹی چیزیں جو کچھ بھی کائنات میں ہیں، سب قاعدوں میں بندھی ہوئی اور ضابطہ کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہیں، تو یہ سارا عقلوں کو

حیران کرنے والا اور عظیم الشان نظام اور دماغوں کو حیرت میں ڈال دینے والا بے انتہا وسیع انتظام جس کے اندر بخت و اتفاق کی کوئی ہلکی سی بھی گنجائش نہیں، یہ سب ایک حکیم و مختار خالق و مالک کے وجود کے دلائل وشواہد نہیں تو اور کیا ہے؟

''وَفِيْ أَنفُسِكُمْ'' انسان اگر خود اپنے ہی جسم کی حکیمانہ ترکیب و تناسب پر غور کرنا شروع کر دے تو اس کا دل اور دماغ دونوں گواہی دے اٹھیں گے کہ یہ ساری صنعت گری بجز ایک حکیم مطلق کے اور کسی کی نہیں ہوسکتی۔ (تفسیر ماجدی)

غور کیجیے کہ انسانی جسم کی پوری مشینری کس قدر پیچیدہ ہے؟......

معدہ، جگر، گردے، انتڑیاں، پھیپھڑے، دل و دماغ، آنکھیں، کان، ناک، چہرہ اور دانت وغیرہ انہیں رب کائنات نے کس خوبصورتی سے بنایا اور سجایا ہے اور یہ ساری کی ساری مشینری کیسے باقاعدگی اور منظم ترتیب سے اپنے اپنے فرائض سرانجام دے رہی ہے۔ اگر جسم کے کسی پرزے میں نقص پیدا ہو جائے تو سارا جسم بیمار پڑ جاتا ہے۔ علاج معالجے سے اللہ تعالیٰ نے شفا عطا فرمائی تو جسم کے دوسرے اعضاء راحت پاتے ہیں، اگر وہاں سے شفا نہ ملے تو انسان بے بس نظر آتا ہے۔

اگرچہ دورِ حاضر کی ریسرچ اور تحقیق نے انسانی جسم کے مختلف اعضاء پر ماہر ڈاکٹروں کی جماعت تیار کی ہے، مثلاً ماہرینِ امراضِ قلب، ماہرینِ امراضِ چشم وغیرہ جنہوں نے اپنے اپنے شعبہ جات میں کام سنبھال رکھا ہے، تاہم ان پر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ یہ ڈاکٹر لاچار اور کمزور دکھائی دیتے ہیں اور ان میں سے بعض مریضوں کو وہ اپنی پوری مہارت اور لیاقت کے باوجود لا علاج قرار دیتے ہیں اور خود ان پر بھی موت کا وقت آتا ہے۔ تو انہیں بھی فرشتۂ اجل کے پیغام کو چار و ناچار تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے، اس وقت رب کائنات کی قدرت و طاقت کا پتہ چلتا ہے:

﴿وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتَ وَأَحْيَا﴾ (النجم:٥٣/٤٤)

''اسی نے موت دی (جبکہ) زندگی بخشنے والا بھی (وہی اللہ رب العزت ہے)۔''

انسان کی پیدائش اور اس کے مختلف مراحل

انسان کی حیرت کن پیدائش رب کائنات کی قدرت کا کرشمہ ہے جسے تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ ○ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ○ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَاماً فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْماً ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقاً آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ﴾

(المؤمنون: ٢٣/١٢-١٤)

''ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا، پھر اسے ایک محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں تبدیل کیا، پھر اس بوند کو لوتھڑے کی شکل دی، پھر لوتھڑے کو بوٹی بنا دیا، پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر اسے (جیتی جاگتی خوبصورت مخلوق) بنا کھڑا کیا، پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ، سب سے بہترین پیدا کرنے والا ہے (مجال ہے کہ کوئی ایسا پیدا کر سکے یا بنا سکے)۔''

مٹی سے پیدا کرنے کا مطلب کہ ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام کی مٹی سے پیدائش ہے یا انسان جو خوراک بھی کھاتا ہے، وہ سب مٹی سے ہی پیدا ہوتی ہیں، اس اعتبار سے اس نطفے کی اصل جو خلقتِ انسان کا باعث بنتا ہے، مٹی ہی ہے۔

''فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ'' محفوظ جگہ سے مراد رحمِ مادر ہے۔

''الْمُضْغَةَ'' گوشت کو ہڈیوں میں تبدیل کرنے سے مقصد، انسانی ڈھانچے کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کرنا ہے کیونکہ محض گوشت میں تو کوئی صلاحیت اور سختی نہیں ہوتی، پھر اگر اسے نرا ہڈیوں کا ڈھانچہ ہی رکھا جاتا تو انسان میں وہ حسن و رعنائی نہ آتی جو ہر انسان کے اندر موجود ہے۔ اس لیے ان ہڈیوں میں ایک خاص تناسب اور مقدار سے گوشت چڑھا دیا گیا، کہیں کم کہیں زیادہ تاکہ وہ حسن و جمال کا ایک پیکر اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی تخلیق کا ایک بہترین شاہکار ہو، اسی بات کو قرآن نے ایک دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾ (التین: ٩٥/٤)

''ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا ہے۔''

''ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقاً آخَرَ'' پھر اسے (خوبصورت) شکل میں پیدا فرمایا، جس میں حرکت و

اضطراب کے ساتھ سمع و بصر اور فہم و دراک کی قوتیں بھی ہوتی ہیں۔

"فَتَبَارَکَ اللّٰہُ أَحۡسَنُ الۡخَالِقِیۡنَ" کیا اللہ جیسا کوئی صنعت گر ہے جو اس طرح کی صنعتکاری کا نمونہ پیش کر سکے؟ (احسن البیان)

پھر غور کیجیے بچپن، جوانی، بڑھاپا اور کمزور ترین عمر کا حصہ بھی اس خالق کی نشانیوں میں سے بہت بڑی نشانی ہے اور جب اس کا ارادہ ہو عمر کے کسی بھی مرحلے میں وہ کسی شخص کی روح قبضہ میں کر سکتا ہے۔

﴿هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَةٍ ثُمَّ مِنۡ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخۡرِجُکُمۡ طِفۡلًا ثُمَّ لِتَبۡلُغُوۡۤا اَشُدَّکُمۡ ثُمَّ لِتَکُوۡنُوۡا شُیُوۡخًا وَ مِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّتَوَفّٰی مِنۡ قَبۡلُ وَلِتَبۡلُغُوۡۤا اَجَلًا مُّسَمًّی وَّلَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ﴾ (المؤمن: ٤٠/٦٧)

"وہی اللہ تو ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر وہ تمہیں بچے کی شکل میں نکالتا ہے پھر تمہیں بڑھاتا ہے تاکہ اپنی پوری طاقت (جوانی) کو پہنچ جاؤ، پھر اور بڑھاتا ہے، تاکہ بڑھاپے کو پہنچو، اور تم میں سے کوئی پہلے ہی واپس بلا لیا جاتا ہے (عمر کے جس حصے میں بھی وہ چاہے) اور (بعض کو کچھ مزید مہلت عطا کرتا ہے) تاکہ وہ مدتِ معین تک پہنچ جائے (جس قدر اس کی عمر لکھی گئی ہے، اور یہ باتیں اس لیے بیان کی جا رہی ہیں) کہ تم سوچ بچار سے کام لو۔"

کیا کوئی شخص زندگی کے ان مختلف ادوار کو روک سکا ہے؟ یا کوئی موت کے منہ سے بچ نکلا ہے؟

﴿وَمَنۡ نُّعَمِّرۡهُ نُنَکِّسۡهُ فِی الۡخَلۡقِ اَفَلَا یَعۡقِلُوۡنَ﴾ (یٰسین: ٣٦/٦٨)

"(رب کریم کا ارشاد ہے) اور جس کو ہم بڑی عمر دیتے ہیں اسے خلقت میں اوندھا کر دیتے ہیں (اس کے قوائے عقلیہ و بدنیہ میں ضعف و انحطاط کا عمل شروع ہو جاتا ہے)۔"

یہ وہ حقیقت ہے جس کا مداوا اور علاج بڑے سے بڑے اطبا اور ڈاکٹروں کے پاس بھی نہیں ہے اور انسان نے موت پر قابو پانے کی یقیناً بڑی کوششیں کی ہوں گی مگر اس میں وہ ذرہ برابر بھی کامیابی حاصل نہ کر سکا اور قرآن کا یہ اعلان اٹل اور یقینی ہے:

﴿اَیۡنَ مَا تَکُوۡنُوۡا یُدۡرِکۡکُّمُ الۡمَوۡتُ وَ لَوۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ بُرُوۡجٍ مُّشَیَّدَةٍ﴾ (النساء: ٤٠/٧٨)

''اور موت (کے بارے میں اچھی طرح جان لو) کہ جہاں کہیں بھی تم ہو وہ بہرحال تمہیں آ کر رہے گی خواہ تم کیسی ہی مضبوط عمارتوں میں ہو۔''

امیر سے امیر شخص بھی جس کے پاس علاج معالجے کی ہر سہولت موجود ہے موت کا تریاق تلاش کرنے میں عاجز اور بے بس نظر آتا ہے اور یہ بات خالقِ کائنات کو پہچاننے کی بہت بڑی نشانی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ○ وَّيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾

(الرحمن: ٥٥/٢٦-٢٧)

''جو (مخلوق) زمین پر ہے سب کو فنا ہونا ہے اور تمہارے رب ہی کی ذات (بابرکت) جو صاحبِ جلال وعظمت ہے باقی رہے گی)۔''

بندۂ مومن ایمان کی لذت اور حلاوت سے اس وقت بہرہ ور ہوتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی اس وسیع وعریض کائنات اور اس کی ہر ہر چیز پر غور وفکر کرتا ہے، نیز اس کی کتاب قرآن حکیم کی مختلف آیات پر تدبر وتفکر سے نورِ بصیرت حاصل کرتا ہے، آیئے! آج کی نشست میں ان آیات کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہیں:

﴿وَأَوْحَى رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتاً وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ○ ثُمَّ كُلِي مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلاً يَخْرُجُ مِن بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾

(النحل: ١٦/٦٨-٦٩)

''اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی کہ پہاڑوں میں، درختوں میں اور (انگور وغیرہ کی) بیلوں میں اپنا گھر (چھتا) بنا، پھر ہر قسم کے پھل (پھول) سے اس کا رس چوس اور اپنے رب کی ہموار کردہ راہوں پر چلتی رہ، ان مکھیوں کے پیٹ سے مختلف رنگوں کا مشروب (شہد) نکلتا ہے جس میں لوگوں (کے کئی امراض) کے لیے شفا ہے، یقیناً (اللہ تعالیٰ کی قدرت وعظمت کی اس میں بھی) نشانی ہے۔ ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں۔''

مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ لکھتے ہیں:

اس مکھی کی طرف وحی کرنے سے مراد فطری تعلیم ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کی جبلت میں ودیعت کر رکھی ہے، جیسے کہ بچہ پیدا ہوتے ہی ماں کی چھاتیوں کی طرف لپکتا ہے تا کہ وہاں سے اپنے لیے غذا حاصل کر سکے، حالانکہ اس وقت اسے کسی بات کی سوجھ بوجھ نہیں ہوتی۔

''أَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوتاً'' یہ اسی فطری وحی کا اثر ہے کہ وہ اپنے لیے ایسا چھتا یا اپنا گھر بناتی ہے جسے انسان دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی ماہر انجینئر نے اس کی ڈیزائننگ کی ہے، اس چھتے کا ہر خانہ چھ پہلو والا، یعنی مسدس ہوتا ہے جس کے تمام ضلعے مساوی لمبائی کے ہوتے ہیں اور اس طرح ایک دوسرے سے متصل یا جڑے ہوئے ہوتے ہیں کہ ان میں کہیں خالی جگہ کی گنجائش نہیں رہتی، انہیں خانوں میں مکھیاں شہد کا ذخیرہ کرتی ہیں اور بیرونی خانوں پر پہرہ دار مکھیاں ہوتی ہیں جو اجنبی مکھیوں یا کیڑوں کو ان خانوں میں گھسنے نہیں دیتیں۔

''ثُمَّ کُلِیْ مِن کُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُکِیْ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلاً'' ذرا شہد کے چھتے اور مکھیوں میں نظم وضبط تو دیکھیے ان میں ایک مکھی ان تمام مکھیوں کی ملکہ ہوتی ہے جسے عربی میں ''یَعْسُوبٌ'' کہتے ہیں، باقی سب مکھیاں اسی کے حکم سے رزق کی تلاش میں نکلتی ہیں اور اگر وہ (یعنی ملکہ) ان کے ہمراہ چلے تو سب اس کی پوری حفاظت کرتی ہیں اور ان میں ایسا نظم وضبط پایا جاتا ہے جسے دیکھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے کہ اتنے چھوٹے سے جاندار میں اتنی عقل اور سمجھ کہاں سے آ گئی؟ مکھیاں تلاشِ معاش میں اُڑتی اُڑتی دور دراز جگہوں میں جا پہنچتی ہیں اور مختلف رنگ کے پھلوں، پھولوں اور میٹھی چیزوں پر بیٹھ کر ان کا رس چوستی ہیں، پھر یہی رس اپنے چھتے کے خانوں میں لا کر ذخیرہ کرتی رہتی ہیں اور اتنی سمجھ دار ہوتی ہیں کہ واپسی پر اپنے گھر کا راستہ نہیں بھولتیں، راستے میں خواہ ایسے کئی چھتے موجود ہوں وہ اپنے ہی چھتا یا گھر پہنچیں گی، گویا ان مکھیوں کا نظم وضبط، پیہم آمد ورفت، ایک خاص قسم کا گھر تیار کرنا، پھر باقاعدگی کے ساتھ اس میں شہد کو ذخیرہ کرتے جانا، یہ سب راہیں اللہ تعالیٰ نے مکھی کے لیے اس طرح ہموار کر دی ہیں کہ اسے کبھی سوچنے اور غور وفکر کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔

''یَخْرُجُ مِنۢ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ'' شہد کے کئی رنگ ہوتے ہیں......زرد، سفیدی

مائل یا سرخی مائل، (معلوم ہوتا ہے کہ جس رنگ کے پھل یا پھول پر شہد کی مکھی بیٹھتی ہے اور اس کا رس چوستی ہے، ویسا ہی رنگ اس شہد میں آ جاتا ہے، رنگ روپ کے علاوہ اس کے ذائقے اور مزے میں بھی فرق پیدا ہوتا ہے، تاہم ہر شہد میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے شفا اور صحت کا سروسامان رکھا ہے الحمدللہ)۔ (تیسیر القرآن)

''فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ'' سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص آپ ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگا ''میرے بھائی کا پیٹ خراب ہے'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کو شہد پلاؤ'' وہ دوبارہ آ کر کہنے لگا ''یا رسول اللہ! شہد پلانے سے تو اس کا پیٹ اور خراب ہو گیا ہے'' آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ کا قول سچا اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے، جاؤ اسے پھر شہد پلاؤ۔'' اور تیسری بار آیا اور کہنے لگا ''میں نے اسے شہد پلایا لیکن بیماری کا مسئلہ مزید پیش آیا'' آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ نے سچ کہا اور تیرے بھائی کے پیٹ نے جھوٹ کہا'' اس نے پھر شہد پلایا تو وہ تندرست ہو گیا۔

(بخاری، کتاب الطب، باب دواء المبطون)

اشیاء کو محفوظ کرنا

شہد کی اہم خاصیت یہ بھی ہے کہ جو اشیاء اس میں رکھی جائیں وہ بڑی مدت تک اس میں برقرار و بحال رہتی ہیں اور اگر ادویات اس میں ڈالی جائیں تو ان کا اثر حتی کہ ان کی خوشبو بھی طویل عرصہ تک برقرار رہتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اطبا ادویات کو کوٹ چھان کر ان میں چینی کی بجائے شہد ملا کر معجونیں وغیرہ تیار کرتے ہیں۔ جس سے سہ گنا فوائد حاصل ہوتے ہیں، ایک یہ کہ مٹھاس کی جگہ یہ کام آتا ہے، دوسرے ادویات کے اثرات تا دیر محفوظ ہو جاتے ہیں اور تیسرے شہد بذات خود بھی اکثر امراض کا علاج ہے اور اس لحاظ سے دواؤں کی تاثیر کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔

''إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ'' لوگو! ذرا غور و فکر تو کرو کہ شہد کی مکھی بذاتِ خود ایک زہریلا جانور ہے، انسان کو ڈس جائے تو وہ جگہ متورم اور اس میں سخت سوزش پیدا ہو جاتی ہے، اسی ذریعہ سے وہ اپنے چھتا کی حفاظت کرنا خوب جانتی ہے، جو لوگ چھتا اتارنے کے فن میں ماہر ہوتے ہیں وہ جسم کو کپڑوں سے خوب لپیٹ کر اور جسم پر کئی طرح کی دوائیں مل کر چھتے کو ہاتھ لگاتے ہیں اور

جب اسے چھیڑنے کا وقت ہوتا ہے تو پہلے نیچے سے دھونی دیتے ہیں تاکہ مکھیاں اڑ کر دور چلی جائیں، بایں ہمہ مکھیاں مل کر اس شخص پر حملہ آور ہوتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے چونکہ انسان کو اتنی عقل دی ہے کہ سب جانوروں کو رام کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے، لہٰذا وہ چھتا اتار کر شہد حاصل کر لیتا ہے، گویا ایسے زہریلے جانور کے اندر سے نکلا ہوا شہد انسان کی اکثر بیماریوں کے لیے شفا کا حکم رکھتا ہے، نیز اس کے لیے ایک شیریں اور لذیذ غذا کا کام بھی دیتا ہے۔ (تیسیر القرآن)

شہد کے بہت سے طبی فوائد بھی ہیں جن میں سے چند پیش خدمت ہیں:

۱- شہد بہت جلد خون میں جذب ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ قوت اور خون بنانے میں نہایت ہی موثر اور مفید ہے۔

۲- معدے اور انتڑیوں میں بدبو پیدا ہونے سے بچاتا ہے، اس لیے خشکی اور قبض کو دور کرتا ہے اور اگر معدے یا انتڑیوں میں زخم پیدا ہو جائیں تو انہیں دور کرنے میں مفید ہے۔

۳- اعصاب کے لیے سودمند ہے، اس لیے تھکن کو رفع کرنے میں بھی موثر ہے۔

۴- کھانسی کے علاج کے لیے سودمند ہے اور بلغم کا اخراج کرتا ہے۔

سنتِ نبویؐ

رسول اللہ ﷺ سرد پانی کے ساتھ شہد ملا کر پیتے اور حفظانِ صحت کے لیے یہ ایک ایسا اصول ہے جس کی صرف فاضل اطباء ہی معرفت رکھتے ہیں، چنانچہ اگر اسے اس طرح پیا جائے یا بلغم کی حالت میں چاٹا جائے تو یہ بلغم کو کاٹتا ہے اور معدہ کی جھلی کو دور کرتا ہے، پیٹ کے سُدے کھولتا ہے، جگر اور گردے اور مثانے میں بھی اس کا یہی اثر ہوتا ہے اور یہ معدے کے لیے دوسری قسم کی مٹھائیوں اور میٹھی چیزوں سے کہیں زیادہ نافع ہے۔ (زادالمعاد، ابن قیمؒ)

حکمت وبصیرت:

اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو فطری تعلیم سے نوازا ہے جس سے اس کی ربوبیت کی شان جھلکتی ہے اور کائنات کی ہر چیز اس کے حکم کی پابند ہے، گویا کہ وہ مسلم ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿أَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّإِلَيْهِ

یُرْجَعُوْنَ﴾ (آل عمران:۳/۸۳)

اب کیا یہ لوگ اللہ کی اطاعت کا طریقہ (دین اللہ) چھوڑ کر کوئی اور طریقہ چاہتے ہیں؟
حالانکہ آسمان و زمین کی ساری چیزیں چارو ناچار اللہ ہی کی تابع فرمان (یعنی مسلم) ہیں
اور اس کی طرف سب کو پلٹنا ہے۔

شہد کی مکھی جب سے اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا ہے اسی خدمت پر مامور ہے، ایسا نہیں کہ بھڑ (جو کہ پیلے رنگ کی ہوتی ہے) شہد کی مکھی کی جگہ اپنے چھتے میں شہد جمع کرنے لگے، یا آم کے درختوں پر جامن اُگنے لگیں، یا جامن کے درخت آم کا پھل دینے لگیں، کائنات کا یہ نظم وضبط اللہ تعالیٰ کی توحید پر بہت بڑی دلیل ہے۔

﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ (الانبیاء: ۲۱/۲۲)

''اگر آسمان و زمین میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور بھی معبود ہوتے تو (زمین و آسمان) دونوں کا نظام بگڑ جاتا۔''

یعنی اگر آسمان و زمین میں دو معبود ہوتے تو کائنات میں تصرف کرنے والی دو ہستیاں ہوتیں، دو کا ارادہ وشعور اور غرض کارفرما ہوتا اور جب دو ہستیوں کا ارادہ اور فیصلہ کائنات میں چلتا تو یہ نظمِ کائنات اس طرح قائم رہ ہی نہیں سکتا تھا جو ابتدائے آفرینش سے ''بغیر کسی ادنیٰ توقف کے'' قائم چلا آرہا ہے کیونکہ دونوں کا ارادہ ایک دوسرے سے ٹکراتا۔ دونوں کی مرضی کا آپس میں تصادم ہوتا، دونوں کے اختیارات ایک دوسرے کے مخالف سمت میں استعمال ہوتے جس کا نتیجہ ابتری اور فساد کی صورت میں رونما ہوتا اور اب تک ایسا نہیں ہوا تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ کائنات میں صرف ایک ہی ہستی ہے جس کا ارادہ ومشیت کارفرما ہے، جو کچھ بھی ہوتا ہے، صرف اور صرف اس کے حکم پر ہوتا ہے، اس کے دیے ہوئے کو کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے وہ اپنی رحمت روک لے، اسے دینے والا کوئی نہیں۔ (احسن البیان)

انسان کا شرف کس بات میں ہے؟

جب اس کائنات کی ہر چیز احکامِ الٰہی کی پابند ہے، دوسرے الفاظ میں مسلم ہے تو انسان کو تو اس

خالق و مالک کا زیادہ مطیع اور فرمانبردار ہونا چاہیے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی تمام مخلوقات پر عزت اور برتری عطا فرمائی ہے۔

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْ آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِیْ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا﴾ (بنی اسرائیل: ۱۷/ ۷۰)

''(ارشاد ہوتا ہے) یہ تو ہماری عنایت ہے کہ ہم نے بنی آدم کو بڑی عزت دی اور انہیں خشکی و تری میں سواریاں عطا کیں اور انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔''

کیا انسان کو عقل و فکر، علم و ادب، شکل وصورت اور رزق و عطا میں دوسری تمام مخلوقات پر فضیلت اور برتری حاصل نہیں ہے؟ اور سب سے بڑھ کر اسے اس زمین کی خلافت سے نوازا گیا ہے اور پھر کائنات کی ہر چیز کو اس کے لیے مسخر کر دیا گیا ہے۔

﴿وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِیْ السَّمٰوٰتِ وَمَا فِیْ الْأَرْضِ جَمِيْعاً مِّنْهُ إِنَّ فِیْ ذَلِکَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ (الجاثیہ: ۴۵/ ۱۳)

''(رب کائنات نے) زمین اور آسمانوں کی ساری ہی چیزوں کو اپنی طرف سے تمہارے لیے تابع کر دیا ہے جو غور کریں تو یقیناً وہ اس میں (اللہ تعالیٰ کی قدرت کی) بہت سی نشانیاں پالیں گے۔''

فساد کیوں پیدا ہوتا ہے؟

انسان کو نیکی اور بدی، خیر اور شر پر چلنے کا پورا پورا اختیار دیا گیا ہے اور اسے ان دونوں باتوں کو اچھی طرح سمجھا دیا گیا ہے، ایک تو اسے ایسی سوجھ بوجھ عطا کی گئی ہے کہ وہ خیر اور شر میں نیکی اور بدی کے فرق کو پہچانتا ہے، دوسرے انبیاء علیہم السلام کو لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے بھیجا گیا ہے، جو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہدایت (وحی) پر چلے اور ان نیک لوگوں کی زندگیاں دوسروں کے لیے نمونہ بنیں، اور خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کو نسلِ انسانیت کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا جن کی حیاتِ طیبہ نسلِ انسانیت کے لیے نمونہ ہے۔

اس بات میں کوئی کلام نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی خیر اور شر کو، ہدایت اور گمراہی کو پیدا فرمایا ہے اگر اس نے فرشتے، نیک اور فرمانبردار بندے پیدا فرمائے ہیں تو شیاطین بھی اسی کے نافرمان اور شریر بندے ہیں اور اس میں انسان کا امتحان رکھا گیا ہے آیا کہ وہ خیر اور ہدایت کا راستہ اختیار کرتا ہے یا شر اور گمراہی کے راستے پر چل پڑتا ہے، نیکی کا راستہ جنت کی طرف لے جاتا ہے جبکہ گمراہی کی راہ جہنم میں دھکیل دیتی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيْلَ إِمَّا شَاكِراً وَّإِمَّا كَفُوراً﴾ (الدھر:٧٦/٣)

''ہم نے انسان کو (سمع و بصر اور عقل وفہم) راستہ دکھا دیا، خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔''

معرفت کیوں اور کیسے:

کسی چیز کی قدر و قیمت کا اندازہ اس کی پہچان اور معرفت سے حاصل ہوتا ہے، ایک جوہری ہی ہیرے کی قدر کو پہنچانتا ہے اور اس کے ٹھیک ٹھیک دام لگاتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی معرفت ہی سے ایمان میں لذت اور چاشنی پیدا ہوتی ہے اور رب کی بندگی کا مزہ آتا ہے۔

مولانا محمد یوسف اصلاحی لکھتے ہیں:

''اللہ کا وجود ایک ایسی روشن اور کھلی ہوئی حقیقت ہے جو کائنات کے ذرے ذرے سے عیاں ہے، غیر محدود کائنات میں انسان کا ننھا سا وجود، اور اس ننھے وجود میں کائنات کو مسخر کرنے کا عزم، دیکھنے، سننے، سوچنے سمجھنے اور غور وفکر سے زبردست نتائج نکالنے کی غیر معمولی صلاحیتیں، یہ حسین وجمیل کائنات، زمین و آسمان میں رزق رسانی اور پرورش کا یہ بے مثال نظام، یہ روشن سورج، یہ چمکتا چاند، یہ حسین تارے، یہ اتھاہ سمندر، یہ لہلہاتے کھیت، یہ پھلوں سے لدے باغ، یہ دن کی ہماہمی، یہ رات کا سکون، یہ صبح کی شگفتگی، یہ شام کی دلآویزی، ہر چیز پکار پکار کر اللہ کے وجود کی گواہی دے رہی ہے اور ایک ایک چیز اس حقیقت کی واضح نشانی ہے کہ اس کائنات کا ایک بہترین خالق اور بے مثال رب ہے۔ (قرآنی تعلیمات)

قرآن حکیم لوگوں کے دلوں پر دستک دیتا ہے:

﴿قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالأَرْضِ يَدْعُوكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ إِلَى أَجَلٍ مُّسَـمًّى﴾ (ابراہیم: ۱۴/۱۰) ''رسولوں نے لوگوں سے کہا: کیا (تم کو) اللہ کی ہستی اور وحدانیت میں شک ہے جس نے آسمان اور زمین بنائے (وہ کس قدر مہربان آقا ہے؟) کہ وہ تم کو (راہ حق کی طرف) بلا رہا ہے تا کہ وہ تمہارے گناہ بخش دے اور تم کو ایک وقت معین تک (حصولِ خیر کی) مہلت دے۔''

یہ محسن آقا کے کتنے شفقت بھرے جملے ہیں! کاش کہ ہم غور کریں۔

سید قطب شہید اس پر لکھتے ہیں:

''کیا اللہ کے بارے میں شک ہے، حالانکہ زمین و آسمان کا یہ نظام بآواز بلند پکار رہا ہے کہ اللہ وہ ہے جس نے یہ نظام بنایا ہے اور اسے چلا رہا ہے، رسولوں نے یہ بات اس لیے کی کہ زمین و آسمان نہایت ہی واضح اور کھلے دلائل و نشانات ہیں (انسان کے شب و روز یہیں بسر ہوتے ہیں اور وہ زمین سے ان گنت فوائد حاصل کرتا ہے) حقیقت یہ ہے کہ اس نظام کو ہر گمراہ دیکھ کر راہِ ہدایت حاصل کر سکتا ہے، رسولوں نے زمین و آسمان کی طرف فقط اشارے ہی کو کافی سمجھا، اس کے لیے رسولوں نے بندوں پر اللہ کی نعمتوں کو گنوانا شروع کر دیا کہ اللہ نے ان کو ایمان کی دعوت دی اور ایک وقت تک مہلت بھی دی تا کہ وہ دعوتِ ہدایت پر سوچ سکیں۔

﴿يَدْعُوكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُم مِّنْ ذُنُوبِكُمْ﴾ وہ تمہیں بلا رہا ہے تا کہ تمہارے قصور معاف کرے۔ حقیقی دعوت تو ایمان کی دعوت ہے جس کے نتیجے میں مغفرت نصیب ہوتی ہے، لیکن یہاں دعوت و مغفرت کو ایک ساتھ لایا گیا ہے تا کہ اللہ کا احسان بھی اچھی طرح واضح ہو کہ ایمان لاتے ہی مغفرت ہو جاتی ہے (ایمان سے سابقہ گناہ دھل جاتے ہیں) افسوس کہ ان لوگوں کا رویہ اور سخت انکار، مزید قابلِ تعجب اور قابل مذمت ہو جاتا ہے کہ انہیں مغفرت کی طرف دعوت دی جا رہی ہے اور یہ لوگ ہیں کہ منہ میں ہاتھ ڈال کر انکار کر

رہے ہیں (جس کا تذکرہ اس سے پہلے کی آیت میں ہو چکا ہے)۔

﴿وَيُؤَخِّرَكُمْ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ اورتم کو ایک مدتِ مقررہ تک مہلت دے، اللہ تعالیٰ ایمان و مغفرت کی دعوت دینے کے ساتھ ہی ان سے یہ مطالبہ نہیں کرتا کہ وہ فوراً قبول کریں اور نہ ان کی تکذیب کے بعد فوراً ان کو ہلاک کرتا ہے، بلکہ مہلت دیتا ہے، یہ مہلت اس دنیا میں ایک وقت تک ہوتی ہے (اور حساب کتاب کا معاملہ قیامت تک بھی بڑھ سکتا ہے۔ (فی ظلال القرآن)

جو باغی اور منکرین اس دنیاوی زندگی میں عذاب سے بچ نکلتے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ آخرت کے عذاب سے بھی بچ نکلیں گے:

﴿وَأَعْتَدْنَا لِمَن كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيراً﴾ (الفرقان:۲۵/۱۱)

''تو جس نے سرکشی کی تھی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تھی دوزخ اس کا ٹھکانا ہوگی۔''

انسان کو دعوتِ فکر:

ذرا غور تو کیجیے! اس محسن آقا کا کس قدر شفقت بھرا پیغام ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ○ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ ○ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاء رَكَّبَكَ﴾ (الانفطار: ۸۲/۶-۸)

''اے انسان! تجھ کو کس چیز نے اپنے رب کریم کے بارے میں دھوکے میں ڈال دیا (کیا تجھے اپنی بڑائی کا خیال آ گیا، اس کے کرم پر نظر نہ کی!) جس نے تجھے پیدا کیا، پھر (اعضاء کو) درست کیا، پھر (ان میں حکمت کے ساتھ) تناسب رکھا۔''

سید قطب شہید لکھتے ہیں:

''یہاں انسان کو خطاب اس کی انسانیت کے حوالے سے کیا گیا ہے، انسان میں صفتِ انسانیت ہی وہ صفت ہے جو اسے ممتاز اور مکرم بناتی ہے اور اپنی اس صفت کی وجہ سے انسان کو تمام دوسرے حیوانات اور زندہ مخلوقات پر برتری اور فضیلت حاصل ہے اور جس کی وجہ سے انسان مقامِ بلند تک پہنچا ہے اور اس پر اللہ کا فضل و کرم ہوا ہے۔

اس کے بعد نہایت ہمدردانہ اور خوبصورت تنبیہ اور عتاب آتا ہے۔ ذرا الفاظ دیکھیے:

﴿مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ﴾ (اے انسان!) کس چیز نے تجھے رب کریم سے دھوکے میں ڈال دیا ہے، اے انسان! ذرا غور کر، تمہارا مربی، تمہارا نگہبان تمہاری کس قدر عزت افزائی کرتا ہے جس نے تمہیں انسانیت بخشی جس کی وجہ سے تم غور وفکر کرتے ہو، بات کو سمجھتے ہو، حیوانیت سے بلند ہوتے ہو۔

آخر کیا چیز ہے جس نے تمہیں اپنے رب کے بارے میں دھوکے میں ڈال دیا ہے اور تم رب کے احکام میں تقصیرات اور کوتاہیاں کرتے ہو اور سستی اور غفلت سے کام لیتے ہو، اللہ کے بارے میں گستاخیاں کرتے ہو جبکہ وہ نہایت ہی مہربان مربی ہے، جس نے قدم قدم تم پر فضل وکرم کر رکھا ہے، جس کے احسانات اور انعامات میں سے بڑی نعمت اور کرم تمہاری یہ انسانیت ہے اور انسانیت کا خلاصہ یہ ہے کہ تم نیک و بد کی تمیز رکھتے ہو۔

﴿مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ○ الَّذِیْ خَلَقَکَ فَسَوّٰکَ فَعَدَلَکَ﴾

اے انسان! تجھ کو کس چیز نے اپنے رب کریم کے بارے میں دھوکے میں ڈال دیا، جس نے تجھے پیدا کیا، پھر (ان میں حکمت کے ساتھ) تناسب رکھا۔

یہ ایک ایسا اشارہ ہے کہ اگر انسان کی انسانیت بیدار ہو اور اس کا قلب ونظر پاک ہو، تو اس بات سے اس کی انسانیت کا ذرہ ذرہ جاگ اٹھے اور اس کا پورا وجود کانپ اٹھے، اس لیے کہ انسان کا خالق اس کی سرزنش کر رہا ہے، اپنے احسانات بتلا کر سرزنش کرتا ہے، جبکہ انسان خوابِ غفلت میں مدہوش ہے، تقصیرات سے بھرپور زندگی بسر کر رہا ہے بلکہ وہ اپنے آقا اور مولا کے بارے میں سخت گستاخ ہے حالانکہ اس آقا نے اسے اس قدر پیاری، متناسب اور معتدل شکل وصورت اور جاذب شخصیت سے نوازا ہے۔

انسانی جسم کے اندر جو بڑے بڑے نظام ہیں، مثلاً ہڈیوں کا نظام، عضلات کا نظام، ہاضمے کا نظام، پیشاب کا نظام، اس کی قوتِ ذائقہ، قوتِ شامہ اور سمع وبصر کی قوتیں، ان تمام پر اگر گہری نظر ڈالی جائے تو یہ تمام اپنی اپنی جگہ پر سب عجائبات ہیں۔ انسان نے آج تک جس قدر پیچیدہ سے پیچیدہ

آلات ایجاد کیے ہیں (وہ بھی خالقِ کائنات کے عطا کردہ عقل وشعور سے) وہ ان نظاموں کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ (فی ظلال القرآن)

انسانی ہاتھ:

ذرا غور کیجیے! انسانی ہاتھ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجائبات میں ایک منفرد عجوبہ ہے، انسان کے لیے ایسا آلہ ایجاد کرنا ممکن ہی نہیں ہے، کسی کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ ہاتھ کی طرح سادہ آلہ ایجاد کرے جس کے اندر وہ کمالات ہوں جو ہاتھ میں ہیں۔ انسان پڑھنے کے وقت کتاب کو ہاتھ سے پکڑتا ہے اور ہاتھ اسے آنکھ سے موزوں کر کے فاصلے پر لے جاتے ہیں، یہ پوزیشن خود کار طریقے سے ہاتھ فوراً طے کر دیتے ہیں، اگر آپ کتاب کا ورق اُلٹنا چاہیں تو ہاتھ کی انگلی نہایت تکنیکی طریقے سے ورق پر رکھی جاتی ہے اور تھوڑے سے دباؤ سے ورق الٹ جاتا ہے، پھر قلم پکڑتے ہیں اور ہاتھ کے اعصاب خود بخود قلم کو چلاتے ہیں، پھر یہ ہاتھ عجیب انداز سے انسانی ضرورت کے تمام ہتھیاروں اور اوزاروں کو استعمال کرتا ہے چمچ، چھری کانٹا، قلم پنسل اور دوسرے آلات خود بخود جس طرح ہم چاہیں ہاتھ کی گرفت میں لے آتے ہیں، یہ قدرتی آلہ سات ہڈیوں اور پندرہ عضلات پر مشتمل ہے جسے عقلِ انسانی اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھ کر دنگ رہ جاتی ہے۔

(ماخوذ از اللہ اور جدید علم از استاد عبدالرزاق، بحوالہ فی ظلال القرآن)

انسانی کان:

انسان کا کان اور اس کا جوف دراصل چار ہزار کے لگ بھگ نصف قوس کے کمانوں پر مشتمل ہے، یہ کمانیں نہایت عمدگی سے بنائی گئی ہیں اور آپس میں نہایت تکنیکی اعتبار سے مربوط ہیں، یہ موسیقی کے آلات کے مشابہ ہیں اور یہ کمانیں ہر قسم کی آواز کو ایک عجیب انداز سے عقل اور دماغ کی طرف منتقل کرتی ہیں، بجلی کی کڑک کی سخت آواز ہو یا درختوں کی نہایت خوشگوار سرسراہٹ ہو، یہ نصف قوس کے بے شمار نشیب وفراز جو کان کے اندر بنے ہوئے ہیں اس آواز کو مِن وعَن دماغ تک پہنچاتے ہیں۔

انسانی آنکھ:

آنکھ بھی ایک عجیب آلہ ہے، روشنی کو اَخذ کرنے والے تین کروڑ سے اوپر اعصاب کے سرے اس

کے اندر موجود ہیں، پھر آنکھ کی حفاظت کے لیے پپوٹے اور اس کے اوپر پلکوں کی خوبصورتی ہے (یہ پلکیں اور پپوٹے) کسی بھی بیرونی چیز کو اندر آنے نہیں دیتے اور یہ خودکار طریقے سے حرکت میں رہتے ہیں اور اجنبی چیزوں کو روکتے اور موڑتے ہیں، پلکوں کا سایہ دھوپ کی شدت کو بھی کم کرتا ہے اور پپوٹے خودکار طریقے سے آنکھ کو تر رکھتے ہیں، آنکھ کی صفائی کا نظام کس نفاست اور حکمت سے کیا گیا ہے، یہ سیال مادہ جسے آنسو کا نام دیا جاتا ہے، یہ آنکھ کو ہر وقت صاف رکھتا ہے اور بہترین صفائی کرنے والا سیال ہے۔ (حوالہ ایضاً)

نظام ذائقہ:

چکھنے کا نظام انسان کی زبان میں رکھا گیا ہے، زبان کے لعاب دار پردے میں بے شمار چکھنے والے خلیے ہیں، یہ خلیے گھنڈیوں کی شکل میں ہیں، ان گھنڈیوں کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں، کچھ ریشہ دار ہوتی ہیں، بعض ابھری ہوتی ہیں اور بعض پھٹی ہوئی ہوتی ہیں اور یہ خلیے زبان کے نکلنے اور چکھنے والے پٹھوں سے غذا حاصل کرتے ہیں۔ جب انسان کوئی چیز کھاتا ہے تو اس عمل سے چکھنے والے اعصاب متاثر ہوتے ہیں اور یہ اثرات دماغ تک جاتے ہیں اور یہ پورا نظام انسانی منہ کے ابتدائی حصہ میں تخلیق کیا گیا ہے تاکہ اگر انسان کسی چیز کو ناپسند کرتا ہے تو اسے تھوک سکے، یوں منہ کے اندر ہی انسان معلوم کر لیتا ہے کہ جو چیز کھائی جا رہی ہے وہ تلخ ہے، شیریں ہے، گرم ہے، سرد ہے، نمکین ہے یا جلانے والی ہے، زبان کے اندر چکھنے کی تو سینکڑوں گھنڈیاں ہوتی ہیں اور یہ پٹھوں کے ذریعے دماغ کے ساتھ مربوط ہوتی ہیں ان کا حجم کیا ہے؟ اور یہ کس طرح عمل کرتی ہیں؟ یہ ایک حیرت انگیز بات ہے۔

انسانی اعصاب:

اور پھر اعصاب کا نظام جو پورے جسم میں پھیلا ہوا ہے، یہ ایسے باریک ریشوں کا مرکب ہے جو جسم کے ہر طرف پہنچے ہوتے ہیں، جسم کے کونے کونے سے آگے یہ بڑے اعصاب سے جڑتے جاتے ہیں اور اعصاب کے مرکزی نظام سے مربوط ہوتے ہیں۔ اگر جسم کا کوئی حصہ بھی کسی طرح متاثر ہوتا ہے تو یہ نظام مرکزی نظام کو اطلاع دیتا ہے، چاہے موسم کی معمولی سی تبدیلی کیوں نہ ہو، یہ نظام پورے

جسم سے احساسات دماغ تک پہنچاتا ہے اور دماغ اس تاثر کے بعد حکم صادر کرتا ہے اور یہ نظام نہایت ہی تیزی سے پیغام رسانی کا کام کرتا ہے، اس پیغام رسانی کی رفتار سو میٹر فی سیکنڈ ہوتی ہے۔

انسانی معدہ:

نظامِ ہضم ایسا ہے جس طرح کوئی کیمیاوی لیبارٹری ہوتی ہے، کوئی چیز کھاتے ہی اس لیبارٹری میں ایک عجیب عمل شروع ہو جاتا ہے اور یہ فیکٹری معدے کو چھوڑ کر اس تھیلے کی ہر چیز چاٹ لیتی ہے، پھر اس میں سے نفع بخش اشیاء جسم کا حصہ بناتی ہے، بقیہ فضلہ کے ذریعہ خارج کر دیتی ہے، نظام ہضم ضروری اجزاء کیلشیم، گندھک، آیوڈین لوہا اور بے شمار دوسرے اجزاء اخذ کر لیتا ہے اور اس بات کا پورا خیال رکھتا ہے کہ کوئی کارآمد جز ضائع نہ ہوتا کہ ان سے ضروری اجزاء پیدا ہوں اور انسانی زندگی کے لیے تمام ضروری مواد بقدر ضرورت مہیا ہوتا رہے اور نہایت ہی منظم اور مرتب طریقے سے ہوتا رہے، یہ انسانی جسم کی صرف چند باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے (یہ سب کچھ رب عظیم وقدیر کی قدرت کی کرشمہ سازی ہے)۔

نتیجہ

مندرجہ بالا سطور سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ انسانی جسم کا ہر ہر حصہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند ہے، گویا وہ مسلم ہے، صرف انسان کو ارادے کا اختیار دیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِراً وَإِمَّا كَفُوراً﴾ (الدھر:٣/٧٦)

”ہم نے (انسان) کو راستہ دکھا دیا، خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا“

یہ زندگی سراسر امتحان ہے اور اس میں کامیاب وہی ہے جو اپنے خالق و مالک کی ہدایت کو اپنائے اس کے علاوہ ہر راستہ گمراہی اور تباہی ہے۔

اسلامی عقائد کی سادگی پر سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

”اسلامی عقائد اس قدر سادہ اور دلنشین ہیں کہ ایک معمولی سے معمولی عقل کا انسان بھی انہیں تسلیم کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے نہ ان میں کسی قسم کے ظن و اوہام سے کام لیا گیا ہے، نہ ان میں دور از کار باتوں کو دخل ہے، چند نہایت صاف اور سیدھے سے اصول ہیں جنہیں عقل نہایت آسانی

سے قبول کر لیتی ہے اور جنہیں قبول کر لینے کے بعد انسان کو اپنے اندر خود ایک حیرت انگیز انقلاب محسوس ہونے لگتا ہے، ان سب باتوں کے ساتھ ان کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ ہر چیز نہایت صاف اور قطعی ہے جس کے اندر کسی قسم کے احتمالات نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ کے متعلق اس نے بالکل واضح عقیدہ پیش کیا ہے (اسلام کا سرچشمۂ قوت) آیئے! ان آیات پر غور وفکر کرتے ہیں۔

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا تعارف بڑے سادہ الفاظ میں اس طرح کراتا ہے:

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ○ اللّٰهُ الصَّمَدُ ○ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ○ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُواً أَحَدٌ﴾ (اخلاص)

''(اے رسولؐ) آپ فرما دیجیے کہ وہ اللہ (جس کا میں رسول ہوں) ایک ہی ہے، اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے (زندگی کے ہر معاملے میں سب اسی کے محتاج ہیں اور وہ کسی کا بھی محتاج نہیں ہے) نہ اُس کی کوئی اولاد ہے، نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔''

''قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ'' (اے رسولؐ) آپ فرما دیجیے کہ وہ اللہ (جس کا میں رسول ہوں) ایک ہی ہے، وہ اپنی ذات، صفات، علم وقدرت میں یکتا وتنہا، بے مثل اور بے مثال ہے، صرف اس چھوٹی سی سورت میں، جس کی صرف چار آیات ہیں، یہود ونصاریٰ کا ردّ آ گیا، نیز مشرکین وملحدین اور دنیا کی تمام بت پرست اور آتش پرست قوموں کا قاطع اور واضح جواب آ گیا۔

اس بات کو سورہ الانبیاء میں اس طرح ارشاد فرمایا:

﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ﴾

(الانبیاء: ۲۱/۲۲)

''اگر آسمان و زمین میں ایک اللہ کے سوا دوسرے اِلٰہ بھی ہوتے تو (زمین و آسمان) دونوں کا نظام بگڑ جاتا، پس اللہ تعالیٰ عرش کا رب ہر اس وصف سے پاک ہے جو یہ مشرک بیان کرتے ہیں۔''

پھر اس سلسلہ میں قرآن حکیم دلیل قاطع اس طرح بیان کرتا ہے:

﴿مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِن وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَٰهٍ إِذاً لَّذَهَبَ كُلُّ إِلَٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا

بَعۡضُهُمۡ عَلَى بَعۡضٍ سُبۡحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُونَ﴾ (المؤمنون: ٢٣/٩١)

''(حق تو یہ ہے) نہ تو اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا اور نہ اس کے ساتھ اور کوئی معبود ہے، ورنہ ہر معبود اپنی مخلوق کو لیے پھرتا اور ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتا (زمین و آسمان کا یہ نظم وضبط درہم برہم ہو جاتا) جو اوصاف (یہ مشرکین) بتلاتے ہیں ان سے اللہ پاک (اور بے نیاز) ہے۔''

زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کی بے مثل اور بے مثال ذات کو ایک ہی مختصر جملے میں قرآن اس طرح بیان کرتا ہے۔

﴿لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ﴾ (الشوری:٤٢/١١)

کائنات کی کوئی چیز بھی (رب کائنات) کے مشابہ نہیں، وہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ (یہاں تک کہ چیونٹی ایسی چھوٹی سی مخلوق کے پاؤں کی آواز کو بھی سنتا ہے اور تمہارے دل کے ارادوں سے بھی آگاہ ہے)

پھر اس کی ربوبیت کائنات کے ذرہ ذرہ سے عیاں ہے''الرّب'' کے اصل معنی تربیت کرنا، یعنی کسی چیز کو (پیدا کرنے کے بعد) اس کو تدریجاً نشوونما دے کر حد کمال تک پہنچانے کے ہیں۔

(مفردات القرآن، امام راغب اصفهانی)

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس کائنات کی ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا تو اس کے رزق اور روزی کا بندوبست بھی فرما دیا، اور ساتھ ساتھ اس کو کام کاج کرنے کا سلیقہ اور قرینہ بھی عطا فرمایا:

﴿رَبُّنَا الَّذِىۡۤ اَعۡطٰى كُلَّ شَىۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰى﴾ (طٰهٰ:٢٠/٥٠)

ہمارا رب تو وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی ساخت بخشی پھر اس کو راستہ بتایا۔

''یعنی دنیا کی ہر شے جیسی کچھ بھی بنی ہوئی ہے، اس کے بنانے سے بنی ہے، پھر اس نے ایسا نہیں کیا کہ ہر چیز کو اس کی مخصوص بناوٹ دے کر یونہی چھوڑ دیا ہو، بلکہ اس کے بعد وہی ان سب چیزوں کی رہنمائی بھی کرتا ہے، دنیا کی کوئی چیز ہے ہی نہیں جسے اپنی ساخت سے کام لینے اور اپنے مقصد تخلیق کو پورا کرنے کا طریقہ اس نے نہ سکھایا ہو، کان کو سننا آنکھ کو دیکھنا، مچھلی کو تیرنا اور چڑیا کو

اُڑنا اسی نے سکھایا ہے وہ ہر چیز کا صرف خالق ہی نہیں، ہادی اور معلّم بھی ہے۔

(مختصر حواشی، سید مودودی)

اور انسان کو تو اس نے بہت کچھ سکھایا۔ شکل وصورت میں ممتاز بنایا، عقل وفراست سے نوازا، علم وہنر عطا کیا، حق اور باطل میں تمیز عطا کی، کھرے اور کھوٹے کا فرق سمجھایا اور انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا جن نفوسِ قدسیہ کی پاکیزہ زندگیاں لوگوں کے لیے مشعلِ راہ بنیں، انہیں دستور حیات یعنی کتابیں عطا کیں تاکہ وہ خلافتِ ارضی کا حق ادا کرے۔

پھر رب کریم تو وہ ہے جسے ہر چھوٹی بڑی مخلوق کی ہر لمحہ اور ہر لحظہ خبر ہے۔

﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا هُوَ﴾ (المدثر: ۷۴/۳۱)

''اور تیرے رب کے لشکروں کو خود اس کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے۔''

اور اس علیم وخبیر کے علم میں نہ صرف اپنی جاندار مخلوق کی خبر ہے اور ان میں سے ہر ایک کی پکار کو ہر وقت سنتا ہے اور اس کا فریاد رس ہے بلکہ نباتات و جمادات اور پوری کائنات پر اس کی نگاہ ہے اور اس کا تسلط ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لاَ يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِيْ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَّرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلاَ حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلاَ رَطْبٍ وَلاَ يَابِسٍ إِلَّا فِيْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ﴾ (الانعام: ۶/۵۹)

اور اس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا (اللہ ہی کے پاس ظاہر و باطن دونوں کا کامل علم ہے) اور بحر و بر (تری و خشکی) میں جو کچھ ہے سب سے وہ واقف ہے اور (شاخ سے) کوئی پتا نہیں گرتا مگر اس کو وہ جانتا ہے اور زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ اور نہ کوئی ہری اور سوکھی چیز ہے مگر وہ سب ایک روشن کتاب (لوح محفوظ) میں (موجود ہے اور وہ اس کے علم میں ہے)۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کائنات کی ہر چیز کو کھلاتا ہے جبکہ وہ خود بے نیاز ہے:

﴿قُلْ أَغَيْرَ اللّٰهِ أَتَّخِذُ وَلِيّاً فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلاَ يُطْعَمُ﴾

(الانعام: ۶/۱۴)

''(اے رسولؐ) آپ فرما دیجیے کیا میں اس اللہ کے سوا کسی اور کو اپنا کارساز بناؤں جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ (سب کو) روزی دیتا ہے، روزی لیتا نہیں ہے (وہ سب کی حاجت روائی کرتا ہے اور خود کسی کا محتاج نہیں اور نہ اسے کسی چیز کی حاجت ہے)۔''

آسمانوں اور زمین میں صرف اور صرف اسی کی حکومت ہے اور زندگی اور موت بھی اسی کے قبضۂ اختیار میں ہے۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يُحْيِىْ وَيُمِيْتُ﴾ (التوبہ:۹/۱۱٦)

اور یہ بھی واقعہ ہے کہ اللہ ہی کے قبضہ میں زمین اور آسمانوں کی سلطنت ہے اور اسی کے اختیار میں (ہر ذی روح) کی موت وحیات ہے۔

یہاں تک کہ جب کسی شخص کی موت کا وقت آ جاتا ہے تو اس میں لحہ بھر بھی تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی ہے، اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت عیاں ہوتی ہے۔

﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾

(الاعراف: ۷/۳٤)

''ہر قوم (اور ہر شخص) کے لیے مہلت کی ایک مدت مقرر ہے، پھر جب وہ (نہ ٹلنے والا) وقت آ جاتا ہے۔''

تو (اس سے) وہ ایک لحہ کی بھی تاخیر و تقدیم نہیں کر سکتے (اور نہ جانکنی کی تکلیف سے ایک لحہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں نہ اپنی کوششوں سے ایک ساعت آگے بڑھ سکتے ہیں، موت تو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے وقت پر آئے گی) پھر کسی مقام پر اس طرح بھی بیان ہوا:

﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوْتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللهِ كِتَابًا مُّؤَجَّلًا﴾ (آل عمران:۳/۱٤۵)

کوئی ذی روح اللہ کے اذن کے بغیر نہیں مر سکتا، موت کا وقت تو لکھا ہوا ہے۔

اور کسی شخص کو یہ بات بھی معلوم نہیں کہ وہ کس سرزمین میں دم توڑے گا:

﴿وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ بِأَىِّ أَرْضٍ تَمُوْتُ﴾ (لقمٰن: ۳۱/۳٤)

”اور نہ کسی شخص کو یہ خبر ہے کہ کس سرزمین میں اس کو موت آئے گی۔ (گھر میں، گھر سے باہر، ہوائی جہاز میں، بس میں وغیرہ وغیرہ)۔“

یہ وہ سادہ سے حقائق ہیں جنہیں جھٹلایا اور رد نہیں کیا جا سکتا، پھر ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے کائنات کی ہر چیز فنا کر دی جائے گی اور صرف اسی رب قدیر کی ذات باقی رہنے والی ہے۔

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾

(الرحمن: ۵۵/۲۶-۲۷)

”ہر چیز جو اس زمین پر ہے فنا ہو جانے والی ہے اور صرف تیرے رب کی جلیل و کریم ذات ہی باقی رہنے والی ہے۔“

یہ وہ مشاہدات ہیں جنہیں ہر دیہاتی اور ہر شہری، پڑھا لکھا اور اَن پڑھ روزانہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ موت و حیات پر صرف اور صرف ایک ہی ذات کو اختیار ہے اور وہ خالق کائنات اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے، اس کا فرمان ہے:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ (ال عمران:۳/۱۸۵)

آخر کار ہر شخص کو مرنا ہے اور تم سب اپنے اپنے پورے اجر قیامت کے روز پانے والے ہو (اور تمہاری یہ زندگی) سراسر امتحان ہے، ابرار و صالحین بہترین اجر سے نوازے جائیں گے جبکہ اشرار و مجرمین برے اعمال کی وجہ سے سزا پانے والے ہیں)۔

﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۝ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ﴾ (الانفطار:۸۲/۱۳-۱۴)

بلاشبہ نیک لوگ بہشت میں ہوں گے (جہاں ان کو ہر قسم کی نعمتیں میسر ہوں گی) اور یقیناً بدکار دوزخ میں ہوں گے (جہاں انہیں سزا اور عذاب کا سابقہ ہو گا)۔

جس خالق و مالک نے انسان کو اس قدر نعمتوں سے نوازا، اسے یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ انسان سے ان انعامات کے بارے میں پوچھ گچھ کرے:

﴿ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ﴾ (التکاثر: ۱۰۲/۸)

''(اے انسانو!) پھر ضرور اس روز تم سے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان نعمتوں کے بارے میں جواب طلبی کی جائے گی۔''

اللہ کائنات کے خالق و مالک کا اسم مبارک ہے جو واحد و یکتا ہے، کسی اور ہستی پر اس کا اطلاق ہو ہی نہیں سکتا، نہ اس لفظ کی جمع آتی ہے نہ یہ کسی لفظ سے مشتق ہے اور نہ ہی اس کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں ممکن ہے، کوہ طور پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اس نامِ مبارک سے عرفان نصیب ہوا، ارشاد ہوا:

﴿إِنَّنِيْٓ أَنَا اللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنَا فَاعْبُدْنِيْ﴾ (طٰہٰ:۲۰/۱۴)

''(اے موسیٰ) بلاشبہ میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، پس تم میری بندگی کرو۔''

حقیقت تو یہ ہے کہ خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کلمہ کی طرف لوگوں کو بلایا اور آپ سے پہلے جتنے بھی رسول آئے اس کلمہ کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے رہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿قُلْ إِنَّمَآ أَنَا مُنذِرٌ وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ○ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ﴾ (صٓ:۳۸/۶۵-۶۶)

(اے نبیؐ) ان سے کہیے! میں تو (عواقب اور انجام سے) ڈرانے والا ہوں، کوئی حقیقی معبود نہیں مگر اللہ جو یکتا ہے، سب پر غالب (وہی) آسمانوں اور زمین کا مالک اور ان ساری چیزوں کا مالک جو ان کے درمیان ہیں زبردست (سرکش اور باغی اس کی گرفت سے بچ نہیں سکتے) اور بڑا بخشنے والا ہے (جو بندے صدق دل سے اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اطاعت گزار بن جاتے ہیں، انہیں معاف فرما دیتا ہے اور لازوال انعام سے نوازتا ہے)۔

پھر ارشاد ہوا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِيْٓ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾

(الانبیاء: ۲۱/۲۵)

''ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھی بھیجا ہے، اس کو یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم لوگ میری ہی بندگی کرو۔''

معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید ہی وہ فطری دعوت ہے جسے ہر رسول نے اپنی اپنی قوم کو یہ پیغامِ حق پہنچایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی پیغام کو نسلِ انسانیت کے سامنے پیش کیا۔

مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

یہ امر واضح رہے کہ سابق انبیاء کے جو صحیفے موجود ہیں ان میں اگر چہ بے شمار تحریفیں ہو چکی ہیں لیکن توحید کی تعلیم آج بھی ان میں محفوظ ہے، ان کے حاملوں نے اگر شرک اختیار کیا تو اپنے فاسد علمِ کلام کے سہارے، پر اختیار کیا ہے نہ کہ ان صحیفوں کی تعلیم کی بنا پر، جس طرح قرآن کی نہایت واضح تعلیمِ توحید کے باوجود اس امت میں شرک کی بہت سی قسمیں گھس آئی ہیں، اسی طرح ان امتوں نے اپنے صحیفوں کی تعلیم کے بالکل برخلاف شرک کی لعنت اختیار کی اور پھر اس کے حق میں خارج سے دلیلیں فراہم کرنے کی کوشش کی (جس کی بنیاد سراسر خواہشاتِ نفس پر تھی) تورات میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تعلیم بھی موجود ہے، وہ بھی سراسر توحید ہے، الغرض حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم و دعوت کا جو ریکارڈ موجود ہے، وہ قرآن اس دعوی کی تصدیق کرتا ہے کہ اللہ کے ہر رسول نے توحید ہی کی تعلیم دی ہے۔ شرک کی تعلیم کسی نے بھی نہیں دی ہے، اس کے خلاف جو دعوی کرتا ہے وہ انبیاء کی تاریخ اور ان کی دعوت سے بالکل بے خبر ہے۔ (تدبر قرآن، ج:۵)

قرآن حکیم وہ ابدی دستورِ حیات ہے جسے اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق نے ہر قسم کی تحریف وتبدل اور ہر انسانی و شیطانی دست برد سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ فرما دیا ہے اور اس کی حفاظت کے دو بڑے مضبوط طریقے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کا حفظ کرنا آسان کر دیا گیا ہے، غور کیجیے کہ آٹھ نو سال کا بچہ اس کتاب عظیم کو اپنے سینے میں محفوظ کر لیتا ہے اور پھر رمضان المبارک میں بیسیوں لوگوں کی امامت کرتے ہوئے نمازِ تراویح میں اسے سنا ڈالتا ہے، اس وقت پوری دنیا میں سینکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد میں حفاظ موجود ہیں جنہیں رمضان المبارک میں اسے سنانے کی سعادت نصیب ہوتی ہے، اور یہ سلسلہ صدیوں پر محیط ہے، رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے حافظِ قرآن تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ہی کے قلبِ اطہر پر جبرائیلِ امین قرآن لے کر آتے رہے اور آپ کے ساتھ دورۂ قرآن بھی

کرتے رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حفظ کیا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے تابعین رحمۃ اللہ علیہم نے اور ان سے تبع تابعین نے اور پھر ان سے صلحائے امت نے اور یہ سلسلہ اللہ کے فضل سے آج تک منقطع نہ ہوا، اور حفظ کرانے کے لیے ہر ملک اور ہر شہر میں، ہر بستی اور ہر گاؤں میں سینکڑوں مدرسے موجود ہیں اور ان میں سینکڑوں اور ہزاروں بچے قرآن حکیم کو حفظ کرتے رہتے ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ کی ان گنت نعمتوں میں سے ہوا اور روشنی ایسی نعمتیں بلا معاوضہ انسانوں کو مل رہی ہیں، اسی طرح تعلیم القرآن کے لیے کوئی روپیہ پیسہ خرچ کرنا نہیں پڑتا بلکہ یہ انمول نعمت بھی بلا معاوضہ مل جاتی ہے۔ حفاظتِ قرآن کا دوسرا مضبوط طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دور اور ہر زمانے میں علمائے حق کو یہ توفیق عطا فرمائی ہے کہ وہ اس کی نشر و اشاعت اور ترجمہ وتفسیر میں مصروف چلے آ رہے ہیں، حفاظتِ قرآن اور اس کی صداقت کی یہ روشن دلیل ہے جو صرف اور صرف دنیا میں اسی آسمانی کتاب کے حصے میں آئی ہے اور جس طرح یہ قرآن مِنْ و عَنْ اسی طرح محفوظ ہے جس طرح یہ خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا اسی طرح اُس خلق عظیم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا ہر ورق اور ہر گوشہ بھی محفوظ ہے اور یہ سعادت بھی انبیائے کرام میں سے آپ ﷺ کے حصہ میں آئی، الحمدللہ۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نشان ایک تو انفس و آفاق میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ سقفِ نیلگوں جو ہمارے سروں پر بغیر ستونوں کے کھڑا ہے، یہ آفتاب و ماہتاب جو وقت پر طلوع وغروب ہوتے ہیں، یہ تاروں بھرا آسمان جو شب کو دلکش منظر پیش کرتا ہے، یہ بلند و بالا پہاڑ جن میں سرسبز شاداب درخت اُگے ہوئے ہیں، یہ طرح طرح کے شیریں میوہ جات جو بدل بدل کر ہر موسم میں چلے آتے ہیں یہ موسموں کا تغیر وتبدل اور ہواؤں کی گردش اور ان کے دوش پر بادلوں کا تیرنا اور برسنا، یہ وسیع سمندر جو دنیا کے ایک تہائی حصے کو گھیرے ہوئے ہے، یہ بہتے دریا اور ندی نالے، خود ہمارا جسم اور اس کے اندر پھیلی ہوئی عجیب وغریب مشینری، ہمیں پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ اس کا کوئی خالق و مالک ضرور ہے، قرآن اعلان کرتا ہے کہ اس ذات کا نام اللہ ہے:

﴿اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ﴾ (الزمر: ۳۹/۶۲)

''اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔''

﴿اللّٰهُ لاَ إِلٰـهَ إِلاَّ هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لاَ تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلاَ نَوْمٌ لَّهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الأَرْضِ مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلاَّ بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلاَ يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلاَّ بِمَا شَاء وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالأَرْضَ وَلاَ يَؤُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ﴾ (البقرہ:۲/۲۵۵)

اللہ وہ زندہ جاوید ہستی ہے، جو کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، نہ اسے اونگھ آتی ہے اور نہ نیند، زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے، اسی کا ہے، کون ہے جو اس کی جناب میں اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے؟ جو کچھ بندوں کے سامنے ہے اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے اس کا بھی اسے خوب علم ہے (دلوں کے خیالات سے بھی وہ آگاہ ہے) اور (بندے) اس کے علم میں سے کسی شے کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر اتنا ہی جتنا وہ چاہے، اس کی حکومت آسمانوں اور زمین پر چھائی ہوئی ہے اور ان کی نگہبانی اور حفاظت سے تھکتا نہیں اور وہ بلند و برتر اور صاحبِ عظمت و جلال ہے۔

﴿اَللّٰهُ لاَ إِلٰـهَ إِلاَّ هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ﴾

اللہ وہ زندہ جاوید ہستی ہے جو کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں:

"اَلْحَيُّ" وہ مستقلاً زندہ ہے، وہ ازلی اور ابدی (ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا) صفتِ حیات اس کی جزوِ ذات ہے، موت یا عدمِ حیات اس پر نہ پہلے کبھی طاری ہوئی اور نہ آئندہ کبھی طاری ہوسکتی ہیں، تو کیا کوئی قوم ایسی بھی ہوئی ہے جس نے اپنے معبود کی اس کھلی ہوئی اور موٹی صفت میں بھی شبہ کیا ہو۔ ایک نہیں متعدد قوموں نے شک و اشتباہ کیا، یعنی انکار تک اس صفت کا کیا ہے، بحرِ روم کے ساحل پر متعدد قومیں اس عقیدہ کی گزری ہیں کہ ہر سال فلاں تاریخ پر ان کا خدا وفات پا جاتا ہے اور دوسرے دن از سرِ نو وجود میں آ جاتا ہے، چنانچہ ہر سال اس تاریخ کو خدا یا بعل کا پتلا بنا کر جلایا جاتا تھا اور دوسری صبح

اس کے جنم (پیدائش) کی خوشی میں رنگ رلیاں شروع ہو جاتی تھیں، ہندوؤں کے ہاں اوتاروں کا مرنا اور پھر جنم لینا، اسی عقیدہ کی مثالیں ہیں...... اور خود مسیحیوں کا عقیدہ بجز اس کے اور کیا ہے کہ خدا پہلے تو انسانی شکل اختیار کر کے دنیا میں آتا ہے اور پھر صلیب پر جا کر موت قبول کر لیتا ہے، مسلمانوں کے گھرانے میں پیدا ہونے والے بچے شروع ہی سے ایک ازلی ابدلی، باقی وغیر فانی اللہ تعالیٰ رب کائنات کے عقیدہ سے چونکہ مانوس ہو جاتے ہیں بڑے ہو کر ان کے خیال ہی میں یہ بات نہیں آتی کہ رب کائنات کبھی اور کسی حال میں کسی معنی میں اور کسی لحاظ سے حادث وفنا پذیر بھی ہو سکتا ہے۔

''اَلْقَیُّومُ'' مسیحیوں نے جس طرح اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی صفتِ حیات کے باب میں سخت ٹھوکر کھائی ہے، اسی طرح صفتِ قیومیت سے متعلق بھی عجیب گمراہی میں پڑ گئے ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ جس طرح بیٹا بغیر باپ کی شرکت و آمیزش کے خدا نہیں، اسی طرح باپ پر بھی بغیر بیٹے کو شریک کیے خدا کا اطلاق نہیں ہو سکتا، گویا جس طرح نعوذ باللہ مسیح ابن اللہ، خدا کے محتاج ہیں، اسی طرح خدا بھی اپنی خدائی کے لیے مسیح کا محتاج ہے...... صفتِ قیومیت کا اثبات کر کے قران نے اس مسیحی عقیدہ پر ضرب لگائی ہے، قیوم وہ ہے جو نہ صرف اپنی ذات سے قائم ہے بلکہ دوسروں کے بھی قیام کا سبب و باعث اور سب کو سنبھالے ہوئے ہے، اس کے سب محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں۔'' (تفسیرِ ماجدی ج:۱)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام قسم کی انسانی خواہشات، حاجات، ضروریات، سفلی جذبات، کوتاہیوں اور کمزوریوں سے بے نیاز اور پاک ہے، قرآن حکیم نے واشگاف الفاظ میں بتا دیا ہے:

﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ۝ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُواً أَحَدٌ﴾

(الاخلاص)

(اے نبیؐ) کہیے! وہ اللہ (اپنی ذات وصفات) میں یکتا ہے، اللہ بے نیاز ہے (اسے کسی بات کی حاجت اور ضرورت نہیں ہے اور سب اس کے محتاج ہیں) نہ اس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا (نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے) اور نہ کوئی اس کا

ہمسر ہے (نہ اس کا کوئی مثل و مقابل ہے)۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَأَنَّهُ تَعَالَى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَداً﴾ (الجن:۷۲/۳)

اور بلا شبہ ہمارے رب کی شان بہت اعلیٰ و ارفع ہے، اس نے کسی کو بیوی یا بیٹا نہیں بنایا ہے (وہ ان سب باتوں سے بے نیاز ہے)۔

مشرکین جو جو باتیں بھی اللہ تعالیٰ کے بارے میں بناتے ہیں اس کی ذات ان سے مبرا ہے۔

﴿سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوّاً كَبِيراً﴾ (بنی اسرائیل:۱۷/۴۳)

پاک ہے وہ اور بہت بالا و برتر ہے، جو یہ لوگ کہہ رہے ہیں۔

﴿اللّهُ لاَ إِلَـهَ إِلاَّ هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ﴾

اللہ وہ زندہ جاوید ہستی ہے جو کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کی صفت میں حَیٌّ کہا جاتا ہے تو اس سے مراد وہ ذات اقدس ہے جس کے متعلق موت کا تصور بھی نہیں ہوسکتا۔ (مفردات القرآن)

اور صرف اس ذات پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، قرآن اعلان کرتا ہے:

﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ﴾ (الفرقان:۲۵/۵۸)

(اے نبیؐ) اس اللہ پر بھروسا رکھو جو (ہمیشہ سے) زندہ ہے اور جسے (کبھی) موت نہیں ہے، بلکہ کائنات کی ہر چیز کو زندگی اور موت وہی دیتا ہے اور ہر چیز اور ہر بات اس کے حکم کی پابند ہے۔

﴿هُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ فَإِذَا قَضَى أَمْراً فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ﴾ (المومن:۴۰/۶۸)

(اللہ ہی) زندگی دینے والا اور وہی موت دینے والا ہے وہ جس بات کا بھی فیصلہ کرتا ہے، بس ایک حکم دیتا ہے کہ وہ ہو جائے اور وہ ہو جاتی ہے۔

''اَلْقَیُّومُ'' بھی اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے جس سے مراد وہ ذات ہے۔ جو ہر چیز کی

نگران اور محافظ ہے اور ہر چیز کو اس کی ضروریاتِ زندگی بہم پہنچاتی ہے، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿رَبُّنَا الَّذِیٓ أَعۡطَىٰ كُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَهُۥ ثُمَّ هَدَىٰ﴾ (طٰہٰ:۲۰/۵۰)

ہمارا رب وہ ہے کہ جس نے ہر شے کو اس کا وجود بخشا، پھر (اس کی استعداد کے مطابق اس کی) رہنمائی کی۔

یعنی ہمارا رب تو وہ ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا تو اس کی روزی کا سروسامان بھی کیا، پھر ہر چیز میں موزونیت اور فائدہ بھی رکھا، جیسا کہ ہاتھ لکھنے پڑھنے اور کام کاج کے لیے بنائے، قدم چلنے پھرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں، زبان گفتگو اور بولنے میں مفید ہے، آنکھوں سے دیکھنے کا کام لیا جاتا ہے اور کان بات سننے میں نافع ہیں وغیرہ وغیرہ، پھر غور کیجیے کہ انسان کو عقل وشعور سے نوازا تو وہ حق حلال کی روزی حاصل کرنے میں دوڑ دھوپ اور تگ ودو کرتا ہے اور پرندے بھی اپنی روزی حاصل کرنے میں ادھر ادھر پرواز کرتے ہیں، غرضکہ دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں کہ جس کے پلنے بڑھنے اور پھلنے پھولنے کا انتظام نہ ہو، گویا کہ رب کائنات کی ربوبیت کی کرشمہ سازی کا مشاہدہ ہر سو کیا جا سکتا ہے۔

﴿لَا تَأۡخُذُهُۥ سِنَةٌ وَلَا نَوۡمٌ﴾ نہیں پکڑتی اس کو اونگھ اور نہ نیند۔

اونگھ نیند کا ابتدائی درجہ ہے اور نیند ایک اضطراری کیفیت ہے جو ہر جاندار کو اس وقت لاحق ہوتی ہے جب وہ کام کرتے کرتے تھک جاتا ہے، ایسی حالت میں نیند اس پر غالب آ کر اسے بے ہوش بنا دیتی ہے اور اس میں موت کے کچھ آثار بھی پائے جاتے ہیں، اس لیے احادیث میں نیند کو موت کی بہن قرار دیا گیا ہے اور بعض احادیث میں اسے موت سے تعبیر کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کو اگر اونگھ یا نیند آ جائے تو اس کائنات کا سارا نظام آن کی آن میں درہم برہم ہو جائے اور اللہ کے سوا (لوگوں کے جتنے خود ساختہ) معبود ہیں وہ سب یا تو پہلے ہی مردہ ہیں یا پھر وہ اونگھ نیند اور موت کا شکار ہونے والے ہیں، لہٰذا وہ اِلٰہ نہیں ہو سکتے۔ (تیسیر القرآن)

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جاہلی مذہبوں کے دیوتا نیند سے جھوم بھی جاتے ہیں اور سونے بھی لگتے ہیں اور اسی غفلت کی حالت میں ان سے طرح طرح کی فروگزاشتیں ہو جاتی ہیں، مسیحیوں اور یہود کا

بھی یہ عقیدہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جب چھ روز میں آسمانوں اور زمین کو بنا ڈالا تو ساتویں دن اسے ستانے اور آرام لینے کی ضرورت پڑ گئی، اسلام کا رب اللہ تعالیٰ، دائم بیدار، ہمہ خبردار، غفلت، سستی اور تھکن سب سے ماورا ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے۔ (بحوالہ تفسیر ماجدی)

زمین وآسمان کو چھ روز میں پیدا کرنے کی حکمت

﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِیْ سِتَّةِ أَیَّامٍ﴾ (الاعراف:۵۴/۷)

درحقیقت تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔

۱- اس میں پہلی بات یہ سمجھائی گئی کہ جس طرح (اے انسان) اللہ تعالیٰ تمہارا رب ہے اسی طرح زمین وآسمان اور اس میں موجود ہر ہر چیز کا وہی خالق اور رب ہے۔

۲- ''فِیْ سِتَّةِ اَیّامٍ'' میں چھ دن سے، مراد ہمارے چوبیس گھنٹے والے دن نہیں ہیں بلکہ اس سے ہر دن ہزار سال کے برابر بھی ہوسکتا ہے اور پچاس ہزار سال کے برابر بھی ہو سکتے ہیں، جیسا کہ قرآن میں اس کا ذکر آتا ہے۔ (سورۃ الحج:۲۲/ ۴۸) اور (سورۃ المائدہ:۷/۴) اور چھ دنوں سے مراد چھ ادوار بھی ہو سکتے ہیں۔

۳- اللہ تعالیٰ اس پوری کائنات کو چھ دنوں، یا چھ ادوار میں پیدا کرنے کے بجائے اپنے ایک کلمہ ''کن'' سے آن کی آن میں پیدا کرسکتا تھا، یہ بات اس کی قدرت سے بعید نہیں تھی، لیکن اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ چھ دن (یا چھ ادوار) میں پیدا ہو، اللہ نے اسے خلق و تدبر کے ہر شعبے میں جس طرح اپنی قدرت نمایاں فرمائی ہے، اسی طرح اپنی حکمتِ ربوبیت اور رحمت کی شانیں بھی نمایاں فرمائی ہیں اور اس کی ان شانوں کا نمایاں ہونا بھی انسان کے کمالِ عقلی و روحانی کے لیے اسی طرح ضروری ہے جس طرح اللہ کے کمالِ قدرت کا نمایاں ہونا ضروری ہے۔ (دیکھیے تدبر قرآن مولانا امین احسنؒ اصلاحی)۔

۴- اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ بات بعید نہیں تھی کہ ہماری غذا کے لیے براہِ راست آسمان سے روٹی برستی، پھر یہ کیوں ضروری ہوا کہ ہوائیں چلیں، بادل اٹھیں، مینہ برسے، کھیتوں میں ہل چلیں، گندم بوئی جائے، اَنکھوئے نکلیں، ڈنٹھل پیدا ہوں، اس میں برگ و بار نمایاں ہوں، فصل اپجے،

خوشے نمودار ہوں، پھر ان میں دانے بیٹھیں، پھر گرم و خشک ہوائیں چلیں جو ان دانوں کو پکائیں اور اس طرح کہیں چھ مہینے کے گرم و سرد مراحل سے گزر کر گندم کا دانہ کسان کے کھتے تک پہنچے، یہ سب اس لیے ہے کہ اس طرح کائنات کی ایک ایک شے نہ جانے کتنے بھیس بدلتی اور کتنے جامے تبدیل کرتی ہے تاکہ وہ ہمیں اپنی طرف متوجہ کرے اور ہم ان کے اندر اللہ کریم کی نشانیوں کو دیکھیں اور ان سے سبق حاصل کریں، جو حال اس دنیا کے ذرے ذرے کا ہے وہی حال بحیثیتِ مجموعی اس دنیا کا ہے، یہ بھی ایک حادثہ کے طور پر یک بیک بن کر نہیں کھڑی ہو گئی ہے بلکہ اس کی تعمیر کرنے والے نے بڑی تدریج و حکمت اور بڑے اہتمام کے ساتھ مختلف مراحل میں اس کو تکمیل تک پہنچایا ہے، یہاں تک کہ وہ انسان کے فروکش ہونے کے لیے تمام ضروری لوازم سے آراستہ ہو گئی، یہ اہتمام و تدریج شاہد ہے کہ یہ کوئی اتفاقی حادثہ یا کوئی کھیل تماشہ نہیں ہے بلکہ ایک باغایت و با مقصد کارخانہ ہے اور ضرور ہے کہ ایک دن وہ غایت و مقصد ظہور میں آئے (اور جن و انس کو کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اور انہیں مکمل رہنمائی و ہدایت دی جا چکی ہے، جزا و سزا سنا دی جائے گی) (تدبر قرآن)

۵- انسان کی پیدائش بھی کئی مراحل میں ہوتی ہے...... نطفہ، علقہ مضغہ اور مضغہ میں ہڈیوں کا پیدا ہونا، پھر بطنِ مادر سے جیتے جاگتے انسان کی شکل میں اس زمین پر قدم رکھنا، پھر جس شکل میں خالق چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے، وہ اگر چاہتا تو ان مراحل کے بغیر بھی پیدا کر سکتا ہے، آخر روزِ قیامت ان تمام جن و انس کو جو ابتدا سے انتہا تک اپنی دنیا میں پیدا ہوئے، اور مٹی کے ساتھ مل کر مٹی ہو گئے، اپنی قدرتِ کاملہ سے اٹھا کھڑا کرے گا، اور وہ ہر بات پر قادر ہے۔

﴿فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخَالِقِيۡنَ﴾ یہود و نصاریٰ کا یہ عقیدہ لغو اور باطل ہے کہ حق تعالیٰ نے جب چھ روز میں آسمانوں اور زمین کو بنا ڈالا تو ساتویں دن اسے ستانے اور آرام لینے کی ضرورت پڑ گئی، وہ تو ہمہ وقت اس ارض و سما کا نگران ہے۔

﴿لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ﴾

اس کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔

لَہٗ میں لامِ تملیک، یعنی ملکیت کو ظاہر کرتا ہے اور لَہٗ کو جملے کے شروع میں لانے سے حصر (زورِ بیان) کے معنی پیدا ہوتے ہیں، یعنی زمین و آسمان میں جو کچھ ہے، وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ رب العزت کی ملکیت ہے، کسی اور کا کوئی حق نہیں ہے۔

﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ﴾

کون ہے جو اس کی جناب میں اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے؟

جب روزِ جزا و سزا کا دن قائم ہوگا تو اس وقت یہ حال ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کے لیے اللہ کے حضور شفاعت کرنے کی جرأت نہیں کرے گا، جب انبیاء اور فرشتے اللہ کی اجازت کے بغیر شفاعت نہ کریں گے تو بھلا وہ اصنام جن کی کفار پرستش کرتے ہیں اور جن کے بارے میں ان مشرکین کا عقیدہ ہے کہ وہ ان کے سفارشی بنیں گے، کیسے شفاعت کر سکیں گے؟ حدیثِ شفاعت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں عرش کے نیچے آؤں گا اور سجدے میں گر جاؤں گا تو اللہ مجھے اسی حال میں چھوڑ دے گا، جتنی دیر چاہے گا، پھر مجھ سے کہے گا کہ اپنا سر اٹھاؤ اور کہو، سنا جائے گا اور شفاعت کرو، قبول کی جائے گی۔'' (بخاری و مسلم)

اور یہ شفاعت اہلِ توحید کے لیے ہوگی، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ وہ کون خوش نصیب ہوگا جس کو آپ کی شفاعت نصیب ہوگی؟ تو آپ نے فرمایا: جس نے ''لا اِلٰہ اِلّا اللّٰہُ'' کو پورے خلوصِ قلب کے ساتھ کہا ہوگا۔

معلوم ہوا کہ یہ شفاعت اہلِ توحید کے لیے اللہ تعالیٰ کا ایک انعام ہوگا۔ (تیسیر الرحمن لبیان القرآن)

﴿یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ﴾

وہی جانتا ہے جو کچھ بندوں کے سامنے ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے'' اس حقیقت کا اظہار ہو رہا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صفت علم بھی کامل ہے، سعی و سفارش کا ایک موقع دنیا میں بھی ہوتا ہے کہ حاکم یا جج کے سامنے مقدمہ پیش ہوا، اس کا علم محیط اور کامل نہیں، اس لیے ضرورت ہے کہ خارجی ذرائع سے اس کی معلومات میں اضافہ کیا جائے اور اس کے علم کو کامل کر دیا جائے، یہاں یہ بتا کر کہ اللہ کا علم خود خفی وجلی (ظاہری اور چھپی بات) پر حاوی ہے، گویا یہ بتا دیا کہ اس کے علم پر کسی اضافہ کا

کرنے، اس کے آگے کسی کی خوبیاں بتانے، اسے کسی نامعلوم شے پر آگاہ کرنے کے کوئی معنی ہی نہیں اور اس طرح مسیحی عقیدۂ شفاعت پر ایک اور ضرب لگی۔ (تفسیر ماجدی)

﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ﴾

اور (بندے) اس کے علم میں سے کسی شے کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر اتنا ہی جتنا وہ چاہے۔

''اللہ تعالیٰ کی معلومات میں سے وہ کسی بات کو جان نہیں سکتے مگر صرف اتنا ہی جتنا کہ وہ خود علم عطا کرے، جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کو اس نے اپنی مصلحت اور حکمت کے مطابق وحی کے ذریعے علم عطا کیا۔

﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ﴾

اس کی کرسی (یعنی علم وقدرت) حاوی ہے آسمانوں اور زمین پر۔

''اس کی کرسیِ علم وقدرت تو خود ساری کائنات پر محیط ہے، وہ اس کو اپنے دائرۂ اختیار میں لیے ہوئے ہے تو آسمان عرش پر کسی وسیع سے وسیع چیز کے بھی اندر کیسے سما سکتا ہے؟ وہ سب کو گھیرے ہوئے ہے، اس کو کون گھیر سکتا ہے؟ اس صفت کے اثبات سے ان مشرکوں کی عقیدہ کی بھی تردید ہو گئی جو اللہ تعالیٰ کے مجسم ہونے اور کسی مکان میں اس کے محدود ومقید ہونے کے قائل ہیں۔ (تفسیر ماجدی)

﴿وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا، وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ﴾

وہ ان کی حفاظت اور نگہبانی سے تھکتا نہیں اور وہ بلند و برتر اور صاحبِ عظمت وجلال ہے۔

''اللہ تعالیٰ نہ صرف بلند و برتر اور صاحبِ عظمت وجلال ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ بلندی وعظمت صرف اور صرف اسی کے لیے مخصوص ہے، اس طرح کا اندازِ بیان حصر اور قصر کے لیے ہوتا ہے۔ قرآن نے یہ نہیں کہا ﴿هُوَ عَلِيٌّ عَظِيمٌ﴾ وہ بلند اور عظیم ہے بلکہ اس کے الفاظ یہ ہیں ﴿هُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ﴾ وہی بلند اور عظیم ہے تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ بلندی وعظمت بلا شرکتِ غیرے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے ہے۔

موعظت ونصیحت

تمام شان وشوکت اور عظمت وجلال صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مختص ہے، بندوں میں سے جو کوئی اس مقام تک پہنچنے کی کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ اسے پستی وخواری اور آخرت میں رسوا کن

عذاب میں دھکیل دے گا، وہ خود فرماتا ہے:

﴿تِلْکَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا﴾ (القصص: ۸۳/۲۸)

یہ دارِ آخرت ہے، اسے ہم ان لوگوں کے لیے مخصوص کر دیں گے جو زمین میں (اپنے لیے) بلندی نہیں چاہتے اور نہ فساد پھیلانا چاہتے ہیں۔ (بلکہ اللہ تعالیٰ کے عاجز بندے بن کر رہنا چاہتے ہیں)

اور فرعون جیسے سرکش و مغرور شخص کی ہلاکت و بربادی کا ذکر کرتے فرمایا:

﴿اِنَّهٗ کَانَ عَالِیًا مِنَ الْمُسْرِفِیْنَ﴾

یقیناً وہ تھا بلندی اختیار کرنے والا، حد سے گزرنے والا۔ (فی ظلال القرآن، سید قطبؒ)

آپ ﷺ نے فرمایا:

یَـٰٓاَیُّهَا النَّاسُ تُوْبُوْا اِلَی اللّٰهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ فَاِنِّیْ أَتُوْبُ فِی الْیَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ

(رواہ مسلم، ریاض الصالحین، باب التوبه)

”اے لوگو! اللہ سے توبہ کیا کرو اور اس سے بخشش کے طلبگار رہو، بیشک میں دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔“

اللہ تعالیٰ کی معرفت لذت ایمان

﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰـنَ أَيًّامَّا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى﴾

(بنی اسرائیل: ۱۷/۱۱۰)

''(اے نبیؐ) ان (لوگوں) سے کہیے ''اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو، اس کے لیے سب اچھے ہی نام ہیں۔''

اس کائنات کے خالق و مالک کا اسم ذات ''اللہ'' ہے، اس کی صفات ان گنت اور لامحدود ہیں، ارشاد ہوتا ہے:

﴿قُل لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَاداً لِّكَلِمَاتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَداً﴾ (الکہف: ۱۸/۱۰۹)

(اے نبیؐ) کہیے کہ اگر سمندر میرے رب کی باتیں (اس کی صفات و کمالات) لکھنے کے لیے روشنائی بن جائے تو وہ ختم ہو جائے مگر میرے رب کی باتیں (صفات و کمالات) ختم نہ ہوں، بلکہ اگر اتنی ہی روشنائی ہم اور لے آئیں تو وہ بھی کفایت نہ کرے۔

اس بات کو سورۂ لقمان میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّ مَا فِيْ الْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِن بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ (لقمان: ۳۱/۲۷)

''روئے زمین پر جتنے درخت ہیں اگر وہ سب کے سب قلم بن جائیں اور سمندر سیاہی بن جائے، جسے سات مزید سمندر روشنائی مہیا کریں تب بھی اللہ کی باتیں (صفات و کمالات)

ختم نہیں ہوسکتیں۔‘‘

اس پر صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی، جلالت، شان، اس کے اَسمائے حسنٰی اور صفات عُلیا یا ان سے آگاہی یا ان کی تہہ اور حقیقت تک پہنچنا ممکن ہی نہیں ہے، اگر کوئی ان کو شمار کرنا اور حیطۂ تحریر میں لانا چاہے، تو دنیا بھر کے درختوں کے قلم گھس جائیں، سمندروں کے پانی کی بنائی ہوئی سیاہی ختم ہو جائے لیکن اللہ کی معلومات، اس کی تخلیق وصنعت کے عجائبات اور اس کی عظمت وجلالت کے مظاہر کو شمار نہیں کیا جا سکتا، سات سمندر بطور مبالغہ ہے، اس سے حصر (مخصوص تعداد) مراد نہیں ہے، اس لیے کہ اللہ کی آیات وکلمات کا حصر و اِحصا (شمار کرنا) ممکن ہی نہیں ہے۔ (ابن کثیر، بحوالہ احسن التفاسیر)

اللہ تعالیٰ کی معرفت ظاہری آنکھوں (بصارت) سے نہیں بلکہ دل کی آنکھوں (بصیرت) سے حاصل ہوتی ہے، اسی لیے قرآن حکیم نے انسانوں کو بار بار 'اَفَلَا تَعقِلُوْن'، 'اَفَلَا تُبصِرُوْن' ایسے جملے لاکر انہیں عقل وفکر سے غور کرنے اور فہم وبصیرت سے کام لینے کی دعوت دی ہے۔ جو لوگ دل ودماغ سے کام نہیں لیتے، سماعت وبصارت رکھنے کے باوجود شرف انسانیت کو ضائع کر دیتے ہیں یہ حقیقی طور پر اندھے ہوتے ہیں۔ قرآن اس حقیقت کو اس طرح بیان کرتا ہے:

﴿أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾ (الحج:۲۲/۴۶)

’’کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں (کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نشان دیکھتے) اور کیا ان کے دل سمجھنے والے یا ان کے کان سننے والے ہوتے (کہ صداقت کو پا لیتے) حقیقت یہ ہے کہ (ظاہری) آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں مگر وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں (بصارت رکھنے کے باوجود بصیرت سے محروم ہو جاتے ہیں) جو سینوں میں ہیں۔‘‘

کہیں ارشاد ہوا:

﴿وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ○ وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ﴾ (الذاریات:۵۱/۲۰-۲۱)

''اور یقین والوں کے لیے تو زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں اور خود تمہاری ذات میں بھی، تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔''

آفتاب و ماہتاب سے لے کر ریگستان کے ذروں اور دریا کے قطروں اور گھاس کی پتیوں اور ننھے سے ننھے کیڑوں تک بڑی چھوٹی غرضیکہ جو کچھ بھی کائنات میں ہیں، سب کسی قاعدوں میں بندھی ہوئی اور ضابطہ کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہیں تو یہ سارا عقلوں کو حیران کرنے والا، عظیم الشان نظام اور دماغوں کو حیرت میں ڈال دینے والا بے انتہا وسیع اِنتظام جس کے اندر بخت و اتفاق کی کوئی ہلکی سی بھی گنجائش نہیں، یہ سب ایک کردگار حکیم و مختار کے وجود کے دلائل و شواہد نہیں تو اور کیا ہیں۔

(تفسیر ماجدی، عبدالماجد دریا بادی)

﴿وَفِيٓ أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ﴾ انسان کا اپنا وجود اور اس کے اندر کی مشینری کائنات اصغر ہے اور اس میں جو نشانیاں ہیں وہ کائنات اکبر کی نشانیوں سے کسی طرح کم نہیں، انسان کا معدہ ایک چکی کی طرح دن رات کام میں لگا رہتا ہے، جو غذا کو پیس کر ایک ملغوبہ تیار کرنے میں مصروف رہتا ہے۔ جب یہ فارغ ہو جائے تو اور غذا طلب کرتا ہے جسے ہم ''بھوک'' کہتے ہیں۔ اس ملغوبہ کی تیاری میں اگر پانی کی کمی ہو تو ہمیں ''پیاس'' لگ جاتی ہے اور ہم کھانے پینے پر مجبور ہو جاتے ہیں، پھر اس کے اندر چھلنی بھی ہے جس سے چھن کر یہ ملغوبہ جگر میں چلا جاتا ہے جہاں اچھالنے والی دفع کرنے والی، صاف کرنے والی، کھینچنے والی مشینیں اور قوتیں کام کر رہی ہیں، یہیں دوسری اخلاط بنتی ہیں، فالتو پانی کو گردے پیشاب کے راستے سے خارج کر دیتے ہیں، قوت دافعہ فالتو مواد یا فضلہ کو خارج کرنے کا کام کرتی ہے اور جس طرح انسان کھانے پینے پر مجبور ہو جاتا ہے اسی طرح رفع حاجت پر بھی مجبور ہو جاتا ہے اگر روکے تو بیمار پڑ جاتا ہے، پھر انسان کے جسم میں اتنی باریک نالیاں ہیں جن کا سوراخ خوردبین کے بغیر نظر ہی نہیں آ سکتا، انہیں کے ذریعے انسان کے جسم کے مختلف حصوں کو خون پہنچتا ہے اس سلسلہ میں انسان کا دل پمپ کا کام کرتا ہے جو ایک منٹ بھی ٹھہر جائے تو انسان پر موت واقع ہو جاتی ہے، پھر انسان کا سانس لینا بھی ایک الگ پورا نظام ہے، سب سے زیادہ باریک آنکھ کے طبقے اور جھلیاں ہیں جو ایسی لطافت کے ساتھ بنائی گئی ہیں کہ اگر ذرا سا بھی فتور آ جائے تو بینائی جواب دے جاتی ہے۔ انسان

کا جسم ابتدا سے ہی حکیموں اور ڈاکٹروں کی تحقیق کا مرکز بنا ہوا ہے، مگر اس کے بیشتر اسرار آج تک پردۂ راز میں ہی ہیں۔ (تیسیر القرآن، عبدالرحمن کیلانی)

انسانی جسم کی اس عجیب وغریب مشینری پر غور کرنے سے یقیناً رب کائنات کی رفعت خالقیت کا شعور حاصل ہوتا ہے:

﴿إِنَّ رَبَّکَ هُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيْمُ﴾ (الحجر: ۱۵/۸۶)

''بلاشبہ آپ کا رب ہی سب کا پیدا کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔''

انسان نے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم وعقل اور تلاش وجستجو سے دوسرے انسانوں کے لیے علاج و معالجے کی سہولتیں بہم پہنچائی ہیں، اس سے بھی خالق کائنات کی قدرت کا پتہ چلتا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْاِنسانَ مَالَمْ يَعْلَمْ﴾

''(رب کریم تو وہ ہے) جس نے قلم کے ذریعہ (انسان کو) علم سکھایا اور انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔''

یہ رب کریم کی رحمت اور کرم کا صدقہ ہے کہ اس نے انسان کو شکل وصورت میں تمام مخلوقات میں بہتر بنایا اور فرمایا:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِیْ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾ (التین: ۹۵/۴)

''یقیناً ہم نے انسان کو بہترین شکل وصورت میں پیدا کیا ہے۔''

تو اس کے ساتھ ساتھ علم سے بھی اسے بہرہ ور فرمایا۔

سید مودودی اس پر لکھتے ہیں:

یہ اس رب کا انتہائی کرم ہے کہ اس نے انسان کو صاحب علم بنایا جو مخلوقات کی بلند ترین صفت اور صرف صاحب علم ہی نہیں بنایا، بلکہ اس کو قلم کے استعمال سے لکھنے کا فن بھی سکھایا جو بڑے پیمانے پر علم کی اشاعت، ترقی اور نسل بعد نسل اس کی بقا اور تحفظ کا ذریعہ بنا، اگر وہ الہامی طور پر انسان کو قلم اور کتابت کے فن کا یہ علم نہ دیتا تو انسان کی علمی قابلیت ٹھٹھر کر رہ جاتی اور اسے نشوونما پانے، پھیلنے اور ایک نسل کے علوم دوسری نسل تک پہنچنے اور آگے مزید

ترقی کرتے چلے جانے کا موقع ہی نہ ملتا۔

﴿عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ﴾ یعنی انسان اصل میں بالکل بے علم تھا اسے جو کچھ بھی علم حاصل ہوا اللہ کے دینے سے حاصل ہوا، اللہ ہی نے جس مرحلے پر انسان کے لیے علم کے جو دروازے کھولنے چاہے وہ اس پر کھلتے چلے گئے، یہی بات ہے جو آیت الکرسی میں اس طرح فرمائی گئی ہے: ﴿وَلاَ يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلاَّ بِمَا شَاءَ﴾ (البقرہ:۲/۲۵۵) ''اور لوگ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے سوائے اس کے جو وہ خود چاہے۔'' جن جن چیزوں کو بھی انسان اپنی علمی دریافت سمجھتا ہے، درحقیقت وہ پہلے اس کے علم میں نہ تھیں، اللہ تعالیٰ ہی جب چاہے ان کا علم اسے دیا بغیر اس کے کہ انسان یہ محسوس کرتا کہ یہ علم اللہ اسے دے رہا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج۲)

باوجودیکہ انسان نے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم سے سائنسی اور طبی میدان میں زبردست کمال و ترقی کے زینے طے کیے ہیں، اس کے باوجود وہ بے بس و بے کس نظر آتا ہے، بارہا دیکھا گیا ہے کہ ماہر ڈاکٹروں کی پوری ٹیم کسی مریض کو بچانے کی سرتوڑ کوشش کر رہی ہوتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کا حکم آجاتا ہے اور اس مریض کا سانس پوری ٹیم کے سامنے اکھڑ جاتا ہے اور وہ سب کے سب بے بسی کی تصویر بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی مرض کا سپیشلسٹ خود بھی اس مرض میں مبتلا ہو کر لقمۂ اجل بن جاتا ہے، اور رب کائنات کی قدرت و طاقت آشکار ہو جاتی ہے:

﴿وَ اَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَ اَحْيَا﴾ (النجم:۵۲/۴۴)

''(اور یہ وہی رب قدیر) جو موت و حیات عطا کرتا ہے۔''

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی طاقت وقوت کو اس طرح بھی بیان کرتا ہے:

﴿أَيْنَ مَا تَكُونُواْ يُدْرِكُكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ﴾ (النساء:۴/۷۸)

(لوگو!) تم جہاں کہیں بھی ہو تمہیں موت بہرحال آ کر رہے گی، خواہ تم کیسی ہی مضبوط عمارتوں میں ہو۔

مولانا یوسف اصلاحی لکھتے ہیں:

قرآن مبین دنیا کے سارے انسانوں کو صرف دو گروہوں میں تقسیم کرتا ہے۔

-- ایمان والے (یعنی مومن)

-- ایمان نہ لانے والے (یعنی کافر اور منکر)

قرآن پوری کائنات کو گواہ بنا کر دعویٰ کرتا ہے کہ حقیقت کو پانے والے لوگ وہی ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔ یہی لوگ علم کی روشنی میں ہیں، وہ راہِ راست پر ہیں، اور ہدایت پانے والے ہیں، فلاح ونجات، خیر و برکت، انہی کا حصہ ہے۔ نیکی اور پرہیز گاری کے دروازے انہی کے لیے کھلے ہوئے ہیں۔ یہ حقیقت شناس ہیں، انہوں نے ایک ایسا مضبوط سہارا پکڑ لیا ہے جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔ ان کا سرپرست، آقا اور نگہبان وہ اللہ ہے جو علم و ہدایت کا سرچشمہ اور قوت واقتدار کا خزانہ ہے۔ وہ انہیں ہر تاریکی سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔ اور اپنی رحمت کے آغوش میں لے لیتا ہے۔

اور کافر یعنی ایمان نہ لانے والے علم کی روشنی سے محروم ہیں، حقیقت سے دور ہیں۔ جہالت کی تاریکیوں میں پھنسے ہوئے اور سیدھے راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں، نہ ان کا کوئی سہارا ہے اور نہ کوئی کارساز۔ ان کا سرپرست وہ شیطان ہے جو انہیں حق کی روشنی سے تاریکیوں میں بھٹکا لے جاتا ہے۔ ان پر ہدایت، نیکی اور بھلائی کے دروازے بند ہیں۔ ناکامی اور نامرادی ان پر چھا چکی ہے۔ پہلا گروہ اللہ کی اس حسین وجمیل دنیا میں کھلی آنکھوں، کھلے کانوں اور حساس دل کے ساتھ رہتا ہے اور کائنات کی نشانیوں میں اپنے محسن اور منعم آقا کے جلوے دیکھتا ہے اور دوسرا گروہ اندھا، بہرا اور شعور سے محروم ہے۔ اس کے لیے کائنات کا یہ عظیم الشان نظام، حسن و جمال اور بصیرت افروز نشانیاں بے معنی ہیں۔ پہلا گروہ اللہ کی رحمت و رضا کا مستحق ہے، اور دوسرا گروہ اللہ کے عذاب اور غضب کا۔

(قرآنی تعلیمات)

اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے بہتر لوگ

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ﴾ (البينة:۹۸/۷)

''جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے یہی اللہ کی مخلوق میں سب سے بہتر لوگ ہیں۔''

یعنی مخلوق الٰہی کا بہترین سرمایہ وہی لوگ ہیں جو اپنے رب کو پہچان کر اس پر ایمان لائے ہیں اور اس کی مرضی پر چلتے ہیں۔

ایمان کے پھل دائمی ہیں

﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ○ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾ (ابراهيم:١٤/٢٤،٢٥)

''کیا تم غور نہیں کرتے کہ اللہ نے پاکیزہ بات کی کیسی مثال بیان کی ہے۔ جیسے ایک اچھی ذات کا درخت ہو، جس کی جڑ زمین میں گہری جمی ہوئی ہو اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہوں، ہر آن وہ اپنے پروردگار کے حکم سے پھل دے رہا ہے۔ یہ مثالیں اللہ اس لیے دیتا ہے کہ لوگ ان سے سبق لیں۔''

پاکیزہ بات سے مراد نیک عقیدہ اور ایمان ہے، جس کا تناور درخت، دل کی سرزمین میں اگتا ہے، اس کی جڑیں گہری جمی ہوئی ہوتی ہیں، کیونکہ ان کی بنیاد وہم و قیاس پر نہیں، بلکہ حق پر ہوتی ہے اور اس سے نیک اعمال، مضبوط کردار اور پاکیزہ اخلاق کی جو شاخیں پھوٹتی ہیں، وہ آسمان کی بلندیوں تک پہنچتی ہیں، اور ان اعمال، اخلاق اور کردار سے آراستہ انسان اللہ اور مخلوق الٰہی کی نظر میں انتہائی اونچا ہوتا ہے پھر یہ ایسا سدا بہار درخت ہے کہ ہر آن اپنے پھل دیتا رہتا ہے اور اس کی برکتوں سے پوری زندگی مالا مال رہتی ہے۔ (بحوالہ قرآنی تعلیمات)

ایمان کا عظیم صلہ

﴿جَزَاؤُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَداً رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ﴾ (البينة:٩٨/٨)

''ایمان والوں کا صلہ ان کے پروردگار کے ہاں ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں، جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، یہ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اللہ ان سے خوش ہوگا اور یہ اللہ سے خوش ہوں گے۔ یہ ہے صلہ، اپنے رب سے ڈرنے والے کا۔''

اونچے مرتبے:

﴿وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِناً قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُوْلَئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَى ۝ جَنَّتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا وَذَلِكَ جَزَاء مَن تَزَكَّى﴾

(طٰہٰ: ۲۰/ ۷۵، ۷۶)

''اور جو اللہ کے حضور، ایمان کی حالت میں حاضر ہوگا، جس نے نیک عمل کیے ہوں گے، ایسے لوگوں کے لیے اونچے مرتبے ہیں، سدا بہار باغ ہیں، جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے، یہ جزا ہے اس شخص کی جو پاکیزگی اختیار کرے۔''

دلپسند اور نظر نواز نعمتیں

﴿الَّذِيْنَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا مُسْلِمِيْنَ ۝ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُونَ ۝ يُطَافُ عَلَيْهِم بِصِحَافٍ مِّن ذَهَبٍ وَأَكْوَابٍ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْأَنفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ وَأَنْتُمْ فِيْهَا خَالِدُونَ ۝ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِنْهَا تَأْكُلُونَ﴾ (الزخرف: ۴۳/ ۶۹-۷۳)

''جو بندے ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور فرمانبردار رہے (ان سے کہا جائے گا) داخل ہو جاؤ جنت میں تم اور تمہاری بیویاں عزت اور احترام کے ساتھ ان پر سونے کی پرچوں اور پیالیوں کا دور چلے گا۔ اور وہاں ہر وہ چیز جو دل کو بھائے گی اور نگاہوں کو اچھی لگے گی (موجود ہوگی) اور تم لوگ اس میں سدا رہو گے۔ یہ جنت جس کے تم وارث بنائے گئے ہو، تمہارے عمل کا صلہ ہے۔ یہاں تمہارے لیے بہت سے میوے ہیں جن میں سے تم کھاؤ گے۔''

یعنی وہاں تمہارے ذوق، پسند، خواہش، ضرورت، عزت اور آرزو ہر چیز کا اہتمام ہوگا۔

ایمان کبھی نہ ٹوٹنے والا سہارا

﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لاَ انفِصَامَ لَهَا﴾ (البقرہ: ۲/ ۲۵۶)

''پس جو طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا، اس نے ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔''

''طاغوت'' سے مراد ہر وہ شخص یا اقتدار ہے جو اپنی اصل حیثیت بھلا کر اپنی خدائی اور آقائی کا دم بھرنے لگے۔

ایمان، میدان حشر کا نور

﴿يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَى نُورُهُم بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِم بُشْرَاكُمُ الْيَوْمَ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾

(الحدید:۵۷/۱۲)

''اس دن جبکہ تم مومن مردوں اور عورتوں کو دیکھو گے کہ ان کا نور ان کے آگے آگے اور اُن کے دائیں دوڑ رہا ہو گا (دائیں ہاتھ میں چمکتی ہوگی) تمہارے لیے آج خوشخبری ہے (کہ) تمہارے لیے جنتیں ہیں، جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، ہمیشہ تم ان میں (سرور وشادمان) رہو گے اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔''

ایمان والے روشنی میں زندگی گزارتے ہیں:

﴿اللّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُواْ يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّوُرِ﴾ (البقرہ:۲۵)

''جو لوگ ایمان لائے، اللہ ان کا ولی اور مددگار ہے۔ وہ اُن کو تاریکیوں میں سے روشنی میں نکال لاتا ہے۔''

یعنی شرک والحاد، کفر ونفاق، معصیت ونافرمانی، ہر طرح کی تاریکی سے اللہ، ایمان والوں کو محفوظ رکھتا ہے، اور وہ ایمان کی روشنی میں طمانیت وسکون کی زندگی گزارتے ہیں۔

﴿أَوَ مَن كَانَ مَيْتاً فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُوراً يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَن مَّثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا﴾ (الانعام:۶/۱۲۲)

''کیا وہ شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندگی بخشی اور اس کو وہ روشنی عطا کی جس کے اجالے میں وہ لوگوں کے درمیان زندگی کی راہ طے کرتا ہے، اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو

تاریکیوں میں پڑا ہوا ہو اور کسی طرح ان سے نہ نکلتا ہو؟''

یہاں موت سے مراد کفر اور جہالت لی زندگی ہے اور زندگی سے مراد علم اور ایمان کی زندگی ہے۔ دل کی زندگی دراصل ایمان ہی سے ہے۔ وہ انسان بھلا کیا زندہ ہے جس کو اچھے برے نیک و بد اور حق و باطل کی تمیز ہی نہ ہو۔ اور روشنی سے مراد علم اور تمیز کی روشنی ہے۔

ایمان والے شیطان کے غلبہ سے محفوظ ہیں

﴿إِنَّهُ لَيۡسَ لَهُ سُلۡطَانٌ عَلَى الَّذِيۡنَ آمَنُواۡ وَعَلَى رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُونَ﴾ (النحل:١٦/٩٩)

''بے شک شیطان کا زور ان لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان والے ہیں، اور اپنے رب پر ہی بھروسہ رکھتے ہیں۔''

یعنی اللہ پر ایمان لانے والے اور اس پر بھروسہ رکھنے والے اللہ کی حفاظت میں ہیں۔ شیطان کا قابو تو انہیں پر چل سکتا ہے جو اللہ کے بجائے اس سے تعلق رکھیں، اور اللہ کے سوا دوسروں کو اپنا معبود بنائیں۔

ایمان کے بغیر ہر نیکی برباد ہے

﴿قُلۡ هَلۡ نُنَبِّئُكُمۡ بِالۡأَخۡسَرِيۡنَ أَعۡمَالاًO الَّذِيۡنَ ضَلَّ سَعۡيُهُمۡ فِيۡ الۡحَيَاةِ الدُّنۡيَا وَهُمۡ يَحۡسَبُوۡنَ أَنَّهُمۡ يُحۡسِنُوۡنَ صُنۡعاًO أُولَئِكَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمۡ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتۡ أَعۡمَالُهُمۡ فَلاَ نُقِيۡمُ لَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ وَزۡناً﴾ (الکهف:١٨/١٠٣-١٠٥)

''(اے رسول!) ان سے کہیے کیا ہم نہیں بتائیں کہ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ ناکام و نامراد لوگ کون ہیں۔ وہ کہ دنیا کی زندگی میں جن کی ساری سعی و جہد راہِ راست سے بھٹکی رہی او وہ سمجھتے رہے کہ وہ سب کچھ ٹھیک کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات کو ماننے سے انکار کیا، اور اس کے حضور پیشی کا یقین نہ کیا، اس لیے اُن کے سارے اعمال ضائع ہو گئے۔ قیامت کے روز ہم انہیں کوئی وزن نہ دیں گے۔''

﴿أَجَعَلۡتُمۡ سِقَايَةَ الۡحَاجِّ وَعِمَارَةَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ كَمَنۡ آمَنَ بِاللّهِ وَالۡيَوۡمِ الآخِرِ وَجَاهَدَ فِيۡ سَبِيۡلِ اللّهِ لاَ يَسۡتَوُوۡنَ عِنۡدَ اللّهِ وَاللّهُ لاَ يَهۡدِيۡ الۡقَوۡمَ الظَّالِمِيۡنَO

الَّذِيْنَ آمَنُواْ وَهَاجَرُواْ وَجَاهَدُواْ فِيْ سَبِيْلِ اللّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِندَ اللّهِ وَأُوْلَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ﴾ (التوبہ:۹/۱۹-۲۰)

''کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرم کی مجاوری کو اس شخص کے کام کے برابر ٹھہرالیا ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لایا، اور جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا؟ اللہ کے نزدیک تو یہ دونوں برابر نہیں ہیں اور اللہ ظالموں کی راہنمائی نہیں کرتا۔ اللہ کے یہاں تو انہی لوگوں کا درجہ بڑا ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اس کی راہ میں گھر بار چھوڑے، اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہی لوگ درحقیقت بامراد ہیں۔''

دراصل تمام نیکیوں کی جڑ ایمان ہے، کوئی عمل اپنی ظاہری شکل کے اعتبار سے کیسا ہی اچھا ہو، اگر ایمان کے ساتھ نہیں ہے، تو اللہ کی نظر میں اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

حقیقی عزت اہل ایمان کے لیے ہے

﴿وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ آمَنُواْ أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِندَ رَبِّهِمْ﴾ (یونس:۱۰/۲)

''اور ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیجیے کہ ان کے لیے ان کے رب کے ہاں عزت وسرفرازی ہے۔''

یعنی سچی عزت کا دارومدار ایمان پر ہے۔ اور جو ایمان سے محروم ہے اس کے حصہ میں ذلت ہی ذلت ہے۔

ایمان، عذاب سے بچانے والی تجارت

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى تِجَارَةٍ تُنجِيْكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيْمٍ○ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (الصف:٦١/١٠،١١)

''مومنو! میں تمہیں ایسی تجارت کیوں نہ بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے...... وہ یہ کہ تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرو، یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم سمجھ سے کام لو۔''

''جان و مال'' یہی آدمی کی کل پونجی ہے اور اللہ نے اسے یہ اختیار بخشا ہے کہ وہ چاہے تو اس کے ذریعے ایمان کمائے اور چاہے تو کفر کمائے۔ اسی معاملہ کو قرآن نے تجارت سے تعبیر کیا ہے۔ کامیاب تجارت یہ ہے کہ آدمی اللہ اور رسول پر ایمان لاکر جان و مال کی یہ پونجی اس کی رضا کی راہ میں لگا دے۔ اور آخرت کے دردناک عذاب سے چھٹکارا پا جائے۔ یہ ایک ایسی کامیاب تجارت ہے جس کا نفع لازوال ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''تمام لوگ صبح اٹھتے ہی اپنی اپنی جانوں کا سودا کرنے میں لگ جاتے ہیں ان میں سے بعض خود کو آزاد کرا لیتے ہیں اور بعض اپنے کو ہلاک کر ڈالتے ہیں۔'' یعنی جو لوگ اپنے اوقات، مال و دولت اور قوت و صلاحیت کو اللہ کی راہ میں کھپاتے ہیں، وہ اللہ کے عذاب سے نجات پاتے ہیں، اور جو اللہ کے بجائے غیر اللہ کے لیے سرمایۂ زندگی کھپاتے ہیں، وہ خود کو تباہ کر ڈالتے ہیں۔

ایمان، دنیوی عذاب سے نجات کا ذریعہ

﴿وَلَمَّا جَاء أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوداً وَالَّذِيْنَ آمَنُواْ مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنَجَّيْنَاهُم مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ﴾ (ھود:۱۱/۵۸)

''اور جب ہمارا حکم آ گیا، تو ہم نے اپنی رحمت سے ہود کو، اور ان لوگوں کو جو ایمان لاکر اُن کے ساتھ ہو لیے تھے، نجات دی، اور انہیں سخت عذاب سے بچا لیا۔''

سورۂ ھود میں قریب قریب ہر نبی کی سرگزشت میں اسی طرح کا فقرہ آیا ہے، جس سے یہ حقیقت کھلتی ہے کہ ایمان ہی دنیا میں بھی اللہ کے عذاب سے نجات کا ذریعہ ہے۔

ایمان خیر و برکت کا وسیلہ

﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُواْ وَاتَّقَواْ لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ وَلَـكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُواْ يَكْسِبُونَ﴾ (الاعراف:۷/۹۶)

''اگر ان بستیوں والے ایمان لے آتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر زمین و آسمان سے خیر و برکت کے دروازے کھول دیتے۔ مگر انہوں نے تو جھٹلایا۔ سو ہم نے ان کو ان کی بری کمائی کی پاداش میں پکڑ لیا۔''

اللہ کی نعمتوں کے اصل حقدار

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّهِ الَّتِيَ أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالْطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِي لِلَّذِينَ آمَنُواْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ (الاعراف: ۳۲/۷)

"(اے رسول!) ان سے کہیے کہ اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ زیب و زینت کا سامان اور کھانے پینے کی پاکیزہ چیزیں کس نے حرام کی ہیں؟ (ان سے) کہیے یہ ایمان والوں کے لیے ہیں، دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں تو یہ خالص انہی کا حصہ ہیں۔"

یعنی اللہ کی پیدا کی ہوئی زیب و زینت کی ان چیزوں کو برتنے اور اللہ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کا حق دراصل انہی لوگوں کو ہے جو رب کریم کی ان نعمتوں کی قدر کریں، ان کے پیدا کرنے والے کا احسان مانیں، اس کا تہ دل سے شکر ادا کریں، اور اسی پر ایمان رکھیں۔

کائنات کی نشانیوں سے مومن ہی فائدہ اٹھاتے ہیں

﴿وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِراً نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبّاً مُّتَرَاكِباً وَمِنَ النَّخْلِ مِن طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنَّاتٍ مِّنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهاً وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ انظُرُواْ إِلِى ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَيَنْعِهِ إِنَّ فِي ذَلِكُمْ لآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ (الانعام: ۹۹/۶)

"اور وہی ہے جس نے آسمان (کی طرف) سے پانی برسایا۔ پھر اس کے ذریعے ہم نے ہر قسم کی نباتات اُگائی، پھر اس سے ہری ہری ٹہنیاں نکالیں، پھر ان سے تہ بہ تہ چڑھے ہوئے دانے نکالے، اور کھجور کے شگوفوں سے پھلوں کے گچھے کے گچھے پیدا کیے جو بوجھ کے مارے جھکے پڑتے ہیں۔ اور انگور، زیتون اور انار کے باغ لگائے جن کے پھل ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں، تو ان میں پھل آنے اور پھر اُن کے پکنے کا منظر ذرا غور کی نظر سے دیکھو۔ ان چیزوں میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔"

یعنی کائنات کی ان نشانیوں پر غور و فکر کر کے وہی لوگ مفید نتائج نکال سکتے ہیں جن کے دلوں میں ایمان ہوتا ہے۔

ایمانی جذبات کی تصویر

﴿وَإِذَا سَمِعُواْ مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَى أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُواْ مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ○ وَمَا لَنَا لاَ نُؤْمِنُ بِاللّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ أَن يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ﴾ (المائدہ: ٥/٨٣،٨٤)

''جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسولؐ پر اترا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ حق شناسی کے اثر سے ان کی آنکھیں بہنے لگتی ہیں، وہ بول اٹھتے ہیں کہ 'پروردگار! ہم ایمان لائے، ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ لے، اور وہ (کہتے ہیں) آخر کیوں نہ ہم اللہ پر ایمان لائیں اور جو حق ہمارے پاس آیا ہے، اسے کیوں نہ مان لیں، جب کہ ہم اس بات کی خواہش رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں صالح لوگوں میں شامل کر لے۔''

یہ نصاریٰ کے نیک نفس، عبادت گزار اور گوشہ نشین عالموں کے ایمانی جذبات کی تصویر ہے۔ وہ فی الواقع دین فطرت پر قائم تھے، اور انجیل کو سچے دل سے مانتے تھے، اسی لیے جب یہ آخری آسمانی ہدایت آئی تو اسے سن کر ان کی آنکھیں تر ہوگئیں اور ان کے دل نے گواہی دی کہ یہ واقعی حق ہے اور پھر انہوں نے دلی جذبات کے ساتھ اس حق کو قبول کر لیا۔

① طاغوت کا کلیۃً انکار

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لاَ انفِصَامَ لَهَا وَاللّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ (البقرہ:٢/٢٥٦)

اب جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ (جس کا سہارا اس نے لیا) سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

امام راغبؒ اصفہانی لکھتے ہیں:

''طاغوت'' سے مراد ہر وہ شخص ہے جو حدود شکن ہو اور ہر وہ چیز جس کی اللہ کے سوا پرستش

کی جائے۔ (مفردات القرآن)

مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

''طاغوت طغی کے مادہ سے ہے۔ جس کے معنی حد سے آگے بڑھ جانے کے ہیں، جو چیز اپنی حدِ مناسب سے آگے بڑھ جائے اس کے لیے عربی میں کہیں گے ''طغٰی'' طَغَی الماءُ پانی حد سے آگے بڑھ گیا، قوم ثمود جس آفت سے ہلاک ہوئی اس کے لیے ''طاغیۃ'' کا لفظ استعمال ہوا ہے (قوم ثمود بھی اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑ کر خواہشاتِ نفس کا شکار ہوگئی جس کا مقدر تباہی و بربادی ٹھہرا)۔

یہ لفظ حدودِ عبدیت اور بندگی سے نکل جانے کے لیے استعمال ہوا ہے او جو حدود بندگی سے نکل جائے اس کو طاغوت کہا جاتا ہے، پھر وسعت اختیار کر کے یہ لفظ ان چیزوں پر بھی حاوی ہو گیا جو حدود بندگی سے نکل جانے کا باعث یا ذریعہ بنیں، اہل لغت اس وجہ سے اس کی تشریح عام طور پر یوں کرتے ہیں کہ ﴿الطّاغُوْتُ عِبارَةٌ عَنْ کُلِّ مُعْتَدٍ وَّ کُلِّ مَعْبُوْدٍ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ﴾یعنی طاغوت سے مراد ہر وہ وجود ہے جو بندگی سے نکل جائے اور ہر وہ معبود ہے جس کی اللہ کے سوا پرستش کی جائے۔

قرآن نے اس لفظ کو مختلف مقامات میں استعمال کیا ہے اور ہر جگہ اس لفظ کے مقابل کا ذکر کر کے اس کے مختلف مفہوموں پر روشنی ڈالی ہے مثلاً اوپر کی آیہ مبارکہ میں ﴿فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَیُؤْمِن بِاللّٰہِ﴾ یہاں پر طاغوت سے مراد ماسوا اللہ ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جس چیز کی بھی عبادت کی جائیگی طاغوت ہے)۔

سورۂ نحل میں ہے: ﴿اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاجْتَنِبُوْا الطّاغُوْتَ﴾ یہاں بھی اللہ کے سوا دوسرے معبود ان باطل مراد ہیں۔ سورۂ نساء میں ہے: ﴿اَلّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالّذِیْنَ کَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِی سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ﴾ اس کے معاً بعد فرمایا ﴿فَقَاتِلُوْا اَوْلِیَاءَ الشَّیْطٰنِ﴾ جس سے متعین ہو گیا کہ طاغوت سے مراد شیطان ہے۔ اور شیطان کا لفظ شیاطین انس اور شیاطین جن دونوں کو شامل ہے جیسا کہ قرآن میں آتا ہے: ﴿اَلّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ﴾ اسی طرح ایک دوسرے مقام میں اس لفظ کو کتاب الٰہی اور طریقۂ رسول ﷺ کے مخالف طریقہ کے لیے استعمال فرمایا ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُواْ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيْدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوْا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُواْ أَن يَكْفُرُواْ بِهِ وَيُرِيْدُ الشَّيْطَانُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلاَلاً بَعِيْداً ○ وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْاْ إِلَى مَا أَنزَلَ اللّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِيْنَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُوداً﴾ (النساء: ٤/ ٦٠، ٦١)

''(اے نبیؐ) آپ نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اس کتاب پر جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے اور ان کتابوں پر جو آپ سے پہلے نازل کی گئی تھیں مگر چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لیے طاغوت کی طرف رجوع کریں حالانکہ انہیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا، شیطان انہیں بھٹکا کر راہِ راست سے بہت دور لے جانا چاہتا ہے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ رسول کی طرف تو ان منافقوں کو آپ دیکھتے ہیں کہ یہ آپ کی طرف آنے سے کتراتے ہیں۔''

اس آیت میں یَتَحَا کَمُوْا اِلَی الطَّاغُوْتِ کے بالمقابل تَعَالَوْا اِلٰی مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ وَ اِلَی الرَّسُوْلِ کہہ کر یہ واضح کر دیا کہ طاغوت سے یہاں مراد وہ چیزیں ہیں جو کتاب الٰہی اور سنت رسولؐ کے خلاف ہیں نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جو اللہ کی بندگی اور اطاعت سے نکل جائے یا نکل جانے کا باعث اور ذریعہ ہو وہ سب اس لفظ کے مفہوم میں شامل ہے۔ (تدبر قرآن)

طاغوت پر بحث کو سمیٹتے ہوئے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں:

ا) طاغوت ہر وہ بات ہے جو انسان کو راہِ حق سے روک دے، اللہ تعالیٰ کی بندگی سے غافل کر کے خواہشات کا پجاری بنا دے۔

ب) یہ خواہشات انسان کو کبھی بت پرستی میں دھکیلتی، کبھی شیاطین کا پرستار بناتی ہیں، کبھی کاہنوں اور جادوگروں کا مرید بناتی ہیں، اور کبھی قوم اور برادری کے غلط رسم و رواج کا خوگر بنا ڈالتی ہیں۔ گویا کہ ہر سرکش، ٹیڑھے اور غلط مذہب اور راستے کو یہ لفظ اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اور جب ان ساری باتوں سے منہ موڑ کر جب تک بندہ اپنے رب کا نہ ہو جائے اور اخلاص کی پوری قوت اور عمل صالح کی پوری لگن سے نہ جم جائے ایمان نہ تو مضبوط ہو سکتا ہے اور نہ اس کی لذت سے بہرہ ور ہو سکتا ہے اور یہی

اس آیت مبارک کا مفہوم ہے۔

﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لاَ انفِصَامَ لَهَا وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾

اب جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ (جس کا سہارا اس نے لیا ہے) سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

② ایمان اور نماز

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿قُل لِّعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُواْ يُقِيمُوا الصَّلاَةَ﴾ (ابراهيم: ١٤/ ٣١)

''(اے نبیؐ) میرے جو بندے ایمان لائے ہیں ان سے کہہ دیجیے کہ وہ نماز قائم کریں۔''

نماز کو تمام فرائض و واجبات کے ساتھ دن رات میں پانچ بار با جماعت سنت نبوی کے مطابق ادا کرنا یقیناً ایمان کی لذت اور سرور کا باعث ہے۔

③ انفاق فی سبیل اللہ

غربا و مساکین، یتامیٰ اور بیوگان پر اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزقِ حلال میں سے خرچ کرنا دل میں سوز و گداز پیدا کرتا ہے اور اس سے یقیناً اللہ تعالیٰ کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے جس سے ایمان کی چاشنی پیدا ہوتی ہے، اہل ایمان کو حکم ہوتا ہے:

﴿وَيُنفِقُواْ مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلاَنِيَةً مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلاَ خِلاَلٌ﴾

(ابراهيم: ١٤/ ٣١)

''اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں کھلے اور چھپے (راہِ خیر میں) خرچ کریں قبل اس کے کہ وہ دن آئے (روز جزا و سزا) جس میں نہ خرید و فروخت ہو گی (کہ مال و زر کے ذریعہ چھٹکارا ہو سکے) اور نہ دوست نوازی ہو سکے گی (کہ زور اور طاقت سے کوئی چھڑا سکے)۔''

④ کیسا ایمان مطلوب ہے؟

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِيْنَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللَّهِ أُوْلَئِکَ هُمُ الصَّادِقُونَ﴾ (الحجرات:٤٩/١٥)

''حقیقت میں تو مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے پھر انہوں نے کوئی شک نہ کیا اور اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، وہی سچے لوگ ہیں۔''

یہ آیۂ مبارکہ ایمان کی حقیقت کو واضح کرتی ہے:

ا) ایمان/ صدق دل سے اللہ تعالیٰ کو رب واحد مان کر اس کے احکام کو مِنْ وعَنْ سنت نبوی کے مطابق ادا کرنے کا نام ہے۔

ب) ایمان قبول کرنے کے بعد شک اور تردد کا کوئی ادنیٰ سا کانٹا بھی دل میں چبھنے نہ پائے بلکہ انشراحِ صدر سے اسلام کی ہر بات دل و جان سے قبول کر لی جائے۔

ج) ایمان کا لازمی ثمرہ جان و مال کو اللہ کی راہ میں کھپا دینا ہے۔

د) یہ صرف زبانی جمع خرچ نہیں ہے، بلکہ اس کا اظہار عملی طور پر بھی ہوتا ہے، تب ہی ایمان کی لذت اور چاشنی ملتی ہے، اور صداقت کا مژدۂ جانفزا ملتا ہے۔

⑤ اخلاص

ایمان کی دولت اخلاص کی نعمت سے ملتی ہے۔

''اَلْاِخْلَاصُ'' اس لفظ کا مادہ (خ ل ص) جس کے معنی ہیں کھوٹ اور میل سے الگ ہو کر صاف اور خالص ہو جانا۔

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

''اَلْاِخْلَاصُ (خالص) اور الصَّافِي دونوں مترادف الفاظ ہیں مگر الصافی کبھی ایسی چیز کو بھی کہہ دیتے ہیں جس میں پہلے سے آمیزش نہ ہو اور خالص اسے کہتے ہیں جس میں پہلے آمیزش ہو مگر اسے صاف کر لیا گیا ہو۔ چنانچہ کہا جاتا ہے:

﴿خَلَّصْتُهُ فَخَلَصَ﴾ میں نے اسے صاف کیا تو وہ صاف ہو گیا۔ (مفردات القرآن)

گویا اخلاص یہ ہے کہ دل و دماغ کو ہر قسم کے شرک کی آلودگیوں سے صاف کر کے خالص اللہ تعالیٰ کا ہو جانا اور زندگی بھر اسی کا ہو کر رہنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے۔

﴿قُلْ إِنِّىٓ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصاً لَّهُ الدِّيْنَ○ وَأُمِرْتُ لِأَنْ أَكُونَ أَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ (الزمر:۳۹/۱۱-۱۲)

''(اے نبیؐ) آپ کہہ دیجیے! مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کروں جو خالصۃً اسی کے لیے ہو (اور وہ شرک و ریا ایسی خرابیوں سے قطعی بری ہو) اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا فرمانبردار بن جاؤں۔''

امام شوکانیؒ لکھتے ہیں:

''آپ ﷺ (اہل عرب جہاں آپ کی بعثت ہوئی) سب سے پہلے فرد ہیں جنہوں نے اپنے آباواجداد کے دین کی مخالفت کر کے لوگوں کو توحید کی طرف بلایا۔ (فتح القدیر)

اخلاص کی قدر و قیمت کو پہچاننے کے لیے قرآن حکیم کی 'سورۂ اخلاص' کا مطالعہ نفع بخش ہے۔

⑥ تقویٰ

''تقویٰ وہ احساس ہے جو بندۂ مومن کے دل میں ہر وقت اور ہر آن بیدار رہتا ہے اور وہ کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس سے اس کا خالق و مالک ناراض ہو جائے اور جب تک یہ نعمت حاصل نہ ہو ایمان کی لذت اور چاشنی نہیں مل سکتی۔''

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

''اگر محمد رسول اللہ ﷺ کی تمام تعلیمات کا خلاصہ ہم صرف ایک لفظ میں کرنا چاہیں تو ہم اس کو تقویٰ سے ادا کر سکتے ہیں اسلام کی ہر تعلیم کا مقصد اپنے ہر عمل کے قالب میں اسی تقویٰ کی روح کو پیدا کرنا ہے اور یہی عبادت کی غرض و غایت ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُواْ رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾

(البقرہ:۲/۲۱)

''اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تمہارے پہلوں کو پیدا کیا تا کہ تم تقویٰ پاؤ۔'' (سیرت النبیؐ جلد پنجم)

قرآن حکیم نے متعدد مقامات پر 'تقویٰ' کی اہمیت پر زور دیا ہے اور دنیا اور آخرت کی فوز وفلاح بھی 'اہل تقویٰ' کے لیے رکھی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَاصْبِرْ، اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ (هود: ۱۱/۴۹)

''پس صبر کرو، انجام کار متقیوں ہی کے حق میں ہے۔''

﴿إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ أَمِيْنٍ﴾ (الدخان: ۴۴/۵۱)

''بلاشبہ تقویٰ والے (آخرت میں) امن وامان کی جگہ میں ہوں گے۔''

﴿إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَنَعِيْمٍ﴾ (الطور: ۵۲/۱۷)

''بے شک تقویٰ والے باغوں میں اور نعمتوں میں ہوں گے۔''

دعا: اے رب کریم! اس ماہ رمضان میں ہمیں دولتِ تقویٰ سے سرفراز فرمایئے۔ آمین

⑦ آیات پر غور وفکر کرنا

اللہ تعالیٰ کی آیات (نشانیاں) زمین وآسمان میں بھی پھیلی ہوئی ہیں نیز اس کی کتاب قرآن حکیم میں بھی روشن ہیں۔

اہل بصیرت کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (آل عمران: ۳/۱۹۱)

''وہ زمین اور آسمانوں کی ساخت پر غور وفکر کرتے ہیں (اور بے اختیار بول اٹھتے ہیں) اے ہمارے رب! یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے، تو پاک ہے اس سے (کہ عبث اور لا حاصل) پیدا فرمائے، پس اے رب! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔''

پھر ایسے ہی اہل حق کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَإِذَا سَمِعُوْا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰى أَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا

﴿مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ﴾ (المائدہ: ۸۳/۵)

''جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول پر اترا ہے تو آپ دیکھتے ہیں کہ حق شناسی کے اثر سے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں، وہ بول اٹھتے ہیں کہ ''ہمارے رب! ہم ایمان لائے ہمارا نام (توحید کی) گواہی دینے والوں میں لکھ لیجیے۔''

(ا) شرک:

اللہ تعالیٰ اس پوری کائنات کا تنہا خالق و مالک ہے، اس کا اس میں قطعی کوئی شریک و سہیم نہیں ہے جبکہ شرک یہ ہے کہ اس مالک الملک کی ذات وصفات میں، علم اور حکم میں اس کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک بنالیا جائے۔

شرک کیسے پھیلتا ہے؟ شرک پھیلانے میں سب سے بڑا ہاتھ شیطان لعین اور اس کے ساتھیوں کا ہے، پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت عقل وشعور کو پس پشت ڈال کر خواہشات نفس کا پجاری بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو نظر انداز کر کے نفس کا غلام بن جاتا ہے، پھر یہ غلط باتیں نسلاً بعد نسلٍ بھی منتقل ہوتی رہتی ہیں، قدرے تفصیل سے اس کا جائزہ لیتے ہیں:

شرک فی الذات

اللہ تعالیٰ کی ذات اس پوری کائنات میں یکتا ہے۔ قرآن حکیم کی مختصر اور جامع سورت سورۂ اخلاص میں اس کی صفات کو واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے مگر یہود ونصاری نے خواہشات کی بنیاد پر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دیا، قرآن ان کے اس غلط عقیدہ کو بتا کر اس کی تردید بھی کرتا ہے۔

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّهِ وَقَالَتْ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّهِ ذَلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِؤُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُواْ مِن قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ﴾ (التوبہ: ۳۰/۹)

''یہودی کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح (عیسیٰ علیہ السلام) اللہ کا بیٹا ہے، یہ بے حقیقت باتیں ہیں جو وہ اپنی زبانوں سے نکالتے ہیں (جس کی کوئی سند نہیں

ہے) ان لوگوں کی دیکھا دیکھی جو ان سے پہلے کفر میں مبتلا ہوئے تھے اللہ کی مار ان پر یہ
کہاں سے دھوکا کھا رہے ہیں۔''

کبھی یہ نصاریٰ (عیسائی) سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ ہی بنا دیتے ہیں، قرآن ان کے اس شرک کو بیان کر کے اس کا واضح اور مضبوط جواب دیتا ہے۔

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَ قَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ﴾ (المائدہ:۵/۷۲)

''یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے حالانکہ مسیح (سیدنا عیسیٰ علیہ السلام توحید کا اعلان اس طرح کرتے ہیں) ''اے بنی اسرائیل اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی'' (یاد رکھو!) جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا، اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔''

اور کبھی یہ نصاریٰ (عیسائی) سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ محترمہ سیدہ مریم علیہا السلام دونوں کو اِلٰہ (معبود کا درجہ دے کر) اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہ دونوں بھی معبود ہیں) قرآن حکیم ان کے اس صریح کفر کا برملا اعلان کرتا ہے:

﴿لَّقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوٓاْ إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلاَثَةٍ وَمَا مِنْ إِلَـٰهٍ إِلآَّ إِلَـٰهٌ وَاحِدٌ وَإِن لَّمْ يَنتَهُواْ عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُواْ مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ﴾ (المائدہ:۵/۷۳)

''یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا ایک ہے (یعنی نعوذ باللہ عیسیٰ اور مریمؑ بھی معبود ہیں) حالانکہ اللہ کے سوا ہرگز کوئی معبود نہیں ہے، اگر یہ لوگ اپنی ان (نامعقول) باتوں سے باز نہ آئے تو ان میں سے جس جس نے کفر کیا ہے، اس کو دردناک سزا دی جائے گی۔''

ان کو شبہ اس بات میں ہوا کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سیدہ مریم علیہا السلام کے بطن سے اللہ کے حکم سے بغیر باپ کے ہوئی، قرآن حکیم نے اس کا جواب بڑے خوبصورت انداز سے دیا ہے:

﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَى عِندَ اللّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ○ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلاَ تَكُن مِّن الْمُمْتَرِينَ﴾ (ال عمران: ۳/ ۵۹،۶۰)

''اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدمؑ کی سی ہے کہ اللہ نے ان کو مٹی سے پیدا کیا اور حکم دیا کہ وجود میں آ جاؤ چنانچہ وہ وجود میں آ گئے۔ یہ (سیدنا عیسیٰؑ کے بارے میں اصل حقیقت ہے) آپ کے رب کی طرف سے حق یہی ہے خبردار شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔''

سیدنا آدم علیہ السلام بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے اللہ قادر مطلق نے محض خاک کو حکم دیا اور وہ وجود میں آ گئے پھر غور طلب بات یہ ہے کہ روز اول سے قیامت تک مٹی میں دفن ہونے والے انسان جن کی ہڈیاں بھی مٹی میں گھل مل گئی ہیں روز قیامت محض اس قادر و قدیر کے حکم سے 'لفظ کن' پر زندہ ہو جائیں گے تو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کرنا اس کے لیے کیا مشکل ہے۔

پھر غور کیجیے کہ ہر انسان کی تخلیق والدین کے ذریعہ حقیر قطرۂ آب سے ہوتی ہے اور رحم مادر میں اس کی نشوونما کا انتظام ہوتا ہے محض اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے وہ جس شکل وصورت اور رنگ روپ میں چاہتا ہے، جیتا جاگتا انسان پیدا فرماتا ہے اس میں بھی وہ پورا پورا اختیار رکھتا ہے:

﴿لِلَّهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَاثاً وَيَهَبُ لِمَن يَشَاءُ الذُّكُورَ ○ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَاناً وَإِنَاثاً وَيَجْعَلُ مَن يَشَاءُ عَقِيماً إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ﴾ (الشوری: ۴۲/ ۴۹،۵۰)

''اللہ ہی زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے، جو کچھ چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے جسے چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے، جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے، وہ سب کچھ جانتا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔''

اس لیے جب سیدہ مریمؑ کو عیسیٰؑ کی ولادت کی خوشخبری سنائی گئی تو وہ تعجب سے اس طرح گویا ہوئیں:

''اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم! اللہ تجھے اپنے ایک فرمان کی خوشخبری دیتا ہے، اس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا، دنیا اور آخرت میں معزز ہوگا، اللہ کے مقرب بندوں میں شمار کیا

جائے گا، لوگوں سے گہوارے میں بھی کلام کرے گا اور بڑی عمر کو پہنچ کر بھی اور وہ ایک مرد صالح ہوگا، مریمؑ (تعجب سے) بولی'اے رب! میرے ہاں بچہ کہاں سے ہوگا، مجھے تو کسی مرد نے ہاتھ تک نہیں لگایا' جواب ملا'ایسا ہی ہوگا، اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے وہ جب کسی کام کرنے کا فیصلہ فرماتا ہے تو بس کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے' (فرشتوں نے پھر اپنے سلسلۂ کلام میں کہا) 'اور اللہ اسے کتاب اور حکمت کی تعلیم دے گا، تورات اور انجیل کا علم سکھائے گا اور بنی اسرائیل کی طرف اپنا رسول مقرر کرے گا۔'' (ترجمہ: آل عمران:۳/۴۵ تا ۴۸)

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام شیرخوارگی میں ماں کی گود میں گفتگو کرتے ہیں، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کمال ہے کہ وہ نومولود بچے کو قوتِ گویائی عطا فرماتا ہے، سیدہ مریمؑ عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بعد اپنی قوم کے سامنے آئیں تو اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ تم نے خاموش رہنا ہے اور بچے کی طرف اشارہ کر دینا ہے۔

قرآن حکیم سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی گفتگو کا ذکر اس طرح کرتا ہے:

﴿فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَن كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيّاً○ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيّاً○ وَجَعَلَنِي مُبَارَكاً أَيْنَ مَا كُنتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيّاً○ وَبَرّاً بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّاراً شَقِيّاً○ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدتُّ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيّاً○ ذَلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ○ مَا كَانَ لِلَّهِ أَن يَتَّخِذَ مِن وَلَدٍ سُبْحَانَهُ إِذَا قَضَى أَمْراً فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ﴾ (مریم:۱۹/۲۹ تا ۳۵)

''(جب سیدہ مریمؑ شیرخوار بچے سیدنا عیسیٰؑ کو اٹھائے اپنی قوم میں آئی تو لوگوں کے استفسار پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے بچے کی طرف اشارہ کر دیا) لوگوں نے کہا'لو بھلا ہم گود کے بچے سے باتیں کیسے کریں؟ بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور مجھے اپنا پیغمبر بنایا ہے (اللہ نے یہ فیصلہ کیا ہوا ہے کہ وہ مجھے کتاب اور نبوت سے نوازے گا) اور اس نے مجھے بابرکت کیا ہے جہاں بھی میں ہوں (نیک اور نیکی کا حکم

دینے والا بنایا ہے)اور مجھے اس نے نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کا حکم دیا ہے جب تک میں زندہ رہوں اور اس نے مجھے اپنی والدہ کا خدمت گزار بنایا ہے اور مجھے سرکش اور بدبخت نہیں کیا اور مجھ پر میری پیدائش کے دن اور میری موت کے دن اور جس دن کہ میں دوبارہ زندہ کھڑا کیا جاؤں گا، سلام ہی سلام ہے' یہ ہے عیسیٰؑ ابن مریم اور یہ ہے اس کے بارے میں سچی بات جس میں لوگ شک کر رہے ہیں، اللہ کا یہ کام نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے (وہ ان باتوں سے بے نیاز ہے) وہ پاک ذات ہے، وہ جب کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو صرف 'کن' کہتا ہے اور وہ ہو جاتی ہے۔''

ان آیات میں کئی حکمتیں اور بصیرتیں پوشیدہ ہیں:

ا) ﴿قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ﴾ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے شیرخوارگی میں فرمایا:

کہ میں اللہ کا بندہ ہوں گویا یہ اس بات کا واضح اعلان ہے کہ سیدنا عیسیٰؑ مقام الوہیت پر نہیں بلکہ مقام بندگی پر فائز ہیں اور ہر نبی اور ہر رسول کی ذات اپنی قوم اور قبیلے میں اور لوگوں کے درمیان بہترین قدوہ اور نمونہ ہوتی ہے، قرآن سیدنا عیسیٰؑ اور ان کی والدہ محترمہ سیدہ مریمؑ کے بارے میں اعلان کرتا ہے:

﴿مَّا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلاَّ رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلاَنِ الطَّعَامَ انظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الآيَاتِ ثُمَّ انظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ﴾ (المائدہ: ٥/٧٥)

مسیحؑ ابن مریمؑ اللہ کے رسول ہی تو تھے اور اس سے پہلے اور بھی بہت سے رسول ہو چکے ہیں (جو مقام عبدیت پر ہی فائز تھے) ان کی والدہ ایک راست باز (اللہ تعالیٰ کی فرمانبردار اور پاکدامن بندی) تھی۔ وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ (جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ان تمام انسانی حاجات سے مبرا ہے۔) غور کرو کیسے ہم ان کے لیے آیات بیان کرتے ہیں پھر غور کرو وہ کدھر الٹے پھرے جاتے ہیں۔

﴿فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلاَ يُطْعَمُ﴾ (الانعام: ٦/١٤)

''(ہمارا رب تو وہ ہے) جو زمین و آسمان کا خالق ہے جو (سارے جہان) کو روزی دیتا ہے، روزی لیتا نہیں ہے (وہ بے نیاز ہے)۔''

خاتم النبیین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَأْتُواْ بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ﴾ (البقرہ:۲/۲۳)

''(اے مکہ والو!) اگر تمہیں اس امر میں شک ہے کہ یہ کتاب جو ہم نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر اتاری ہے یہ ہماری ہے یا نہیں تو اس کی مانند ایک ہی سورت بنا لو۔''

(اس بات پر نہ صرف اہل عرب عاجز ہو گئے بلکہ آج تک اس شان اور خوبی سے کوئی کلام نہ پیش کر سکا اور قیامت تک یہ معجزہ قائم رہے گا ان شاء اللہ)

رسول اللہ ﷺ پر بھی کفار یہ اعتراض کرتے تھے کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور ہماری طرح چلتا پھرتا ہے:

﴿وَقَالُوا مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ﴾ (الفرقان: ۲۵/۷)

''یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔''

کاش کہ ان احمقوں کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی فرشتہ رسول بن کر آتا تو بھلا وہ انسانوں کے لیے نمونہ کیسے بن سکتا تھا؟ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر فرما دیا:

﴿وَما أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ﴾ (الفرقان:۲۵/۲۰)

''(اے نبیؐ) آپ سے پہلے جو رسول بھی ہم نے بھیجے تھے وہ سب بھی کھانا کھانے والے اور بازاروں میں چلنے پھرنے والے لوگ ہی تھے۔ (تاکہ ان کی زندگیاں اپنی اپنی قوم کے لیے نمونہ بنیں)''

ب) ان آیات سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و طاقت لامحدود ہے اس نے سیدنا عیسیٰؑ کو اپنی رحمت و قدرت سے سیدہ مریم علیہا السلام کے بطن سے بغیر باپ کے پیدا فرمایا اور اسی طرح شیر خوارگی میں قوت گویائی سے نوازا۔

رب قدیر تو روزِ جزا و سزا انسانی اعضا (ہاتھ پاؤں، آنکھ، کان وغیرہ) کو قوت گویائی عطا فرما دے گا اور وہ انسانوں کے اعمال پر گواہی دیں گے اور انسان ان اعضا سے پوچھیں گے:

﴿وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوا أَنطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ (حمٓ السجدہ: ۲۱/۴۱)

''(مجرمین) اپنے جسم کی کھالوں (مختلف اعضا) سے کہیں گے ''تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟' وہ (اعضا) جواب دیں گے' ہمیں اس رب نے گویائی دی ہے جس نے ہر چیز کو گویا کر دیا ہے، اسی نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اور اب اسی کی طرف تو واپس لائے جا رہے ہو۔''

ج) ان آیات میں سیدنا عیسیٰ شیر خوارگی میں بات کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مجھے اللہ نے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے، جب تک میں زندہ ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ نماز اور زکوٰۃ ایسے قیمتی اعمال ہیں جو انسان کی معاشرتی اور معاشی اصلاح کرتے ہیں نماز سے دن رات اللہ تعالیٰ کی بندگی سے نہ صرف انسان اپنے مولا و مالک سے رہبری حاصل کرتا ہے بلکہ اجتماعی نماز سے مسلمانوں کی معاشرتی زندگی بھی سنورتی اور سدھرتی ہے اور زکوٰۃ تمام معاشی ناہمواریوں کا کارآمد اور مفید حل ہے۔

د) ﴿وَبرّاً بِوالِدَتِی﴾ والدین یا والدہ سے حسن سلوک حقوق العباد کے تمام دوسرے حقوق میں سے پہلے درجہ کا حق ہے جس کی فضیلت قرآن و حدیث میں بہت زیادہ آئی ہے جس پر مبسوط مقالہ مرتب ہو سکتا ہے۔

ز) ﴿مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ، سُبْحٰنَهٗ﴾ اللہ کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے (وہ ان باتوں سے بے نیاز ہے) وہ پاک ذات ہے۔

اس آیہ مبارکہ میں رد آ گیا یہود و نصاریٰ کا جنھوں نے سیدنا عزیرؑ اور عیسیٰؑ کو (نعوذ باللہ) اللہ کا بیٹا بنا دیا اور خود بھی اس کے چہیتے اور بیٹے بن بیٹھے، قرآن اس کو واشگاف کرتا ہے اور اس کا جواب بھی دیتا ہے:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى نَحْنُ أَبْنَاء اللّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُم بِذُنُوبِكُم بَلْ أَنتُم بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ﴾ (المائدہ:۱۸/۵)

یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں ان سے پوچھو، پھر وہ تمہارے گناہوں پر تمہیں سزا کیوں دیتا ہے؟ درحقیقت تم بھی ویسے ہی انسان ہو جیسے اور انسان اللہ نے پیدا کیے ہیں۔

حق بات یہ ہے کہ اس پوری کائنات کا تنہا خالق و مالک اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے اور سب اس کے بندے ہیں، قرآن اعلان کرتا ہے۔

''(مشرکین کہتے ہیں) کہ رحمان نے کسی کو بیٹا بنایا ہے...... سخت بے ہودہ بات ہے جو تم لوگ گھڑ لائے ہو، قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑے، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ گر جائیں اس بات پر کہ لوگوں نے رحمان کے لیے اولاد ہونے کا دعویٰ کیا ہے، رحمٰن کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے، زمین اور آسمانوں کے اندر جو بھی ہیں اس کے حضور بندوں کی حیثیت سے پیش ہونے والے ہیں۔'' (ترجمہ: مریم:۱۹/۸۸-۹۳)

ان آیات میں رد آ گیا یہود و نصاریٰ کا اور تمام مشرکین اور کفار کا جنہوں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اولاد ٹھہرائی اور مشرکین نے (نعوذ باللہ) فرشتوں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیا۔

ارشاد ہوتا ہے:

''مسیح نے کبھی اس بات کو عار نہیں سمجھا کہ وہ اللہ کا بندہ ہو اور نہ مقرب ترین فرشتے اس کو اپنے لیے عار سمجھتے ہیں، اگر کوئی اللہ کی بندگی کو اپنے لیے عار سمجھتا ہے اور تکبر کرتا ہے تو ایک وقت آئے گا جب اللہ سب کو گھیر کر اپنے سامنے حاضر کرے گا، اس وقت وہ لوگ جنہوں نے ایمان لا کر نیک طرز عمل اختیار کیا ہے اپنے اجر پورے پورے پائیں گے اور اللہ ان کو اپنے فضل سے مزید عطا فرمائے گا اور جن لوگوں نے بندگی کو عار سمجھا اور تکبر کیا ہے ان کو اللہ دردناک سزا دے گا اور اللہ کے سوا جن جن کی سرپرستی و مددگاری پر وہ بھروسہ رکھتے ہیں ان میں سے کسی کو بھی وہاں نہ پائیں گے۔'' (النساء:۱۷۲،۱۷۳)

جیسا کہ اس سے پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اس پوری کائنات کا اللہ تعالیٰ یکتا خالق و مالک ہے اور کائنات کی ہر چیز اس کی مخلوق ہے جن، فرشتے انبیاء و رسل، ابرار و صالحین سب کے سب اس کے بندے ہیں۔ صرف اور صرف وہی عبادت کے لائق ہے، یہ توحید ہے اس عقیدہ میں سب سے زیادہ فساد اور بگاڑ کرنے والی بات شرک ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں، اس کے علم وحکم میں دوسروں کو شریک بنا لیا جائے جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے سیدنا عزیر اور سیدنا عیسیٰ علیہما السلام [جو اللہ تعالیٰ کے پاکباز

رسول اور اس کے بندے تھے اور توحید ہی کی دعوت دینے کے لیے تشریف لائے تھے] کو (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیا اور نصاریٰ نے تو پاکدامن سیدہ مریمؑ اور اُن کے فرزند سیدنا عیسیٰؑ کو معبود بنالیا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے بندے تھے اور روزِ قیامت نصاریٰ کے روبرو اللہ تعالیٰ سیدنا عیسیٰؑ سے پوچھے گا:

﴿وَإِذْ قَالَ اللّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنتَ قُلتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَـهَيْنِ مِن دُونِ اللّهِ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ إِن كُنتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلاَ أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنتَ عَلاَّمُ الْغُيُوبِ﴾ (المائدہ:۵/۱۱۶)

''اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے (دنیا میں) ان لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو بھی معبود بنالو؟ تو وہ جواب میں عرض کریں گے کہ ''سبحان اللہ'' میرا یہ کام نہ تھا کہ وہ بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے حق نہ تھا، اگر میں نے ایسی بات کہی ہوتی تو آپ کو ضرور علم ہوتا (کہ آپ علام الغیوب ہیں) آپ جانتے ہیں جو کچھ میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو کچھ آپ کے دل میں ہے آپ کے پاس تو تمام غیب کی باتوں کا علم ہے۔''

اس کے بعد سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اس دعوت توحید کا ذکر فرمائیں گے، جو ہر نبی اور ہر رسول کا مشن رہا ہے:

﴿مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلاَّ مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُواْ اللّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيداً مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ (المائدہ:۵/۱۱۷)

(اے اللہ!) میں نے ان سے اس کے سوا کچھ نہیں کہا، جس کا آپ نے حکم دیا تھا کہ اللہ ہی کی بندگی کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی، میں اسی وقت تک ان کا نگراں تھا جب تک کہ میں ان کے درمیان تھا جب آپ نے مجھے (اس دنیا سے) اٹھا لیا تو آپ ان پر

نگراں تھے اور آپ تو ہر بات سے پوری طرح باخبر ہیں۔

بت پرستی:

سیدنا نوح علیہ السلام، سیدنا آدم علیہ السلام کے بعد پہلے نبی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے رسالت سے نوازا، آپ کا سلسلہ نسب آٹھ پشتوں کے بعد سیدنا آدمؑ سے جا ملتا ہے......

یہ ہمارا ایمان ہے کہ ہر نبی اور ہر رسول نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دی، قرآن اعلان کرتا ہے:

﴿وَمَا أَرۡسَلۡنَا مِن قَبۡلِکَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِیۡ إِلَیۡهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعۡبُدُونِ﴾

(الانبیاء: ۲۱/ ۲۵)

''(اے نبیؐ) آپ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، پس تم میری ہی عبادت کرو۔''

سیدنا آدم علیہ السلام نے یقیناً اپنی اولاد کو اور اس سے پھیلی ہوئی نسل کو اپنی پوری زندگی میں اسی توحید کی طرف بلایا، اور لوگ بھی کچھ عرصہ اسی پر قائم رہے ہوں گے، پھر اس میں خلل اور بگاڑ کیوں پیدا ہوا، جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ شیطان روزِ اول سے ہی انسان کا دشمن ہے، وہ لوگوں کو شرک اور بت پرستی کی طرف مائل کرتا رہتا ہے اور لوگوں کو توہمات اور وساوس کا شکار بناتا ہے۔ برے اعمال کو خوشنما اور دلکش بنا کر پیش کرتا ہے۔ قرآن حکیم کی متعدد آیات میں اس کے مکر و فریب کو کھول دیا گیا ہے اس پر غور کیجیے:

﴿وَیُرِیدُ الشَّیۡطَانُ أَن یُضِلَّهُمۡ ضَلَالًا بَعِیدًا﴾ (النسا: ٤/ ٦٠)

''شیطان (لوگوں کو) بھٹکا کر راہ راست سے بہت دور لے جانا چاہتا ہے۔''

اس کے علاوہ انسان کو نیکی اور بدی، شکر گزاری اور ناشکری (کفر) کی راہ اختیار کرنے کا پورا پورا اختیار بھی دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّا هَدَیۡنَاهُ السَّبِیلَ إِمَّا شَاکِرًا وَإِمَّا کَفُورًا﴾ (الدهر: ٧٦/ ٣)

''ہم نے راستہ دکھا دیا، خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔''

اس کے علاوہ انسان میں نفس امارہ (برائیوں پر اکسانے والانفس) اورنفسِ لوامہ (برائیوں پر ملامت کرنے والانفس) کے درمیان ہروقت جنگ جاری رہتی ہے۔ اگر وہ نیکی اور بدی میں تمیز کرتے ہوئے نفس لوامہ کی بات مان لے (یعنی برائیوں سے نفرت کرتے ہوئے انہیں چھوڑ دے) تو وہ نفسِ مطمئنہ کو پالیتا ہے اور یہی بات اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُO ارْجِعِیٓ إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةًO فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْO وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ﴾ (الفجر:۸۹/۲۷-۳۰)

''اے نفس مطمئن چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو (اپنے انجام نیک سے) خوش (اوراپنے رب کے نزدیک پسندیدہ ہے، شامل ہو جا میرے (نیک) بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔''

اوراگر وہ خواہشات نفس کا شکار ہو جائے تو قعر مذلت میں گر جاتا ہے۔

﴿أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشَاوَةً فَمَن يَهْدِيْهِ مِن بَعْدِ اللّٰهِ أَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾

(الجاثیہ:۴۵/۲۳)

''(اے نبیؐ) کیا آپ نے اسے بھی دیکھا ہے؟ جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور باوجود سمجھ بوجھ کے اللہ نے اسے (غرور اور پندار کی وجہ سے) گمراہ کر دیا ہے اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے۔ اور اس کی آنکھ پر بھی پردہ ڈال دیا ہے (کہ یہ اعضا عقل و فکر سے محروم ہو چکے ہیں) اب ایسے شخص کو اللہ کے بعد کون ہدایت دے سکتا ہے؟''

یہ حال نہ صرف افراد کا ہوتا ہے بلکہ قومیں بھی اس طرح گمراہی میں ڈوب جاتی ہیں۔

شیطان کو اس طرح بھٹکانے کی اجازت کیوں دی گئی؟ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیّت ہے اور اس میں انسان کا امتحان ہے کہ وہ ہدایت الٰہی پر مضبوط رہتا ہے یا اسے چھوڑ کر کوئی اور راستہ اختیار کرتا ہے؟ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر ثابت قدم رہتے ہیں انہیں شیطان اور اس کے ساتھی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔

﴿إِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ وَکَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیْلاً﴾ (بنی اسرائیل:۱۷/۶۵)

”(اے شیطان اچھی طرح سن لے) یقیناً میرے بندوں پر تجھے کوئی اقتدار حاصل نہ ہوگا اور (اے اللہ کے بندو!) توکل کے لیے تمہارا رب کافی ہے۔“

اور شیطان کو بھی اس بات کا برملا اقرار کرنا پڑا:

﴿قَالَ فَبِعِزَّتِکَ لَأُغْوِیَنَّهُمْ أَجْمَعِیْنَ ○ إِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ﴾

(صٓ:۳۸/۸۲-۸۳)

”شیطان نے کہا (اے رب العالمین) تیری عزت کی قسم، میں ان سب کو بہکا کر رہوں گا بجز تیرے اُن بندوں کے جنہیں تو نے (اپنی بندگی) کے لیے خالص کر لیا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے جواب دیا:

”تو حق یہ ہے اور میں حق ہی کہا کرتا ہوں کہ (اے ابلیس) میں جہنم کو تجھ سے اور ان سب لوگوں سے بھر دوں گا جو ان انسانوں اور جنوں میں سے تیری پیروی کریں گے۔“

(ترجمہ:صٓ:۳۸/۸۴-۸۵)

قوم نوح بھی شیطان کے بہکاوے کا شکار ہوئی

سیدنا نوحؑ کی بعثت سے پہلے تمام قوم اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ روشنی اور صحیح دینی عقائد سے یکسر نا آشنا ہو چکی تھی اور حقیقی رب کی بندگی کی جگہ خود ساختہ بتوں نے لے لی تھی، غیر اللہ کی پرستش اور اصنام پرستی ان کا شعار بن چکا تھا۔

سیدنا نوح علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ کا عرصہ کئی صدیوں پر محیط ہے، قرآن اس طرح ذکر کرتا ہے:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحاً إِلَی قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِیْهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِیْنَ عَاماً﴾

(العنکبوت:۲۹/۱۴)

”(اللہ تعالیٰ نے فرمایا) ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا، وہ اُن میں ساڑھے نو سو سال رہے (اور دعوت و تبلیغ کا فریضہ انتہائی سوز و درد اور محنت و مشقت سے سرانجام دیتے رہے) قوم کے غریب اور مخلص لوگوں نے سیدنا نوحؑ کی دعوت کو قبول کیا اور قوم کی اکثریت نے جو امراء و رؤساء پر مشتمل تھی تکبر و غرور سے ان کی دعوت کو ٹھکرا دیا۔“

بلکہ نخوت و پندار سے کہنے لگے:

﴿وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا﴾

(نوح:۷۱/۲۳)

''انہوں نے کہا ہرگز نہ چھوڑو اپنے معبودوں کو اور نہ چھوڑو وَدّ اور سواع کو اور نہ یغوث، یعوق اور نسر کو۔''

یہ پانچوں قومِ نوح علیہ السلام کے نیک آدمیوں کے نام تھے، جب یہ مر گئے تو شیطان نے ان کے عقیدت مندوں کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ ان کی تصویریں بنا کر تم اپنے گھروں اور دکانوں میں رکھ لو تاکہ ان کی یاد تازہ رہے اور ان کے تصور سے تم بھی ان کی طرح نیکیاں کرتے رہو جب یہ تصویریں بنا کر رکھنے والے فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی نسلوں کو یہ کہہ کر شرک میں ملوث کر دیا کہ تمہارے آباء تو ان کی عبادت کرتے تھے جن کی تصویریں تمہارے گھروں میں لٹک رہی ہیں چنانچہ انہوں نے ان کی پوجا شروع کر دی۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ نوح بحوالہ احسن البیان)

مشرکین عرب میں بت پرستی

مشرکین عرب میں بت پرستی کا رواج بھی اسی طرح پیدا ہوا، سیدنا ابراہیمؑ اور سیدنا اسماعیلؑ نے بیت اللہ کی بنیاد خالص توحید پر رکھی تھی اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا:

﴿وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَن لَّا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ﴾ (الحج:۲۲/۲۶)

''(اور وہ وقت یاد کیجیے) جبکہ ہم نے ابراہیمؑ کے لیے اس گھر (بیت اللہ) کی جگہ تعمیر کرنے کی نشانی بتا دی تھی (اس ہدایت کے ساتھ) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں، قیام اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک و صاف رکھو (یعنی ہر قسم کے کفر، بت پرستی اور دیگر گندگیوں اور نجاستوں سے)۔''

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے مشرکین مکہ نے شیطان کے بہکاوے میں آ کر کیا کچھ کر ڈالا...... لات و منات، ھبل و عزیٰ نیک لوگ تھے ان مرے ہوئے نیک لوگوں کے مجسمے

بنا ڈالے اور اس کے علاوہ چھوٹے بڑے سینکڑوں بتوں کی غلاظت سے بیت اللہ کو بھر ڈالا اور تو اور لباس جسے اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے باعث زینت بنایا طواف کرتے وقت اسے اتار دیتے اور برہنہ ہو کر طواف کرتے (اَستَغفِرُ اللّٰہ) شیطان یا نفس امارہ نے انہیں پھسلایا تھا کہ لباس گندگی اور برہنگی صفائی کی علامت ہے۔

جب ان مشرکین مکہ سے پوچھا جاتا کہ وہ ان بتوں کی عبادت کیوں کرتے ہیں؟ تو وہ جواب دیتے:

﴿مَا نَعبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُونَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ (الزمر:۳/۳۹)

''(وہ اپنے اس فعل کی توجیہ یہ کرتے) ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تک ہماری رسائی کرا دیں۔''

قرآن نے ان کے اس عمل کو شرک قرار دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کا حق اس طرح بتایا:

﴿فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ﴾

''خبردار! تم اللہ تعالیٰ ہی کے لیے عبادت کرو، اسی کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے۔''

﴿فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ﴾ اس میں پہلی بات اخلاص ہے کہ بندہ مومن کا ہر ہر عمل صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو اور الدین سے یہاں مراد عبادت اور اطاعت ہے اور اس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی توحید ہے اور اس کا قطعی کوئی شریک نہیں۔

﴿اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ﴾ یہ اس اخلاص کے ساتھ عبادت کی تاکید ہے، جس کا حکم اس سے پہلی آیت میں کسی کو شریک کرنا قطعی ناجائز ہے (دیکھئے فتح القدیر، امام شوکانی)

جہاں تک مشرکین مکہ کے برہنہ طواف کی بات ہے تو قرآن اعلان کرتا ہے:

﴿يَا بَنِيْ آدَمَ خُذُواْ زِيْنَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (الاعراف:۳۱/۷)

''اے بنی آدمؑ، ہر عبادت کے موقع پر اپنی زینت سے آراستہ رہو۔''

پھر اس سے اگلی آیت میں فرمایا:

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ﴾ (الاعراف:۳۲/۷)

''(اے نبیؐ) ان سے کہیے کہ کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کر دیا جسے اللہ نے اپنے بندوں

کے لیے نکالا (اور جائز قرار دیا ہے)۔''

خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر بیت اللہ کو بتوں کی نجاست سے صاف کیا اور مناسک حج وعمرہ کو سنت ابراہیمی علیہ السلام کے مطابق زندہ کیا۔

ملائکہ پرستی

مشرکین عرب فرشتوں کو (نعوذ باللہ) اللہ کی بیٹیاں اور اس کی اولاد قرار دیتے تھے جو صریحاً شرک فی الذات ہے اور کبھی وہ ان فرشتوں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے قربت کا وہ مقام دیتے جو عبدیت اور بندگی کے مقام سے بالاتر ہے اور کبھی وہ فرشتوں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ تک پہنچنے کا وسیلہ بناتے اور کبھی انہیں دنیا کی فارغ البالی اور خوشحالی کا ذریعہ خیال کرتے اور اپنے لیے نجات اور شفاعت کا وسیلہ قرار دیتے، گویا اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں انہیں شریک بناتے ہیں، قرآن حکیم نے صراحت کے ساتھ ان کی اطاعت اور بندگی کا اعلان کیا ہے۔

﴿وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِن دَآبَّةٍ وَالْمَلاَئِكَةُ وَهُمْ لاَ يَسْتَكْبِرُونَ ○ يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ (النحل:١٦/٤٩، ٥٠)

''زمین اور آسمانوں میں جس قدر جاندار مخلوقات ہیں اور جتنے ملائکہ ہیں سب اللہ کے آگے سربسجود ہیں، وہ ہرگز سرکشی نہیں کرتے، اپنے رب سے جو اُن کے اوپر ہے ڈرتے ہیں اور جو کچھ حکم دیا جاتا ہے اس کے مطابق کام کرتے ہیں۔''

ایک اور مقام پر ملائکہ کی عبدیت کو اس طرح واضح کیا:

﴿وَجَعَلُوا الْمَلاَئِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ إِنَاثاً﴾ (الزخرف:٤٣/١٩)

''اور انہوں (ان مشرکین) نے فرشتوں کو جو رحمٰن کے بندے ہیں عورتیں قرار دے دیا۔''

حقیقت یہ ہے کہ کائنات کی ہر مخلوق (جاندار) اور ہر چیز (شجر وحجر شمس وقمر وغیرہ بے جان مخلوق) اس خالق واحد کی بندگی اور اطاعت کا اعلان کر رہی ہے اور شب و روز اس کی تسبیح وتحمید میں مصروف ہے۔

﴿أَفَغَيْرَ دِينِ اللّٰهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعاً وَكَرْهاً وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ﴾ (ال عمران:٣/٨٣)

’’اب کیا یہ لوگ اللہ کی اطاعت کا طریقہ (دین اللہ) چھوڑ کر کوئی اور طریقہ چاہتے ہیں؟ حالانکہ آسمان وزمین کی ساری چیزیں چاروناچار اللہ ہی کی تابع فرمان (یعنی مسلم) ہیں اور اس کی طرف سب کو پلٹنا ہے۔‘‘

﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَن فِيهِنَّ وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَـٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ﴾ (بنی اسرائیل: ۱۷/ ٤٤)

’’ساتوں آسمان اور زمین اور جو بھی ان میں ہے اس کی تسبیح کر رہے ہیں، ایسی کوئی چیز نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کر رہی ہو، مگر تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے ہو۔‘‘

انسانوں کو تو رب کریم نے سب سے اشرف بنایا ہے اور خلافت ارضی کا تاج اس کے سر پر سجایا، اسے عقل وفراست سے نوازا علم و ہنر سے آراستہ فرمایا اور پھر اس کی ہدایت کے لیے انبیاء ورسل کو بھیجا ہے جن ابرار وصالحین کی پاکیزہ زندگیاں لوگوں کے لیے نمونہ بنیں اور خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ نسل انسانیت کے لیے اسوہ حسنہ قرار دی گئی یہ انسان کی بہت بڑی بھول ہے کہ اس مالک حقیقی کو چھوڑ کر کائنات میں دوسروں کو معبود بنا لے۔

جب بندہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت عقل وشعور کو کام میں نہیں لاتا، اور اس کی ہدایت کو جو انبیاء و رسل کے ذریعہ اس نے نازل فرمائی ہے تکبر اور غرور سے نظر انداز کر دیتا ہے، کبھی خواہشات نفس کا پجاری بن جاتا ہے اور کبھی شیاطین کے بہکاوے میں آجاتا ہے تو وہ راہ حق سے دور ضلالت اور گمراہی کی وادی میں بھٹکتا پھرتا ہے جیسا کہ گزشتہ دروس میں بھی بتایا جا چکا ہے کہ شیطان لعین برے اعمال کو خوشنما بنا کر پیش کرتا ہے اور برے خیالات اور وساوس کے ذریعہ اس نے انسانوں کو بت پرستی، ملائکہ پرستی، جنات پرستی، کواکب پرستی، آباء پرستی، احبار پرستی وغیرہ کے علاوہ ہر بری راہ پر لگا دیا ہے...... فواحش ومنکرات کو پھیلانا، غداری اور دغا بازی کی تعلیم دینا، غیبت اور بدگوئی پر آمادہ کرنا، خیانت اور بد دیانتی کی رغبت دلانا، سودخوری اور شراب خوری کا شوق دلانا، غرضیکہ ہر برائی اور ہر بے حیائی کی طرف بلانا اس کا اور ساتھیوں کا شب وروز کا مشغلہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مبین میں ان سب باتوں کو کھول کر بیان فرما دیا ہے:

﴿قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لاَ انفِصَامَ لَهَا وَاللّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ (البقرہ:۲/۲۵۶)

''ہدایت ضلالت سے روشن ہو چکی ہے، اس لیے جو شخص طاغوت (ہر شیطانی خیال، وسوسہ، بت پرستی، خواہشاتِ نفس) کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا، اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے، اور اللہ (جس کا سہارا اس نے لیا ہے) سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔''

انسان کی کامیابی کا راز سراسر احکام الٰہی کی پیروی سنتِ نبویؐ کے مطابق کرنے میں پنہاں ہے، اس صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر جو راہ بھی اختیار کی جائے گی، وہ ضلالت اور گمراہی کی راہ ہو گی جس کا انجام دنیا اور آخرت میں تباہی و بربادی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

اس کے علاوہ انسان کو بھی نیکی یا بدی، خیر یا شر، اچھائی یا برائی، حق یا باطل کو اختیار کرنے کا پورا اختیار دے دیا گیا ہے، اور اس میں اس کا امتحان ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِراً وَإِمَّا كَفُوراً﴾ (الدھر:۷۶/۳)

''ہم نے انسان کو راستہ دکھا دیا، خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔''

حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

''یعنی مذکورہ قوتوں اور صلاحیتوں کے علاوہ رب کریم نے انبیاء علیہم السلام، اپنی کتابوں اور داعیانِ حق کے ذریعے سے صحیح راستے کو بیان اور واضح کر دیا، اب یہ اس کی مرضی ہے کہ اطاعت الٰہی کا راستہ اختیار کر کے شکر گزار بندہ بن جائے یا معصیت کا راستہ اختیار کر کے اس کا ناشکرا بن جائے جیسے ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا:

((كُلُّ النّاسِ يَغْدُو فَبائِعٌ نَفْسَهُ فَمُوْبِقُهَا أَوْ مُعْتِقُهَا)) (صحیح مسلم بحوالہ احسن البیان)

''یعنی ہر شخص اپنے نفس کی خرید و فروخت کرتا ہے پس اسے (برے اعمال سے) ہلاک کر دیتا ہے یا (اچھے اعمال سے) آزاد کرا لیتا ہے۔''

قرآن حکیم فصاحت و بلاغت کا شاہکار ہے، ایسا کیوں نہ ہو کہ یہ رب العالمین کا کلام ہے، اسی

نے انسان کو قوتِ گویائی سے نوازا ہے، ان آیات پر غور کیجیے صرف دو جملوں میں کامیابی اور ناکامی کو بیان فرما دیا ہے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا○ وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا﴾ (الشمس:۹/۹۱-۱۰)

''یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کر لیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو دبا دیا (خاک میں ملا دیا)۔''

مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں:

''ان آیات میں اسی الہام فطری کی تشریح ہے یعنی انسان کی طبیعت میں یہ القا کر دیا گیا کہ نجات و فلاح اس کے لیے ہے جس نے نفس کو راہِ فجور سے پاک کر کے طریقِ طاعت و تقویٰ اختیار کر لیا اور ہلاکت اور بربادی اس کے لیے ہے جس نے اپنے کو فجور (برے عمل) سے مغلوب ہو جانے دیا۔ دوسرے لفظوں میں نجات و ہلاکت دونوں کی کوشش انسان کے اپنے اختیار کی چیز ہے، اس میں تردید ہوگئی ہندو اور بدھ عقیدہ کی کہ ہر عملِ انسانی پچھلے جنم کے 'کرم' کا ناگزیر نتیجہ ہے اور اس طرح انسان اس سے جکڑا ہوا ہے۔'' (تفسیر ماجدی)

جب انسان ہوائے نفس کا شاہکار ہوتا ہے اور شیطان بھی برے اعمال کو اس کے لیے خوشنما بنا دیتا ہے تو پھر وہ بت پرستی اور قبور پرستی کا شکار ہو جاتا ہے جیسا کہ گزشتہ اَسباق میں آپ سیدنا نوحؑ کی قوم اور مشرکین مکہ کے بارے میں پڑھ چکے ہیں، اور کبھی وہ اللہ کے نیک بندوں کو اس کا جز ماننے لگتا ہے جیسا کہ یہود و نصاریٰ کا اس سے پہلے ذکر آ چکا ہے یا فرشتوں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اولاد قرار دینے لگتا ہے جیسا کہ مشرکین عرب کا عقیدہ بیان ہو چکا ہے۔

انسان کا مقام اور مرتبہ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ عزت دی ہے اور کائنات کی ہر چیز اس کے لیے مسخر کر دی ہے:

﴿وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعاً مِّنْهُ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾ (الجاثیہ:۱۳/۴۵)

اور اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی ہر ہر چیز کو بھی اپنی طرف سے تمہارے تابع کر دیا ہے، اس میں بڑی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرنے والے ہیں۔

یہ فضائیں، یہ ہوائیں، جن میں وہ تیرتا اور ہوائی سفر کرتا ہے، یہ شمس وقمر جو اسے روشنی مہیا کرتے ہیں، یہ دریا اور سمندر جو اس کی کشتیاں اور جہاز انہیں اور ان کا سامان تجارت اِدھر اُدھر لے جاتے ہیں۔ یہ بلند و بالا پہاڑ جو زمین کا توازن برقرار رکھے ہوئے ہیں ان میں سے بعض کی شادابی اور سرسبزی اور ان میں چشموں کا پھوٹنا دلآویز منظر پیش کر رہا ہے اور بعض کئی قسم کی قیمتی معدنی ذخائر سے بھرپور ہیں، یہ وسیع وعریض زمین جس پر وہ شاہراہیں، پل اور مکانات تعمیر کرتا ہے اور پھر اپنی خوراک کے لیے کھیتی باڑی کرتا ہے، باغات بناتا ہے، پھل پھول اُگاتا اور انہیں نشوونما دینے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارشوں کا نزول ہوتا ہے، انسان غور کرے تو جس خالق و مالک نے اسے پیدا کیا اور ہر مخلوق سے بہتر بنایا اور پھر کائنات کی ہر چیز کو اس کی خدمت پر مامور کر دیا، کیا اس کی عبادت کرنی چاہیے یا اس عاجز اور درماندہ مخلوق کی؟

آیئے ذرا ان آیات پر غور کرتے ہیں۔

یہ لیل ونہار کی آمد ورفت، شمس وقمر کا طلوع وغروب تو اس رب قدیر کی قدرت کے نشان ہیں، قرآن اعلان کرتا ہے:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ﴾ (حٰمٓ السجدہ: ۴۱/۳۷)

اور اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں رات اور دن، سورج اور چاند (لہٰذا تم سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو بلکہ اُس اللہ کو سجدہ کرو جس نے اُن کو پیدا کیا ہے)۔

یہ تو خود اس کے حکم کے پابند ہیں اور سرمو انحراف نہیں کرتے:

﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ○ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ○ لَا الشَّمْسُ يَنبَغِي لَهَا أَن تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ﴾ (یٰسٓ: ۳۶/ ۳۸-۴۰)

''اور سورج، وہ اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے، یہ زبردست علیم ہستی کا باندھا ہوا

حساب ہے اور چاند، اس کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں یہاں تک کہ ان سے گزرتا ہوا وہ پھر سوکھی شاخ کی مانند رہ جاتا ہے، نہ سورج کے بس میں یہ ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لے جا سکتی ہے اور سب اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں (مجال نہیں کہ ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں)۔''

پھر یہ کہ سورج اور چاند سے انسان کو اپنے برسوں کی گنتی اور حساب معلوم ہوتا رہتا ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَاءً وَّالْقَمَرَ نُوراً وَّقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابِ﴾ (یونس:۵/۱۰)

''وہ اللہ ہی ہے جس نے سورج کو روشن اور درخشندہ بنایا (کہ دن بھر کام کر کے اپنی روزی کا سروسامان کرو) اور چاند کو نورانی بنایا (کہ اس کی ٹھنڈی اور پرسکون روشنی تمہارے آرام میں خلل نہ ڈالے) اور اس کی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو۔''

یہاں یہ حقیقت ظاہر کر دی کہ اللہ نے ان اَجرامِ فلکی کو خود انسان کی خدمت و راحت اور نفع رسانی کے لیے پیدا کیا ہے۔ تو انسان کی یہ کیسی شدید حماقت ہے کہ وہ الٹا انہی کی پوجا شروع کر دیتا ہے۔ (تفسیر ماجدی)

جب تک رب کائنات کا حکم ہے یہ زمین و آسمان اور شمس و قمر قائم ہیں اور جب اس کے حکم سے قیامت قائم ہو گی تو انسان سمیت یہ تمام چیزیں زیر و زبر کر دی جائیں گی:

﴿فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ○ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ○ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ○ يَقُولُ الْإِنسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفَرُّ ○ كَلَّا لَا وَزَرَ ○ إِلَى رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ﴾

(القیمۃ:۷۵/۷-۱۲)

''(اے انسان اس دن کو یاد کر!) جب نظر چندھیا جائے گی اور چاند بے نور ہو جائے گا اور سورج اور چاند جمع کر دیے جائیں گے (سورج کی روشنی بھی چاند کی طرح زائل ہو جائے گی) اس دن انسان کہے گا کہ آج بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟ نہیں نہیں کوئی پناہ گاہ نہیں اس روز تیرے رب ہی کے سامنے جا کر ٹھہرنا ہوگا (اور زندگی کا حساب کتاب دینا ہوگا)۔''

انسان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اس پوری کائنات کا خالق و مالک صرف اور صرف ایک ہے اور باقی تمام چیزیں اس کی مخلوق ہیں اور یہ تمام اشیاء اس رب واحد کی مطیع وفرمانبردار ہیں:

﴿وَلَهُ أَسْلَمَ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعاً وَكَرْهاً وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ﴾ (آل عمران:٣/٨٢)

''زمین و آسمان کی ساری چیزیں چاروناچار اللہ ہی کے تابع فرمان (مسلم) ہیں اور اسی کی طرف سب کو پلٹنا ہے۔''

اور اس کی حمد وثناء میں مصروف ہیں:

﴿وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَـٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ﴾ (بنی اسرائیل:١٧/٤٤)

''(کائنات میں) کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کر رہی ہو مگر تم ان کی تسبیح سمجھتے نہیں ہو۔''

انسان کو تو اس محسن خالق نے مخلوقات میں شرف بخشا ہے اور خلافت ارضی کا تاج اس کے سر پر رکھا ہے، افسوس کہ اکثریت نے اس عزت وشرف کو گم کر دیا ہے، ہاں انبیائے کرام علیہم السلام نے ان کے متبعین اور ابرار و صالحین نے یقیناً اس عزت وعظمت کو پالیا ہے۔ اس لیے یہ نیک بندے اللہ تعالیٰ کے ہاں سرخرو ہو گئے ہیں:

﴿وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَـٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَـٰئِكَ رَفِيقاً﴾ (النسا:٤/٦٩)

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین، کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں۔''

اے اللہ ہمیں روشن ایمان کے ساتھ اعمالِ حسنہ کی توفیق عطا کیجیے کہ ان ابرار و صالحین کی رفاقت نصیب ہو جائے۔ آمین!

ایمان کوخراب کرنے والی باتیں

ایمان کوخراب کرنے والی چند بڑی بڑی باتیں یہ ہیں:

(۱)شرک (۲)ریا (۳)بدعت (۴)کفر (۵)نفاق (۶)ظلم (۷)خیانت۔

ویسے تو ایمان کو کمزور اور نقصان دینے والی کئی باتیں ہیں مثلاً صوم وصلوٰۃ کی پابندی نہ کرنا، استطاعت رکھتے ہوئے زکوٰۃ اور حج کی ادائیگی نہ کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا عزیز واقارب سے قطع رحمی کرنا، سود اور بے حیائی کا مرتکب ہونا، یتامیٰ کا مال کھانا، غرور وتکبر کا شکار ہونا رزقِ حرام کا حصول، جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا، چغل خوری اور غیبت کا مرتکب ہونا، معاشرے میں فتنہ وفساد پھیلانا لوگوں کے جان و مال پر ناحق حملہ کرنا پڑوسیوں کوستانا اور اس قبیل کی اور بہت سی برائیاں ایمان کوخراب اور کمزور کرتی ہیں جس کے لیے طویل مضامین کی ضرورت ہے، مندرجہ بالا چند اہم اور ضروری باتوں کا ذکر پیش خدمت ہے۔

(۱) شرک:

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، علم وحکم میں دوسروں کوشریک کرنا، ارض وسماء اور جو کچھ اس میں ہے وہ تنہا اس کا خالق و مالک ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَاءِ إِلَهٌ وَفِیْ الْأَرْضِ إِلَهٌ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ ○ وَتَبَارَكَ الَّذِیْ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَإِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ (الزخرف: ۴۳/ ۸۴، ۸۵)

”وہ اللہ آسمانوں میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی وہی قابل عبادت ہے، اور وہ بڑی

حکمت والا اور کامل علم والا ہے اور وہ بہت برکتوں والا ہے جس کے پاس آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی بادشاہت ہے اور قیامت کا علم بھی اسی کے پاس ہے اور اسی کی جانب تم سب لوٹائے جاؤ گے (جہاں ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق جزا وسزا ملے گی)۔''

غائب اور حاضر کا جاننے والا صرف اور صرف وہی ہے۔

﴿سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يَصِفُونَ ○ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾

(المؤمنون: ۲۳/۹۱،۹۲)

''پاک ہے اللہ ان باتوں سے جو یہ لوگ بناتے ہیں، وہ غائب اور حاضر کا جاننے والا ہے (بلکہ دلوں کے راز تک کو جانتا ہے) اور (انسان) جو شرک کرتے ہیں اس سے بالاتر ہے۔''

ارشاد ہوتا ہے:

﴿قُلْ إِن تُخْفُوا مَا فِيْ صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يَعْلَمْهُ اللَّهُ﴾ (ال عمران:۳/۲۹)

(اے نبیؐ لوگوں کو خبردار کیجیے) کہ تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اسے خواہ چھپاؤ یا ظاہر کرو، اللہ بہرحال اسے جانتا ہے (کیا اللہ کے سوا کوئی اور بھی ہے جو ایسی خبر رکھتا ہو؟)

پھر غور کیجیے:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيِيْ وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾

(المؤمنون: ۲۳/۸۰)

وہ اللہ ہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے اور گردش لیل ونہار اسی کے قبضہ میں ہے (کیا اس کے سوا کسی میں ایسا کرنے کی طاقت ہے)

اگر اس کے سوا بھی کوئی معبود ہوتا تو اس کائنات کا نظام کبھی سے درہم برہم ہو کر رہ جاتا۔ قرآن اس حقیقت سے پردہ اٹھاتا ہے:

﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ○ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ﴾ (الانبیاء: ۲۱/۲۲،۲۳)

''اگر آسمان و زمین میں ایک اللہ کے سوا دوسرے معبود بھی ہوتے تو (زمین و آسمان) دونوں کا نظام بگڑ جاتا (ہر معبود اپنی من مانی کرتا) پس پاک ہے اللہ رب العرش ان باتوں سے جو یہ لوگ بنا رہے ہیں (ہر شریک اور ہر قسم کے شرک سے اس کی ذات مبرا ہے) وہ اپنے ارادہ و اختیار میں (کسی کے آگے) جواب دہ نہیں اور سب (اس کے آگے) جواب دہ ہیں۔''

اس کی ذات ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی اور اسے کبھی زوال نہیں ہے۔

﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ﴾ (الفرقان:٢٥/٥٨)

(اے نبیؐ) اس اللہ پر بھروسہ رکھو جو (ہمیشہ سے) زندہ ہے اور جسے کبھی موت نہیں (وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کی تعریف کے ساتھ پاکیزگی بیان کرتے رہیں اس کی ذات بے مثل اور بے مثال ہے وہ اپنی ذات وصفات، علم وقدرت میں یکتا ہے۔ دنیا کی کسی بھی چیز کو اس سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی ہے۔

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ (الشوریٰ:٤٢/١١)

''(لوگو!) کائنات کی کوئی چیز اللہ کے مشابہ نہیں اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔''

عرش سے فرش تک کائنات کی ہر مخلوق اور ہر چیز کو اس نے پیدا کیا اور اس نے بنایا ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔

﴿اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيْلٌ﴾ (الزمر:٣٩/٦٢)

''اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔''

اور ہر چیز اس خالق کے سامنے عاجزی سے جھکی ہوئی ہے۔ یہ آفتاب و ماہتاب، ستارے اور سیارے، پہاڑ اور دریا، چرند و پرند، حیوانات و نباتات غرضیکہ ہر چیز اس کی مطیع اور فرمانبردار ہے اور کیا انسان (جس کو رب کائنات نے کُلِ سرسبُز کا رتبہ عطا فرمایا ہے) اس کی نافرمانی اور سرتابی پر تل جائے؟

﴿أَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ﴾ (ال عمران:٣/٨٣)

اب کیا یہ لوگ اللہ کی اطاعت کا طریقہ (دین اللہ) چھوڑ کر کوئی اور طریقہ چاہتے ہیں؟

حالانکہ آسمان و زمین کی ساری چیزیں چار و ناچار اللہ ہی کی تابع فرمان ہیں (یعنی مسلم ہیں)
اور اسی کی طرف سب کو پلٹنا ہے۔

اور انسان بھی کافی حد تک اس احکم الحاکمین کے حکم کے سامنے عاجز اور بے بس نظر آتا ہے...... کیا موت و حیات میں اس کی بے بسی نظر نہیں آتی؟ کیا بیماری اور تکلیف میں کراہنے نہیں لگتا؟ کیا بھوک اور پیاس کی شدت میں اسے کھانے پینے کی طلب نہیں ہوتی؟ کیا دن بھر کام کاج کے بعد اس پر نیند غالب نہیں آتی؟

﴿أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ءَ إِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ قَلِيلاً مَّا تَذَكَّرُونَ﴾ (النمل:٢٧/٦٢)

''کون ہے جو بے قرار کی دعا سنتا ہے جبکہ وہ اسے پکارے اور کون اس کی تکلیف کو رفع کرتا ہے؟ اور (کون ہے جو) تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی (یہ کام کرنے والا) ہے؟ تم لوگ کم ہی سوچتے ہو۔''

یہ وسیع و عریض زمین کس نے بچھادی؟ اور کس نے انسان کو عقل و شعور سے نوازا کہ وہ اس پر شاہراہیں اور مکانات تعمیر کر لیتا ہے اور طول طویل سمندر کس نے بنایا اور کس نے انسان کو بڑے بڑے بحری جہازوں کو بنانے اور اس میں تیرانے کا فن سکھایا اور باران رحمت سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں کون چلاتا ہے؟ قرآن حکیم کس خوبی سے اس حقیقت کو بیان کرتا ہے:

﴿أَمَّن يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَن يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْراً بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ءَ إِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ (النمل: ٢٧/٦٣)

''اور وہ کون ہے جو خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں تم کو راستہ دکھاتا ہے اور جو اپنی رحمت (یعنی بارش) سے پہلے ہی خوشخبری دینے والی (ٹھنڈی) ہوائیں چلاتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے جنہیں یہ شریک کرتے ہیں (ان کے شرک اور ان کے تمام بنانے والے شریکوں سے) اللہ تعالیٰ بلند و بالاتر ہے۔''

انسان کی پیدائش اور حیات انسانی کے مختلف مراحل سے اللہ تعالیٰ کی قدرت عیاں ہوتی ہے...... شکم

مادر، شیر خوار بچہ، لڑکپن، جوانی، بڑھاپا اور جس قدر عمر بڑھتی ہے کمزوری میں بھی اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

﴿وَمَنْ نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ أَفَلَا يَعْقِلُونَ﴾ (یسین:٣٦/٦٨)

(رب کریم کا فرمان ہے) جس شخص کو ہم لمبی عمر دیتے ہیں اس کی ساخت کو ہم الٹ ہی دیتے ہیں (یہ حالات دیکھ کر) انہیں عقل نہیں آتی۔

''جب وہ بچہ ہوتا ہے تو اس کی نشو ونما جاری رہتی ہے اور اس کی عقل اور بدنی قوتوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے حتی کہ جوانی کے بعد کہولت (بڑھاپے) کو پہنچ جاتا ہے۔اس کے بعد اس کے قوائے عقلیہ و بدنیہ میں ضعف و انحطاط کا عمل شروع ہو جاتا ہے حتیٰ کہ ایک بچے کی طرح (نحیف و نزار) ہو جاتا ہے۔'' (احسن البیان)

دنیا میں بڑے بڑے اطبا اور ڈاکٹر صاحبان گزرے ہیں اور آئے دن سائنس کے میدان میں ریسرچ ہوتی رہتی ہے، مگر کون ہے جو بڑھاپے اور موت کا تریاق تلاش کر سکا ہے؟ اور پھر قرآن اس حقیقت کو بھی واضح کرتا ہے۔

کہ کوئی شخص بھی اپنی موت کی جگہ اور وقت سے آگاہ نہیں ہے، اسے صرف وہی خالق و مالک ہی جانتا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَداً وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ (لقمٰن:٣١/٣٤)

''کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا اور نہ یہ جانتا ہے کہ کس جگہ وہ دم توڑے گا۔''

﴿مَّاذَا تَكْسِبُ غَداً﴾ دین اور دنیا میں سے کونسا عمل کمائے گا۔

﴿وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ﴾ کوئی شخص نہیں جانتا ہے کہ کس جگہ اللہ تعالیٰ اس کی روح قبض کرے گا۔ (زبدةُ التفسیر۔ ماخوذ فتح القدیر امام شوکانیؒ)

پھر غور کیجئے کہ تم میں سے کوئی پہلے ہی واپس بلا لیا جاتا ہے شکم مادر، شیر خوارگی، لڑکپن، جوانی، بڑھاپا، ان میں سے کسی کو کسی وقت بھی وہ خالق و مالک موت دے سکتا ہے، جس کا مشاہدہ ہم روزانہ کرتے ہیں۔

﴿وَمِنكُم مَّن يُتَوَفَّى وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ﴾ (الحج:۲۲/۵)

''تم میں سے کوئی پہلے ہی واپس بلا لیا جاتا ہے (عمر کے کسی حصے میں بھی) اور بعض ناکارہ کارکردگی کی عمر تک پہنچائے جاتے ہیں۔''

اور ایسی سینکڑوں آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور ربوبیت آشکارا ہوتی ہے۔

لوگوں میں شرک اور گمراہی کیوں پھیلتی ہے اس پر آئندہ گفتگو ہو گی ان شاء اللہ

شرک کیسے پھیلتا ہے:

ا) وہم و گمان:

ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللّهِ شُرَكَاء إِن يَتَّبِعُونَ إِلاَّ الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلاَّ يَخْرُصُونَ﴾ (یونس:۱۰/۶۶)

اور جو لوگ اللہ کے سوا کچھ (خودساختہ) شریکوں کو پکار رہے ہیں وہ نرے وہم و گمان کے پیرو ہیں اور محض قیاس آرائیاں کر رہے ہیں۔

اور وہم و گمان اور محض قیاس آرائیاں تو کسی انسان کو راہ ثواب اور حقیقت تک تو نہیں پہنچا سکتیں قرآن حکیم اس جہالت سے اس طرح پردہ اٹھاتا ہے۔

﴿وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلاَّ ظَنّاً إَنَّ الظَّنَّ لاَ يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئاً﴾ (یونس:۱۰/۳۶)

اور ان میں سے اکثر محض گمان کے پیچھے چل رہے ہیں اور گمان، حق کا بدل ذرا بھی نہیں ہو سکتا۔

سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

''وہ لوگ جنہوں نے مذہب بنائے جنہوں نے فلسفے تصنیف کیے اور جنہوں نے قوانین حیات تجویز کیے، انہوں نے بھی یہ سب کچھ علم کی بنا پر نہیں بلکہ گمان و قیاس کی بنا پر کیا اور جنہوں نے ان مذہبی اور دنیوی رہنماؤں کی پیروی کی انہوں نے بھی جان کر اور سمجھ کر نہیں بلکہ محض اس گمان کی بنا پر ان کا اتباع اختیار کر لیا کہ ایسے بڑے بڑے لوگ جب یہ کہتے ہیں اور باپ دادا ان کو مانتے چلے آ رہے ہیں اور ایک دنیا ان کی پیروی کر رہی ہے تو ضرور

ٹھیک ہی کہتے ہوں گے۔ (مختصر حواشی)

قرآن حکیم نے گمان و قیاس کی راہ کو ٹھکرا کر علم کی بنیاد حقیقت اور صداقت پر رکھی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ انسانوں کو عطا فرمایا اور رب کائنات کی ذات اقدس حق ہے اور اس نے ہی زمین و آسمان اور ان کے درمیان ہر چیز کو پیدا فرمایا اور اسی نے انسان کو مخلوقات میں سے افضل بنایا اور اسے زندگی گزارنے کا منشور عطا فرمایا جو سراسر حق ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ذَلِکَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِن دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ﴾ (الحج:۲۲/۶۲)

(جان رکھو!) اللہ ہی حق ہے اور وہ سب باطل ہیں جنہیں (یہ مشرکین) اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہیں۔

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ﴾ (یونس:۱۰/۱۰۸)

''(اے نبیؐ) کہہ دیجیے کہ لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آچکا ہے۔''

ب) اندھی تقلید:

﴿فَلاَ تَکُ فِیْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هَـؤُلاء مَا يَعْبُدُونَ إِلاَّ كَمَا يَعْبُدُ آبَاؤُهُم مِّن قَبْلُ﴾ (هود:۱۱/۱۰۹)

''(پس اے نبیؐ) آپ اِن (مشرکین کے جھوٹے معبودوں) کی طرف سے کسی شک میں نہ رہیں جن کی یہ لوگ عبادت کر رہے ہیں، یہ تو (بس لکیر کے فقیر بنے ہوئے) اسی طرح پوجا پاٹ کیے جا رہے ہیں جس طرح پہلے ان کے باپ دادا کرتے تھے۔''

ج) نفسانی خواہشات:

﴿أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَى عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَى بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَن يَهْدِيهِ مِن بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ﴾ (الجاثيه:۴۵/۲۳)

''کیا آپ نے کبھی اس شخص کے حال پر بھی غور کیا جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور اللہ نے علم کے باوجود اسے گمراہی میں پھینک دیا ہے اور اس کے دل اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے، اللہ کے بعد اور کون ہے جو اسے ہدایت دے؟ کیا تم لوگ کوئی سبق نہیں لیتے؟

اپنی خواہشات کو معبود بنانا:

یہ وہی شخص ہو سکتا ہے جسے اللہ کے سامنے حاضر ہونے اور اپنے اعمال کی جوابدہی کا یقین نہ ہو، ایسے شخص کی زندگی کا مقصد بس یہی رہ جاتا ہے کہ اپنے نفس کی خواہشات کو پورا کرتا جائے، کوئی اخلاقی پابندی یا شریعت کی عائد کردہ پابندیوں کو قبول نہ کرے، ایسا شخص نہ اللہ تعالیٰ کے اوامر کی تعمیل کرنا گوارا کر سکتا ہے اور نہ نواہی سے اجتناب کر سکتا ہے، وہ تو ظلم و عصیاں میں شتر بے مہار کی طرح آگے ہی بڑھتا چلا جاتا ہے۔

علم گمراہی کا سبب کیسے بنتا ہے؟

اَضَلَّهُ اللّٰهُ علی علمٍ کے کئی مطلب ہو سکتے ہیں...... ایک یہ کہ اللہ کے ازلی علم میں یہ بات طے شدہ تھی کہ وہ شخص (جو خواہشات کو معبود بناتا ہے) گمراہ ہوگا، تو اللہ نے اسے گمراہی کے راستہ پر چلا دیا جس پر وہ چل رہا تھا، دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص خیر و شر کی پوری تمیز اور اس کا علم رکھتا تھا لیکن جب وہ اپنی خواہشات کے پیچھے پڑ گیا تو اللہ نے اسے اس کے علم کے باوجود گمراہ کر دیا، تیسرا مطلب یہ ہے کہ آخرت کے منکرین اور دہریوں کا بھی ایک فلسفہ ہوتا ہے جو انہیں گمراہی کی طرف لے جاتا ہے اور اللہ بھی ایسے لوگوں کو گمراہ کر دیتا ہے اور چوتھا یہ کہ سب مذہبی فرقوں کے بانی عموماً عالم اور ذہین لوگ ہی ہوا کرتے ہیں، جو اپنی خواہشات کے پیچھے لگ کر کتاب و سنت میں تاویل کر کے اپنا نظریہ کشید کر لیتے ہیں (اس سے بدعات اور خرافات پھیلتی ہیں جن کا دین سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا)۔

(تیسیر القرآن، عبدالرحمن کیلانی)

منکرین اور دہریوں کے فلسفہ حیات کو قرآن اس طرح بیان کرتا ہے:

﴿وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُم بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ﴾ (الجاثیہ:٤٥/٢٤)

”اور وہ کہتے ہیں کہ ہماری زندگی تو بس اس دنیا کی زندگی تک ہے (یہیں) ہم مرتے اور جیتے ہیں اور گردشِ ایام کے سوا کوئی چیز نہیں جو ہمیں ہلاک کرتی ہو، درحقیقت اس معاملہ میں ان کے پاس کوئی علم نہیں ہے، یہ محض گمان کی بنا پر یہ باتیں کرتے ہیں۔“

ظاہر ہے کہ یہ نظریہ عقل بھی قبول نہیں کرتی اور نقل کے بھی خلاف ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی لکھتے ہیں:

''دہریہ لوگ (اور منکرین آخرت) دراصل فریب خوردگی میں مبتلا ہوتے ہیں اور اس میں مبتلا رہنا چاہتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ''ہمیں زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے حالانکہ زمانہ تو گردش لیل ونہار کا ہی دوسرا نام ہے جس میں نہ حس ہے نہ شعور، نہ تصرف نہ اختیار پھر وہ ہمیں ہلاک کیسے کرتا ہے؟ لامحالہ ان کے ذہن میں کوئی اور چیز ہوتی ہے جو حس شعور، تصرف اور اختیار رکھتی ہو مگر وہ اس کا نام نہیں لینا چاہتے، وہ اللہ ہے جس کا وجود علی الاطلاق تصرف واضح دلائل سے ثابت ہے اور زمانہ کا الٹ پھیر اور گردش لیل ونہار بھی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے (و اللہ یقدّرُ الّیلَ و النّھار (المزمل:۲۰/۷۳) اور اللہ ہی رات اور دن کا حساب کتاب رکھتا ہے) (تیسر القرآن)

پھر غور کیجیے کہ موت کے وقت اور جگہ کے تعین کی کسی کو خبر نہیں ہے...... شیرخوارگی، بچپن، لڑکپن، جوانی، بڑھاپا، ان میں کسی سٹیج پر جب بھی اللہ تعالیٰ قادر مطلق چاہے روح قبض کر لیتا ہے اور پھر کسی انسان کو اس کی بھی خبر نہیں ہے کہ وہ کس سرزمین میں دم توڑے گا فضا میں، سمندر میں، گھر میں یا گھر سے باہر، قرآن اس حقیقت کو اس طرح بیان کرتا ہے:

﴿وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَداً وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِأَیِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ﴾ (لقمان:۳۴/۳۱)

''اور نہ ہی کسی شخص کو یہ خبر ہے کہ وہ کل کیا عمل کرے گا اور کس سرزمین میں اس کی موت آنی ہے، اللہ ہی سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔''

مہر لگانے کا مطلب:

کوئی شخص سماعت کے لیے کان تو رکھتا ہے مگر حق بات سننے کے لیے تیار نہیں ہے، سوچ بچار کے لیے دل و دماغ تو موجود ہیں مگر وہ حق بات کو سمجھنے کی طلب اور تڑپ سے محروم ہیں اِسی طرح بصارت تو ظاہری طور پر موجود ہے مگر بصیرت سے تہی دامن ہے۔ (فتح القدیر، امام شوکانی)

عبرت حاصل کرنا:

اب اللہ کے بعد کون ہے جو اسے راہ راست دکھائے؟ کیا تم پھر بھی (ایسی عبرت انگیز اور سچی مثالوں پر) غور کرتے ہو نہ ان سے عبرت حاصل کرتے ہو؟ (حُسنِ قرآن، ڈاکٹر نصیر احمد)

قرآن حکیم نے ایسے لوگوں کا ذکر مختلف مقامات پر کیا ہے:

﴿لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ﴾ (الاعراف:۷/۱۷۹)

''اُن کے پاس دل ہیں، مگر وہ ان سے سوچتے نہیں (حق بات کو) ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں (مشاہدہ حق سے محروم رکھتے ہیں) ان کے پاس کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں (سچی بات سننے کے لیے تیار نہیں) وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے، یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھو گئے ہیں۔''

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا تھا دل، دماغ، آنکھیں اور کان دے کر مگر ظالموں نے ان سے کوئی کام نہ لیا اور اپنی غلط کاریوں کی بدولت آخر کار جہنم کے قابل بن کر رہے۔

(مختصر حواشی، سید مودودی)

قرآن حکیم میں حقیقی طور پر اندھا پن کس بات کو کہا گیا ہے؟

﴿أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾ (الحج:۲۲/۴۶)

کیا ان لوگوں نے اس سرزمین میں سیاحت بالحق نہیں کی کہ (تباہ شدہ قوموں کے المناک مناظر کے مشاہدے سے) ان کے دل دماغ ایسے عبرت پذیر و فعّال ہو جاتے کہ ان کی بدولت ادراکِ حقائق کر سکتے اور کان حق شناس بن جاتے، حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، بلکہ دل و دماغ جو سینوں میں ہیں، وہ بے نور اور بے بصر ہوتے ہیں۔

کتمان حق اور اللہ تعالیٰ کی شریعت میں رد و بدل کرنا اور وہ بھی دنیا کے چند حقیر سکوں کے عوض اہل بدعت کا وطیرہ رہا ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدٰى مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِيُ الْكِتَابِ أُولَـئِكَ يَلعَنُهُمُ اللّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ﴾ (البقرہ:۲/۱۵۹)

''جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی روشن تعلیمات اور ہدایات کو چھپاتے ہیں دراں حالیکہ ہم انہیں سب انسانوں کی رہنمائی کے لیے اپنی کتاب میں بیان کر چکے ہیں، یقین جانو کہ اللہ ان پر لعنت کرتا ہے (وہ اللہ کی رحمت و مغفرت سے محروم ہو جاتے ہیں)۔ اور تمام لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں (انہیں بد دعا دیتے ہیں کہ اللہ کی رحمت و مغفرت سے دور رہیں)''

علمائے یہود کو جو حصول دنیا کی خاطر حق کو چھپاتے اور لوگوں کو خوش کرنے کے لیے مسائل دین میں ردو بدل کرتے اس طرح تنبیہ کی جا رہی ہے:

﴿وَلاَ تَشْتَرُواْ بِآيَاتِيُ ثَمَناً قَلِيْلاً وَإِيَّايَ فَاتَّقُونِ○ وَلاَ تَلْبِسُواْ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُواْ الْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (البقرہ:۲/۴۱،۴۲)

''(رب کریم کا ارشاد ہے) تھوڑی قیمت پر میری آیات کو نہ بیچ ڈالو اور میرے غضب سے بچو، باطل کا رنگ چڑھا کر حق کو مشتبہ نہ بناؤ اور نہ جانتے بوجھتے حق کو چھپانے کی کوشش کرو۔''

تھوڑی قیمت سے مراد وہ دنیوی فائدے ہیں جن کی خاطر یہ لوگ اللہ کے احکام اور اس کی ہدایات کو رد کر رہے تھے، حق فروشی کے معاوضے میں خواہ انسان دنیا بھر کی دولت حاصل کر لے بہرحال وہ (آخرت کے مقابلے میں) تھوڑی قیمت ہی ہے کیونکہ حق یقیناً اس سے گراں تر چیز ہے۔

اہل کتاب کی اس حق فروشی کا ذکر ایک دوسرے مقام پر اس طرح آتا ہے:

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللّهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ أُوتُواْ الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلاَ تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاء ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْاْ بِهِ ثَمَناً قَلِيْلاً فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ﴾ (ال عمران:۳/۱۸۷)

''(اے نبیؐ) ان اہل کتاب کو وہ عہد بھی یاد دلایئے جو اللہ نے ان سے لیا تھا کہ تمہیں کتاب کی تعلیمات کو لوگوں میں پھیلانا ہوگا اور انہیں چھپانا نہ ہوگا، مگر انہوں نے کتاب کو

پس پشت ڈال دیا اور تھوڑی قیمت پر اسے بیچ ڈالا، کتنا برا کاروبار ہے جو یہ کررہے ہیں۔"

اہل کتاب کو زجر وتوبیخ کی جارہی ہے کہ ان سے اللہ نے یہ عہد لیا تھا کہ کتاب الٰہی (تورات اور انجیل) میں جو باتیں درج ہیں اور آخری نبیؐ کی جو صفات ہیں انہیں لوگوں کے سامنے بیان کریں گے اور انہیں چھپائیں گے نہیں لیکن ان لوگوں نے دنیا کے تھوڑے سے مفادات کے لیے اللہ کے عہد کو پس پشت ڈال دیا، یہ گویا اہل علم کو تلقین وتنبیہ ہے کہ ان کے ہاں جو علم نافع ہے جس سے لوگوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح ہوسکتی ہو، وہ لوگوں تک ضرور پہنچانا چاہیے اور دنیوی اغراض و مفادات کی خاطر ان کو چھپانا بہت بڑا جرم ہے، قیامت والے دن ایسے لوگوں کو آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔(کما فی الحدیث)

(بحوالہ احسن البیان)

پھر ان مفاد پرست علماء اور درویشوں کو لوگوں نے کیا کچھ بنا ڈالا، قرآن اس کا ذکر اس طرح کرتا ہے:

﴿اتَّخَذُواْ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ﴾ (التوبہ: ۳۱/۹)

"انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا ہے۔"

اس کی تفسیر سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث سے بخوبی ہو جاتی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے یہ آیت سن کر عرض کیا کہ یہود و نصاریٰ نے تو اپنے علماء کی کبھی عبادت نہیں کی، پھر یہ کیوں کہا گیا ہے کہ انہوں نے ان کو رب بنالیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ٹھیک ہے کہ انہوں نے ان کی عبادت نہیں کی لیکن یہ بات تو ہے نا، کہ ان کے علماء نے جس کو حلال قرار دے دیا، اس کو انہوں نے حلال اور جس چیز کو حرام کر دیا اس کو انہوں نے حرام سمجھا، یہی ان کی عبادت کرنا ہے (یہی تو شرک ہے)۔ (بحوالہ احسن البیان)

حرام وحلال کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے یہی حق اگر کوئی شخص کسی اور کے اندر تسلیم کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اس کو اپنا رب بنالیا ہے، اس آیت میں اُن لوگوں کے لیے بڑی تنبیہ ہے جنہوں نے اپنے پیشواؤں کو تحلیل وتحریم کا منصب دے رکھا ہے اور ان کے اقوال کے مقابلے میں وہ نصوصِ قرآن وحدیث کو بھی اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔ (احسن البیان)

د) شیطان:

شرک پھیلانے میں شیطان اور اس کے چیلے بہت اہم رول ادا کرتے ہیں قرآن حکیم کی کئی آیات میں اور احادیث مبارکہ میں ان کی گمراہیاں پھیلانے کا ذکر آیا ہے:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاء فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ اللّهِ وَعَنِ الصَّلوٰةِ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ﴾ (المائدہ:٥/٩١)

''شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے، پھر کیا تم ان چیزوں (اور اس کی تمام باتوں سے) رک جاؤ گے۔''

﴿وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ﴾ (النمل:٢٧/٢٤)

شیطان نے ان کے اعمال ان کے لیے خوشنما بنا دیئے اور انہیں شاہراہ حق سے روک دیا۔ پس وہ ہدایت نہیں پائیں گے۔

شرک یقیناً نا قابل معافی جرم ہے:

شرک ایسا جرم ہے کہ اگر دنیا میں سچے دل سے اللہ تعالیٰ کے حضور معافی نہ مانگی جائے تو روزِ قیامت اس جرم کی معافی نہ ہوگی:

﴿إِنَّ اللّهَ لاَ يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَن يَشَاءُ وَمَن يُشْرِكْ بِاللّهِ فَقَدِ افْتَرَى إِثْماً عَظِيماً﴾ (النساء:٤/٤٨)

''اللہ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک ٹھہرایا جائے اس کے سوا جو کچھ ہے اس کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔ اور جو اللہ کے ساتھ شریک مقرر کرے اس نے بہت بڑا گناہ اور بہتان باندھا۔''

شرک

ا) انفس و آفاق پر غور وفکر:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل وفکر اور فہم وشعور سے نوازا ہے، وہ اپنے جسم پر غور کرے تو اسے رب کائنات کی کاریگری کا ادراک ہو جائے گا۔ یہ آنکھیں، یہ کان یہ ہاتھ پاؤں، یہ دل و دماغ گویا جسم کا ہر ہر حصہ بے بہا نعمت ہے، پھر اس کے لیے روحانی اور جسمانی کتنی نعمتیں ہیں...... یہ انواع و اقسام کی

غذائیں یہ شریں اورلذیذ پھل، یہ طرح طرح کی سبزیاں اور اناج یہ میٹھا پانی، یہ روشنی اور ہوا، یہ بلند و بالا پہاڑ اور ان پر پھیلا ہوا سبزہ، یہ نیلگوں آسمان اور شب کو ان پر چمکتے ہوئے ستارے، یہ آفتاب و ماہتاب کیا ان سے رب قدیر کی کاریگری ہویدا نہیں ہوتی؟ پھر انسان کی روحانی غذا کے لیے اس علیم و خبیر نے اسے علم و ہنر سے نوازا، پڑھنے لکھنے کی تعلیم دی، قوت گویائی عطا فرمائی اور انبیاء کرام کو بھیجا جن نیک بندوں کی زندگیاں لوگوں کے لیے نمونہ بنیں اور خاتم النبیین محمد ﷺ کی حیات طیبہ نسل انسانیت کے لیے اسوۂ حسنہ قرار پائی ان نفوس قدسیہ کو اللہ تعالیٰ نے وحی کی ہدایت سے نوازا جس پر عمل پیرا ہو کر انسانوں کو دنیا اور آخرت میں کامیابی کی نوید سنائی گئی، جب تک اللہ تعالیٰ کی ان اَن گنت نعمتوں کا دل میں احساس پیدا نہ ہو شکر کے جذبات پرورش نہیں پا سکتے اور نہ انسان شرک سے بچ سکتا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ○ وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ﴾ (الذاریات:۵۱/۲۱)

''اور زمین میں بھی (اللہ تعالیٰ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں یقین کرنے والوں کے لیے اور خود تمہارے اندر بھی، کیا تم دیکھتے نہیں؟''

حقیقت یہ ہے کہ شرک ظلم عظیم ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ (لُقمٰن:۳۱/۱۳)

''اور (یاد کرو) جبکہ لقمان نے اپنے بیٹے سے...... اس کو نصیحت کرتے ہوئے کہا...... کہ اے میرے بیٹے! اللہ کا شریک نہ ٹھہرائیو، بے شک شرک ایک بہت بڑا ظلم ہے۔''

مولانا محمد یوسف اصلاحی لکھتے ہیں:

''ظلم کے معنی ہیں نا انصافی کرنا، حق مارنا اور کسی کو اس کے حقیقی مقام کے بجائے گھٹیا مقام پر رکھنا، شرک پر جس پہلو سے غور کیجئے وہ ظلم عظیم ہی ہے، اس سے بھاری ظلم اور کیا ہوگا کہ آدمی اپنے خالق و مالک، قدیر و خبیر رب کو ایسی عاجز اور بے اختیار ہستیوں کے برابر قرار دینے لگے جو خود اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں اور اپنی موت وحیات میں اسی کی محتاج ہیں، پھر خود

اشرف المخلوقات ہو کر اپنے سے حقیر تر مخلوقات کے سامنے سر جھکائے اور عاجزی کرے پھر اپنے نفس کے ساتھ یہ کتنی بڑی زیادتی ہے کہ اسے شرک کی گندگیوں میں پھنسا کر آدمی جہنم کا ایندھن بنالے، حالانکہ یہ امانت اس لیے دی گئی تھی کہ اس کی تربیت کر کے اس کو جنت میں اعلیٰ درجات کا مستحق بنایا جائے۔ (قرآنی تعلیمات حصہ اول)

یہ معبودانِ باطل جن کو یہ مشرکین، اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مدد کے لیے پکارتے ہیں قرآن حکیم ان کی بیچارگی اور بے بسی کا ذکر اس طرح کرتا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَاباً وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِن يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئاً لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ○ مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾

(الحج:٢٢/٧٣-٧٤)

''لوگو! ایک مثال دی جاتی ہے، غور سے سنو، جن معبودوں کو تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے (اور پیدا کرنا تو الگ رہا) اگر مکھی ان کی (خوراک وغیرہ میں سے) کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ اسے چھڑا بھی نہیں سکتے، (حقیقت یہ ہے کہ) مدد چاہنے والے بھی کمزور اور جن سے مدد چاہی جاتی ہے وہ تو کمزور (تر) ہیں، انہوں نے اللہ کی......جیسا کہ اس کا حق ہے......قدر نہیں پہچانی، واقعہ یہ ہے کہ قوی اور غالب تو اللہ ہی ہے۔''

اس آیت پر بھی غور کر لیجیے:

﴿وَإِن يَمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلاَ كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِن يَمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (الانعام:٦/١٧)

''اگر اللہ تجھ کو کسی دکھ میں مبتلا کر دے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو اس کو دور کرنے والا بن سکے اور اگر کسی خیر سے بہرہ مند کرے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے (نہ اس کی لائی ہوئی مصیبت کو کوئی ٹال سکتا ہے اور نہ اس کی پہنچائی ہوئی بھلائی کو کوئی روک سکتا ہے)۔''

یہ وہ حقائق ہیں جو ہر شخص ......خواہ شہری ہو یا دیہاتی، پڑھا لکھا ہو یا اَن پڑھ جانتا اور پہچانتا ہے، اگر وہ کسی مریض کو شفا دینا چاہے تو معمولی سی دوائی سے بھی شفا عطا فرما دیتا ہے اور اگر وہ نہ دینا چاہے تو قیمتی سے قیمتی ادویات بھی بے اثر اور بیکار ثابت ہوتی ہیں اور قابل سے قابل ڈاکٹر اور اَطِبّا بھی ایسے مریض کے لیے بے بس اور مجبور نظر آتے ہیں، قرآن حکیم نے اللہ تعالیٰ کی توحید پر مختلف آیات میں مضبوط اور روشن دلائل دیئے ہیں اور شرک سے سختی کے ساتھ روکا ہے۔

شرک سے بچنے کا طریقہ

(ا) اَنفس و آفاق ہر شخص کے لیے کھلی کتاب ہے اور رب کائنات کی قدرت کے نشان ظاہر و باہر، ہیں اور اس کی عطا کردہ عقل و فکر کو کام میں لانے سے راہِ حق کو پانا مشکل نہیں ہے۔

(ب) شیطان اور اس کے لشکر کا مقابلہ:

دنیا میں ہر قسم کا شرک اور کفر، برائی اور بے حیائی دنگہ اور فساد، لڑائی اور جھگڑے شیطان (ابلیس) اور اس کا لشکر پھیلاتا ہے، اس کا مقابلہ صرف اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر سنت نبویؐ کے مطابق مضبوطی سے عمل پیرا ہوا جائے اور ہر لمحہ اور ہر ساعت رب کریم کی ہدایت اور رحمت طلب کی جائے، نماز کی ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ بے حد قیمتی اور مجرب دعا ہے جس میں بندۂ مومن اپنے رب سے ہدایت اور استقامت کا طلبگار رہتا ہے۔ قرآن حکیم میں اہل ایمان کو اس طرح نصیحت کی جا رہی ہے:

﴿فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ النَّصِيرُ﴾ (الحج:۲۲/۷۸)

”(مسلمانو!) نمازیں قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور (قرآن حکیم پر سنت نبوی کے مطابق عمل پیرا ہوکر) اللہ تعالیٰ سے جڑے رہو، وہی تمہارا مولیٰ (حافظ و ناصر ہے) وہ اتنا اچھا تمہارا مولیٰ اور کس قدر عمدہ مددگار ہے۔“

ہر بندۂ مومن کو اس بات کی تمنا رکھنی چاہیے کہ وہ ”حزبُ اللہ“ (یعنی اللہ تعالیٰ کی جماعت) میں شامل ہو اور کامیابی تو اسی جماعت کا مقدر ہے۔

﴿وَمَن يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ﴾ (المائدہ:۵/۵۶)

''اور جو اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کو اپنا رفیق بنالے، اسے معلوم ہو کہ اللہ کی جماعت ہی غالب رہنے والی ہے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت یقیناً حزب اللہ تھی جنہیں اپنے مولا و مالک کی رضامندی حاصل ہوئی اور دین و دنیا کی سرفرازیاں انہیں کے حصہ میں آئیں۔

ارشاد ہوتا ہے:

''آپ ان لوگوں کو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ایسا نہ پائیں گے کہ وہ ان لوگوں سے دوستی رکھیں جو اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہیں خواہ وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے خاندان ہی کے لوگ کیوں نہ ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان ثبت کر دیا ہے اور ان کو اپنے فیض خاص سے قوت عطا فرمائی ہے (وہ دنیا میں بھی فیضیاب ہوں گے) اور (آخرت میں اللہ تعالیٰ) ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے (یہ ان کا اجر ہے اور فیضان یہ ہے کہ)۔

﴿رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَ رَضُوۡعَنۡهُ، اولٰٓئِکَ حِزۡبُ اللّٰهِ، اَلَآ اِنَّ حِزۡبَ اللّٰهِ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ﴾ (المجادلہ:۵۸/۲۲)

''اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے (یہ اعتماد یہ رضا، یہ لطفِ رضا، یہ مسرت یہ راحت جسے ملے وہی جانے) یہ لوگ اللہ کی جماعت ہیں (ان کی نمازیں ان کی تمام عبادات، جینا اور مرنا سب کچھ اللہ ہی کے لیے ہے) سن رکھو کہ اللہ ہی کی جماعت فوز و فلاح سے ہمکنار ہونے والی ہے۔''

اور ''حزبُ الشیطٰن'' (یعنی شیطان کی جماعت اور اس کی تباہی و بربادی کا ذکر اس طرح ہوا)۔

''(بات یہ ہے کہ) ان پر شیطان نے قابو پا لیا ہے پھر اس نے اللہ کی یاد ان (کے دلوں) سے بھلا دی ہے۔

﴿اُولٰٓئِکَ حِزۡبُ الشَّیۡطَانِ اَلا اِنَّ حِزۡبَ الشَّیۡطَانِ هُمُ الۡخَاسِرُوۡنَ﴾ (المجادلہ:۵۸/۱۹)

''یہی لوگ شیطان کا گروہ ہیں، خوب سن لو کہ شیطان ہی کا گروہ نقصان اٹھانے والا ہے

(اس گروہ کو اللہ کے عذاب سے کوئی بچا نہیں سکتا)۔''

شیطان اور اس کے گروہ سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ کوئی شخص دین پر مضبوطی سے جما رہے اور مسلسل اللہ تعالیٰ کی مدد تلاش کرتا رہے اور ان دعائیہ کلمات کے پڑھنے کو حرز جاں بنائے۔

﴿اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾

''میں پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کی شیطان مردود سے بچنے کے لیے۔''

﴿وَقُل رَّبِّ أَعُوذُ بِکَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ ۝ وَأَعُوذُ بِکَ رَبِّ أَن يَحْضُرُونِ﴾ (المؤمنون:۲۳/۹۷-۹۸)

''اور (اے نبیؐ) دعا کرتے رہیے کہ اے میرے رب! میں شیاطین کے وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور اے میرے رب! میں اس سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں (یعنی مجھے شیطانی وسوسوں اور شیاطین دونوں سے دور رکھ نہ ان کے وسوسوں کو مجھ تک پہنچنے دے اور نہ خود ان کو)۔''

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی لکھتے ہیں:

''ان آیات سے پہلے ان دشمنوں کا ذکر تھا جو انسانوں سے تعلق رکھتے ہیں (یعنی مشرکین اور کفار کا) وہ خود بھی اور ان کے معاندانہ اعمال و افعال بھی سب کچھ کم از کم نظر تو آتے ہیں اور انسان ان کا مداوا بھی سوچ سکتا ہے، ان دو آیات میں ان دشمنوں کا ذکر ہے جو جنوں یا شیطانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور جو انسانوں کے جسم میں داخل ہو کر بُرے خیالات اور برے ارادوں کے ذریعہ یوں حملہ آور ہوتے ہیں کہ انسان نہ انہیں دیکھ سکتا ہے اور نہ ان کی کارکردگی کو، اور بعض دفعہ انسان ایسے دشمن کے وسوسوں پر کوئی ایسی حرکت کر بیٹھتا ہے جو اس کے برسوں کے کیے کرائے پر پانی پھیر دیتی ہے، ایسے دشمن کے حملہ سے بچاؤ کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اللہ کی پناہ میں آ جائے اور یہ دعا کرتا رہے جو ان دو آیات میں سکھائی گئی ہے۔ (تیسیر القرآن)

سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کا صبح و شام پڑھنا شیطانی وساوس اور ان کے حملوں سے بچنے کا شافی

علاج ہے۔

سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

''سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کے مضامین ایک دوسرے سے قریبی مناسبت رکھتے ہیں اور چونکہ دونوں سورتیں ''اَعُوْذُ'' سے شروع ہوتی ہیں، اس لیے ''مُعَوّذتین'' [پناہ مانگنے والی سورتوں] کے نام سے مشہور ہیں غور کیجئے کہ قرآن کا آغاز سورۃ الفاتحہ سے ہوتا ہے اور اختتام ''مُعَوّذتین'' پر...... آغاز میں اللہ رب العالمین رحمان و رحیم اور مالک یوم الدین کی حمد وثنا کر کے بندہ عرض کرتا ہے کہ آپ ہی کی میں بندگی کرتا ہوں اور آپ ہی سے مدد چاہتا ہوں اور سب سے بڑی مدد جو مجھے درکار ہے، وہ یہ ہے کہ مجھے راستہ بتایئے۔ جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سیدھا راستہ دکھانے کے لیے اسے پورا قرآن دیا جاتا ہے اور اس کو ختم اس بات پر کیا جاتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے عرض کرتا ہے کہ میں ہر مخلوق کے ہر فتنے اور ہر شرّ سے محفوظ رہنے کے لیے آپ ہی کی پناہ لیتا ہوں اور خصوصیت کے ساتھ شیاطین جن وانس کے وسوسوں سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں کیونکہ راہ راست کی پیروی میں وہی سب سے زیادہ مانع ہوتے ہیں۔ (تفہیم القرآن)

سید قطب شہید لکھتے ہیں:

''یہ سورت اور اس کے بعد کی سورت ''الناس'' اللہ کی طرف سے اپنے نبی ﷺ کو اولاً اور ان کے بعد تمام اہل ایمان کو اس امر کی طرف متوجہ کرنے کے لیے ہیں کہ وہ اللہ کی آغوشِ رحمت اور اس کی (حِمٰی) پناہ گاہ میں پناہ لیں...... ہر پوشیدہ و ظاہر اور ہر معلوم و نامعلوم خطرناک شے سے بچنے کے لیے پناہ! یہ بات مجملاً بھی فرمائی گئی اور تفصیل سے بھی بیان کی گئی، گویا اللہ سبحان و تعالیٰ ان کے لیے اپنی (حِمٰی) پناہ گاہ کے دروازے کھولتا اور اپنی آغوشِ رحمت وا کرتا ہے اور ان سے شفقت و محبت کے ساتھ کہتا ہے یہاں آؤ میری حِمٰی میں آؤ، میری پناہ گاہ میں آؤ، یہاں تم امن اور طمانیت پاؤ گے، آؤ میں جانتا ہوں کہ تم کمزور ہو۔ تمہارے بہت سے دشمن ہیں تمہارے اردگرد خطرات منڈلا رہے ہیں اور یہاں......

ہاں یہاں امن ہے، طمانیت ہے، سرور اور سلامتی ہے!'' (فی ظلال القرآن)

کامیابی

دنیا اور آخرت میں کامیابی صرف اور صرف اسی شخص کے لیے جو اللہ کی توحید پر قائم رہا اور اس نے اپنے آپ کو ہر قسم کے شرک سے محفوظ کر لیا تو وہی کامیاب ہے:

﴿وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِيماً﴾ (الاحزاب:۳۳/۷۱)

''جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے (احکام الٰہی پر سنت نبوی کے مطابق عمل پیرا ہو جائے) تو اس نے بڑی کامیابی حاصل کر لی۔''

(۲) ریا

ایمان کو خراب کرنے والی باتوں میں شرک کے بعد ''ریا'' ہے۔

رَاءَ اهُ يُرائِيهِ رِيَاءً وَ مُراءَ اةً، اور یہ مصدر (رأی) سے ماخوذ ہے، ریا کے معنی کسی کے سامنے (خلافِ حقیقت) نیکی اور پرہیز گاری کا اعلان کرنا اور دکھانا۔ (القاموس الوحید، مولانا عبدالوحید مکی)

ریا، اخلاص کی ضد ہے، اخلاص یہ ہے کہ دین اسلام کا ہر عمل سنت نبویؐ کے مطابق ہو اور اس میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہو۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاء وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ﴾ (البينة:۹۸/۵)

''(اس سے قبل اہل کتاب کو) یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ اللہ ہی کی بندگی کریں، اُسی کی خالص اِطاعت کے ساتھ بالکل یکسو ہو کر اور نماز کو قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیتے رہیں اور یہی سیدھی ملت کا دین ہے۔

خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کو اسی اِخلاص کے ساتھ بندگی کا حکم ہوا:

﴿قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصاً لَّهُ الدِّينَ ○ وَأُمِرْتُ لِأَنْ أَكُونَ أَوَّلَ الْمُسْلِمِينَ﴾ (الزُمر:۳۹/۱۱-۱۲)

''(اے نبیؐ) آپ کہہ دیجئے! مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت کروں اسی کے لیے دین کو

خالص کرتے ہوئے اور مجھے حکم دیا گیا کہ میں سب سے پہلا مسلمان (یعنی اللہ کا فرمانبردار بندہ) بن جاؤں۔''

یعنی اس رب کی اس طرح عبادت کروں جو خالصۃً اسی کے لیے ہو اور وہ شرک وریا ایسی خرابیوں سے قطعی بری ہو، اور رسول اللہ ﷺ کامل اطاعت اور وفاداری سے بندگی رب کو بجالائے۔

جبکہ ریا میں فخر وغرور نمود ونمائش اور شہرت وناموری ہی مقصود ومطلوب ہوتی ہے اور بسا اوقات یہ ریا کار، لوگوں کو نیکی کے راستے سے روکنے کا بھی ارادہ رکھتے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلاَ تَكُونُواْ كَالَّذِينَ خَرَجُواْ مِن دِيَارِهِم بَطَراً وَرِئَاء النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللّهِ وَاللّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ﴾ (الانفال:۸/۴۷)

''(مسلمانو!) تم (فخر وغرور میں) ان (کافروں) کی طرح نہ بنو (جن کے دلوں میں ریا کاری اور مکاری بھری ہوئی تھی) اور وہ اپنے گھروں سے اتراتے اور لوگوں کو اپنی شان دکھاتے ہوئے نکلے اور جن کی روش یہ ہے کہ اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں، وہ اللہ کی گرفت سے باہر نہیں ہے۔

''مشرکین مکہ، جب اپنے قافلے کی حفاظت اور لڑائی کی نیت سے نکلے، تو بڑے اتراتے اور فخر و غرور کرتے ہوئے، مسلمانوں کو اس کافرانہ شیوے سے روکا گیا ہے۔ (احسن البیان)

اسی طرح مسلمانوں کو ایسے صدقہ وخیرات کرنے سے بھی روک دیا گیا ہے۔ جس میں کسی کی دل آزاری ہو۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تُبْطِلُواْ صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالأذَى كَالَّذِي يُنفِقُ مَالَهُ رِئَاء النَّاسِ وَلاَ يُؤْمِنُ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْداً﴾ (البقرہ: ۲/۲۶۴)

''اے ایمان والو! اپنے صدقات (خیرات) کو احسان جتا کر اور دل آزاری کر کے اس شخص کی طرح خاک میں نہ ملا دو جو اپنا مال محض لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے نہ آخرت پر۔ اس کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹان تھی جس پر مٹی

کی تہہ جمی ہوئی تھی، اس پر جب زور کا مینہ برسا تو ساری مٹی بہہ گئی اور صاف چٹان کی چٹان رہ گئی۔"

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی لکھتے ہیں:

"ریا کار کی چونکہ نیت ہی درست نہیں ہوتی اور نیت ہی اصل بیج ہے لہٰذا ایسا بیج بار آور نہیں ہوسکتا، اس کی مثال اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے جیسے ایک صاف چکنا سا پتھر ہو جس پر تھوڑی سی مٹی پڑی ہو، اس میں وہ اپنا بیج ڈالتا ہے اور جب بارش ہوتی ہے تو پانی مٹی کو بھی بہا لے جاتا ہے اور بیج اس مٹی کے ساتھ بہہ جاتا ہے، لہٰذا اب پیداوار کیا ہوسکتی ہے؟ ریا کار کا دراصل اللہ پر اور روزِ آخرت پر پوری طرح ایمان نہیں ہوتا وہ تو لوگوں کو خوش کرنے کے لیے ہی عمل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر وثواب پانے کی اس کی نیت ہی نہیں ہوتی تو بھلا وہ کیسے اس کے ہاں انعام پا سکتا ہے؟ (تیسیر القرآن)

ریا کاری سے صوم وصلوٰۃ، صدقہ وخیرات اور قتال و جہاد جیسے اعمال بھی ضائع اور برباد ہو جاتے ہیں۔

ان احادیث پر غور کر لیجیے:

سیدنا ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ))

(رياض الصالحين باب الاخلاص و احضار النيه)

"آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے دین کی سربلندی کے لیے جہاد ہی اس کے راستے میں (باعث اجر وثواب) شمار ہوگا۔

شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

((مَنْ صَلّٰى يُرَائِي فَقَدْ اَشْرَكَ وَ مَنْ صَامَ يُرَائِي فَقَدْ اَشْرَكَ وَ مَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِي فَقَدْ اَشْرَكَ)) (المسند رقم الحديث ٤/١٢٦)

"جس نے ریا کاری سے نماز پڑھی، اس نے شرک کیا، جس نے ریا کاری سے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے ریا کاری سے صدقہ وخیرات کیا اس نے شرک کیا۔"

قرآن حکیم میں ریا کار نمازیوں کے لیے بڑی وعید آئی ہے:

﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ○ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ○ الَّذِينَ هُمْ يُرَاؤُونَ○ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ﴾ (الماعون:۱۰۷/۴-۷)

''پس ایسے نمازیوں کے لیے افسوس ہے جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں جو ریا کاری کرتے ہیں (اور بخیل اس قدر ہیں کہ پاس پڑوس میں) معمولی ضرورت کی چیزیں (نمک، مرچ وغیرہ) دینے سے گریز کرتے ہیں (گویا ریا کار کے دل میں خست اور بخل پیدا ہوتا ہے جو رذائل میں سے ہے)۔''

ریا کاری کا علاج کیسے؟

۱) مدبّر انسان سوچ بچار سے کام لے کہ اس کا رب کتنا بڑا محسن ہے، اس پر مولا و مالک کے کتنے انعامات و احسانات ہیں۔ یہ جسم و جان یہ پانی اور ہوا یہ روشنی اور کھانے پینے کیلئے انواع و اقسام کے پھل پھول اور طرح طرح کی غذائیں اور اس پر مزید علم و عقل، اور فہم و دانش کی نعمت کتنی بڑی دولت ہے۔ یقیناً اس کا مقام اور مرتبہ دیگر تمام مخلوقات پر بلند ہے۔

﴿وَإِن تَعُدُّواْ نِعْمَتَ اللّهِ لاَ تُحْصُوهَا﴾ (ابراهيم:۱۴/۳۴)

''(سچ بات تو یہ ہے) اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔''

۲) اللہ تعالیٰ سے اخلاص کی بھیک مانگنا

اللہ تعالیٰ سے مسلسل اور پیہم اخلاص کی بھیک مانگتے رہنا چاہیے اور اس آیہ مبارکہ کو دل میں جگہ دینی چاہیے:

﴿قُلْ إِنَّ صَلاَتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (الانعام:۶/۱۶۲)

''(اے نبی) اس طرح کہیے کہ میری نماز اور تمام عبادات، میرا جینا اور مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔''

۳-نفاق

اس لفظ کا مادہ (ن ف ق) ہے نَفَقَ اُس سرنگ کو کہتے ہیں جس کے داخل ہونے اور نکلنے کے

دونوں راستے کھلے ہوں ''نفاق'' کے معنی شریعت میں دو رخی اختیار کرنا ہے۔ (یعنی شریعت میں ایک دروازے سے داخل ہو کر دوسرے سے نکل جانا) (امام راغب اصفهانی- مفردات)

گویا کہ ''منافق'' اُس شخص کو کہا جائے گا جو ظاہری طور پر ایمان کا اظہار کر دے مگر دل میں کفر رکھے یا ظاہری طور پر اہل ایمان کے ساتھ ہاں میں ہاں ملائے مگر دَر پردہ اُن کے خلاف سازشیں کرتا پھرے۔

اسلامی معاشرے میں منافق سب سے زیادہ خطرناک لوگ ہوتے ہیں، قرآنِ حکیم کی سورۃ البقرہ کے آغاز میں سب سے پہلے اُن لوگوں کا ذکر آیا ہے جو صدقِ دل سے اسلام میں داخل ہوئے اِن کے لیے دنیا اور آخرت میں فوز وفلاح کی نوید دی گئی ہے۔

﴿اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنۡ رَّبِّھِمۡ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ﴾ (البقرہ:۲/۵)

''ایسے لوگ اپنے رب کی طرف سے راہِ راست پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔''

دوسرے وہ لوگ جو کھلے بندوں اِس نظام سے باہر رہتے ہیں اور برملا اس کی مخالفت کرتے ہیں، ''یہ کافر'' کہلاتے ہیں، ان کے لیے سخت عذاب ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡھِمۡ ءَ اَنۡذَرۡتَھُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡھُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ...... وَّ لَھُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ﴾ (البقرہ:۲/۶-۷)

''کافروں کو آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے، یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے...... ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''

تیسرے وہ لوگ ہیں جو محض اپنی مطلب برآری کے لیے مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں، مصائب اور مشکلات میں اہل ایمان کا ساتھ چھوڑ کر نکل جاتے ہیں جیسا کہ منافقین مدینہ کا حال تھا کہ جہاد کے موقع پر عذر بے جا تلاش کر کے فرار کی راہ اختیار کرتے۔ جب مسلمان کامیاب ہو کر مالِ غنیمت کے ساتھ واپس ہوتے تو اُسے لینے کے لیے دوڑے آتے اور پھر یہ کفار کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے رہتے، ان کے بارے میں قرآن اعلان کرتا ہے:

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَ بِالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ مَا ھُمۡ بِمُؤۡمِنِیۡنَ...... فِیۡ قُلُوۡبِھِمۡ مَّرَضٌ فَزَادَھُمُ اللّٰہُ مَرَضًا وَ لَھُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌۢ بِمَا کَانُوۡا یَکۡذِبُوۡنَ﴾ (البقرہ:۲/۸-۱۰)

''بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے ہیں حالانکہ درحقیقت وہ مؤمن نہیں ہیں...... اُن کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے جسے اللہ نے اور زیادہ بڑھا دیا اور اُن کے جھوٹ کی وجہ سے اُن کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

منافقین کے عذاب کو ایک دوسرے مقام پر اِس سے بھی شدید بتایا گیا ہے۔

﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَ لَنْ تَجِدَلَهُمْ نَصِيْرًا﴾(النساء:٤/١٤٥)

''بلاشبہ منافق جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں جائیں گے اور تم کسی کو اُن کا مددگار نہ پاؤ گے۔''

منافقین کی عادت کو قرآن اس طرح بیان کرتا ہے:

﴿اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقَاتِ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَ يَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾

(التوبہ:٩/٦٧)

''منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک دوسرے کے ہم رنگ ہیں، برائی کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی سے منع کرتے ہیں اور اپنے ہاتھ خیر سے روکے رکھتے ہیں، یہ اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے بھی انہیں بھلا دیا، یقیناً یہ منافق ہی فاسق ہیں۔''

منافق، جو حلف اٹھا کر مسلمانوں کو باور کراتے تھے کہ ''ہم تم ہی میں سے ہیں'' اللہ تعالیٰ نے اُس کی تردید فرمائی، کہ ایمان والوں سے اُن کا کیا تعلق؟ البتہ یہ سب منافق، چاہے مرد ہوں یا عورتیں، ایک ہی ہیں...... یعنی کفر و نفاق میں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں، آگے اُن کی صفات بیان کی جا رہی ہیں جو مؤمنین کی صفات کے بالکل الٹ اور برعکس ہیں۔ (احسن البیان)

رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو کفار اور منافقین دونوں سے جہاد کا حکم ہے:

﴿يٰاَيُّهَا النَّبِىُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾ (التحریم٦٦:/٩)

''اے نبیؐ! کفار و منافقین سے جہاد کرو اور اُن پر سخت ہو جاؤ اور اُن کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔''

مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں:

''نفس جہاد یا جُہدِ شدید تو کافروں اور منافقوں دونوں کے حق میں عام ہے البتہ یہ حسب موقع و مصلحت ہونا چاہیے، کافروں کے مقابلہ میں تو یہ جہاد، قتال و غزاء کے معنی میں ہتھیاروں سے ہوگا اور منافقین کے مقابلہ میں زبان سے (قلم سے) واغلُظ علَيهِم سختی، مضبوطی، ثابت قدمی، کافروں اور منافقوں دونوں کے مقابلہ میں لازمی ہے، کہاں ہماری شریعت کے یہ احکام اور کہاں ہمارا یہ عمل کہ ہر ''ترقی یافتہ''، ''ومہذب'' غیر مسلم کی وضع، لباس، زبان، معاشرت کی تقلید پر ٹوٹے پڑتے ہیں اور اُس کو اپنے لیے باعث فخر و کمال خیال کر رہے ہیں۔'' (تفسیر ماجدی)

یہ منافقین مارے باندھے اہل ایمان کے ساتھ نمازوں میں بھی شامل ہو جاتے تھے مگر اس میں محض ریاکاری ہوتی تھی۔

''منافق لوگ (اپنی خام خیالی میں) اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینے میں لگے ہوئے ہیں اور (درحقیقت) اللہ تعالیٰ نے اُن کو (فریب نفس) میں مبتلا کر رکھا ہے اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو بیدلی اور کاہلی سے محض لوگوں کو دکھانے کی خاطر اٹھتے ہیں اور اللہ کو کم ہی یاد کرتے ہیں، کفر و ایمان کے درمیان ڈانوا ڈول ہیں، نہ پورے اِس طرف نہ پورے اُس طرف، جسے اللہ نے بھٹکا دیا ہو اُس کے لیے تم کوئی راستہ نہیں پا سکتے۔ (النساء: ٤/١٤٢-١٤٣)

اور اِن کی رفاقت اور دوستی کا ذکر قرآن اس طرح کرتا ہے:

''اور جو منافق اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں انہیں یہ خوشخبری سنا دیجیے کہ اُن کے لیے دردناک سزا تیار ہے، کیا یہ لوگ عزت کی طلب میں اُن کے پاس جاتے ہیں؟ پس (ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ) ساری کی ساری عزت تو اللہ ہی کے واسطے ہے (اور وہ جسے چاہتا ہے عزت سے نوازتا ہے)۔''

اس کا جواب سورۃ المنافقون میں اس طرح دیا گیا ہے:

﴿وَلِلّٰهِ الۡعِزَّةُ وَلِرَسُوۡلِهٖ وَلِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَلٰـكِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ﴾ (المنافقون: ٦٣/٨)

"(یاد رکھو!) عزت تو اللہ اور اُس کے رسولؐ اور مؤمنین کے لیے ہے اور لیکن منافق اس کا علم نہیں رکھتے۔"

اور احادیث مبارکہ میں بھی منافقین کی نشانیاں بتائی گئی ہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

((اِنَّ شَرَّ النَّاسِ ذُو الْوَجْهَيْنِ الَّذِي يَأْتِيْ هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ، وَ هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ))

(بخاری، رقم الحدیث:۷۱۷۹)

"بدترین شخص دو چہروں والا ہے، وہ کسی سے تو ایک چہرے کے ساتھ ملتا ہے اور کسی دوسرے سے اور چہرے کے ساتھ ملاقات کرتا ہے (لوگوں کے درمیان فتنہ وفساد پھیلانے کے لیے لگائی بجھائی کرتا رہتا ہے)۔"

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَ اِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَ اِذَا ائْتُمِنَ خَانَ)) (مسلم، رقم الحدیث:۵۹)

ایک اور حدیث میں آتا ہے:

((وَ اِذَا خَاصَمَ فَجَرَ))

"اور جب وہ کسی سے لڑائی کرتا ہے تو بدزبانی پر اتر آتا ہے۔"

منافق میں تین علامات پائی جاتی ہیں:

(۱) اُس کی گفتگو میں دروغ گوئی ہوتی ہے۔

(۲) جب وعدہ کرتا ہے تو اُس کی خلاف ورزی کرتا ہے اور

(۳) جب اُس کے پاس کوئی امانت رکھی جائے تو خیانت کرتا ہے۔"

خلاصۂ کلام

اسلامی معاشرے میں نفاق خطرناک بیماری ہے اور اس کی اساس دھوکہ فریب، فتنہ وفساد، دکھلاوا اور ریاکاری اور معاشرتی زندگی کو نقصان پہنچانے پر ہوتی ہے اور منافقین معاشرے میں آستین کے

سانپ ثابت ہوتے ہیں اور ان کے لیے دنیا اور آخرت میں تباہی ہے۔

نفاق کا علاج

اس کا علاج قرآن وحدیث کی تعلیمات کو صدقِ دل سے ماننا ہے، منافقین کے لیے قرآن نے یہ علاج تجویز کیا ہے:

ا) ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَ لَنْ تَجِدَلَهُمْ نَصِیْرًا. اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ اعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَ اَخْلَصُوْا دِیْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ سَوْفَ یُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا﴾ (النساء:٤/١٤٥-١٤٦)

''یقین جانو کہ منافق جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں جائیں گے اور تم کسی کو اُن کا مددگار نہ پاؤ گے البتہ جو اُن میں سے تائب ہو جائیں اور اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کر لیں اور اللہ کا دامن تھام لیں اور اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر دیں ایسے لوگ مؤمنوں کے ساتھ ہیں اور اللہ مؤمنوں کو ضرور اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔''

ب) نفاق اور ریا سے بچنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا بڑی مجرب ہے:

اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ وَ عَمَلِیْ مِنَ الرِّیَاءِ وَ لِسَانِیْ مِنَ الْکَذِبِ وَ عَیْنِیْ مِنَ الْخِیَانَةِ فَاِنَّکَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْیُنِ وَ مَا تُخْفِی الصُّدُوْرِ۔

(اسلامی وظائف- عبدالسلام کشوی)

''اے اللہ! میرے دل کو نفاق سے اور میرے عمل کو ریا سے اور میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو خیانت سے پاک فرما دے، بلاشبہ آنکھوں کی خیانت اور سینوں کے راز آپ ہی کے علم میں ہیں۔''

۴۔فسق

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

''فَسَقَ فُلَانٌ کے معنی کسی شخص کے دائرۂ شریعت سے نکل جانے کے ہیں، عربی زبان میں کہتے ہیں ''فَسَقَتِ الرُّطَبَةُ عَنْ قَشْرِهَا'' گدری (نیم پختہ) کھجور اپنے چھلکے سے باہر نکل

گئی۔ (مفردات) کھجور کے پھل کے اوپر ایک چھلکا ہوتا ہے جس کے اندر وہ پھل نشو ونما پاتا ہے اور پختگی تک پہنچتا ہے (یہی صورت ہر پھل کے ساتھ ہوتی ہے) بعض اوقات پھل اپنے چھلکے سے باہر نکل جاتا ہے اور اس طرح اپنی پختگی کو نہیں پہنچتا، جاہلیت عرب میں یہ لفظ اِسی مفہوم کے ادا کرنے میں بولا جاتا تھا۔ (دیکھیے التاج)

اِسی طرح قرآنِ حکیم اور سیرتِ مطہرہ کی پیروی سے ایک ایسا نظام وجود میں آتا ہے جس میں افراد کی صلاحیتوں کی صحیح صحیح نشو ونما ہوتی ہے۔ گویا کہ اُس نظام کے قالب میں ڈھل کر سیرت و کردار میں پختگی آتی ہے اور جو لوگ اس نظام کے دائرے سے باہر نکل جائیں فاسق کہلاتے ہیں، اس آیت پر غور کیجیے:

﴿الَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ وَ یَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ یُّوْصَلَ وَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ (البقرہ: ۲/۲۷)

”(فاسق کون ہیں؟) جو اللہ کے عہد کو مضبوط باندھ لینے کے بعد توڑ دیتے ہیں، اللہ نے جسے جوڑنے کا حکم دیا، اُسے کاٹتے ہیں اور زمین پر فساد برپا کرتے ہیں، حقیقت میں یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔“

﴿عَهْدَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی توحید کے اقرار سے پھر جائے اور طاغوت (ہر باطل چیز جو اللہ تعالیٰ کی بندگی سے دور لے جائے) کے انکار کو نظر انداز کر دے۔

﴿وَ یَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ یُّوْصَلَ﴾ رشتہ قرابت کو توڑ دیں جسے اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے، تو ایسے لوگ فاسق کہلائیں گے۔ جن لوگوں کو کتاب عطا کی گئی اور وہ اُس کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو وہی فاسق ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلْیَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِیْلِ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِیْهِ وَ مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ (المائدہ: ۵/۴۷)

”(رب کریم کا ارشاد ہے) ہمارا حکم تھا کہ اہل انجیل اِس قانون کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو وہی فاسق ہیں۔“

اور اہل قرآن کو اس طرح تنبیہ کی جارہی ہے:

﴿وَ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ وَ مَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ﴾ (البقرہ:۲/۹۹)

''(اے نبیؐ!) ہم نے آپ کی طرف ایسی آیات نازل کی ہیں جو صاف صاف حق کا اظہار کرنے والی ہیں اوران کی پیروی سے صرف وہی انکار کرتے ہیں جو فاسق ہیں۔''

اور شیطان (ابلیس) نے تو برملا فسق کا راستہ اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اور یاد کرو، جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدمؑ کو سجدہ (تعظیمی) کرو تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا۔

﴿كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ﴾

وہ جنوں میں سے تھا اُس نے اپنے رب کی نافرمانی کی، کیا پھر بھی تم اسے اور اُس کی ذریت کو مجھے چھوڑ کر اپنا سرپرست بناتے ہو؟ حالانکہ وہ تم سب کا دشمن ہے، ایسے ظالموں کا کیا ہی برا بدل ہے۔

فسق سے راہِ نجات کیسے؟

فسق کی راہ سے نجات حاصل کرنے کے لیے قرآنِ حکیم کی اس آیت کو حرزِ جاں بنانا مفید اور سود مند ہے:

﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ (البقرہ:۲/۲۵۶)

''اب جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا اُس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا، جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ جس کا سہارا (اُس نے لیا ہے) سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔''

''طاغوت ہر وہ باطل قوت ہے جو اللہ کے مقابلہ میں اپنا حکم دوسرے سے منوائے یا لوگ اللہ کے مقابلہ میں اُس کے احکام تسلیم کرنے لگیں خواہ وہ کوئی مخصوص شخص ہو یا ادارہ ہو اور ظاہر ہے یہ مقتدر قسم کے لوگ ہی ہو سکتے ہیں خواہ وہ مذہبی ہوں یا سیاسی ہوں۔ مثال کے طور پر آج کل جتنی قومی، لسانی یا علاقائی تحریکیں چل رہی ہیں، یہ سب اسلام کی رو سے ناجائز ہیں، اب جو شخص یا ادارہ ایسی تحریکوں کو

چلائے گا وہ طاغوت ہے، اسی طرح شیطان بھی طاغوت ہے اور ایسے پیر فقیر بھی جو خود بھی معصیت کے مرتکب ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی ایسی ہی تلقین کرتے ہیں۔ اسی طرح ہر انسان کا اپنا نفس بھی طاغوت ہوسکتا ہے جبکہ وہ اللہ کی فرمانبرداری سے انحراف کر رہا ہو۔'' (تیسیر القرآن)

۵- کفر

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

''اصل میں کفر کے معنی کسی چیز کو چھپانے کے ہیں اور اللیل (رات) کو کافر کہا جاتا ہے کیونکہ وہ تمام چیزوں کو چھپا لیتی ہے۔ اسی طرح (الزَّارِعُ) کاشتکار چونکہ زمین کے اندر بیج کو چھپاتا ہے اس لیے اُسے بھی کافر کہا جاتا ہے۔ اَلْکَافُوْرُ اُس غلاف کو کہتے ہیں جو پھل کو اپنے آغوش میں چھپائے رکھتا ہے۔ شریعت میں کفر یا کفرانِ نعمت کے معنی نعمت کی ناشکری کر کے اُسے چھپانے کے ہیں۔ قرآن حکیم میں ہے:

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ وَ اِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ﴾

(الانبیاء: ۲۱/ ۹۴)

''(سب کو رب کی طرف پلٹنا ہے) پھر جو نیک عمل کرے گا، اس حال میں کہ وہ مؤمن ہو تو اُس کی سعی رائیگاں جانے والی نہیں (نیک اعمال کا صلہ مل کر رہے گا) اور ہم اُس کے لیے اُس کو لکھ رکھنے والے ہیں۔''

سب سے بڑا کفر اللہ کی وحدانیت یا شریعت حق یا نبوت کا اِنکار ہے، پھر ''کُفْرَان'' کا لفظ زیادہ تر نعمت کا انکار کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور ''کفر'' کا لفظ انکار کے معنی میں جبکہ ''کَفُوْرٌ'' دونوں قسم کے انکار پر بولا جاتا ہے (یعنی دین اور نعمتوں کی ناقدری پر اور جب ''کَفَرَ'' بطورِ فعل کے استعمال میں آتا ہے اور اسم فاعل ''کافِرٌ'' کا استعمال دونوں قسم کے انکار یعنی دین اور نعمتوں کی ناشکری پر بولا جاتا ہے۔) (مفردات القرآن)

اب چند قرآنِ حکیم کی آیات پر غور کیجیے:

﴿وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا

كُفُوْرًا﴾ (بنی اسرائیل:۱۷/۸۹)

(اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے) ''ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح سے سمجھایا مگر اکثر لوگ انکار (یعنی کفر) پر جمے رہے۔''

سیدنا سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے اَن گنت انعامات ملنے پر لسانِ صدق سے اظہار کرتے ہیں:

﴿هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّىْ لِيَبْلُوَنِىْٓ ءَ اَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّىْ غَنِىٌّ كَرِيْمٌ﴾ (النمل:۲۷/۴۰)

سلیمانؑ کہنے لگے ''یہ میرے رب کا فضل ہے تا کہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں (کافر نعمت بن جاتا ہوں) اور جو شکر کرتا ہے تو اپنے ہی نفع کے لیے شکر کرتا ہے اور جس نے ناشکری کی تو میرا رب بے نیاز و کریم ہے (میرا رب کسی کے شکر کا محتاج نہیں، اور بے اندازہ جود و کرم کرنے والا ہے)۔''

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَ لَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِىْ لَشَدِيْدٌ﴾ (ابراهیم:۱۴/۷)

''(اے انسانو!) اگر تم شکر گزار بنو گے تو میں تم کو اور زیادہ سے نوازوں گا اور اگر کفرانِ نعمت کرو گے تو (یاد رکھو) میری سزا بہت سخت ہے۔''

اور انسان کو شکر گزاری اور ناشکری کرنے کا پورا پورا اختیار دیا گیا ہے، ہاں رب کریم نے اُسے ہدایت کی راہ دکھا دی ہے۔ اُس کا امتحان ہے کہ وہ کون سی راہ اختیار کرتا ہے اور ایک دوسرے مقام پر اس بات کو اس طرح واضح کیا:

﴿وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾ (البلد:۹۰/۱۰)

(اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے) اور (نیکی اور بدی) کے دونوں نمایاں راستے اُس نے (انہیں) دکھا دیے۔

﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾ (الدهر:۷۶/۳)

''ہم نے اُسے راستہ دکھا دیا ہے، خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔''

یعنی اُسے عقل و بصیرت، فہم و ذکا کی قوتیں عطا فرمائی ہیں، تا کہ وہ اطاعت یا معصیت دونوں راستوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کر سکے۔

کفر میں شیطان (ابلیس) تو سب سے آگے ہے:

﴿وَ کَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ کَفُوْرًا﴾ (بنی اسرائیل: ١٧/٢٧)

''اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔''

کفر سے بچنے کا راستہ

انسان جب تک رب کائنات کے احسانات و انعامات کو نہ پہچانے وہ کبھی بھی اُس کا شکرگزار بندہ نہیں بن سکتا ہے۔ عربی کا محاورہ ہے ﴿مَنْ عَرفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرفَ رَبَّهٗ﴾ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا تو اُس نے اپنے رب کو بھی پہچان لیا وہ اپنے جسم و جان اور شکل وصورت کو دیکھے اور ان تمام نعمتوں پر نظر ڈالے جو اللہ تعالیٰ نے اُسے عطا کیں ہیں تو لازماً اُس کے دل میں شکر کے جذبات ابھریں گے، قرآنِ حکیم انسان کی فطرت پر اس طرح دستک دیتا ہے:

﴿وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ (ابراهیم: ١٤/٣٤)

''(اے انسان!) اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے ہو۔''

اَللّٰهُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوٰهَا وَزَكِّهَا اَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكّٰهَا ، اَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا

''اے اللہ! میرے نفس کو تقویٰ عطا فرما، اور اس کا تزکیہ فرما دے۔ تو ہی اس کا بہتر تزکیہ فرمانے والا ہے، تو اس کا کارساز اور تو ہی اس کا نگہبان ہے۔''

خُلُقُهُ الْقُرْآنُ

اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپؓ نے ایک صحابی کے سوال پر فرمایا:

((اِنَّ خُلُقَ رَسُوْلِ اللّٰہِ کَانَ الْقُرْآنُ))

(ابو داؤد، کتاب الصّلوٰۃ، بحوالہ انسانِ کامل، ڈاکٹر خالد علویؒ)

''رسول اللہ ﷺ کا خلق قرآن تھا۔''

یعنی قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کا حکم دیا آپ ﷺ اسے بجا لاتے اور جن باتوں سے منع کیا آپ اُس سے رک جاتے۔ گویا کہ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ چلتا پھرتا قرآن تھا اور قرآن میں آپ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ کی تصدیق ان الفاظ میں ہوتی ہے:

﴿وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ (القلم: ٦٨/٤)

''(رب کریم کا ارشاد ہے) اور بلاشبہ آپ اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہیں۔''

آیئے ہم قرآن حکیم کی بلند تعلیمات کی روشنی میں آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ کا مطالعہ کرتے ہیں:

1- برائی کے بدلے میں اچھائی:

﴿وَلَا تَسْتَوِیْ الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهُ عَدَاوَةٌ کَأَنَّهُ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ﴾ (حٰمٓ السجدہ: ٤١/٣٤)

''(اے نبی ﷺ) نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں، آپ بدی کو اس نیکی سے دفع کیجیے جو بہترین ہو، آپ دیکھیں گے کہ آپ کے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے۔''

سیرت طیبہ کا مطالعہ کیجیے۔

رسول اللہ ﷺ کی عادت کسی کو برا بھلا کہنے کی نہ تھی، برائی کے بدلے میں برائی نہیں کرتے تھے بلکہ درگزر کرتے اور معاف فرما دیتے۔ (ترمذی، کتاب البرّ، رقم الحدیث ۳۶۹/٤ بحواله انسانِ کاملؐ)

آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں کتنے ہی واقعات ہیں کہ آپ نے برائی کے بدلے میں اچھائی کی، اور دشمن کے ساتھ بھی احسان کا معاملہ فرمایا، اس حسن سلوک سے کتنے ہی لوگ اسلام میں داخل ہو گئے۔

غور کیجیے کہ دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں آپ وادی طائف تشریف لے گئے، وہاں کے باشندوں نے آپ کے ساتھ انتہائی ناروا سلوک کیا، مگر جواب میں آپ ﷺ نے ان کے لیے ہدایت کی دعا فرمائی جس کے نتیجہ میں اہل طائف دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اس طرح قریش مکہ نے آپ ﷺ کو اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو کتنی اذیتیں اور تکلیفیں دیں اور وطن سے بے وطن کیا، فتح مکہ پر آپ نے ان کے ساتھ کس قدر درگزر اور مروت کا سلوک کیا کہ وہ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو گئے جس پر ''سورۃ النصر'' شاہد ہے۔

2- مداومتِ عمل

﴿فَلِذٰلِکَ فَادۡعُ وَاسۡتَقِمۡ کَمَاۤ اُمِرۡتَ﴾ (الشوریٰ: ۱۵/٤۲)

''(اے محمدؐ) اب آپ اسی دین کی طرف دعوت دیتے رہیے۔''

اور جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے، اسی پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہو جایے۔ اُمُّ المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ آپ ﷺ کا عمل کیسا تھا؟ کیا آپ نے عمل کے لیے کوئی دن مخصوص کر رکھا تھا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نہیں ایسی کوئی بات نہ تھی۔ آپ کا عمل مسلسل (جھڑی کی طرح ہوتا جو مسلسل برستی ہے) پھر فرمایا:

رسول اللہ ﷺ جو اعمالِ صالحہ سرانجام دیتے، وہ تم میں سے کون کر سکتا ہے؟

انہیں سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ سے جب سوال کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل زیادہ پسند ہے، تو آپ نے فرمایا:

((اَدْوَمُهَا وَ اِنْ قَلَّ وَ قَالَ اِكْلَفُوْ مِنَ الْاَعْمَالِ مَا تُطِيْقُوْنَ))

(بخاری کتاب الرقاق رقم الحدیث ۱۸٦/۷، بحوالہ انسان کاملؐ)

''یعنی (وہ عمل صالح) جس پر انسان مداومت اختیار کرے خواہ وہ قلیل کیوں نہ ہو، اس کے بعد فرمایا: صرف انہی اعمال کو اختیار کرو جن کی تم طاقت رکھتے ہو۔''

آپ ﷺ کا طرزِ عمل کتب سیرت و حدیث میں منقول ہے، آپ ﷺ نے مداومت کو کبھی ترک نہیں کیا مثلاً آپ ﷺ رات کو تہجد کے لیے اٹھتے تو ہمیشہ اٹھتے۔ اُمُّ المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رات کی عبادت کبھی ترک نہیں کی اگر کبھی مزاج اقدس ناساز یا سست ہوا تو بیٹھ کر نوافل ادا فرمائے۔ (ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، حوالہ ایضاً)

پھر جس کام کا جو وقت مقرر فرمایا، اس سے کبھی پیچھے نہیں ہٹے نماز، اوقاتِ نوافل اور ان کی تعداد، تسبیح و تہلیل کے اوقات، خواب اور بیداری کی ساعات، لوگوں سے ملنے جلنے کے اوقات اور انداز، غرضیکہ جو معمولات بنا لیے انہیں پوری طرح نبھایا۔

آپ ﷺ کے ایک صحابی سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ مجھے دیکھ کر پیار سے مسکراتے تھے اور کبھی ایسا نہ ہوا کہ میں خدمتِ اَقدس میں حاضر ہوا ہوں اور آپ ﷺ نے مسکرا نہ دیا ہو۔ (بخاری، مناقب الانصار، رقم الحدیث ۲۳۲/٤، حوالہ ایضاً)

دوامِ عمل کا یہی طریق آپ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ کے تمام پہلوؤں میں دیکھا جا سکتا ہے۔

اور یہی بات اللہ تعالیٰ نے اچھے نمازیوں کی صفات میں سے بتائی ہے:

﴿الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَائِمُوْنَ﴾ (المعارج: ۲۳/۷۰)

''(جنت کے باغوں میں کون رہنے والے ہیں؟ بہت سی خوبیوں میں یہ خوبی بھی ہے) جو اپنی نمازوں میں دوام اختیار کرتے ہیں۔''

3- صدق

صدق وہ اَخلاقی فضیلت ہے جو کئی اخلاقی فضیلتوں کی اساس ہے، اس لیے اسے انسانی فضائل اخلاق میں اولین درجہ دیا جا سکتا ہے، صدق صفتِ ربّانی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثاً﴾ (النساء: ٤/٨٧)

''اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر بات کا سچا کون ہے؟''

اس کتاب (قرآن حکیم) کو بھی اس نے حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے:

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقاً وَعَدْلاً﴾ (الانعام: ٦/١١٥)

''آپ کے رب کا کلام سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے۔''

رب کریم نے انبیاء علیہم السلام کو اس وصف سے مزین فرمایا کہ پیغام حق کی اس کے بغیر پہچان ممکن نہیں ہے مثلاً سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿وَاذْكُرْ فِيْ الْكِتَابِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيْقاً نَّبِيّاً﴾ (مریم: ١٩/٤١)

''اور کتاب میں سیدنا ابراہیم کو یاد کیجیے بے شک وہ نہایت سچے نبی تھے۔''

یہی بات سیدنا ادریس علیہ السلام، سیدنا اسماعیل علیہ السلام، سیدنا یوسف علیہ السلام، کے بارے میں دھرائی گئی اور یہی صفت خاتم الانبیاء محمد ﷺ کو عطا کی گئی۔

اور پھر صدق کا یہ بنیادی وصف نبوت اور پیروانِ نبوت کی خصوصیت قرار پایا جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَلصَّابِرِيْنَ وَالصَّادِقِيْنَ﴾ (ال عمران: ٣/١٧)

''(اللہ کے پسندیدہ بندے کون ہیں؟) صبر کرنے والے اور سچے (جو ہمیشہ صدق و صفا کا پیکر رہتے ہیں)۔''

اور اسی بات کی نصیحت اہل ایمان کو کی گئی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّٰهَ وَكُونُواْ مَعَ الصَّادِقِيْنَ﴾ (التوبہ: ٩/١١٩)

''اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور سچے لوگوں کا ساتھ دو۔''

اور ایسے تقویٰ کی راہ پر چلنے والوں کے لیے ''مقام صدق'' جنت میں رب کائنات کے سایۂ رحمت میں ہے۔

﴿إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ ○ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِندَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ﴾

(القمر: ٥٤/٥٥)

''بے شک اللہ سے ڈرتے رہنے والے باغوں اور نہروں (کے عیش و آرام) میں ہوں گے، 'مقام صدق' (سچی عزت کی جگہ) اللہ سبحانہ وتعالیٰ (ذی اقتدار بادشاہ کے سایۂ رحمت کے قریب ہیں)۔''

اور اسی 'صدق' کی رسول اللہ ﷺ کو دعا کی تلقین کی جارہی ہے:

﴿وَقُل رَّبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَل لِّي مِن لَّدُنكَ سُلْطَاناً نَّصِيراً﴾ (بنی اسرائیل:۱۷/۸۰)

''(اے نبیؐ) اپنے رب کے حضور دعا کرتے رہیے کہ اے مولا! جہاں بھی آپ مجھے لے جائیں سچائی کے ساتھ لے جائیں اور جہاں سے بھی نکالیں سچائی کے ساتھ نکالیں (مکہ سے مدینہ ہجرت حق وصداقت کے ساتھ ہو) اور مجھے وہ غلبہ اور قوت عطا ہو جو محض آپ کی طرف سے ہو (تاکہ میں دین حق کو تیری نصرت وحمایت سے قائم کرسکوں)۔''

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نبوت ملنے سے پہلے ہی لوگوں میں صادق و امین کے نام سے مشہور تھے اور آپ کی پوری زندگی میں یہ وصف نمایاں دکھائی دیتا ہے جس پر دوست اور دشمن سب گواہ ہیں۔

صدق اور اخلاق حسنہ کی بہت سی خوبیوں کی بنا پر اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو آخرت میں 'مقام محمود' سے بہرہ ورفرمائے گا۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ عَسَى أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَاماً مَّحْمُوداً﴾

(بنی اسرائیل: ۱۷/۷۹)

''(اے نبیؐ) رات کے کچھ حصے میں تہجد کی نماز میں قرآن کی تلاوت کیجیے، یہ آپ کے لیے نفل ہے، بعید نہیں کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کردے۔''

مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

''نَافِلَةً'' اصل پر جو شے زائد ہو اس کو کہتے ہیں، اس کا استعمال کسی نعمت و رحمت پر زیادتی کے لیے ہوتا ہے کسی بار اور مصیبت پر زیادتی کے لیے نہیں ہوتا یعنی یہ نماز پنج وقتہ نمازوں پر تمہارے لیے

مزید ہے 'لک' سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ جہاں تک رسول اللہ ﷺ کا تعلق ہے یہ نماز آپ کے لئے ضروری تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے زندگی بھر اس کا اہتمام رکھا، نمازوں کے اس اہتمام کی تاکید، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، شیطانی قوتوں کے مقابلہ کے لیے حصول قوت کے مقصد سے بھی، اسی مقصد کے لیے یہ تہجد کے اہتمام کی تاکید ہوئی اور اس کی نسبت فرمایا گیا کہ "نَافِلَةً لَّکَ" یعنی یہ تمہارے لیے مزید کمک کے طور پر ہے جو راہِ حق کی مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لیے تمہارے صبر و ثبات میں مزید اضافہ کرے گی، عام امتیوں کے لیے یہ نماز اگرچہ ضروری نہیں ہے لیکن جو لوگ شیطانی قوتوں کا مقابلہ کرنے اور حق کو دنیا میں برپا کرنے کے لیے اٹھیں ان کے لیے اللہ کی نصرت حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ یہی نماز ہے، چنانچہ امت کے صالحین جنہوں نے اس دنیا میں دین کی کوئی خدمت کرنے کی توفیق پائی ہے اس نماز کا ہمیشہ اہتمام رکھا ہے۔

'عَسٰی' کا لفظ اصلاً امید و رجا اور ظنِ غالب کے اظہار کے لیے آتا ہے لیکن جب یہ اللہ تعالیٰ کی نسبت کے ساتھ آئے تو اس صورت میں امید و رجا کا تعلق اللہ تعالیٰ کی بجائے مخاطب یا متکلم سے ہو جائے گا مثلاً ﴿عَسٰی رَبُّكُمْ أَن يَرْحَمَكُمْ﴾ (بنی اسرائیل: ۸/۱۷) کا ترجمہ ہوگا "تم توقع رکھو کہ اللہ تم پر رحم فرمائے گا۔" ﴿عَسَى اللّٰهُ أَن يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعاً﴾ (یوسف: ۸۳/۱۲) "میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ ان سب کو (یعنی یوسفؑ اور ان کے بھائیوں کو) میرے پاس لائے گا اسی طرح ﴿عَسٰی أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَاماً مَّحْمُوداً﴾ (بنی اسرائیل: ۷۹/۱۷) کا ترجمہ ہوگا 'تم امید رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں محمود اٹھانا اٹھائے گا' اس توجیہ سے وہ شبہ رفع ہو جاتا ہے جو عربیت سے ناآشنا لوگ اٹھاتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک تو ہر چیز معلوم و معین ہے تو اس کی طرف توقع اور ظن و گمان کی نسبت کے کیا معنی؟

"مَقَاماً مَّحْمُوداً" ہمارے نزدیک ظرف کے معنی میں نہیں بلکہ مصدر کے معنی میں ہے اور یہ یہاں مفعول مطلق کی حیثیت رکھتا ہے، چونکہ لفظ 'بعث' اور 'مقام' میں معنی کا اشتراک موجود ہے، اس لیے کہ 'بَعَثَ' کے معنی اٹھانے اور 'مقام' کے معنی کھڑے ہونے اور اٹھنے کے ہیں اس وجہ سے اس کے مفعول مطلق واقع ہونے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آج تو تمہاری مخالفت و مذمت میں یہ شور و غوغا برپا ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی ہے لیکن تم اپنے موقف پر ڈٹے رہو،

نمازوں بالخصوص تہجد کا خاص اہتمام کرو اور یہ توقع رکھو کہ تمہارا رب تمہیں اس حال میں اٹھائے گا کہ ایک عظیم امت کی زبانوں پر تمہارے لیے ترانۂ حمد اور عند اللہ تمہاری مساعی محمود و مشکور ہوں گی۔

(تدبر قرآن)

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں بھی رسول اللہ ﷺ کی مساعی جمیلہ کو رفعت و شان سے نوازا، خطبۂ حجۃ الوداع کے وقت انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا مجمع آپ ﷺ کے گرد جمع تھا اور پھر وقت کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہوتا رہا اور اقصائے عالم میں اللہ تعالیٰ کو ماننے والے اور رسول اللہ ﷺ کی سنت مطہرہ پر عمل کرنے والے لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں اور دنیا کی ہر مسجد کے مینار سے دن رات میں پانچ بار جہاں لا اِلٰہ اِلاّ اللہ کی صدا بلند ہوتی ہے وہاں محمد رسول اللہ کی آواز بھی کانوں میں سنائی دیتی ہے۔..........(ﷺ)

۴- عہد کو پورا کرنا

عہد و پیمان کے پاس ولحاظ رکھنے کی قرآن حکیم میں بڑی سخت تاکید آئی ہے، حکم ہوتا ہے:

﴿وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْؤُولًا﴾ (بنی اسرائیل:۱۷/۳٤)

''عہد کی پابندی کرو، بے شک (روزِ جزا وسزا) عہد کے بارے میں تم کو جواب دہی کرنی ہوگی۔''

رسول اللہ ﷺ نے نقصان اٹھانے کے باوجود عہد کی پوری طرح پابندی کی، صلح حدیبیہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر کوئی کافر، مسلمان ہو کر مدینہ جائے گا تو اسے آپ ﷺ واپس کریں گے اور اگر مدینہ کا کوئی مسلمان کافر ہو کر مکہ آئے گا تو قریش مکہ اسے واپس نہ کریں گے، اگرچہ یہ شرط عدل و انصاف کے خلاف تھی تاہم آپ ﷺ نے اسے منظور فرما لیا اور معاہدہ لکھنے کا حکم دے دیا، ابھی معاہدہ پر فریقین کے دستخط نہیں ہوئے تھے کہ ابو جندل رضی اللہ عنہ، مکہ سے بھاگ کر آپ ﷺ کے جانثاروں سے مل گئے ابو جندل رضی اللہ عنہ کے والد سہیل کو جب پتہ چلا تو اس نے یہ کہہ کر دستخط کرنے سے انکار کر دیا کہ پہلے آپ ﷺ میرے بیٹے کو جو مسلمان ہو کر آپ کے پاس چلا آیا ہے میرے حوالے کر دیں، آپ ﷺ نے ابو جندل رضی اللہ عنہ کو اس کے باپ کے حوالے کر دیا۔

اس عہد کو کئے ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ ابو بصیر رضی اللہ عنہ مکہ سے بھاگ کر مدینہ آ گئے،

آپ ﷺ نے ایفائے عہد کرتے ہوئے انہیں بھی واپس کر دیا۔ (معلم اخلاق، حافظ ثناء اللہ ضیا)

۵- عدل و انصاف

کسی بوجھ کو دو برابر حصوں میں اس طرح بانٹ دیا جائے۔ کہ ان دو میں سے کسی میں ذرا بھی کمی یا بیشی نہ ہو تو اس کو عربی میں ''عدل'' کہتے ہیں اور اس سے وہ معنی پیدا ہوتے ہیں جن میں ہم اس لفظ کو اپنی زبان میں بولتے ہیں جو بات ہم کہیں یا جو کام کریں اس میں سچائی کی میزان کسی طرف جھکنے نہ پائے اور وہی بات کہی جائے اور وہی کام کیا جائے جو سچائی کی کسوٹی پر پورا اترے اس تشریح سے معلوم ہوگا کہ اخلاق کے ترازو میں عدل و انصاف کا پلہ بھی کچھ کم بھاری نہیں۔

(سیرت النبیؐ، شبلی نعمانی جلد ششم)

'عدل' کو ظاہر کرنے کے لیے ترازو بہترین مثال ہے، جب ترازو کے دونوں پلڑے برابر ہو جائیں اور ان میں سے کسی پلڑے کا (ادنیٰ بھی) جھکاؤ کسی طرف نہ ہو تو اسے عدل کہیں گے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَالسَّمَاء رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ○ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ○ وَأَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ﴾ (الرحمن:۵۵/۷-۹)

''(اسی رب قدیر نے) آسمان کو بلند کیا اور میزان قائم کر دی، اس کا تقاضا یہ ہے کہ تم میزان میں خلل نہ ڈالو انصاف کے ساتھ ٹھیک ٹھیک تولو اور ترازو میں ڈنڈی نہ مارو۔''

''وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ'' اَیْ وَضَعَ فِی الْاَرْضِ الْعَدْلَ الَّذِی اَمَرَبِہ. اللہ تعالیٰ نے زمین میں المیزان یعنی عدل کو قائم کیا جس کو نافذ کرنے کا اس نے حکم دیا۔

''أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ'' اَیَ لَا تَجَاوَزُوْا الْعَدْلَ یعنی عدل و انصاف سے انحراف نہ کرو۔

(فتح القدیر، امام شوکانی)

اس حقیقت کو سورۃ الحدید میں اس طرح بیان کیا:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (الحدید:۵۷/۲۵)

’’(رب کریم کا ارشاد ہے) ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تا کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔‘‘

سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

’’اس مختصر سے فقرے میں انبیاء علیہم السلام کے مشن کا پورا لب لباب بیان کر دیا گیا ہے یعنی دنیا میں اللہ تعالیٰ کے جتنے رسول بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے وہ سب تین چیزیں لے کر آئے تھے:

(۱) بیّنات یعنی کھلی کھلی نشانیاں، روشن دلائل اور واضح ہدایات۔

(۲) کتاب، جس میں وہ ساری تعلیمات لکھ دی گئی تھیں جو انسان کی ہدایت کے لیے درکار تھیں تا کہ لوگ رہنمائی کے لیے اس کی طرف رجوع کر سکیں۔

(۳) میزان یعنی وہ معیارِ حق و باطل جو ٹھیک ٹھیک ترازو کی تول کو یہ بتا دے کہ اَفکار، اخلاق اور معاملات میں افراط وتفریط کی مختلف انتہاؤں کے درمیان اِنصاف کی بات کیا ہے؟ (مختصر حواشی)

قرآن حکیم کی بلند اور پاکیزہ تعلیمات پر غور کیجئے کہ دوست اور دشمن اپنوں اور غیروں کے ساتھ بھی عدل و انصاف کو روا رکھا گیا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ كُونُواْ قَوَّامِيْنَ لِلّهِ شُهَدَاء بِالْقِسْطِ وَلاَ يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلاَّ تَعْدِلُواْ اعْدِلُواْ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُواْ اللّهَ إِنَّ اللّهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ (المآئدہ:۵/۸)

’’اے ایمان والو! تم اللہ کی خاطر حق پر قائم ہو جاؤ، راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ (یاد رکھو!) کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کر دے، عدل کیا کرو جو پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔‘‘

ذرا اس واقعہ پر غور کیجیے۔

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میرے باپ نے مجھے عطیہ دیا تو میری والدہ نے کہا، اس عطیے پر آپ جب تک اللہ کے رسول کو گواہ نہیں بنائیں گے میں راضی نہیں ہوؤں گی، چنانچہ میرے والد

نبی ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ ﷺ نے پوچھا کیا تم نے اپنی ساری اولاد کو اس طرح کا عطیہ دیا ہے؟ انہوں نے نفی میں جواب دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ سے ڈرو! اور اولاد کے درمیان انصاف کرو'' اور فرمایا کہ ''میں ظلم پر گواہ نہیں بنوں گا۔'' (صحیح بخاری کتاب الهبه بحواله احسن البیان)

کتب سیرت و حدیث میں آپ ﷺ کے فیصلوں اور آپ ﷺ کے معاملات کی جو تفصیلات موجود ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی عدل کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا، جہاں تک اپنی ذات کا تعلق ہے۔ تو اس کے لیے وہ روایت کافی ہے جسے ابن ہشام نے نقل کیا ہے، آپ ﷺ نے مرض الموت میں عام لوگوں کے درمیان اِعلان کیا کہ اگر میرے ذمہ کسی کا قرض آتا ہو یا میں نے کسی کی جان و مال یا آبرو کو صدمہ پہنچایا ہو تو میری جان و مال و آبرو حاضر ہے، اسی دنیا میں وہ انتقام لے لے، مجمع میں سناٹا تھا، صرف ایک شخص نے چند درہم کا دعویٰ کیا جو اسے دلوا دیے گئے۔

(السیره النبویه، بحواله انسانِ کاملؐ خالد علوی)

سیدنا اسید بن حضر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار میں ایک خوش مزاج آدمی تھا، ایک مرتبہ وہ باتوں کے ذریعے لوگوں کو خوش کر رہا تھا، آپ ﷺ کا وہاں سے گزر ہوا، آپ ﷺ کے ہاتھ میں چھڑی تھی، آپ ﷺ نے چھڑی سے اس کے پہلو میں کچوکا دیا، وہ کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ مجھے بدلہ دیں، آپ ﷺ نے فرمایا بدلہ لے لو، وہ کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کے جسد اطہر پر قمیص ہے جبکہ میرا جسم برہنہ تھا۔ آپ ﷺ نے اپنی قمیص اٹھا کر بدلہ لینے کو کہا وہ آپ ﷺ کی جلد کو بوسہ دینے لگا اور عرض کیا کہ اسی بات کی تمنا تھی۔ (جمع الفوائد بحواله معلم اخلاق تالیف حافظ ثناء الله ضیاء)

۶- ایثار

ایثار حقیقت میں فیاضی کا آخری درجہ ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ دوسروں کی ضرورتوں کو اپنی ذاتی ضرورت پر مقدم رکھا جائے خود بھوکا رہے اور دوسروں کو کھلائے، خود تکلیف اٹھائے اور دوسروں کو آرام پہنچائے۔

قرآن حکیم کی بلند تعلیمات اور اُسوۂ رسول ﷺ نے یہ جوہر مسلمانوں میں پیدا کر دیا، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاَحۡسِنُوۡا، اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ﴾

''(مسلمانو!) احسان و مروت کا طریقہ اختیار کیا کرو (یاد رکھو!) اللہ تعالیٰ محسنوں کو پسند فرماتا ہے۔''

صدقہ وخیرات کرنا، غربا و مساکین کی خدمت کرنا، یتامیٰ اور بیوگان کے ساتھ حسن سلوک کرنا، اور یہ تمام خدمات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے سرانجام دینا، کسی صلہ اور شکریہ، انعام اور جزا سے بے نیاز ہو کر اس کارِ خیر کو کرنا، وہ ارفع و اعلیٰ وصف ہے جو اسلام کی سچی تعلیمات مسلمانوں میں پیدا کرتی ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس خوبی کو قرآن اس طرح بیان کرتا ہے:

﴿وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ○ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا﴾ (الدهر:٧٦/٨)

''اور یہ (ابرار و صالحین) اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (اور اُن کے دل کی صدا یہ ہوتی ہے کہ) 'ہم تمہیں صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلا رہے ہیں، ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں، نہ شکریہ۔''

پھر ان نیک بندوں کے ایثار نفس کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوْتُوا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (الحشر:٥٩/٩)

''یہ (انصار مدینہ) ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آئے ہیں اور جو کچھ بھی ان (مہاجرین) کو دے دیا جائے اس بات سے (انصار) اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہیں رکھتے بلکہ (ان کا جذبہ ایثار اس قدر توانا ہے) کہ اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو (بات یہ ہے) کہ جو بھی اپنے نفس کے بخل سے بچایا گیا وہی کامیاب (اور بامراد) ہے۔''

حدیث مبارکہ میں ایک واقعہ آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک مہمان آیا مگر کاشانہ نبوت میں کھانے کے لیے کچھ نہ تھا، چنانچہ ایک انصاری اسے اپنے گھر لے گئے، گھر جا کر بیوی کو بتایا تو اس

نے کہا کہ گھر میں تو صرف بچوں کی خوراک ہے، انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ بچوں کو تو آج بھوکا سلا دیں اور ہم خود بھی ایسے ہی کچھ کھائے بغیر سو جائیں گے، البتہ مہمان کو کھلاتے وقت (چراغ درست کرنے کے بہانے) اسے بجھا دیا جائے تاکہ مہمان سیر ہو کر کھالے اور اسے ہماری بابت علم نہ ہو کہ ہم اس کے ساتھ کھانا نہیں کھا رہے ہیں، صبح جب وہ صحابی (یعنی میزبان) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم دونوں میاں بیوی کی شان میں یہ آیت نازل فرمائی ہے: ﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ﴾ (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ الحشر)

یہ تو حالتِ امن میں ایثارِ نفس کی بہترین مثال ہے، ان صدق و صفا کے پیکروں کی تربیت اس انداز سے ہوئی تھی کہ میدان جنگ میں زخموں سے چور مجاہدینِ اسلام جان بلب ہیں مگر ایثار و قربانی کا جذبہ ایسا موجزن ہے کہ اپنی جان سے اپنے بھائی کی جان زیادہ پیاری اور عزیز ہے، شاعرانہ زبان میں اس واقعہ کو پڑھیے:

ترے اسلاف میں یہ باہمی الفت کا عالم تھا
کہ کچھ زخمی پڑے تھے اک جگہ اسلام کے شیدا
نزع کی پیاس تھی پانی کوئی لے کر جو جا پہنچا
وہ پہلے ایک کو دینے لگا پانی کا جب کوزا
کہا اس نے کہ پہلے دوسرا پی لے تو بہتر ہے
کہ میرا قوت بازو ہے اسلامی برادر ہے
وہ پانی دوسرے کے پاس لے کر جس گھڑی آیا
کہا اس نے کہ میں پانی پیوں مجھ کو نہیں زیبا
کہ تڑپے پیاس سے بھائی کلیجہ ہو میرا ٹھنڈا
غرض وہ جس کو دیتا تھا جواب اس نے یہ ہی پایا
پیا ہر ایک نے المختصر جام شہادت کو
کہ جان ایثار کر کے اپنی دکھلایا محبت کو

خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کے ایثار و مروت کے ان واقعات کو پڑھتے جائیے۔

آپ ﷺ کو اپنے بچوں سے بے حد محبت تھی جب کبھی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ سے ملنے آتی تھیں تو آپ ﷺ فرطِ محبت سے کھڑے ہو جاتے تھے، پیشانی پر بوسہ دیتے تھے تاہم سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عسرت اور تنگدستی کا حال یہ تھا کہ گھر میں کوئی خادمہ نہیں تھی، خود چکی پیستیں اور خود ہی پانی کی مشک بھر کر لاتیں، ایک دن بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئیں لیکن اپنی تکلیف بیان کرنے کی جرأت و ہمت نہ ہوئی، چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے گھر کی صورت حال عرض کی اور درخواست کی کہ فلاں غزوہ سے جو کنیزیں آئی ہیں ان میں سے ایک کنیز مل جائے۔

آپ ﷺ نے فرمایا اصحابِ صُفّہ کے لیے کوئی تسلی بخش انتظام نہیں ہو سکا، جب تک اس طرف سے اطمینان نہ ہو جائے، اس وقت تک کسی طرف میں توجہ نہیں کر سکتا۔ (اسوہ کامل، ڈاکٹر عبدالروف ظفر)

ایک مرتبہ ایک عورت نے ایک چادر آپ ﷺ کو تحفے کے طور پر پیش کی اور آپ ﷺ نے قبول فرمالی، ایک شخص نے اسی چادر کا سوال کیا، آپ ﷺ نے اتار کر اس کو دے دی، لوگوں نے ملامت کی اور کہا ''تم جانتے ہو کہ آپ ﷺ کو چادر کی ضرورت تھی اور آپ ﷺ نے کبھی سائل کے سوال کو رد نہیں کیا۔'' پھر تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا ''ہاں میں یہ دونوں باتیں جانتا ہوں لیکن میں نے حصولِ برکت کی غرض سے ایسا کیا ہے میں وصیت کر جاؤں گا کہ مرنے کے بعد اس چادر کا مجھ کو کفن دیا جائے اور اسی میں مجھے دفنایا جائے۔ (حوالہ ایضاً)

ایک دفعہ ایک غفاری آ کر مہمان ہوا، رات کو کھانے کے لیے صرف ایک بکری کا دودھ تھا، وہ آپ ﷺ نے مہمان کو دے دیا اور آپ ﷺ نے تمام رات فاقہ میں بسر کی، حالانکہ اس سے پہلی شب بھی آپ ﷺ فاقہ میں تھے۔

۷-عفو و درگزر

عفو و درگزر اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی صفت ہے، اگر یہ نہ ہو تو دنیا ایک لمحہ کے لیے بھی آباد نہ رہے اور دم کے دم میں یہ گناہوں سے بھری ہوئی کائنات کی بستی سونی پڑ جائے، اللہ تعالیٰ کے خاص ناموں میں سے ''عَفُوٌّ'' درگزر کرنے والا ''غَافِرٌ''، ''غَفُوْرٌ'' معاف کرنے والا اور ''غَفَّارٌ'' بہت زیادہ

معاف کرنے والا، اس کی شان ہے۔ (سیرت النبی، جلد ششم)

﴿اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّاراً﴾ (نوح: ۷۱/۱۰)

''(لوگو!) اپنے رب سے معافی مانگو، بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کو صفتِ عفو اتنی عزیز ہے کہ وہ اس کا پَرْتَوْ (عکس) اپنے بندوں میں دیکھنا چاہتا ہے، چنانچہ جن مومنوں کے لیے اللہ نے جزائے خیر کا وعدہ فرمایا ہے، ان کی ایک صفت یہ بتائی ہے:

﴿وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ﴾ (شوریٰ: ۴۲/۳۷)

''جب غصہ آئے تو وہ معاف کردیتے ہیں۔''

﴿وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾

(النور: ۲۴/۲۲)

''اور چاہیے کہ وہ معاف کردیں اور درگزر کریں، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے اور اللہ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

اور رسول اللہ ﷺ کو اس بات کی تربیت اس طرح دی جارہی ہے:

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾ (الاعراف: ۷/۱۹۹)

''(اے نبیؐ) نرمی اور درگزر کا طریقہ اختیار کرو، معروف کی تلقین کیے جاؤ اور جاہلوں سے نہ الجھو۔''

اور خاص طور پر دعوت وتبلیغ کا کام کرنے والو کے لیے تو رب کریم نے کتنی عمدہ نصیحت فرمائی ہے:

﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ﴾ (حٰمٓ السجدہ: ۴۱/۳۴)

''اور (اے نبیؐ) نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں، آپ بدی کو اس نیکی سے دفع کریں جو بہترین ہو، آپ دیکھیں گے کہ آپ کے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کا عفو و درگزر اپنی مثال آپ تھا، نہ صرف اپنوں سے درگزر کرتے بلکہ دشمنوں کو

بھی معاف فرما دیتے۔

آپ ﷺ کے خادم سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں کسی کام کے لیے بھیجنا چاہا، میں نے کہا نہ جاؤں گا، آپ ﷺ خاموش رہے، میں یہ کہہ کر باہر چلا گیا، اچانک آپ ﷺ نے پیچھے آ کر میری گردن پکڑ لی، میں نے مڑ کر دیکھا تو آپ ﷺ مسکرا رہے تھے اور پھر پیار سے فرمایا:

((یَا أُنَیْسُ! اِذْ هَبْ حَیْثُ اَمَرْ تُكَ))

''انیس جس کام کے لیے کہا تھا اس کے لیے ابھی جاؤ۔''

(ابو داؤد، کتاب الادب، بحوالہ انسان کامل ﷺ خالد علویؒ)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ ہی کہتے ہیں کہ میں نے نو برس آپ ﷺ کی خدمت کی، کبھی یہ نہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا؟ یا کیوں نہ کیا۔

سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ، بدری صحابی تھے اور اسلام کے ساتھ ان کے اخلاص میں شک وشبہ کی گنجائش نہ تھی مگر ان سے ایسی خطا ہوگئی جو پوری مسلم کمیونٹی کو نقصان پہنچانے والی تھی۔

رسول اللہ ﷺ جس زمانے میں فتح مکہ کی تیاریاں کر رہے تھے اور حسب معمول حربی حکمتِ عملی کے تحت ہر بات کو مخفی رکھ رہے تھے تاکہ کفار کو پتہ نہ چلے، حاطب بن ابی بلتعہ نے قریش کو ان تیاریوں کی اطلاع دینا چاہی، انہوں نے ایک خط لکھ کر اپنی عورت کے ذریعے مکہ روانہ کیا، رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہو گیا، چنانچہ آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو پیچھے بھیجا جو عورت کو خط سمیت گرفتار کر لائے جب حاطب سے پوچھا گیا تو انہوں نے اپنے قصور کا برملا اعتراف کیا وجوہ بتائیں اور غلطی کی معافی چاہی، آپ ﷺ نے نہ صرف اسے معاف کر دیا بلکہ اس عورت سے بھی کوئی تعرض نہ کیا۔ (حوالہ ایضاً)

غور کیجیے یہ کوئی معمولی خطا نہ تھی، اپنی قوم کے خلاف ایک طرح کی مخبری تھی اور مسلمانوں کو اس سے شدید نقصان پہنچ سکتا تھا کوئی اور حکمران ہوتا تو سزا کچھ اور ہوتی۔

رسول اللہ ﷺ کا عفو و درگزر فتح مکہ کے موقع پر قریش مکہ کے ساتھ تاریخ انسانیت کا انمٹ اور درخشاں واقعہ ہے۔

پھر وادی طائف میں آپ ﷺ کے ساتھ جو ناروا سلوک ہوا جس کے جواب میں آپ نے نہ صرف ان لوگوں کو معاف کر دیا بلکہ ان کے لیے دل سے دعا فرمائی، عفو و درگزر کے اس نیلگوں آسمان کے نیچے اس سے بہتر کون سی مثال پیش کی جا سکتی ہے؟

غرضیکہ آپ ﷺ کی حیات طیبہ قرآن حکیم کی جیتی جاگتی تصویر ہیں۔

۸- شرم وحیا:

امام راغب اصفہانی حیا کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

﴿اَلْحَیاءُ اِنْقِبَاضُ النَّفسِ عَنِ الْقَبائِح وَ تَرْکِهِ﴾ حیاء کا مفہوم یہ ہے کہ بری باتوں سے انسان کا دل تنگی محسوس کرے اور وہ انہیں چھوڑ دے۔ انسان کا یہ فطری وصف ہے جس سے اس کی بہت سی خوبیوں کی پرورش ہوتی ہے، عفت اور پاکبازی کا دامن اسی کی بدولت ہر داغ سے پاک رہتا ہے، درخواست کرنے والوں کو محروم نہ پھیرنا اسی وصف کا خاصا ہے، آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ چشم پوشی اسی کا اثر ہے اور بہت سے گناہوں سے پرہیز اسی وصف کی برکت ہے۔ (سیرت النبیؐ، ج:٦)

رسول اللہ ﷺ نے جس معاشرہ میں جنم لیا اور جہاں ابتدائی پرورش پائی وہ ایسا معاشرہ تھا جو ربانی ہدایت سے محروم اور تہذیبی قدروں کے لحاظ سے غیر ترقی یافتہ، ان کے قبائلی نظام کی بعض قدریں تھیں جن کا وہ لحاظ کرتے تھے لیکن انہیں کسی اخلاقی نظام میں متعین کرنا مشکل ہے، عرب میں اور گرد و پیش کے اور ملکوں کی طرح شرم وحیا کا کم لحاظ مثلاً ننگے نہانا عام بات تھی یہاں تک کہ حرم کعبہ کا طواف بھی برہنہ ہو کر کرتے تھے۔ (انسان کامل ﷺ، ڈاکٹر خالد علوی)

خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ نے اس کی سخت ممانعت کی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے اس نے لباس کو انسان کے لیے باعث زینت وعزیمت بنایا ہے۔

﴿یَا بَنِیْ آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاساً یُوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشاً وَلِبَاسُ التَّقْوَی ذَلِکَ خَیْرٌ ذَلِکَ مِنْ آیَاتِ اللّهِ لَعَلَّهُمْ یَذَّکَّرُونَ﴾ (الاعراف:٧/٢٦)

"(رب کریم کا ارشاد ہے) اے اولادِ آدمؑ! ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے کہ تمہارے جسم

کے قابل شرم حصوں کو ڈھانکے اور تمہارے لیے جسم کی حفاظت اور زینت کا ذریعہ بھی ہو (اور یہ بات بھی یاد رکھو!) کہ بہترین لباس تو تقویٰ کا لباس ہے (کہ اللہ تعالیٰ کے لیے دل سے ادب و احترام کبھی فراموش نہ کرنا) یہ (لباس بھی) اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے (کہ انسان اللہ تعالیٰ کے ان گنت احسانات میں سے اس حقیقت کو پہچانے کہ اللہ نے اسے کس قدر شرف بخشا ہے) شاید کہ لوگ اس سے سبق لیں (رب کائنات کی معرفت حاصل کریں)۔''

یہ بھی ارشاد فرمایا:

﴿يَا بَنِىٓ آدَمَ خُذُواْ زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (الاعراف:۷/۳۱)

''اے بنی آدمؑ! ہر عبادت کے موقع پر (صاف ستھرا) لباس زیب تن کرو۔''

آپ ﷺ نے حیا کی قدر و قیمت کو اس طرح واضح کیا:

((اَلْحَيَاءُ لَا يَاْتِىْ اِلَّا بِخَيْرٍ)) (بخاری، کتاب الادب، باب الحیاء)

''حیاء سے خیر اور بھلائی ہی ملتی ہے۔''

((اِنَّ مِمَّا اَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النَّبُوَّةِ الْاُوْلٰى اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ)) (حوالہ ایضاً)

''لوگوں نے پہلے انبیاء کی جو باتیں پائی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اگر تم میں شرم وحیا نہیں ہے تو جو چاہو کرو۔''

((لِكُلِّ دِيْنٍ خُلُقٌ وَ خُلُقُ الْاِسلامِ اَلْحَيَاءُ)) (بخاری، کتاب الادب، باب الحیاء)

''ہر دین کا ایک خاص خلق ہوتا ہے اور اسلام کا خاص خلق حیا ہے۔''

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَر اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ وَ هُوَ يَعِظُ اَخَاهُ فِى الْحَيَاءِ: قَالَ رَسولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْهُ فَاِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْاِيْمَانِ)) (بخاری، حوالہ ایضاً)

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار میں

سے ایک شخص کے پاس سے گزرے، وہ اپنے بھائی کو حیا (اختیار) کرنے کی نصیحت کر رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اسے کچھ نہ کہو، بے شک حیا ایمان کا جزو ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کی ذات میں حیا کا وصف بدرجہ اتم موجود تھا، خالق کائنات نے چونکہ آپ ﷺ کو بطور نمونہ انسانیت کے سامنے پیش کرنا تھا اس لیے ہر ایسے کام سے آپ ﷺ کی حفاظت فرمائی جو منصب نبوت کے منافی ہوسکتی تھی، آپ ﷺ کے بچپن کا واقعہ ہے کہ خانۂ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی، آپ بھی پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے، آپ ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ نے کہا تم تہبند کھول کر کندھے پر رکھ لو تاکہ پتھر کی رگڑ نہ لگے، ایسا کرنا تھا کہ آپ ﷺ پر بے ہوشی طاری ہوئی اور زمین پر گر گئے، آنکھیں آسمان پر لگی تھیں اور زبانِ مبارک پر تھ میرا تہبند (اِزاری، اِزاری) عباس رضی اللہ عنہ نے تہبند باندھ دیا۔

(بخاری، کتاب الحج بحوالہ انسانِ کاملؐ، ڈاکٹر خالد علوی)

آپ ﷺ میں حیا کی یہ صفت جس طرح موجود تھی اسے آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

((كَانَ النبىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسلّم اَشَدُّ حَيَاءً مِن الْعَذْرَاءِ فِىْ خِدْرِهَا))

(حوالہ ایضاً)

''رسول اللہ ﷺ پردہ نشین کنواری لڑکی سے بھی زیادہ شرمیلے تھے۔''

شرم و حیا کا اثر آپ ﷺ کی ایک ایک ادا سے ظاہر ہوتا تھا، آپ ﷺ نے کبھی کسی سے بدکلامی نہیں کی، بازار جاتے تو خاموشی سے گزر جاتے، بھری محفل میں کوئی بات ناگوار گزرتی تو زبان سے کچھ اظہار نہ فرماتے، چہرہ مبارک کے تاثر سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم متنبہ ہو جاتے، عریانی اور بے حیائی کی باتوں سے آپ ﷺ کو طبعی نفرت تھی۔ (حوالہ ایضاً)

حیا کے سلسلے میں آپ ﷺ نے جو کچھ فرمایا جس طرح عمل کیا وہ انسانی شرافت اور شائستگی کے لیے ایک نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے، آج شائستگی کی دنیا میں نرم روی ایک مثبت تہذیبی قدر کے طور پر مسلم ہے، یہ نرم روی حیاء ہی کا ایک پہلو ہے، البتہ اس سلسلے میں یہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ حیاء کے معنی بزدلی اور حقائق سے گریز نہیں، حق کے اظہار میں نرم روی کمزوری ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید کی ہے،

رسول اللہ ﷺ کے ایک رویے پر اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر فرمایا۔

﴿إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ﴾

(الاحزاب:٣٣/٥٣)

''اس سے نبی ﷺ کو اذیت ہوتی ہے اور وہ تمہارا لحاظ کرتے تھے اور اللہ تو حق کے سلسلے میں کسی کا لحاظ نہیں کرتا۔''

اُم المؤمنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے دعوتِ ولیمہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھانے کے بعد دیر تک باتیں کرتے رہے جس سے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف تو ہو رہی تھی لیکن فطری حیا پر اس کا اظہار نہیں کرتے تھے چونکہ ایسا کرنا آداب نبوت کے خلاف تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا آیہ مبارکہ نازل فرمائی۔ (حوالہ ایضاً)

انصاری عورتوں کے دینی ذوق اور تلاش علم پر تبصرہ کرتے ہوئے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

((نِعْمَ النِسَاءُ نِسَاءُ الْاَنْصَارِ لَمْ يَكُنْ يَمْنَعُهُنَّ الْحَيَاءُ اَنْ يَّتَفَقَّهْنَّ فِي الدِّيْنِ))

''انصار کی عورتیں کس قدر اچھی تھیں کہ دین کا علم حاصل کرنے سے ان کو حیا نہیں روکتی تھی۔''

(حوالہ ایضاً)

تربیت حیا

یہ وصف انسان میں بچپن ہی سے فطری ہوتا ہے، اگر اس کی مناسب تربیت کی جائے تو وہ قائم رہتا ہے، بلکہ بڑھتا جاتا ہے اور اگر بری صحبت لگ جائے اور اچھے لوگوں کا ساتھ نہ رہے تو جاتا بھی رہتا ہے، اسی لیے اسلام نے اس کی مناسب نگہداشت کا حکم دیا۔ ستر عورت کا خیال، نگاہیں نیچی رکھنا، بے حیائی کی باتوں کو بولنے اور دیکھنے سے روکنا (اور خود بھی رک جانا) برہنگی کو منع کرنا (اور خود بھی باز آنا) یہاں تک کہ غسل خانہ اور خلوت میں بھی اس کی اجازت نہ دینا، اسی لیے ہے کہ آنکھیں شرم کے منظر سے جھینپتی رہیں، اگر تھوڑی تھوڑی بے حیائی کی جرأت بڑھتی جائے گی تو رفتہ رفتہ انسان پکا بے حیا بن جائے گا۔ (سیرت النبیؐ، ج:٦)

اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے سب سے مؤثر صفت جو انسان کے اندر حیا کے شعور کو بیدار کرتی ہے وہ اس کے احاطہ علم کی صفات ہیں جو بندہ اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ہر قول و فعل کی نگرانی کر رہا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾ (النساء:٤/ ١)

''بے شک اللہ تمہاری نگرانی کر رہا ہے۔''

جس کو اس حقیقت کا علم ہے کہ وہ نگاہوں کی خیانتوں اور سینے کے ہر راز سے باخبر ہے:

﴿يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَ مَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ﴾ (المؤمن:٤٠/ ١٩)

''یعنی وہ نگاہوں کی چوری بھی جانتا ہے اور ان بھیدوں کی بھی جو سینے میں چھپے ہوئے ہیں۔''

جس ایمان و یقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ ''علیم و خبیر'' کی صفات ہمارے دل و دماغ میں راسخ ہوں گی اسی قدر حیا کا شعور اجاگر ہوگا۔

اس کے علاوہ انسان اللہ تعالیٰ کے ان گنت انعامات و احسانات کو سامنے رکھے تو بے اختیار اس منعم حقیقی کے لیے دل سے شکر کے جذبات ابھرتے ہیں اور اس کے احکام پر عمل پیرا ہونے کی طلب اور تڑپ پیدا ہوتی ہے۔

قرآن حکیم کی تدبر سے تلاوت اور آیات کو حرز جاں بنانے اور اللہ تعالیٰ سے عمل کی توفیق سنت نبوی کے مطابق طلب کرتے رہنے سے حیا کی صفت پروان چڑھتی ہے۔

حقیقی حیا

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب نبی ﷺ نے ایک روز اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا ''اللہ تعالیٰ سے حیا کرو اور پوری طرح اس بات کا حق ادا کرو۔'' انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! الحمدللہ، ہم اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ اس طرح نہیں، اصل بات یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے یہاں حیا کا صحیح حق ادا کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ اپنے سر اور جو کچھ اس میں ہے (یعنی آنکھ، کان، زبان، منہ) کی نگہبانی کرے اور پیٹ کی اور جو کچھ اس میں ہے (یعنی حلال و حرام اور شرمگاہ) کی حفاظت کرے، موت اور ہلاکت اس کے پیش نظر رہے (کوئی کام ایسا نہ کرے جو

اس کے لیے آخرت میں رسوائی کا باعث بنے) اور جو شخص آخرت کی آرزو رکھتا ہو تو وہ دنیا کی زیب و زینت میں محو ہو کر اعمال صالحہ کو نہیں بھلاتا اور جو ایسا کرتا ہے تو گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کا صحیح معنوں میں حق ادا کرتا ہے۔ (مشکوٰۃ باب تمنی الموت و ذکر)

حیا اور ایمان

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلْحَیاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ))

یعنی حیا ایمان سے ہے۔

شرم و حیا اگر انسان کا زیور ہے تو مسلمان کے ایمان کا جزو لاینفک ہے گویا کہ ایمان اور حیا کی حیثیت چولی دامن کی سی ہے، ایمان کا لازمی ثمرہ حیا ہے اور حیا ہی سے ایمان کو تقویت ملتی ہے، ایمان کی حقیقت پا لینے کے بعد بندہ مومن نہ صرف اس کی لذت و حلاوت محسوس کرتا ہے۔ بلکہ اس کے اثرات زندگی میں مرتب ہوتے ہیں۔

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی مبارک زندگی میں یہ صفت نمایاں نظر آتی ہے، آپ ﷺ نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں ہر طرف فسق و فجور، برائی اور بے حیائی کے طوفان چل رہے تھے مگر آپ ﷺ کے دامن حیا کو اللہ تعالیٰ نے ہر طرح محفوظ رکھا۔

یَتَامیٰ کا غمگسار

اسلام میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کا حسین امتزاج ہے، بندہ مومن کی جبین نیاز اپنے رب کی چوکھٹ پر جھکتی ہے تو اس کے ساتھ ساتھ اس کے بندوں کی خدمت کے لیے وہ ہمہ وقت تیار بھی رہتا ہے، قرآن حکیم کی پاکیزہ تعلیمات اور خاتم النبیّن محمد رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں یہ باتیں نمایاں ملتی ہیں۔

سورۃ البقرہ کے آغاز ہی میں اہل تقویٰ اور کامیاب انسانوں کی صفات میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُوْنَ﴾ (البقرہ:۲/۳)

''متقین وہ ہیں) جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں جو رزق ہم نے ان کو دیا

ہے، اس میں سے (غربا و مساکین) پر خرچ کرتے ہیں۔''

آپ غور کیجئے کہ ایمان بالغیب اور اقامتِ صلوٰۃ تو حقوق اللہ ہوئے اور انفاق فی سبیل اللہ حقوق العباد۔

سورۃ بنی اسرائیل میں حکم ہوتا ہے:

﴿وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً﴾ (بنی اسرائیل:۱۷/۲۳)

''تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔''

بندگی رب تو حقوق اللہ کی بات ہوئی اور والدین سے حسن سلوک حقوق العباد کی تلقین۔

قرآن حکیم اور احادیثِ رسول ﷺ میں معاشرے میں بسنے والے مختلف طبقات کے لوگوں کے حقوق و فرائض کا ذکر آیا ہے مثلاً، رشتے داروں کے حقوق، پڑوسیوں کے حقوق، ضرورتمندوں کے حقوق، غلاموں کے حقوق، مہمانوں کے حقوق، مسلمانوں کے باہمی حقوق اور انسانی برادری کے حقوق وغیرہ۔

یتیم کسے کہتے ہیں؟ امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ وہ بچہ جو بالغ ہونے سے پہلے شفقت پدری سے محروم ہو جائے یتیم کہلاتا ہے۔ (مفردات القرآن) اس کے قریبی رشتہ دار یا قرب و جوار میں بسنے والے مسلمانوں کا فرض ہے کہ اسے آغوش محبت میں لے لیں۔ اور اگر اس کے بہن بھائی ہوں تو ان سب کی تعلیم و تربیت کا خیال رکھیں۔ انہیں اپنے بچوں کا سا پیار دیں۔ عقل و شعور کی عمر کو پہنچنے کے بعد ان کے باپ کی متروکہ جائیداد ان کے درمیان شریعت کے مطابق تقسیم کر دیں اور یتیم لڑکیوں کی عفت و عصمت اور شادی بیاہ کی مناسب فکر کریں، یہ وہ احکام ہیں جو مکہ کا یتیم، پیغمبر انسانیت ﷺ اپنے ساتھ لایا۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے یتیموں کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا تھا اور اسلام نے انہیں عزت وعظمت کے کس مقام پر پہنچا دیا۔

عربوں میں آئے دن جنگ و جدال اور قتل و غارت کے سبب یتیموں کی کثرت تھی۔ ان یتامیٰ کو وراثت سے محروم کر دیا جاتا خاندان میں جس کا زور چلتا ان کی جائیداد کو ہڑپ کر جاتا، اس طرح وہ نہ

صرف متروکہ مال سے محروم ہو جاتے بلکہ ان کی تعلیم و تربیت اور مناسب دیکھ بھال بھی نہ ہو پاتی، قرآن حکیم نے ان غاصب لوگوں کا نقشہ کھینچا ہے جو یتامیٰ کے مال کی خرد برد کرتے تھے:

﴿كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ○ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَى طَعَامِ الْمِسْكِينِ ○ وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلاً لَّمّاً ○ وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبّاً جَمّاً﴾ (الفجر:۸۹/۱۷-۲۰)

''(دیکھو!) تم یتیم سے عزت کا سلوک نہیں کرتے اور مسکین کو کھانا کھلانے پر ایک دوسرے کو نہیں اُکساتے اور میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال کی محبت میں بری طرح گرفتار ہوتے ہو۔''

اور کہیں ان کی خیانت اور دھوکے کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿وَآتُواْ الْيَتَامَى أَمْوَالَهُمْ وَلاَ تَتَبَدَّلُواْ الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ وَلاَ تَأْكُلُواْ أَمْوَالَهُمْ إِلَى أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا﴾ (النساء:٤/٢)

''(دیکھو!) یتامیٰ کے مال ان کو واپس کردو، اور اچھے مال کو برے مال سے نہ بدل لو اور ان کے مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھا جاؤ، یہ بہت بڑا گناہ ہے۔''

اور کبھی وہ یتامیٰ کے مال جلدی جلدی اس لیے کھاتے کہ بڑے ہو کر کہیں اپنے مال کا مطالبہ نہ کرنے لگیں، قرآن انہیں اس بات سے ڈراتا ہے۔

﴿وَلاَ تَأْكُلُوهَا إِسْرَافاً وَبِدَاراً أَن يَكْبَرُواْ﴾ (النساء:٤/٥)

''اور ایسا کبھی نہ کرو کہ حدِ انصاف سے تجاوز کر کے اس خوف سے ان کے مال جلدی جلدی کھا جاؤ کہ وہ بڑے ہو کر اپنے حق کا مطالبہ کرنے لگیں۔''

آیئے اب دیکھیں کہ اسلام نے اس بے کس طبقہ انسانی کی کس طرح خدمت و حفاظت کا سرو سامان کیا قرآن میں یتامیٰ کے ساتھ حسن سلوک، مروت، خدمت اور ان کی حفاظت کا کئی جگہ ذکر آیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اور اسوہ حسنہ نے اس کو کمال تک پہنچا دیا، حقوق اللہ کی ادائیگی کے بعد حقوق العباد کی طرف اس طرح توجہ دلائی گئی۔

﴿وَاعْبُدُواْ اللّهَ وَلاَ تُشْرِكُواْ بِهِ شَيْئاً وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً وَبِذِي الْقُرْبَى

وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ﴾ (النساء:٤/٣٦)

''(لوگو!) تم سب اللہ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔''

اُن کی صلاح وفلاح اور ان کے ساتھ خیر وبھلائی کی تعلیم اس طرح دی گئی ہے۔

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَى قُلْ إِصْلاَحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ﴾ (البقرہ:٢/٢٢٠)

''(اے نبی) لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ یتیموں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ ان کو جواب دیجیے کہ جس طرزِ عمل سے اُن کا سدھار ہو وہی بہتر ہے۔''

لفظ ''اصلاح'' پر غور کیجئے اس میں ان کی تعلیم وتربیت بود وباش، حفاظت وصیانت اور نشوونما کی پوری طرح نگرانی کا مفہوم آجاتا ہے۔

پھر خاص طور پر ان کے مال کی حفاظت اور اس کی نگرانی کی تاکید ان الفاظ میں کی گئی ہے:

﴿وَلَا تُؤْتُواْ السُّفَهَاء أَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُواْ لَهُمْ قَوْلاً مَّعْرُوفًا﴾ (النساء:٤/٥)

''اور اپنے وہ مال جنہیں اللہ نے تمہارے قیام زندگی کا ذریعہ بنایا ہے ان نادان لوگوں (یعنی ناسمجھ یتیموں) کے حوالے نہ کرو (مبادا کہ وہ انہیں ضائع کر دیں) البتہ انہیں کھانے پینے کے لیے دو اور انہیں نیک ہدایت کرتے رہو۔''

غور کیجئے کہ اگرچہ یہ مال یتامیٰ کا ہے لیکن اسے ''اَمْوَالَكُمْ'' تمہارے مال کہہ کر یہ بتانا مقصود ہے کہ جس طرح تم اپنے لہو پسینے کی کمائی کا مال حفاظت سے رکھتے ہو اسی طرح یتامیٰ کے مال کی حفاظت کرو کہ مال اللہ کی بڑی نعمت ہے اور بڑی قدر کی چیز ہے، ابھی اسے نافہم یتیموں کے ہاتھ میں نہ دے دو کہ وہ اس کی قدر ومنزلت سے ناواقف ہیں اور وہ ناقدری سے اسے اڑا دیں گے ہاں پوری طرح سنِ شعور کو پہنچ جائیں تو احتیاط سے ان کے مال ان کو واپس کر دو۔

پھر غور کیجئے یتامیٰ کے ساتھ ہمدردی وغمخواری کو نفسیاتی پہلو سے اس طرح سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے:

﴿وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُواْ مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافاً خَافُواْ عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّهَ وَلْيَقُولُواْ قَوْلاً سَدِيْداً﴾ (النساء:٤/٩)

''اورلوگوں کواس بات کا خیال کر کے ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ اپنے پیچھے بے بس ننھے ننھے بچے چھوڑتے تو مرتے وقت انہیں اپنے بچوں کے بارے میں کیسے کچھ اندیشے لاحق ہوتے، پس ضروری ہے کہ وہ اللہ سے ڈریں (اور یتامیٰ کے حق میں) معقول بات کریں (اور ایسا کوئی معاملہ نہ کریں اور کوئی بات نہ کہیں کہ ان کے ٹوٹے ہوئے دلوں کوٹھیس پہنچے)۔''

پھر بھی جولوگ دیدہ دانستہ یتامیٰ کے مال میں زیادتی کرتے ہیں تو انہیں زبردست وعید سنائی گئی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامٰى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِيْ بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا﴾ (النساء:٤/١٠)

''جولوگ ناحق یتامیٰ کا مال کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتے ہیں وہ لازماً جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے۔''

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ مکہ کے دریتیم، خاتم النبیین رحمۃ للعالمین ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا نصیحت ہورہی ہے:

﴿أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَآوَى ○ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَى ○ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَى ○ فَأَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ○ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ﴾ (الضحیٰ:٩٣/٦-١٠)

''کیا (اس رب کریم نے) آپ کو یتیم پایا تو اپنی پناہ میں نہ لے لیا اور تلاشِ حق میں سرگرداں پایا تو راہِ راست پر نہ ڈال دیا اور محتاج پایا تو غنی نہ کردیا، پس آپ بھی جو یتیم ہے اُسے مت دبایئے اور جو سائل ہے اُسے مت جھڑکیے۔''

پھر تاریخ نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے اِن نصائح کو کس طرح حرزِ جان بنایا اور زندگی بھر یتامیٰ اور مساکین کی خدمت کو کبھی فراموش نہ کیا اور اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کی ایسی تربیت کی کہ اُن کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

﴿وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ○ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ

لِوَجْهِ اللّٰهِ لاَ نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلاَ شُكُوْرًا۝﴾ (الدھر: ۷۶/ ۷-۸)

''اور وہ مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے رہے ہیں جبکہ وہ خود اُس کے حاجت مند ہوتے ہیں (اس جذبے کے ساتھ کہ) ہم تمہیں صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں، نہ تم سے کسی بدلے کے طالب ہیں اور نہ شکریہ کے۔''

رسول اللہ ﷺ اِن لوگوں کو اس طرح خوشخبری دیتے ہیں:

((أَنَا وَ كَافِلُ اليتيم فِي الْجَنَّةِ هكَذَا وَ أشارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطَى وَ فَرَّجَ بَيْنَهُمَا)) (رواہ البخاری، ریاض الصالحین باب ملاطفۃ الیتیم)

''یتیم کی کفالت کرنے والا اور میں جنت میں اس طرح ہوں گے، انگشت شہادت اور درمیانی انگلی میں کچھ فرق رکھ کر بتایا کہ اس طرح پھر اس طرح بھی ارشاد ہوا:

((السَّاعِي عَلَى الْاَرْمَلَةِ وَ الْمِسْكِيْنِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ اَحْسَبُهٗ قَالَ: الَّذِيْ لَا يَفْتُرُ وَ كَالصَّائِمِ الَّذِيْ لَا يُفْطِرُ)) (بخاری، مسلم- حوالہ ایضاً)

بیوہ اور مسکین (غریب اور یتیم) کی خبر لینے والا اللہ کے راستے میں لڑنے والے کی طرح ہے (اور راوی کہتے ہیں) اور میرا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ایسے عابد کی طرح جو سست نہ پڑے یا ایسے روزہ دار کی طرح جو افطار نہ کرے۔

قارئین کرام! کوہِ ہمالیہ کی چوٹیوں کو عبور کرنا بڑا کارنامہ خیال کیا جاتا ہے، مگر قرآن کی نظر میں اس سے بڑا کارنامہ اور حیاتِ جاوداں عطا کرنے والا عمل اس طرح بتایا گیا ہے۔

﴿وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْعَقَبَةُ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ۝ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ۝ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ۝ اَوْمِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ۝﴾ (البلد: ۹۰/ ۱۲-۱۶)

''اور تم کیا جانو کہ دشوار گزار گھاٹی کیا ہے (وہ یہ ہے) کہ کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا یا فاقے کے دن کسی قریبی یتیم یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔''

آپ ﷺ نے زندگی بھر یتامیٰ اور مساکین کی خدمت فرمائی، جن کا کوئی سرپرست نہ ہوتا، اُن کی نگرانی اور سرپرستی آپ ﷺ فرماتے تھے۔ گویا اس گھاٹی کو عبور کیا۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ
صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

۱۰-صبر ورضا کا پیکر

''صبر'' کے لغوی معنیٰ ''روکنے'' اور ''سہارنے'' کے ہیں یعنی اپنے نفس کو اضطراب اور گھبراہٹ سے روکنا اور اس کو اپنی جگہ پر ثابت قدم رکھنا اور یہی صبر کی معنوی حقیقت بھی ہے یعنی اس کے معنی بے اختیاری کی خاموشی اور انتقام نہ لے سکنے کی مجبوری کے نہیں بلکہ پامردی، دل کی مضبوطی، اخلاقی جرأت اور ثابت قدمی کے ہیں۔ (سیرت النبیؐ، ج:۶)

دعوت وتبلیغ:

صبر کی ضرورت زندگی کے مختلف مواقع اور مراحل پر پڑتی ہے۔ دعوت وتبلیغ کا کام کرتے وقت مشکلات اور مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنكَرِ وَاصْبِرْ عَلَى مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ﴾ (لقمٰن:۳۱/۱۷)

''نیکی کا حکم دو اور بدی سے منع کرو اور (اس راہ میں) جو مصیبت بھی پڑے اس پر صبر کرو یقیناً یہ بڑے حوصلے کے کام ہیں۔''

یہ سیدنا لقمانؑ کی اپنے لخت جگر کو نصیحت تھی۔

رسول اللہ ﷺ کو رب کریم کی طرف سے کس قدر مٹھاس اور محبت سے حکم ہو رہا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ○ قُمْ فَأَنذِرْ ○ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ○ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ○ وَالرُّجْزَ

فَاهْجُرْ ○ وَلَا تَمْنُن تَسْتَكْثِرُ ○ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ﴾ (المدثر: ۷۴/۱-۷)

''اے کپڑے میں لپٹنے والے (محمد ﷺ) اٹھیے (اور پھر) لوگوں کو اللہ کا خوف دلایئے (تاکہ وہ اپنے اعمالِ بد کے نتائج سے ڈریں) اور اپنے رب کی عظمت بیان کیجیے اور اپنے لباس کو پاکیزہ رکھیے اور بتوں (کی نجاست و غلاظت) سے الگ رہیے اور کسی پر (اس خیال سے) احسان نہ کیجیے کہ اس سے زیادہ کے طالب ہوں اور (تبلیغ دین کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات پر) اپنے رب (کی رضا مندی ہی) کے لیے صبر کیجیے۔''

پھر اس پر مزید تاکید اس طرح کی جا رہی ہے۔

﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ (الاحقاف:۴۶/۳۵)

''(اے نبیؐ) صبر کیجئے جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا۔''

میدان جنگ

پھر ''صبر'' کو میدان جنگ میں دشمن کے مقابلے میں سینہ سپر رہنے کے مفہوم میں بیان کیا گیا ہے نیز خواہشات نفس کو پامال کر کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کو اختیار کرنا بھی اسی مفہوم میں آ جاتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اصْبِرُواْ وَصَابِرُواْ وَرَابِطُواْ وَاتَّقُواْ اللّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾

(آل عمران:۳/۲۰۰)

''اے ایمان والو! صبر سے کام لو، باطل پرستوں کے مقابلے میں پامردی دکھاؤ، حق کی خدمت کے لیے کمر بستہ رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو، امید ہے کہ فلاح پاؤ گے۔''

حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

''صبر کرو یعنی طاعات کے اختیار کرنے اور شہوات ولذات کے ترک کرنے میں اپنے نفس کو مضبوط اور ثابت قدم رکھو اور مُصَابَرَةٌ (صَابِرُوا) یہ ہے کہ جنگ کی شدتوں میں دشمن کے مقابلے میں ڈٹے رہنا، یہ صبر کی سخت ترین صورت ہے، اس لیے اسے علیحدہ بیان فرمایا: ''رَابِطُوا'' میدانِ جنگ یا محاذِ جنگ میں مورچہ بند ہو کر ہمہ وقت چوکنا اور جہاد کے لیے

تیار رہنا ''مرابطہ'' ہے، یہ بھی بڑے عزم وحوصلہ کا کام ہے اس لیے حدیث میں اس کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے ﴿رِبَاطُ يَوْمٍ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا﴾ اللہ کے راستے (جہاد) میں ایک دن پڑاؤ ڈالنا (یعنی مورچہ بند ہونا) دنیا و مافیھا سے بہتر ہے علاوہ ازیں حدیث میں مکارہ (یعنی ناگواری کے حالات میں، سردی، گرمی میں) مکمل وضو کرنے مسجدوں میں زیادہ دور سے چل کر جانے اور ہر نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار کرنے کو بھی ''رِباط'' کہا گیا ہے۔ (بحوالہ احسن البیان)

نقصان اور تنگدستی:

اور ''صبر'' کا اطلاق جان و مال کے نقصان تنگدستی اور فقر و فاقہ پر بھی ہوتا ہے:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوفُ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمَوَالِ وَالأنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ﴾ (البقرہ:۲/۱۵۵)

''(رب کریم کا فرمان ہے) اور ہم تمہاری آزمائش کر کے رہیں گے کچھ خوف وخطر سے فاقہ کشی اور جان و مال کے نقصانات سے اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے (ان حالات میں) صبر کرنے والوں کو (اجر عظیم) کی خوشخبری دیجیے۔''

صبر کرنے والے کون ہیں؟ وہ بندے جو حالت غم میں بھی حدودِ شریعت سے قدم باہر نہیں نکالتے، صبر کرنے کے معنی یہ نہیں کہ بندہ بالکل بے حس ہو جائے اور غم کو غم محسوس ہی نہ کرے، اس کا نام صبر نہیں بے حسی ہے، صبر یہ ہے کہ انتہائی غمناک اور دردانگیز واقعہ پر بندہ عقل کو نفس پر غالب رکھے، زبان کو شکوہ اور ناشکری سے آلودہ نہ ہونے دے اور نظر خالق کون و مکان پر اُس کی مصلحت وحکمت پر اس کی شفقت و رحمت پر رکھے:

غم میں بھی قانونِ فطرت سے میں کچھ بدظن نہیں
یہ سمجھتا ہوں کہ میرا دوست ہے، دشمن نہیں (تفسیر ماجدی)

تقویٰ اور صبر:

تقویٰ اور صبر کا آپس میں چولی دامن کا سا تعلق ہے تقویٰ کا راستہ وہی شخص اختیار کرسکتا ہے جس

میں صبر (یعنی گناہوں سے بچنے پر ضبط ہو) یا اس طرح بھی کہا جا سکتا ہے تقویٰ اختیار کرنے (یعنی اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں پیدا ہونے سے) انسان میں صبر کی عادت پیدا ہو جاتی ہے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان صفات سے نوازا تھا، اُن کے تقویٰ اور صبر والی زندگی پر ان کے اجر کا ذکر قرآن اِن الفاظ میں کرتا ہے:

﴿إِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللّٰهَ لاَ يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ (یوسف:۱۲/۹۰)

''حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی تقویٰ اور صبر سے کام لے تو اللہ کے ہاں ایسے نیک لوگوں کا اجر ضائع نہیں ہوتا۔''

تقویٰ اور صبر کا اختیار کرنا زندگی گزارنے کے وہ زریں اصول ہیں جن کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں ضائع نہیں ہوتا اور یہ خوبیاں کسی شخص کو درجۂ احسان پر فائز کر دیتی ہیں۔ احسان کی کیفیت حدیث مبارکہ کی روشنی میں یہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاه فَإِنَّهُ يَرَاك))

''تم اللہ تعالیٰ کی اس طرح بندگی کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو یا کم از کم یہ خیال کرو کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔''

احسان سے اخلاص کی کیفیت بھی پیدا ہوتی اور اس سے اللہ تعالیٰ کے ہاں اعمال مقبول ہو جاتے ہیں اور وہ بندے بھی اللہ کے محبوب بن جاتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿الَّذِيْنَ يُنفِقُونَ فِيْ السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (ال عمران:۳/۱۳۴)

''(اللہ تعالیٰ کی جنت کن لوگوں کے لیے ہے) جو ہر حال میں (غربا و مساکین) پر اپنے مال خرچ کرتے ہیں خواہ بدحال ہوں یا خوش حال، جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں..... ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں۔''

صبر اور نماز

صبر اور نماز کا بھی گہرا ربط ہے، مصائب و آلام میں صبر سے کام لینا بندہ مومن کا زادِ راہ ہے اور روح کی یہ غذا نماز سے حاصل ہوتی ہے۔ اہل ایمان کو نماز کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہوتا ہے جس سے دل سکینت اور سلامتی سے سرشار ہو جاتے ہیں۔

﴿أَلاَ بِذِكْرِ اللّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ (الرعد: ۲۸/۱۳)

''آگاہ رہو کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔''

﴿وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِی﴾ (طٰہٰ: ۱٤/۲۰)

''اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔''

اور پھر ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاسْتَعِينُواْ بِالصَّبْرِ وَالصَّلاَةِ﴾ (البقرہ: ٤٥/۲)

''صبر اور نماز سے (اللہ تعالیٰ کی مدد) تلاش کرو۔''

صبر اور نماز ہر اللہ والے کے دو بڑے ہتھیار ہیں، نماز کے ذریعے سے ایک مومن کا رابطہ و تعلق اللہ تعالیٰ سے استوار ہوتا ہے جس سے اسے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت حاصل ہوتی ہے، صبر کے ذریعے سے کردار کی پختگی اور دین میں استقامت حاصل ہوتی ہے۔ حدیث میں آیا ہے:

((اِذَا حَزَبَهُ اَمْرٌ فَزِعَ اِلَی الصَّلٰوةِ))

''نبی ﷺ کو جب بھی کوئی اہم معاملہ پیش آتا تو آپ ﷺ فوراً نماز کا اہتمام فرماتے۔''

(احمد بحواله احسن البیان)

اب آیئے رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ پر نظر ڈالتے ہیں معلوم ہوگا کہ قرآن حکیم میں صبر کے بارے میں جس جس مقام پر تلقین کی گئی ہے اس کی شان آپ ﷺ کی زندگی میں پوری طرح جھلکتی ہے۔

ڈاکٹر خالد علویؒ لکھتے ہیں:

''آپ ﷺ نے جن حالات میں دعوت کا کام کیا اور جس طرح مشکلات کو برداشت کیا وہ اپنی مثال آپ ہیں، یہ صبر کی صفت تھی کہ آپ نے یہ تکالیف برداشت کیں، رسول اللہ ﷺ

پر قریش کی دست درازیوں اور ایذا رسانیوں کی تفصیلات کتب حدیث و سیرت میں موجود ہیں۔'' (انسان کاملؐ)

رسول اللہ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھائے جاتے تاکہ رات کے اندھیرے میں آپ ﷺ کے پاؤں زخمی ہوں۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا چشم دید بیان ہے کہ ایک روز نبی ﷺ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ بن ابی معیط آیا، اُس نے اپنی چادر کو لپیٹ دے کر رسی جیسا بنایا اور جب نبی ﷺ سجدہ میں گئے تو چادر کو رسول اللہ ﷺ کی گردن میں ڈال دیا اور پیچ در پیچ دینے شروع کیے، گردن مبارک بہت بھینچ گئی تھی، تاہم آپ ﷺ اسی اطمینان قلب سے سجدہ میں پڑے ہوئے تھے، اتنے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے انہوں نے دھکے دے کر عقبہ کو ہٹایا اور زبان سے یہ آیت پڑھی:

﴿اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآئَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ (المومن:۴۰/۲۷)

''کیا تم ایک نیک اور بزرگ آدمی کو مارتے ہو اور صرف اس جرم میں کہ وہ صرف اللہ کو اپنا رب کہتا ہے اور تمہارے پاس اپنے روشن دلائل بھی لے کر آیا ہے۔''

اب چند شریر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے لپٹ گئے اور ان کو بہت زدوکوب کیا۔

(رحمة للعالمین ﷺ، قاضی سلمان منصوری پوری)

آپ غور کیجئے آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کی مکی زندگی زبردست آزمائشوں اور تکلیفوں میں بسر ہوئی......شعب ابی طالب میں محصور ہونا اور قریش مکہ کا معاشی اور معاشرتی بائیکاٹ، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہجرت حبشہ کا سفر، مگر یہ تمام وقت صبر و رضا کے ساتھ کٹا، اس پر رب کریم نے یہ بشارت دی:

﴿إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (الزمر:۳۹/۱۰)

''بلاشبہ صبر کرنے والوں ہی کے لیے پورا پورا بے شمار (اور لازوال) اجر ہے۔''

''صبر'' عربی زبان میں وسیع مفہوم رکھتا ہے مشکلات اور مصائب میں، دکھوں اور تکلیفوں میں ثابت قدم رہنا اور خندہ پیشانی سے انہیں جھیلنا، دعوتِ حق کو ڈنکے کی چوٹ پر پھیلانا اور اس راہ میں ہر تکلیف برداشت کرنا میدان جہاد میں دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا اور استقلال کے ساتھ جمے رہنا اور ان

باتوں پر اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد رکھنا اور اس کی مدد تلاش کرنا، رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں یہ صفت پوری شان سے جھلکتی ہے۔

مکی زندگی پریشانیوں اور تکلیفوں سے گھری ہوئی تھی آپ نے اور آپ کے صحابہ نے یہ وقت انتہائی صبر واستقامت سے گزارا اور دعوتِ حق کا پیغام جاری رکھا:

ان کی سچائی کو دبا نہ سکی — اہل باطل کی شدت ایلام[1]
صبر و ہمت سے پار کر ڈالیں — سب شعابِ[2] مصائب و آلام
جان کی بھی نہیں انہیں پروا — ان کو تو اپنے کام سے ہے کام
ان کی تقلید کے بغیر ارقمؔ — ہے سراسر عبث سجود و قیام

(۱-الم سے، دکھ، تکلیف۔ ۲-شعب، پہاڑی کی جمع، راستہ مشکل اوقات)

(ڈاکٹر محمد افتخار الحق ارقم)

کاشانہ، نبوت میں کئی کئی دن چولہا گرم نہ ہوتا تھا، اور ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں یہ ایام کھجور اور پانی پر گزرتے۔

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ کو سینکڑوں مصائب وخطرات اور بیسیوں معرکے اور غزوات پیش آئے لیکن کبھی پامردی اور ثبات کے قدم نے لغزش نہیں کھائی، غزوۂ بدر میں گھمسان کی لڑائی میں تین سو نہتے مسلمانوں کے قدم جب ایک ہزار مسلح فوج کے حملوں سے ڈگمگا جاتے تھے تو دوڑ کر مرکز نبوت ہی کے دامن میں آ کر پناہ لیتے تھے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ جن کے دست و بازو نے بڑے بڑے معرکے سر کیے، کہتے ہیں کہ جب بدر میں زور کا رن پڑا تو ہم لوگوں نے آپ ﷺ ہی کی آڑ میں آ کر پناہ لی، آپ ﷺ سب سے زیادہ شجاع تھے، مشرکین مکہ کی صف سے اُس دن آپ ﷺ سے زیادہ کوئی قریب نہ تھا۔

غزوہ حنین میں ہوازن کے بے پناہ تیروں کی بارش ہوئی تو مسلمانوں کی کثیر التعداد فوج دفعتاً میدان سے ہٹ گئی لیکن آپ ﷺ مع چند جاں نثاروں کے بدستور وہیں کھڑے رہے، اُس وقت بار بار آپ ﷺ اپنے خچر کو ایڑ لگا کر آگے بڑھانے کا قصد فرما رہے تھے لیکن جاں نثار مانع آتے تھے، اب

دشمنوں کی تمام فوج کا نشانہ صرف آپ کی ذات تھی، اس کے باوجود پائے اَقدس میں لغزش نہیں آئی، سیدنا براء رضی اللہ عنہ جو اس معرکہ میں شریک تھے کسی نے اُن سے پوچھا کہ کیا حنین میں تم بھاگ کھڑے ہوئے تھے؟ جواب دیا ہاں یہ سچ ہے، لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی جگہ سے نہیں ہٹے تھے، اللہ کی قسم! جب لڑائی پورے زور پر ہوتی تھی تو ہم لوگ آپ ﷺ ہی کے پہلو میں آ کر پناہ لیتے تھے، ہم میں سب سے بڑا بہادر وہ شمار ہوتا تھا جو آپ کے ساتھ کھڑا ہوتا تھا۔ (بحوالہ سیرت النبی، ج۲)

قرآن حکیم نے اہل تقویٰ کی صفات اسی طرح بیان کی ہیں:

﴿وَالصَّابِرِيْنَ فِيْ الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِيْنَ الْبَأْسِ أُولَـٰئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوا وَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ (البقرہ:۲/۱۷۷)

''تکلیف اور تنگدستی میں دکھ درد اور لڑائی کے وقت صبر کرنے والے، یہی سچے لوگ ہیں اور یہی اہل تقویٰ ہیں۔''

۱۱-حلم و بردباری کا نمونہ

حلم و بردباری کے معنیٰ یہ ہیں کہ انتقام کی قدرت کے باوجود کسی ناگوار یا اشتعال انگیز بات کو برداشت کرلیا جائے اور قصوروار سے اس کے لیے کوئی تعرض نہ کیا جائے، یہ قدرت سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے وہ تمام تر قدرت کے باوجود اکثر اپنے بندوں کی برائیوں سے چشم پوشی فرماتا ہے اور انتقام نہیں لیتا اور اسی لیے اپنے آپ کو حِلْم کے ساتھ متصف کیا ہے اور جہاں جہاں اپنی اس صفت کا اظہار کیا ہے، ساتھ ہی اپنے علم اور اپنی بخشش کا ذکر کر دیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ اس کا یہ حلم اس کے علم کے باوجود صرف اس کی بخشش کا نتیجہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ (البقرہ:۲/۲۲۵)

''اور اللہ بخشنے والا بردبار ہے۔''

﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْماً﴾ (احزاب: ۳۳/۵۱)

''اور اللہ جاننے والا بردبار ہے۔'' (سیرت النبی: ج۶)

صفتِ حلم سے انبیائے کرام کو کسی حد تک اس نعمت سے نوازا گیا مثلاً سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے

بت پرست باپ کو ہر طرح سے سمجھایا اور چاہا کہ وہ کسی طرح عذاب الٰہی سے بچ جائے انہوں نے اس کافر باپ کے ہاتھوں طرح طرح کے ظلم سہے آخر مجبور ہو کر اس سے علیحدگی پر مجبور ہوئے پھر بھی ان کی برد باری اور تحمل کا رشتہ اُن کے ہاتھ سے نہیں چھوٹا اور اس وقت تک اس کے حق میں دعائے خیر کرتے رہے، جب تک اُن کو پوری مایوسی نہیں ہو گئی اور اُن کو قطعی طور سے معلوم نہیں ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے، اس واقعہ کے سلسلہ میں قرآن میں ہے:

﴿وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَن مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ﴾ (التوبہ:۹/۱۱۴)

''ابراہیمؑ نے اپنے باپ کے لیے دعائے مغفرت کی تھی، وہ تو اس وعدے کی وجہ سے تھی جو انہوں نے اپنے باپ سے کیا تھا، مگر جب اُن پر یہ بات کھل گئی کہ اُن کا باپ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے، بلاشبہ ابراہیمؑ بڑے نرم دل اور برد بار تھے۔'' (حوالہ ایضاً)

پھر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو فرزند اسماعیل علیہ السلام کی بشارت دی گئی تو ان کے لیے لفظ ''حلیم'' لایا گیا۔

﴿فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ﴾ (الصّٰفّٰت: ۳۷/۱۰۱)

''ہم نے (سیدنا ابراہیمؑ) کو ایک حلیم (برد بار) لڑکے کی بشارت دی۔''

اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کو اس صفت سے مزین فرمایا۔ ارشاد ہوتا:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾ (آل عمران:۳/۱۵۹)

''(اے نبیؐ) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ آپ ان لوگوں کے لیے بڑے نرم مزاج واقع ہوئے ہیں، ورنہ اگر کہیں آپ تُند خو اور تنگ دل ہوتے تو یہ سب آپ کے گرد و پیش سے چھٹ جاتے، ان کے قصور معاف کر دیا کرو اور ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو۔''

آپ ﷺ کی حیات طیبہ نہ صرف حلم اور برد باری، نرمی اور نرم مزاجی کا نمونہ تھی بلکہ قرآن حکیم کی پاکیزہ تعلیمات اور آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایسی تعلیم و تربیت دی کہ وہ بھی ان صفات سے آراستہ ہو کر دین اسلام کے سچے خادم اور اُسے پھیلانے والے بن گئے۔

قرآن حکیم میں رب کریم کا ارشاد ہے:

﴿وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾

(آل عمران:۳/۱۲٤)

"(اللہ تعالیٰ کی جنت کن لوگوں کے لیے تیار کی گئی) جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔ ایسے نیک لوگ اللہ کو پسند ہیں (اوران کا شمار محسنین میں ہوتا ہے)۔"

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ﴾ (الاعراف:۷/۱۹۹)

"(اے نبیؐ) نرمی اور درگزر کا طریقہ اختیار کیجیے، معروف (نیکیوں) کی تلقین کرتے جایئے اور جاہلوں سے نہ الجھیے۔"

غور کیجیے دعوتِ حق پھیلانے میں، یہ نصائح آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں، بہتا ہوا پانی راستے کی تمام رکاوٹوں سے الگ ہو کر اپنی راہ نکالتا آگے بڑھتا ہے، اسی طرح بندہ مومن اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہتا ہے۔

﴿وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِىْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِىٌّ حَمِيْمٌ ○ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ﴾ (حٰمٓ السجدہ: ٤۱/۳٤-۳٥)

"(اے نبی) نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں (ایسے ہی جیسے روشنی اور اندھیرا برابر نہیں ہیں) آپ بدی کو اس نیکی سے دفع کیجیے جو بہترین ہو۔ آپ دیکھیں گے کہ آپ کے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے، یہ صفت نصیب نہیں ہوتی مگر ان لوگوں کو جو صبر کرتے ہیں اور یہ مقام حاصل نہیں ہوتا مگر ان لوگوں کو جو بڑے نصیب والے ہیں۔"

مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں:

بلکہ کہیں تو جانی دشمن واقعۃً دلی دوست و خادم بن جاتے ہیں مثلاً رسول اللہ ﷺ کے اس تعاملِ مسلسل کے بعد ابوسفیان جیسے شدید دشمن بالکل حلقہ بگوش اسلام ہو گئے (اور اس کے علاوہ نہ معلوم کتنے لوگ مسلمان

ہوئے) نیکی اور بدی دونوں یکساں نہیں بلکہ ہر ایک کا اثر جدا گانہ ہوتا ہے، بدی کی مکافات بدی سے کرنے میں عداوت بڑھتی ہے اور نیکی سے کرنے میں (بشرط سلامتِ طبع) عداوت گھٹتی ہے۔

پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے صبر کرنے اور معاف کر دینے کو کس طرح سراہا ہے۔

﴿وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ﴾ (الشوریٰ:۴۲/۴۳)

جو شخص صبر سے کام لے اور درگزر کرے تو یہ بڑی اولوالعزمی کے کاموں میں سے ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی لکھتے ہیں:

''یعنی زیادتی کو برداشت کر جانا بذاتِ خود بڑی ہمت اور حوصلہ کا کام ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پہلوان وہ نہیں جو کشتی میں دوسرے کو پچھاڑ دے بلکہ وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو کنٹرول اور ضبط میں رکھے۔ پھر اگر وہ صرف برداشت ہی نہ کرے بلکہ زیادتی کرنے والے کو معاف بھی کر دے تو پھر اس کے کیا ہی کہنے ہیں؟ مگر یہ بڑا ہی دل گردہ کا کام ہے اور صرف ان لوگوں کو نصیب ہوتا ہے جنہیں اللہ کی توفیق حاصل ہو۔ (تیسیر القرآن)

پھر نرمی اور برد باری کی رسول اللہ ﷺ اس طرح تربیت فرماتے ہیں۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ رفيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِى الْاَمْرِ كُلِّهٖ))(متفق عليه، رياض الصالحين، باب الحلم)

''بے شک اللہ تعالیٰ نرم ہے اور تمام معاملات میں نرمی کو پسند فرماتا ہے۔''

سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

((مَنْ يُحْرَمِ الرِّفْقَ يُحْرَمِ الْخَيْرَ كُلَّهٗ)) (مسلم، حواله ايضاً)

''جو نرمی سے محروم رہا وہ ہر بھلائی سے محروم رہا۔''

رسول اللہ ﷺ کا تحمل اور درگزر، حلم اور عالی ظرفی اپنی مثال آپ تھا اور اسی نیلگوں آسمان کے نیچے اس سے بڑھ کر حلم اور نرمی کہاں ملے گی؟ یہ محض آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل تھا۔ آپ ﷺ کی بردباری اور لوگوں کو معاف کرنے کے بے شمار واقعات ہیں، صرف چند پیشِ خدمت ہیں:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا، آپ ﷺ موٹے کنارے کی

نجرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے، ایک دیہاتی آپ سے ملا اور چادر پکڑ کر آپ ﷺ کو بڑے زور سے کھینچا، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے کاندھے پر چادر کے کھینچنے سے نشان پڑ گئے تھے، پھر وہ دیہاتی بولا: ''اے محمد ﷺ مجھے اس مال سے دیجیے جو آپ ﷺ کو اللہ نے دیا ہے۔'' ﴿فَالْتَفَتَ اِلَیْهِ فَضَحِكَ ثُمَّ اَمَرَلَهٗ بِعَطَاءِ﴾ آپ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا اور مسکرائے پھر اس کو مال دینے کا حکم دیا۔

(بخاری، مسلم بحوالہ ریاض الصالحین)

رسول اللہ ﷺ کی زندگی شاہد ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا سوائے اس کے کہ کسی نے احکام الٰہی کی خلاف ورزی کی ہو، طائف والوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو تحقیر آمیز رویہ اختیار کیا اس کا آپ ﷺ کو احساس تھا اور غزوہ طائف میں جب اہل طائف پتھر برسا رہے تھے تو نبی ﷺ ان کی ہدایت کے لیے دعا مانگ رہے تھے:

''سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے''

اور جب ۹ ہجری میں ان کا وفد مدینہ طیبہ آیا تو آپ ﷺ عزت واحترام سے پیش آتے ہیں اور مسجد نبوی کے صحن میں مہمان کی حیثیت سے استقبال کرتے ہیں۔

(بحوالہ انسان کامل، ڈاکٹر خالد علویؒ)

پھر تاریخ نے دیکھا کہ خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کا حلم اور بردباری اور اہل طائف کے لیے ہدایت کی دعا نے اپنا اثر دکھایا اور وہ لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور آج وہ سعودی عرب کا اہم شہر ہے۔

دیانت داری اور امانت کی تصویر

قرآن حکیم کی پاکیزہ تعلیمات انسان کو عظمت و رفعت کے رتبہ پر فائز کرتی ہیں، اُس میں دیانت داری اور امانت کا اپنانا شرف انسانیت کا حسن و کمال ہے اور آپس کے لین دین کے معاملات میں یہ اخلاقی جوہر مرکزی حیثیت رکھتا ہے، انسان اگر اپنے معاملے میں ایماندار رہے اور جس کا جو حق ہو اسے پوری طرح ادا کرے تو اسے امین اور اس فرض کی ادائیگی کو امانت کہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی شرعی اطاعت کو جسے اس نے نوع انسانی کے سپرد کیا ہے امانت کے لفظ سے ادا کیا ہے، رب کریم نے فرمایا:

﴿إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُوماً جَهُولاً﴾ (الاحزاب:۷۲/۳۳)

''ہم نے اس امانت کو (یعنی ان ذمہ داریوں کے بار کو جو اللہ تعالیٰ نے اپنی زمین میں اختیارات اور عقل دے کر انسان پر ڈالی ہیں) آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا، تو وہ اسے اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے، مگر انسان نے اسے اٹھالیا، بیشک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے (یعنی اس بارِ امانت کا حامل ہو کر بھی اپنی ذمہ داری محسوس نہیں کرتا اور خیانت کر کے اپنے اوپر ظلم کرتا ہے)۔''

احکامِ شرعیہ کو امانت سے تعبیر کر کے اشارہ فرما دیا کہ ان کی ادائیگی انسانوں پر اسی طرح واجب ہے جس طرح امانت کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے، پیش کرنے کا مطلب کیا ہے؟ اور آسمان و زمین اور پہاڑوں نے کس طرح اس کا جواب دیا؟ اور انسان نے اسے کس وقت قبول کیا؟ اس سے پوری کیفیت نہ ہم جان سکتے ہیں نہ اسے بیان کر سکتے ہیں، ہمیں یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ نے اپنی ہر مخلوق میں ایک خاص قسم کا احساس و شعور رکھا ہے، گو ہم اس کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ تو ان کی بات سمجھنے پر قادر ہے، اس نے ضرور اس امانت کو ان پر پیش کیا ہوگا جسے قبول کرنے سے انہوں نے انکار کر دیا، اور یہ انکار انہوں نے سرکشی اور بغاوت کی بنا پر نہیں کیا بلکہ اس میں یہ خوف کارفرما تھا کہ اگر ہم اس امانت کے تقاضے پورے نہ کر سکے تو اس کی سخت سزا ہمیں بھگتنی ہوگی، انسان چونکہ جلد باز ہے۔ اس نے عقوبت و تعریض کے پہلو پر زیادہ غور نہیں کیا اور حصول فضیلت کے شوق میں ذمے داری کو قبول کر لیا۔ (احسن البیان)

مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

﴿وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ﴾ یہ انسان کا شرف بیان ہوا ہے کہ جس بارِ امانت کو آسمان و زمین، دریا اور پہاڑ نہ اٹھا سکے اس کو انسان نے اٹھا لیا اس سے معلوم ہوا کہ انسان اگرچہ اپنے وجودِ مادی کے اعتبار سے اس کائنات کی ایک نہایت حقیر ہستی ہے لیکن اپنی معنوی صلاحیتوں کے اعتبار سے آسمانوں سے اونچا، زمین سے وسیع اور پہاڑوں سے زیادہ مضبوط اور سربلند ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس دنیا کی ہر

چیز اس کے لیے مسخر کی گئی ہے۔

﴿وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعاً مِّنْهُ﴾ (الجاثیہ:۴۵/۱۳)

''اس اللہ نے زمین اور آسمانوں کی ساری ہی چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا۔''

لیکن انسان کسی کے لیے مسخر نہیں کیا گیا، بلکہ رب کائنات کے سوا کسی کے آگے اس کا جھکنا اس کے لیے باعث ننگ قرار پایا ﴿إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا﴾ یہ انسان کی اس صلاحیت کی طرف اشارہ ہے۔ جس کی بنا پر وہ اس امانت کا اہل قرار پایا، وہ یہ ہے کہ اس امانت کا تقاضا تھا کہ انسان کے اندر متضاد داعیے موجود ہوں تا کہ اس کی آزمائش ہو سکے کہ وہ اِن متضاد داعیوں کی کشاکش کے اندر اپنے رب کی اطاعت بالاختیار کے عہد کو کس طرح نباہتا ہے اور اس کی ذمہ داریوں سے کس طرح عہدہ برآ ہوتا ہے چنانچہ وہ ظَلُومٌ، جَهُولٌ بنایا گیا ہے۔

''ظُلم'' عدل وحق کا ضد ہے اور ''جَهَلُ'' عِلم اور حِلم کی ضد ہے، ''ظَلُوم'' اس کو کہیں گے جو عدل وحق کا شعور رکھتے ہوئے ظلم کا مرتکب ہونے والا ہو، اسی طرح جہول اس کو کہیں گے جو علم وحلم کی صلاحیت کی باوصف جہل اور جذبات سے مغلوب ہو جانے والا ہو یہی کشاکش انسان کی آزمائش ہے اور یہی اس کے تمام شرف کی بنیاد ہے، اگر وہ ظلم کی راہ اختیار کرنے کی آزادی رکھنے کے باوجود محض اپنے رب کی رضا کی خاطر عدل کی راہ پر استوار رہتا ہے اور اپنے سفلی جذبات کے اتباع کی آزادی کے باوجود محض اپنے رب کے خوف سے اپنے جذبات پر قابو رکھتا ہے تو لاریب اس کا مرتبہ فرشتوں سے بھی اونچا ہے۔ اس لیے کہ ان کو اللہ کی بندگی کی راہ میں کسی کشمکش سے دو چار ہونا نہیں پڑتا، اُن کا راستہ بالکل ہموار اور ان کا مزاج ظلم وجہل کے دواعی سے بالکل نا آشنا ہے لیکن انسان اگر بندگی کرتا ہے تو ہر قدم پر وہ اپنے نفس اور شیطان سے لڑ کر کرتا ہے، اس وجہ سے اس کی بندگی فرشتوں کی بندگی سے اونچی ہے، عَلٰی هذا القیاس انسان اپنے اس اختیار کے سبب سے جس طرح سب سے اونچا ہے اسی طرح وہ سب سے زیادہ نیچا بھی ہو جاتا ہے جبکہ وہ اپنے اس اختیار کی ذمہ داریوں کو صحیح طور پر ادا نہ کر سکے، یہی حقیقت ''سورۃ التین'' میں اس طرح واضح کی گئی ہے:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ○ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ ○ إِلَّا

الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ (التین:۹۵/۴-۶)

''(رب کریم کا ارشاد ہے) اور بلاشبہ ہم نے انسان کو بہترین ساخت (شکل وصورت اور عقل وفکر) پر بنایا ہے پھر ہم نے اسے پست ترین حالت میں ڈال دیا (جب وہ راہ ہدایت کو چھوڑ کر خواہشات کا غلام بن گیا) البتہ وہ لوگ اس سے محفوظ رہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے (ان کے لیے لازوال اجر ہے)۔''

اگر ہم غور کریں تو انسانوں کی اکثریت شکر گزاری اور احسان مندی کے جذبات سے عاری ہے، جیسا کہ اس آیہ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے:

﴿اعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْراً وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ﴾ (سبا:۳۴/۱۳)

''(اے آلِ داؤد!) نیک عمل کرو شکر کے طریقے پر (اخلاص کے ساتھ احکام الٰہی بجا لاؤ) اور (حقیقت یہ ہے کہ) میرے بندوں میں (میری عنایات واحسانات پر) شکر ادا کرنے والے بہت کم ہوتے ہیں۔''

ہاں! اس زمین پر انبیاء علیہم السلام ان کی اتباع کرنے والے اور ابرار وصالحین اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا انعام واحسان رہا ہے، دنیا اور آخرت میں انہی کے لیے فوز وفلاح ہے۔

﴿وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَـٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاء وَالصَّالِحِيْنَ وَحَسُنَ أُولَـٰئِكَ رَفِيْقاً ○ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَكَفَى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا﴾ (النساء:۴/۶۹-۷۰)

''جو لوگ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین، شہدا اور صالحین۔ کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں۔''

یہ حقیقی فضل ہے جو اللہ کی طرف سے ملتا ہے اور حقیقت جاننے کے لیے بس اللہ ہی کا علم کافی ہے۔

پھر غور کیجیے کہ رب العالمین کو یہ صفت اتنی پسند ہے کہ اپنی کتاب مبین کو جس فرشتہ کے ذریعہ خاتم

النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کے قلب اطہر پر نازل فرمایا اسے امین کے لقب سے پکارا تاکہ ایک طرف قرآن کی عظمت اور صداقت ثابت ہو تو دوسری طرف اس کے لانے والے کا شخصی اعتماد اور وقار مستحکم ہو، نزول قرآن کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَإِنَّهُ لَتنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ○ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ○ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ﴾ (الشعرآ:۲۶/۱۹۲-۱۹۴)

''اور بلاشبہ یہ (قرآن) رب العالمین کا نازل فرمایا ہوا ہے، اسے امانت دار فرشتہ (روح الامین) لے کر آیا ہے (جس نے) آپ کے قلب (اطہر) پر اتارا ہے کہ آپ لوگوں کو (احکام الٰہی سے) آگاہ کر دینے والوں میں سے ہو جائیں۔''

اور انبیاء علیہم السلام کی پاکیزہ زندگیاں صفت امانت سے مزین ہوتی ہیں ان کی لسان صدق سے یہ الفاظ ادا ہوتے ہیں:

﴿إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ﴾ (الشعرا:۲۶/۱۷۸)

''میں تمہاری طرف ایک امانت دار رسول ہوں۔''

آیے رسول اللہ ﷺ میں اس صفت کا مطالعہ کرتے ہیں:

ڈاکٹر خالد علوی لکھتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کی ذات میں یہ جوہر بدرجہ اتم موجود تھا، نبوت سے پہلے مکہ والوں کی طرف سے آپ ﷺ کو امین کا خطاب ملا تھا، آپ ﷺ اپنے کاروبار میں بھی دیانت دار تھے اور لوگوں کی امانتوں کو محفوظ رکھنے میں بھی بے مثال تھے، یہی وجہ ہے کہ لوگ آپ ﷺ کے پاس اپنی امانتیں رکھتے تھے، ہجرت کے وقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ ذمہ داری سونپی تھی کہ وہ تمام امانتیں واپس کر کے ہجرت کریں، آپ ﷺ کے اعلانِ نبوت سے پہلے مشرکین مکہ کے ہاں تعمیر کعبہ میں حجر اسود رکھنے پر اختلاف پیدا ہوا، بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ جو شخص سب سے پہلے کعبہ میں داخل ہوگا اس کی بات فیصلہ کن ہوگی، جب رسول اللہ ﷺ کے آنے کے بارے میں معلوم ہوا تو سب پکار اٹھے ''الصادقُ الْاَمِیْنُ''

نبوت سے پہلے جن لوگوں سے آپ ﷺ کے تاجرانہ تعلقات تھے انہوں نے ہمیشہ آپ ﷺ کی

دیانت اور حسن معاملہ کا اعتراف کیا ہے، دیانت و امانت ہی کا ایک پہلو حسن معاملہ ہے آپ ﷺ نے ہر معاملہ کو حُسن و خوبی سے نبھایا، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے جو اس کا بین ثبوت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک بدو اونٹ کا گوشت بیچ رہا تھا۔ آپ ﷺ کو خیال تھا کہ گھر میں کھجوریں موجود ہیں، لہٰذا آپ ﷺ نے ایک وسق کھجوروں پر گوشت چکا لیا، گھر آ کر دیکھا تو کھجوریں نہیں تھیں، واپس تشریف لا کر گوشت بیچنے والے سے کہا کہ میں نے کھجوروں پر گوشت کا سودا کیا تھا لیکن میرے پاس تو کھجوریں نہیں ہیں، اس پر اس نے شور مچایا کہ مجھ سے بد دیانتی ہوئی ہے، لوگوں نے سمجھایا کہ رسول اللہ ﷺ کیسے بد دیانتی کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا رہنے دو اسے کہنے کا حق ہے، اُس شخص نے کئی بار یہ فقرہ دہرایا لوگوں نے کئی بار روکا اور آپ ﷺ نے کئی مرتبہ یہ کہا کہ اسے کہنے کا حق ہے، اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک انصاریہ کے ہاں بھجوایا کہ وہ مطلوبہ قیمت کی کھجوریں حاصل کرے، جب وہ کھجوریں لے کر واپس پلٹا تو آپ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما دیکھا۔ چونکہ آپ ﷺ کے حلم اور حسن معاملہ سے متاثر تھا اس لیے دیکھتے ہی بولا:

((جزَاكَ اللّٰه خيرًا فَقَدْ اَوْ فيتَ و اَطْيَبْتَ))

محمد (ﷺ) اللہ آپ کو جزائے خیر دے، آپ نے قیمت پوری پوری دی اور اچھی دی۔

(انسانِ کامل ﷺ)

ایک دفعہ مدینہ منورہ کے باہر ایک مختصر سا قافلہ آ کر فروکش ہوا، ایک سرخ رنگ کا اونٹ اس کے ساتھ تھا۔ اتفاقاً اُدھر سے آپ ﷺ کا گزر ہوا، آپ ﷺ نے اونٹ کی قیمت پوچھی، لوگوں نے قیمت بتائی۔ بے مول تول کیے رسول اللہ ﷺ نے وہی قیمت منظور کر لی اونٹ کی مہار پکڑ کر شہر کی طرف روانہ ہو گئے بعد میں لوگوں کو خیال آیا کہ بے جان پہچان ہم نے جانور کیوں حوالے کر دیا اور اس حماقت پر اب پورے قافلہ کو ندامت تھی قافلہ کے ساتھ ایک خاتون بھی تھی اس نے کہا ''مطمئن'' رہو ہم نے کسی شخص کا چہرہ ایسا روشن نہیں دیکھا یعنی ایسا شخص دغا نہ کرے گا، رات ہوئی تو آپ ﷺ ان کے لیے کھانا اور قیمت بھر کھجوریں بھجوا دیں۔ (سیرت النبی، ج ۲)

اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی ابرار و صالحین کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ﴾ (المومنون:۲۳/۸)

''(یہ وہ لوگ ہیں) جو اپنی امانتوں اور وعدہ کا پاس ولحاظ رکھتے ہیں۔''

اے رب کریم! ہمیں بھی ان لوگوں کا ساتھی بنا دے۔

۱۳- ایفائے عہد کی لازوال مثال

کسی سے جو عہد و پیمان یا کسی قسم کا قول وقرار کرلیا جائے تو اس کو پورا کرنا ایک راست باز، نیک اور شریف، معزز اور باوقار شخص کا شعار ہے، اور رب کائنات خالقِ ارض وسماء میں یہ صفت نمایاں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لاَ يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ﴾ (ال عمران: ۳/۹)

''یقیناً اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔''

قرآن حکیم کے کئی مقامات میں اس بات کو دہرایا گیا ہے اور سورہ توبہ میں ان اہل ایمان کو جو اپنے جان و مال کے ساتھ اس کے راستہ میں جہاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ باتاکید انہیں جنت کی بشارت اس طرح عطا فرماتا ہے:

﴿وَمَنْ أَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ﴾ (التوبہ: ۹/۱۱۱)

''اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کا پورا کرنے والا ہو؟''

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کا سچا ہے اور اپنے عہد کا پکا ہے، اسی طرح اس کے بندوں کی خوبیوں میں سے ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ کسی سے جو وعدہ کریں پورا کریں، جو قول و قرار کریں اس کے پابند رہیں، سمندر اپنا رخ پھیر دے تو پھیر دے اور پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے تو ٹل جائے مگر کسی مسلمان کی یہ شان نہ ہو کہ منہ سے جو کہے وہ اس کو پورا نہ کرے اور کسی سے جو قول وقرار کرے اس کا پابند نہ رہے۔

عام طور پر لوگ عہد کے معنی قول وقرار کے سمجھتے ہیں لیکن اسلام کی نگاہ میں اس کی حقیقت بہت وسیع ہے وہ اخلاق، معاشرت، مذہب اور معاملات کی ان تمام صورتوں پر مشتمل ہے

جن کی پابندی انسان پر عقلاً، شرعاً، قانوناً اور اخلاقاً فرض ہے اور اس لحاظ سے یہ مختصر سا لفظ انسان کے بہت سے عقلی، شرعی، قانونی، اَخلاقی اور معاشرتی فضائل کا مجموعہ ہے، اسی لیے قرآن حکیم میں بار بار اس کا ذکر آیا ہے اور مختلف حیثیتوں سے آیا ہے، ایک جگہ اصلی نیکی کے اوصاف کے تذکرہ میں ہے:

﴿وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُواْ﴾ (البقرہ: ۱۷۷/۲)

''اور نیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کریں تو اسے وفا کریں۔''

بعض آیات میں اس کو کامل الایمان مسلمانوں کے مخصوص اوصاف میں شمار کیا گیا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ﴾ (المعارج: ۳۲/۷۰)

''جو اپنی امانتوں کی حفاظت اور اپنے عہد و پیان کا پاس ولحاظ رکھتے ہیں۔''

ایک اور سورۃ مبارکہ میں جنتی مسلمانوں کے اوصاف کا نقشہ کھینچا گیا ہے، اس تصویر کا ایک رخ یہ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ﴾ (المومنون: ۸/۲۳)

''(اہل جنت کی صفات میں یہ صفت بھی لازمی ہے) جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیان کا پاس ولحاظ رکھتے ہیں۔''

پھر یوم جزا و سزا اس عہد کی مسؤلیت کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

﴿وَأَوْفُواْ بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْؤُولًا ○ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيْلًا﴾ (بنی اسرائیل: ۳۴،۳۵/۱۷)

''(مسلمانو!) عہد کی پابندی کیا کرو، بیشک عہد کے بارے میں تم کو جواب دہی کرنی ہوگی، پیمانے سے دو تو پورا بھر کر دو اور تولو تو ٹھیک ترازو سے تولو (ڈنڈی سیدھی رکھ کر تولا کرو) یہ اچھا طریقہ ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔''

قانون یا رسم و رواج سے جو وزن یا پیمانہ مقرر ہو جاتا ہے، وہ درحقیقت ایک معاہدہ ہوتا ہے جس کی پابندی بیچنے والے اور خریدار پر فرض ہے، اس لیے تاکیداً پابندیِ عہد کے عام حکم کے بعد اُس خاص

عہد کی پابندی کا ذکر کیا اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد کے لیے زبانی قول وقرار کی ضرورت نہیں بلکہ عرفِ عام کے سارے مسلّمات سوسائٹی کے قول وقرار ہیں۔

تمام عہدوں میں سے سب سے پہلے انسان پر اس عہد کو پورا کرنا واجب ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان ہوا ہے یہ عہد ایک تو وہ فطری معاہدہ ہے جو روزِ الست کو بندوں نے اپنے رب سے باندھا (جب اللہ تعالیٰ نے قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کی ارواح سے پوچھا تھا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ؟ کیا میں تم سب کا رب نہیں ہوں؟ تو سب نے عرض کیا تھا۔ بَلٰی کیوں نہیں، آپ ہی ہمارے رب ہیں) اور جس کا پورا کرنا ان کی زندگی کا پہلا فرض ہے اور دوسرا وہ عہد ہے جو اللہ کا نام لے کر کسی بیعت اور اقرار کی صورت میں کیا گیا ہے، تیسرا عہد وہ ہے جو عام طور سے قول وقرار کی شکل میں بندوں کے درمیان آپس میں ہوا کرتا ہے اور چوتھا عہد وہ ہے جو اہل حقوق کے درمیان فطرۃً قائم ہے اور جن کے ادا کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿الَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلاَ يَنقُضُونَ الْمِيْثَاقَ ○ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَا أَمَرَ اللّٰهُ بِهِ أَن يُوصَلَ﴾ (الرعد:١٣/٢٠-٢١)

''ان کا طرزِ عمل یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے ساتھ اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں، اسے مضبوط باندھنے کے بعد توڑ نہیں ڈالتے، ان کی روش یہ ہوتی ہے کہ اللہ نے جن جن روابط کو برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے انہیں برقرار رکھتے ہیں۔''

اس آیہ مبارکہ میں پہلے اس فطری عہد کے ایفا کا ذکر ہے جو اللہ اور بندہ کے درمیان ہے، پھر اس قول وقرار کا جو باہم انسانوں میں ہوا کرتا ہے، اس کے بعد اُس فطری عہد کا ہے جو خاص کر اہل قرابت کے درمیان قائم ہے۔

سورۂ نحل میں اللہ کے عہد کا مقدس نام اس معاہدہ کو بھی دیا گیا ہے جو اللہ کو حاضر وناظر بتا کر یا اللہ کی قسمیں کھا کھا کر بندے آپس میں کرتے ہیں۔

﴿وَأَوْفُواْ بِعَهْدِ اللّٰهِ إِذَا عَاهَدتُّمْ وَلاَ تَنقُضُواْ الأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا﴾ (النحل:١٦/٩١)

''اور اللہ کا نام لے کر جب تم آپس میں ایک دوسرے سے قرار کرو تو اس کو پورا کرو، اور قسموں کو پکی کر کے توڑا نہ کرو، جبکہ اللہ کو تم نے اپنے پر ضامن ٹھہرایا ہے۔''

اس معاہدہ کے عموم میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے وہ عہد بھی داخل ہیں جو اسلام لاتے وقت انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کیے اور نیک معاہدے بھی اس کے اندر شامل ہیں جو ایام جاہلیت میں کسی اچھی غرض سے کیے گئے تھے، ساتھ ہی وہ سب معاہدے بھی آ جاتے ہیں جو اللہ کا واسطہ دے کر اور اللہ کی قسمیں کھا کر بھی مسلمان ایک دوسرے سے کریں۔ (سیرت النبی، جلد ٦)

غور کیجیے کہ اچھے معاشرے کی بنیاد صاف ستھرے اصولوں پر استوار ہوتی ہے اور قرآن حکیم نے انسانوں کو ابدی اور عالمگیر سچائیاں عطا کی ہیں اور صاحب قرآن محمد رسول اللہ ﷺ کی عملی زندگی انہی اصولوں کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے مطابق آپ ﷺ تقریباً ہر خطبہ میں ارشاد فرماتے:

((لَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ))

''جس شخص میں عہد کی پابندی نہیں اس کا کوئی دین نہیں۔ (بحوالہ انسانِ کامل ﷺ)

نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے کہ عبداللہ بن ابی الحمساء نے آپ ﷺ سے کچھ معاملہ کیا اور آپ ﷺ کو بٹھا کر چلے گئے کہ آ کر حساب کر دیتا ہوں، اتفاق سے ان کو خیال نہ رہا، تین دن کے بعد ادھر سے گزرنے کا اتفاق ہوا دیکھا تو آپ ﷺ اسی جگہ تشریف رکھتے تھے۔ ان کو دیکھ کر فرمایا ''میں تین دن سے یہاں تمہارے انتظار میں بیٹھا ہوں'' (ابوداؤد کتاب الادب، بحوالہ سیرت النبی، ج ٢)

ایفائے عہد آپ ﷺ کی ایک ایسی عام خصوصیت تھی کہ دشمن بھی اس کا اعتراف کرتے تھے۔ چنانچہ قیصر (شاہ روم) نے اپنے دربار میں آپ ﷺ کے متعلق ابوسفیان سے (جو اس وقت ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) جو سوالات کیے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ کیا کبھی محمدؐ نے بدعہدی بھی کی ہے؟ ابوسفیان کو مجبوراً یہ جواب دینا پڑا کہ ''نہیں''۔ (حوالہ ایضاً)

'وحشی' جنہوں نے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا، اسلام کے ڈر سے شہر بہ شہر پھرا کرتے تھے، اہل طائف نے مدینہ بھیجنے کے لیے جو وفد مرتب کیا اس میں ان کا نام بھی تھا، لیکن ان کو ڈر تھا کہ کہیں مجھ

سے انتقام نہ لیا جائے لیکن خود دشمنوں نے ان کو یقین دلایا کہ تم بے خوف وخطر جاؤ، محمد ﷺ سُفرا کو قتل نہیں کرتے، چنانچہ وہ اس اعتماد پر دربار نبوت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔(حوالہ ایضاً)

صفوان بن اُمیّہ (قبل اسلام) شدید ترین دشمنوں میں تھے۔ جب مکہ فتح ہوا تو وہ بھاگ کر یمن کے ارادہ سے جدہ چلے گئے عمیر بن وہب نے حاضر خدمت ہو کر واقعہ عرض کیا، رسول اللہ ﷺ نے عمامہ مبارک عنایت کیا اور فرمایا کہ یہ صفوان کی امان کی نشانی ہے عمیر عمامہ مبارک لے کر صفوان کے پاس پہنچے اور کہا تم کو بھاگنے کی ضرورت نہیں تم کو امان ہے، جب وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو عرض کی کہ کیا آپ ﷺ نے مجھے امان دی ہے؟ ارشاد ہوا کہ ہاں یہ سچ ہے۔ (حوالہ ایضاً)

ابو رافع ایک غلام تھے، حالت کفر میں قریش کی طرف سے سفیر بن کر مدینہ منورہ آئے، روئے اقدس پر نظر پڑی تو بے اختیار اسلام کی صداقت ان کے دل میں جاگزیں ہوگئی، عرض کی یارسول اللہ! اب میں کبھی کافروں کے پاس لوٹ کر نہ جاؤں گا، ارشاد ہوا نہ میں عہد شکنی کر سکتا ہوں اور نہ قاصدوں کو اپنے پاس روک سکتا ہوں۔ تم اس وقت واپس جاؤ، اگر وہاں پہنچ کر بھی تمہارے دل کی یہی کیفیت باقی رہے تو آ جانا، چنانچہ وہ اُس وقت واپس گئے اور پھر اسلام لائے۔ (حوالہ ایضاً)

صلح حدیبیہ میں ایک شرط یہ تھی کہ مکہ سے جو مسلمان ہو کر مدینہ جائے گا وہ اہل مکہ کے مطالبہ پر واپس کر دیا جائے گا، عین اس وقت جب معاہدہ کی شرطیں زیر تحریر تھیں، ابو جُندل پابہ زنجیر اہل مکہ کی قید سے بھاگ کر آئے اور رسول اللہ ﷺ سے فریادی ہوئے، تمام مسلمان اس دردانگیز منظر کو دیکھ کر تڑپ اٹھے لیکن رسول اللہ ﷺ نے باطمینانِ تمام ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: اے ابو جندل! صبر کرو، ہم بد عہدی نہیں کر سکتے، اللہ تعالیٰ عنقریب تمہارے لیے کوئی راستہ نکالے گا۔ (حوالہ ایضاً)

غزوہ بدر میں کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد ایک ثلث سے بھی کم تھی، ایسے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی قدرتی خواہش یہ ہونی چاہیے تھی کہ جس قدر آدمی بڑھ سکیں بہتر ہے لیکن آپ ﷺ اس وقت بھی ہمہ تن وفا تھے۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ بن الیمان اور ابو عسل رضی اللہ عنہ دو صحابی مکہ سے آرہے تھے، راہ میں کفار نے ان کو روکا کہ محمد ﷺ کے پاس جا رہے ہو، انہوں نے انکار کیا، آخر اس شرط پر ان کو رہائی ملی کہ وہ جنگ میں آپ ﷺ کا ساتھ نہ دیں گے۔ یہ دونوں صاحب رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو

صورت حال عرض کی فرمایا تم دونوں واپس جاؤ، ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے، ہم کو صرف اللہ کی مدد درکار ہے۔ (حوالہ ایضاً)

سلام حکمت و دانش پہ، جس کا ہر ارشاد بنا ہے قصرِ صلاح و فلاح کی بنیاد
یقین محکم و ایمان مستقل پہ سلام خلوص و مہر و وفا و صفائے دل پہ سلام

اے پاکستانی مسلمانو! تمہارے پیارے نبی ﷺ کی حیاتِ طیبہ قرآن حکیم کی جیتی جاگتی تصویر ہے اور انہوں نے ایفائے عہد کی لازوال مثالیں چھوڑی ہیں کیا اس خطۂ زمین کے حصول میں جان و مال کی بے پناہ قربانیاں نہ دی گئیں؟ اور کیا ہم نے اللہ تعالیٰ کے حضور یہ عہد و پیمان نہ کیا تھا کہ ہمارے آقا و مولا کہ ہم اس سرزمین میں تیرے دین کو جاری و ساری کریں گے، باسٹھ برس کی طویل مدت بیت جانے کے بعد بھی ہم اس وعدے کو پورا کرنے سے قاصر رہے اور آج اس وعدہ خلافی کی بنا پر جن پریشان کن حالات سے ہم گزر رہے وہ سب پر عیاں ہے۔ **فاعتبرو یا اُولِی الابصار**

۱۴- استقامت کا مضبوط پہاڑ

اِستَقامت کا مادہ (ق و م) ہے۔

قَام یَقُوۡمُ، کھڑا ہونا، سیدھا ہونا۔

قَامَ الۡاَمۡرُ، اعتدال پر آنا، متوازن ہونا، سدھرنا، درست ہونا۔

قَامَ الحَقُّ، حق واضح اور ثابت ہونا۔

اَقَامَ الشَئَ، کسی چیز کو اس کے جملہ حقوق کے ساتھ بروئے کار لانا، سیدھا کرنا۔

اَقَامَ الصَّلٰوۃَ، نماز کو اس کے جملہ ارکان و شرائط یا حقوق اور تقاضوں کے مطابق (یعنی سنت نبوی ﷺ پر) ادا کرنا تعدیل ارکان کرنا نیز خشوع و خضوع کے ساتھ وقت پہ ادا کرنا۔

اَقَامَ الدِّیۡنَ، احکام الٰہی کو ہر شعبہ حیات میں خواہ وہ سیاسی ہو یا معاشی، انفرادی ہو یا اجتماعی جاری و ساری کرنا۔ (القاموس الوحید، قاسمی)

راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

''استقامت'' کے معنی راستہ کے خطِ مستقیم کی طرح سیدھا ہونا کے ہیں اور تشبیہ کے طور پر

راہ حق کو بھی صراط مستقیم کہا گیا ہے۔" (مفردات القرآن)

سیدھا راستہ صرف اسلام کا ہے:

اسی راہ کی طلب رب کریم کے حضور ہر نماز کی ہر رکعت میں ہم اس طرح کرتے ہیں:

﴿اهدِنَا الصِّرَاطَ الْمُستَقِيمَ﴾ (الفاتحہ: ۱/ ۶)

"(اے اللہ!) ہمیں سیدھی اور سچی راہ پر چلا (ایسی ہدایت سے نواز جو ہمیں منزل مقصود تک پہنچا دے)۔"

حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

"ہدایت کے کئی مفہوم ہیں...... راستے کی طرف رہنمائی، راستے پر چلا دینا منزل مقصود تک پہنچا دینا، اسے عربی میں ارشاد، توفیق، الہام اور دلالت سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی ہماری "صراط مستقیم" کی طرف رہنمائی فرما، اس پر چلنے کی توفیق اور اس پر استقامت نصیب فرما تاکہ ہمیں تیری رضا (منزل مقصود حاصل ہو جائے، یہ صراط مستقیم محض عقل اور ذہانت سے حاصل نہیں ہو سکتی، اللہ تعالیٰ کی رحمت اور توفیق ہی سے مل سکتی ہے) یہ "صراط مستقیم" وہی "اَلاِسلام" ہے جسے نبی ﷺ نے دنیا کے سامنے پیش فرمایا اور جواب قرآن واحادیث صحیحہ میں محفوظ ہے۔ (احسان البیان)

معلوم ہوا کہ استقامت کے لیے ہدایت پر ثبات وقرار ضروری ہے۔

فضیلۃ الشیخ حسنین محمد مخلوف نے اس آیہ مبارکہ کی تشریح میں بڑی خوبی پیدا کی ہے:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُستقيم، اَیْ وَفِّقْنَا لِلثَّبَاتِ علی الطَّرِيْقِ الْوَاضِحِ الَّذِیْ لَا اِعْوِجَاجَ فِيْهِ وَ هُوَ الْاِسْلَام﴾ (کلمات القرآن الکریم)

"اے اللہ! ہمیں سیدھے راستہ پر چلا یعنی اس واضح اور روشن راستے پر ثابت قدم رکھ جس میں کوئی ٹیڑھ پن نہیں اور وہ اسلام کا راستہ ہے۔"

اس راہ پر چلنے والا یقیناً اپنے رب کی طرف سے روشنی پا جاتا ہے۔

﴿أَفَمَن شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِ﴾ (الزمر: ۳۹/ ۲۲)

''کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے پس وہ اپنے رب کی طرف سے ایک نور پر ہے۔''

یعنی جس کو قبولِ حق اور خیر کا راستہ اپنانے کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل جائے پس وہ اس شرح صدر کی وجہ سے رب کی روشنی پر ہو، کیا یہ اس جیسا ہوسکتا ہے جس کا دل اسلام کے لیے سخت اور اس کا سینہ تنگ ہو اور وہ گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹک رہا ہو۔ (احسن البیان)

عقلی طور پر بھی جب دو نقطوں کو ملاتے ہیں تو وہ سیدھا خط بن جاتا ہے، اس کے علاوہ جتنے خطوط ہوتے ہیں وہ خطوط منحنی (ٹیڑھے خطوط) کہلاتے ہیں، گویا کہ صراطِ مستقیم، صرف اور صرف ایک ہی ہوا کرتا ہے اور وہ اسلام کا راستہ ہے، رب کریم کا ارشاد ہے:

﴿وَأَنَّ هَـٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيماً فَاتَّبِعُوهُ وَلاَ تَتَّبِعُواْ السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (الانعام:٦/١٥٣)

''(یہ اسلام کی راہ) ہی میرا سیدھا راستہ ہے، لہٰذا تم اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ اس (مہربان آقا) کے راستے سے ہٹا کر تمہیں پراگندہ کر دیں گے، یہ ہے وہ ہدایت جو تمہارے رب نے تمہیں کی ہے شاید کہ تم کج روی سے بچو۔''

حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

''صراط مستقیم کو واحد کے صیغے سے بیان فرمایا کیونکہ اللہ کی یا قرآن کی یا رسول اللہ ﷺ کی راہ ایک ہی ہے، ایک سے زیادہ نہیں (اور وہ صرف اور صرف اسلام کی راہ ہے) جس سے ہٹ کر یہ امت مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئی ہے، حالانکہ اُسے تاکید کی گئی ہے کہ ''دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی، دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا: ﴿أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ﴾ (الشوریٰ: ٤٢/١٣)''تم سب مل کر دین کو قائم رکھو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو'' گویا اختلاف اور تفرقہ کی قطعاً اجازت نہیں ہے، اس بات کو حدیث میں نبی ﷺ نے اس طرح واضح فرمایا کہ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے ایک خط کھینچا اور فرمایا کہ ''یہ اللہ کا سیدھا راستہ ہے'' اور چند خطوط اس کے دائیں اور

بائیں جانب کھینچے اور فرمایا ''یہ راستے ہیں جن پر شیطان بیٹھا ہوا ہے اور وہ ان کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے، پھر آپ ﷺ نے مندرجہ بالا آیہ مبارکہ تلاوت فرمائی۔'' (احسن البیان)

سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ استقامت پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''استقامت'' کے لفظی معنی ''سیدھا رہنے یا سیدھا چلنے کے ہیں'' اور اس سے مقصود یہ ہے کہ جس بات کو حق سمجھا جائے اس پر قائم رہا جائے، مشکلیں پیش آئیں، مخالفتیں ہوں، ستایا جائے، ہر خطرہ کو برداشت کیا جائے مگر حق سے منہ نہ پھیرا جائے اور اس راستہ پر ثابت قدمی کے ساتھ چلا جائے۔

رسول اللہ ﷺ کو اس اعلان کا حکم ہوتا ہے:

﴿أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوهُ﴾ (حم السجدہ: ٤١/٦)

''تمہارا معبود ایک ہی ہے، سو اس کی طرف سیدھے رہو اور اس سے گناہ بخشواؤ۔''

یعنی ہماری عبادتیں اسی ایک کے لیے ہوں اور ہماری توجہات کا وہی ایک مرکز ہو، اس سے کسی حال میں اِدھر اُدھر نہ ہوا جائے سیدھے اسی کی طرف چلے چلو، ایک اور آیت میں رب کریم سے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو حکم ہوتا ہے کہ اسی راہ پر سیدھے چلے چلو، نہ راہ سے بھکو نہ حکم ماننے سے سرکشی کرو۔

﴿فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾

(ھود: ١١/١١٢)

''(پس اے نبیؐ) آپ اور آپ کے وہ ساتھی جو (کفر و بغاوت سے ایمان و طاعت کی طرف) پلٹ آئے ہیں ٹھیک ٹھیک راہِ راست پر ثابت قدم رہیں جیسا کہ آپ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے اور بندگی کی حد سے تجاوز نہ کرو، جو کچھ تم کر رہے ہو اس پر تمہارا رب نگاہ رکھتا ہے۔''

عرب کا گرم ریگستان دینِ حق کی مخالفت میں غیظ و غضب کا بھڑکتا ہوا تنور بن گیا، ذرہ ذرہ کی زبان سے رسول برحق علیہ السلام کی دشمنی کی آواز نکل رہی ہے اور عرب کی وسیع سرزمین مسلمانوں پر دم بدم تنگ ہوتی جاتی ہے، اس موقع پر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ مسلمانوں کو اعلانِ حق اور حق پر استقامت کی تاکید ہو رہی ہے، ارشاد ہوتا ہے، اسی دین حق کی طرف سب کو بلاتے رہیے اور ثابت

قدمی دکھایے اور مخالفوں کی کسی خواہش کی پیروی نہ کیجیے۔

﴿فَلِذَٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ﴾ (الشوریٰ:۲۴/۱۵)

''پس آپ لوگوں کو اسی طرف بلایے اور جو کچھ آپ سے کہا گیا ہے اس پر مضبوطی سے جم جایے اور ان کی خواہشوں پر نہ چلیے۔''

ایسے ثابت قدموں کو جنہوں نے اللہ کو اپنا رب مان کر ہر خوف وخطر کو اپنے سے نکال دیا ہے یہ خوشخبری سنائی جا رہی ہے کہ کامیابی تمہارے ہی لیے ہے، وہ دن آئے گا جب تمہیں کسی کا ڈر ہوگا اور نہ کسی چیز کا غم ہوگا۔

اُس دن جس دن ہیبت سے سب کے دل لرزتے ہوں گے، جن کو استقامت اور ثابت قدمی کا اطمینان یہاں حاصل تھا وہاں تسکین وتسلی کا اطمینان بھی حاصل ہوگا، ایسے ثابت قدموں کے کانوں میں ان کی استقامت کی مزدوری میں فرشتوں کی بشارت سنائی دے گی۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ﴾ (حٰمٓ السجدہ: ۴۱/۳)

''جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے، پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے یقیناً اُن پر (موت کے وقت) فرشتے نازل ہوتے ہیں اور اُن سے کہتے ہیں کہ ''نہ ڈرو، نہ غم کرو، اور خوش ہو جاؤ اس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔''

ان ہی آیاتِ مبارکہ کی شرح میں اس حدیث مبارک کو سمجھیے کہ ایک صحابی دریافت کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ! مجھے کوئی ایسی بات بتایے کہ میں اُس سے چمٹ جاؤں، ارشاد ہوا ''کہو میرا رب اللہ ہے پھر اس پر جم جماؤ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان نصیحتوں پر جس استقامت کے ساتھ عمل کیا، اور اپنی ایمانی اخلاقی بہادری کے جو کارنامے پیش کیے چودہ سو برس گزر گئے، مگر ان پر تاریخ کی زبان سے برابر احسنت اور آفریں کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ (سیرت النبی ﷺ، ج۶)

وہ ہر میدان میں ہر موڑ پر ثابت قدم ٹھہرے
حوادث پے بہ پے گو ڈگمگانے کے لیے آئے

بحمد اللہ وہ پورے اترے ہر اک آزمائش پر
کئی کفار ان کو آزمانے کے لیے آئے

ڈاکٹر خالدؒ علوی لکھتے ہیں:

”استقامت دعوت الی اللہ کی راہ کی سب سے بڑی اخلاقی فضیلت ہے تاریخ دعوت کا کوئی مرحلہ استقامت کے حوالے سے خالی نہیں، کسی دور کی اسلامی دعوت کی مثال نہیں ملتی جس میں مشکلات پیش نہ آئی ہوں، دعوت اسلامی کے کارکنوں پر عرصۂ حیات تنگ نہ کیا گیا ہو اور انہیں ان حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے، دکھ سہنے مصائب برداشت کرنے اور ثابت قدم رہنے کا حکم نہ دیا گیا ہو تاریخ دعوت ان مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ (انسان کامل ﷺ)

اس راہ میں سب سے زیادہ انسانیت کے گل سرسبد خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ نے صبر و استقامت کی جو مثالیں رقم کی ہیں وہ تاریخ کے انمٹ نقوش ہیں۔

غور کیجیے نبوت ملنے کے بعد مکی زندگی میں جن تکالیف و مصائب کو آپ ﷺ نے برداشت کیا اور پھر آپ پر ایمان لانے والوں نے جو دکھ اور تکلیف جھیلیں وہ استقامت کے لازوال واقعات ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو کبھی زور و زر سے اور کبھی حرص و لالچ کے جھانسے میں لا کر دبانے کی کوشش کی گئی مگر قریش مکہ کو جب ہر طرف سے ناکامی ہوئی تو وہ بالآخر آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کے پاس آئے اور انہیں اس بات پر زور دیا کہ وہ آپ ﷺ کو دعوت کے کام سے روکیں چچا نے بھتیجے کے سامنے اس نازک صورت حال کو سامنے رکھا تو آپ ﷺ نے برملا فرمایا:

﴿یا عَمِّ! لَوْ وَضَعُوْا الشَّمْسَ فِی یَمِیْنِی وَالْقَمَرَ فِیْ یَسَارِیْ عَلٰی اَنْ اَتْرُکَ ھٰذَا الْاَمْرَ حَتّٰی یُظْھِرَہُ اللّٰہُ اَوْ اُھْلَکَ فِیْہِ مَا تَرَکْتُ﴾

عمِ محترم! اللہ کی قسم، اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر آفتاب اور بائیں ہاتھ پر ماہتاب رکھ دیں تب بھی میں یہ کام نہیں چھوڑوں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس دعوت کو غالب کر دے یا میں اسی راہ میں ختم ہو جاؤں۔

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

ابتدا سے انتہا تک اسلام کا ایک ایک کارنامہ رسول اللہ ﷺ کے عزم و استقلال اور صبر و استقامت کا مظہر اتم ہے عرب کے کفرستان میں ایک شخص تنہا کھڑا ہوتا ہے بے یار و مددگار دعوتِ حق کی صدائیں بلند کرتا ہے، ریگستان کا ذرہ ذرہ اس کی مخالفت میں پہاڑ بن کر سامنے آتا ہے لیکن وقار نبوت اور عزم ربانی سے ٹھوکر کھا کر پیچھے ہٹ جاتا ہے اور مخالفتوں کی تمام قوت اس کے سامنے چور چور ہو جاتی ہے:

الذِّین یُسراً کے ہیں پیامی نوع بشر کے عقدہ کشا ہیں
منزل وہ ٹھہرے ہر کارواں کی ہر راہ روکے وہ راہنما ہیں

۱۵- جود وسخا کا کمال

جود وسخا کا فضائل اخلاق اور پاکیزہ اعمال میں بہت اہم مقام ہے، بلکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ صدق و امانت کے بعد یہ دوسری اہم اخلاقی فضیلت ہے، یہ بھی ان فضائل میں سے ہے جن کا فائدہ دوسروں کو پہنچتا ہے، اللہ تعالیٰ کو بندے کی یہ صفت بے حد پسند ہے اور اس کے مقابلے میں خودغرضی، حرص و لالچ، بخل اور تنگ دلی کو وہ سخت ناپسند کرتا ہے، قرآن حکیم کی متعدد آیات اور احادیث رسول اللہ ﷺ سے جود وسخا کی اہمیت وفضیلت اجاگر ہوتی ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ اس کا عملی نمونہ پیش کرتا ہے۔

سورۃ بقرہ کے آغاز ہی میں پرہیزگار بندوں کے چند اوصاف بیان ہوئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے:

﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰـهُمْ يُنفِقُونَ﴾ (البقرہ:۲/۳)

''(رب کریم کا فرمان ہے) اور ہم نے جو روزی ان کو دی ہے اس میں سے کچھ (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے رہتے ہیں۔''

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

''بعض اہل تفسیر نے اس خرچ کرنے سے مراد زکوٰۃ لی ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ آیت زکوٰۃ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہاں جس طرح روزی کی تخصیص نہیں کی گئی، کہ کیا دی گئی، پھل

کہ مویشی کہ سونا چاندی یا کوئی اور چیز، اسی طرح اس میں سے کچھ اللہ کی راہ میں دینے کی صورت کی بھی تعیین نہیں کی گئی، اللہ تعالیٰ نے جس بندہ کو جو کچھ اپنے فضل سے دیا ہے اس کو اس میں سے اس شخص کو دینا چاہیے جس کو یہ نہیں ملا یا ضرورت سے کم ملا، اس سے یہ معلوم ہوا کہ جس کو جو ملا ہے، اس میں سے کچھ ان کو دینا جو اس سے محروم رہے ہیں یا جو اس کے محتاج ہیں، متقیوں کی نشانی ہے اور اسی کا نام اخلاق کی اصطلاح میں سخاوت اور فیاضی ہے۔

ایمان کے بعد اسلام کے دو سب سے اہم رکن نماز اور زکوٰۃ ہیں، زکوٰۃ کی اصلی روح یہی سخاوت اور فیاضی ہے اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی نظر میں اس اخلاقی تعلیم کی حیثیت بالکل بنیادی ہے، یعنی جس طرح نماز کی عبادت ہر قسم کے حقوق الٰہی کی بنیاد ہے اسی طرح سخاوت اور فیاضی بندوں کے ہر قسم کے حقوق کی اساس ہے، جب تک کسی میں یہ وصف پیدا نہ ہوگا اس میں اپنے ہم جنسوں کی ہمدردی اور محبت کا جذبہ نہ ہوگا اس لیے اسلام نے زکوٰۃ کو فرض کر کے انسان کے اسی جذبہ کو ابھارا ہے، سارا قرآن انفاق (خرچ کرنا) اور ایتاء (دینا) کے حکم اور تعریف سے بھرا ہوا ہے۔ (سیرت النبی، ج:٦)

اسلام کی پاکیزہ تعلیمات نے ہر شعبہ زندگی کو ایک دوسرے کے ساتھ مربوط اور مضبوط بنا دیا ہے۔ عبادات، سیاسیات، معاشیات، عمرانیات انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں، بندہ مومن اگر فریضہ نماز ادا کرتا ہے تو فریضہ زکوٰۃ سے بھی عہدہ برا ہوتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ اسے کسی منصب حکومت کی ذمہ داری عطا کرتا ہے تو وہ خدمت خلق کا پوا پورا حق بھی ادا کرتا ہے، اگر کوئی شخص انواع و اقسام کی نعمتوں سے نوازا جاتا ہے تو وہ پڑوس میں غربا و مساکین کا خیال بھی رکھتا ہے گویا کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں فرائض ساتھ ساتھ ادا کیے جاتے ہیں اور یہی اسلام کا راستہ ہے۔ پھر دنیا اور آخرت کو جوڑ دیا ﴿الدُّنْيَا مَزْرَعَةُ الْآخِرَةِ﴾ یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے یعنی جو کچھ اعمالِ صالحہ کے بیج ہم یہاں بوئیں گے اس چمن کی شادابی ہم آخرت میں دیکھ لیں گے۔

خلوص سے خرچ کرنے والوں کو یہ خوشخبری مل رہی ہے:

﴿الَّذِيْنَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَلَآ اَذًى

لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (البقرہ:۲/۲۶۲)

''جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور خرچ کر کے پھر احسان نہیں جتاتے، اور نہ (ان غربا و مساکین جنہیں مال دیا ہے) دل آزاری کرتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان کے لیے کسی رنج اور خوف کا موقع نہیں (وہ تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے، راحت و آرام کے باغات میں رہیں گے)۔''

مال بذاتِ خود ناپسندیدہ چیز نہیں، اگر انسان حلال طریقے سے مال کمائے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرتا رہے، اسے غریبوں، مسکینوں، بیواؤں، یتیموں میں تقسیم کرتا رہے، اسے جمع کر کے نہ رکھے بلکہ گردش میں لائے تو یہی مال اس کے لیے نعمت بن جاتا ہے اور اس کے حصول کی اسلام نے ترغیب ہی نہیں دی بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا انعام ٹھہرایا ہے:

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ﴾

(الجمعه: ۶۲/۱۰)

''پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو (کسب حلال کی جستجو کرو)۔''

پھر جب اس رزقِ حلال میں سے کوئی بندہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو حدیث مبارکہ کے مطابق یہ خوشخبری ملتی ہے:

''سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر صبح کو دو فرشتے اترتے ہیں، ایک (رب کریم کے حضور دعا کرتا ہے) اے اللہ! خرچ کرنے والوں کو نعم البدل عطا فرما، جبکہ دوسرا کہتا ہے اے اللہ! بخیل اور کنجوس کو تباہ و برباد کر۔'' (بخاری، مسلم بحواله رياض الصالحين)

پھر ایسے محسن سخی کا حسن عمل دوسروں کے لیے نمونہ بن جاتا ہے:

''سیدنا عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قابل رشک دو ہی طرح کے آدمی ہیں، ایک وہ جس کو اللہ تعالیٰ مال دے اور وہ اللہ کی راہ میں لٹائے اور دوسرا وہ جس کو اللہ حکمت دے تو وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے اور سکھائے۔'' (حواله ايضاً)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض صحابہ بڑے دولت مند تھے لیکن ان کی دولت ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ ہوئی۔

پاکیزہ مال یقیناً اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اور اسلام نے ہمیشہ جائز ذرائع سے کسب دولت کا حکم دیا ہے اور یہی طیب مال فی سبیل اللہ دینا ہی باعث اجر وثواب ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَنفِقُواْ مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الأَرْضِ وَلاَ تَيَمَّمُواْ الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِآخِذِيهِ إِلاَّ أَن تُغْمِضُواْ فِيهِ وَاعْلَمُواْ أَنَّ اللّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ﴾ (البقرہ:٢/٢٦٧)

”اے ایمان والو! جو پاکیزہ مال تم نے کمائے ہیں اور جو کچھ (طیب پیداوار) ہم نے زمین میں سے تمہارے لیے نکالی ہے، اس میں سے بہتر حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کیا کرو، ایسا نہ ہو کہ اس کی راہ میں دینے کے لیے بری سے بری چیز چھانٹنے کی کوشش کرنے لگو حالانکہ وہی چیز اگر کوئی تمہیں دے تو تم ہرگز اسے لینا گوارا نہ کرو گے اِلا یہ کہ اس کو قبول کرنے میں تم اغماض برت جاؤ (منہ پھیرلو) تمہیں جان لینا چاہیے کہ اللہ بے نیاز اور بہترین صفات سے متصف ہے (اللہ کسی کے مال کا محتاج نہیں، اس کا فیض تمام انسانوں پر ہمیشہ جاری وساری رہتا ہے، اور تمام پر اچھی ہی نعمتیں برساتا ہے)۔“

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں وہی صدقہ اور خیرات قبول ہوتا ہے جسے انسان دل کی پوری چاہت سے خرچ کرے اور وہ خرچ نہ کرے جسے وہ خود پسند نہیں کرتا ہے۔

﴿لَن تَنَالُواْ الْبِرَّ حَتَّى تُنفِقُواْ مِمَّا تُحِبُّونَ وَمَا تُنفِقُواْ مِن شَيْءٍ فَإِنَّ اللّهَ بِهِ عَلِيمٌ﴾

(آل عمران: ٣/٩٢)

”تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) خرچ نہ کرو جو تمہیں خود پسند ہوں۔“

انصار میں سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے سب سے زیادہ باغ تھے، ان میں سے بیرحاء کا باغ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو سب سے زیادہ پسند تھا، یہ مسجد نبوی ﷺ کے سامنے تھا، آپ ﷺ اس باغ میں جایا کرتے تھے اور

وہاں عمدہ شیریں پانی پیتے، جب مندرجہ بالا آیہ کریمہ نازل ہوئی تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا ''میری کل جائداد سے بیرحاء کا باغ مجھے بہت پیارا ہے، میں اس باغ کو اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں اور اس سے آخرت میں ثواب اور اجر کی امید رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ جہاں مناسب خیال فرمائیں اسے استعمال کریں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''بہت خوب!''

یہ مال تو بالآخر فنا ہونے والا ہے، ایک دوسری روایت میں ہے کہ مال تو بہت نفع دینے والا ہے اب تم ایسا کرو کہ اپنے غریب رشتہ داروں میں بانٹ دو۔ ابوطلحہؓ کہنے لگے! بہت خوب! یا رسول اللہ ﷺ میں ایسا ہی کرتا ہوں چنانچہ یہ سیدنا ابوطلحہ نے اپنے اقارب اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔

(بخاری، کتاب التفسیر، بحوالہ تیسیر القرآن، مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ)

سچ تو یہ ہے کہ مال پاکیزہ اُسی وقت ہوتا ہے جب اس میں سے اللہ کے احکام کے مطابق اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا جائے اور اس سلسلے میں کسی بخل سے کام نہ لیا جائے۔

اگر تو مال کو دین (کی خدمت اور نشر و اشاعت) کے لیے رکھے تو رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے، پاکیزہ مال اچھا اور نفع دینے والا ہے، اگر تو اس حکمت پر نظر نہ رکھے تو اس بات کو اچھی طرح جان لے کہ تو غلام ہے اور مال تیرا آقا ہے۔

قرآن حکیم میں مومن کے اوصاف میں سے جود و سخا اور اس کے اجر و ثواب کا ذکر اِن الفاظ میں کیا گیا ہے:

﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰى ○ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ○ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرٰى﴾

(اللیل:۹۲/۵-۷)

''(رب کریم کا ارشاد ہے) تو جس شخص نے (اللہ کی راہ میں) مال دیا اور وہ (اللہ کی نافرمانی سے) بچا اور نیک بات کو سچ جانا تو اس کو ہم آسان راستے کی سہولت دیں گے۔''

یعنی اس شخص کو راہِ خیر میں صدقہ و خیرات کرنے اور احکام الٰہی پر چلنے کی توفیق عطا کر دیں گے، اس آیہ مبارکہ کے شان نزول میں لکھا گیا ہے کہ یہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی کہ انہوں نے چھ ایمان لانے والے غلاموں کو جو قریش مکہ کے قبضہ میں تھے اور ایمان لانے پر انہیں سخت

تکالیف دے رہے تھے بہت بڑی رقم دے کر آزاد کرایا۔ (بحوالہ فتح القدیر، امام شوکانی)

پھر اس سورۃ مبارکہ میں ایسے شخص کے لیے نارِ جہنم سے آزادی اور ابدی راحت و آرام کا مژدہ جانفزا بھی موجود ہے۔

﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ○ الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ○ وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰى ○ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلٰى ○ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى﴾ (اللیل: ۹۲/۱۷-۲۱)

''اور (نارِ جہنم سے) دور رکھا جائے جو نہایت پرہیز گار ہے اور جو پاکیزگی نفس کے لیے اپنا مال (اللہ کی راہ میں) دیتا ہے اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ اس نے دینا ہو وہ تو صرف اپنے ربِ برتر کی رضا جوئی کے لیے یہ کام کرتا ہے یقیناً وہ رب بھی عنقریب ہی اس سے راضی ہو جائے گا۔''

جود و سخا کا کمال

ڈاکٹر خالد علویؒ لکھتے ہیں:

انبیائے کرام علیہم السلام جود و سخا کا بہترین مظہر ہوتے ہیں کہ اس کے بغیر وہ دعوت الی اللہ کا کام کر ہی نہیں سکتے اور اپنے اپنے وقت میں وہ انسانی معاشروں کے لیے نمونہ ہوتے ہیں، انسانیت کے گل سر سبد خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ چونکہ آنے والے تمام ادوار کے لیے اُسوۂ حسنہ ہیں اس لیے آپ ﷺ کی ذات بدرجہ اتم صفات کاملہ کا نمونہ ہے، آپ ﷺ جس طرح فطرتاً جود و سخا سے متصف تھے۔ اس کا ذکر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وسَلَّم اَجْوَدَ النّاسِ وَ كَانَ اَجْوَدَ مَا يَكُوْنُ فِىْ رَمَضَانَ حِيْنَ يَلْقَاهُ جِبْرِيْلُ...... فَلَرَسُوْلُ اللّٰهِ اَجْوَدُ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ))

''آپ ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور خصوصاً رمضان کے مہینے میں زیادہ سخاوت فرماتے تھے، جب جبریل امین (دورۂ قرآن کے سلسلے میں) اُن سے ملتے تو رسول اللہ ﷺ خیر کے معاملے میں تیز ہوا سے زیادہ فیاض ہوتے۔''

آپ ﷺ فرمایا کرتے:

((اِنّمَا آنَا قَاسِمٌ وَّ خَازِنٌ واللّٰهُ يُعْطِیْ))

''میں تو صرف تقسیم کرنے والا اور خازن ہوں اور اللہ ہی دیتا ہے۔''

آپ ﷺ کے جود وسخا کا یہ عالم تھا کہ جو شخص بھی آیا خالی ہاتھ نہ گیا، آپ ﷺ کا معمول تھا کہ اگر کچھ پاس ہوتا تو ضرور عطا فرماتے ورنہ وعدہ فرماتے، اِس بنا پر لوگ آپ ﷺ کے پاس لینے کے لیے آتے رہتے، کتب حدیث میں جو واقعات مذکور ہیں ان سے آپ ﷺ کی بے پناہ فیاضی کا پتہ چلتا ہے، اُمّ المومنین سیدہ اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ گھر تشریف لائے تو چہرہ مبارک متغیر تھا، وہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! خیر ہے؟ فرمایا:

((مِنْ اَجْلِ الدَّنا نیرِ السّبعَةِ الّتِیْ اَتَتْنَا اَمسِ اَمْسَيْنَا وَهِیَ فِیْ خُصْمِ الْفِراشِ))

کل جو سات دینار آئے تھے شام ہوگئی اور وہ بستر پر پڑے رہ گئے۔ (انسان کامل ﷺ)

ایک دفعہ ایک شخص خدمت اقدس میں آیا اور دیکھا کہ دور تک آپ ﷺ کی بکریوں کا ریوڑ پھیلا ہوا ہے، اس نے آپ ﷺ سے درخواست کی اور آپ ﷺ نے سب کی سب دے دیں، اُس نے اپنے قبیلہ میں جا کر کہا کہ اسلام قبول کرلو، محمد ﷺ ایسے فیاض ہیں کہ مفلس ہو جانے کی پروا نہیں کرتے۔

(سیرت النبی ﷺ، ج ۲)

ایک دفعہ ایک شخص نے کچھ مانگا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے، تم میرے ساتھ آؤ (معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کسی سے قرض لے کر عطا کرنا چاہتے تھے۔) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے، عرض کی کہ آپ ﷺ کے پاس کچھ موجود نہیں تو آپ ﷺ پر کیا ذمہ داری ہے؟ ایک اور صاحب حاضر تھے، انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ ﷺ دیے جائیں اور رب العرش مالک ہے، تنگ دستی کا کیا ڈر ہے، نبی ﷺ فرط بشاشت سے مسکرا دیے۔ (حوالہ ایضاً)

اور فرمایا: ''مجھے یہی حکم ملا ہے۔''

اکثر یہاں تک معمول تھا کہ گھر میں نقد کی قسم سے کوئی چیز موجود ہوتی تو جب تک کل خیرات نہ کر دی جاتی گھر میں آرام نہ فرماتے، رئیس فدک نے ایک دفعہ چار اونٹ پر غلہ بار کر کے خدمت نبوی ﷺ

میں بھیجا، سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے بازار میں غلہ فروخت کر کے ایک یہودی کا قرض تھا وہ ادا کیا، پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ کر اطلاع کی، آپ ﷺ نے پوچھا کہ بچ تو نہیں رہا، بولے ہاں کچھ بچ بھی رہا فرمایا کہ جب تک کچھ باقی رہے گا میں نہیں جا سکتا، سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے کہا میں کیا کروں، کوئی سائل نہیں، رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں رات بسر کی دوسرے دن سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے آ کر کہا یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سبکدوش کر دیا یعنی جو کچھ تھا وہ بھی تقسیم کر دیا گیا۔ آپ ﷺ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور اٹھ کر گھر تشریف لے گئے۔ (حوالہ ایضاً)

اسی طرح ایک بار عصر کی نماز پڑھ کر خلاف معمول فوراً گھر کے اندر تشریف لے گئے اور پھر فوراً نکل آئے، لوگوں کو تعجب ہوا اور انہوں اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا:

((ذکرتُ وَ اَنَا فِی الصَّلٰوۃِ تِبراً عِنۡدَنَا فکرِھۡتُ اَنۡ یُمۡسِیَ اَوۡ یُبیتَ عِنۡدَنَا فَاَمَرۡتُ بِقِسۡمَتِہٖ))

''مجھے نماز میں خیال آیا کہ کچھ سونا گھر میں پڑا رہ گیا ہے، گمان ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ رات ہو جائے اور وہ گھر میں پڑا رہ جائے، اس لیے جا کر اسے خیرات کر دینے کو کہہ آیا۔''

(انسان کامل ﷺ)

حدیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ بحرین سے خراج کی اتنی رقم آئی کہ اس سے پہلے کبھی نہیں آئی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے صحن مسجد میں ڈال دو اور مڑ کر اس پر نظر بھی نہ ڈالی، نماز سے فارغ ہو کر اسے تقسیم کرنا شروع کیا اور بلا امتیاز جو آیا اسے دیتے چلے گئے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ جو غزوہ بدر کے بعد دولتمند نہیں رہے تھے۔ اتنا دیا کہ وہ چل نہیں سکتے تھے، اسی طرح اور لوگوں کو بھی عطا فرماتے رہے، جب سب تقسیم ہو گیا تو دامن جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ (سبحان اللہ!)

آخر قرآن حکیم کی پاکیزہ اور بلند تعلیمات پر عمل پیرا ہونے والا کون تھا؟

﴿وَ یَسۡـَٔلُوۡنَکَ مَاذَا یُنۡفِقُوۡنَ، قُلِ الۡعَفۡوَ﴾

''(اے نبیؐ) لوگ پوچھتے ہیں کہ (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) کیا کچھ خرچ کریں تو آپ کہہ دیجیے کہ جو کچھ تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو۔''

اس آیہ مبارکہ کی مصداق تو حیاتِ طیبہ ہی نظر آئی، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ایثار کا جذبہ دکھائی دیتا ہے جس کا قرآن اس طرح ذکر کرتا ہے:

﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ (الحشر:۵۹/۹)

''(یہ ابرار و صالحین) اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔''

آپ ﷺ نے زندگی بھر کسی کے سوال پر 'نہیں' کا لفظ نہیں فرمایا، ایک دفعہ چند انصار نے آپ ﷺ سے کچھ مانگا آپ ﷺ نے عطا کر دیا، پھر مانگا پھر دیا، جب تک آپ ﷺ کے پاس رہا آپ ﷺ دیتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے پاس کچھ باقی نہ رہا، اِس کے باوجود انہوں نے درخواست کی تو فرمایا:

((مَا يَكُونُ عِنْدِي مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ أَدَّخِرَهُ عَنْكُمْ))

''میرے پاس جو کچھ ہو میں اس کو تم سے بچا کر نہیں رکھوں گا۔''

یہ بھی قرآن حکیم کی ارفع و اعلیٰ تعلیمات ہیں جن پر آپ ﷺ نے عمل کر کے دکھایا، رب کریم کا ارشاد ہے:

﴿وَوَجَدَكَ عَائِلاً فَأَغْنَى ○ فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ○ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ○ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ (الضحیٰ:۹۳/۶-۱۱)

''(اے نبی ﷺ) اس نے آپ کو نادار پایا اور پھر مالدار کر دیا، لٰہذا آپ یتیم پر سختی نہ کیجیے اور سائل کو نہ جھڑکیے اور اپنے رب کی نعمتوں کا اظہار کرتے رہیے۔''

آپ ﷺ کی ذات ہے کریم — آپ ﷺ کا خلق ہے عظیم
آپ ﷺ کی طبع ہے حلیم — آپ ﷺ کی راہ ہے مستقیم
شان آپ ﷺ کی جدا — صلِ علیٰ نبیّنا

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ادب ولحاظ

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلاَ تَمُوتُنَّ إِلاَّ وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ﴾

(آل عمران: ۳/۱۰۲)

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت و رضا کی آرزو و جستجو میں رہو جس طرح رہنے کا حق ہے (اور اس کی نافرمانی سے ہمیشہ بچتے رہو) اور اس وقت تک تمہیں موت نہ آئے جب تک تم اللہ کے بندگانِ تسلیم و رضا اور مطیع و فرمانبردار نہ بن جاؤ۔''

گویا کہ ہمیشہ تقویٰ اور پرہیز گاری کی زندگی بسر کرو، اللہ تعالیٰ کے احکام کو ہمیشہ پیش نظر رکھو اور سنت نبویؐ کے مطابق انہیں بجا لاؤ، ایمان کے ساتھ جیو اور ایمان کے ساتھ مرو، آخری لمحہ وہ نہ ہو کہ لغزش کر جاؤ، یقین کامل ہو کہ میں مسلمان ہوں اور مسلمان مر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں مجھے ڈھانپ لے، آمین!

سیدنا ابو اُمامہ الباہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے حجۃ الوداع میں خطبہ فرما رہے تھے کہ اللہ سے ڈرو اور پانچ وقت کی نماز پڑھو (خشوع و خضوع اور سنتِ نبوی کے مطابق) اور روزے رکھو (رمضان المبارک کے پورے آداب کے ساتھ) اور اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کیا کرو اور اپنے حاکموں کی اطاعت کرو (جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے مطابق حکم دیں) تم اپنے رب کی جنت میں داخل کیے جاؤ گے۔

((اِتَّقُوا اللّٰهَ وَ صَلُّوْا خَمْسَكُمْ وَ صُوْمُوْا شَهْرَكُمْ وَ اَدُّوا زَكَاةَ اَمْوَالِكُمْ وَ اَطِيْعُوا أُمَرَاءَكُمْ تَدْخُلُوْا جَنَّةَ رَبِّكُمْ)) (ترمذی بحوالہ ریاض الصالحین، باب التقویٰ)

اِطاعت رسول اللہ ﷺ

﴿مَّنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ وَمَن تَوَلَّى فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظاً﴾

(النساء: ٤/ ٨)

''(رب کریم کا ارشاد ہے) جو لوگ (خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ) کی فرماں برداری کرتے ہیں وہ اصل میں اللہ تعالیٰ کے احکام بجا لاتے ہیں (کیونکہ آپ وحی کے مطابق ہی کہتے ہیں اور عمل کرتے ہیں) لیکن جو لوگ ایسا کرنے سے روگردانی کرتے ہیں (تو وہ اس کے نتائج کے خود ذمہ دار ہوں گے) کیونکہ ہم نے آپ کو ان کا پاسبان بنا کر نہیں بھیجا۔''

سیدنا ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((كُلُّ أُمَّتِيْ يَدْ خُلُوْنَ الجنَّةَ اِلَّا مَنْ أَبى، قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، وَ مَنْ يَأبى؟، قَالَ: وَمَنْ أَطاعَنِيْ دَخلَ الجَنَّةَ، وَ مَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ أَبى)) (بخاری)

کہ میری امت کا ہر شخص جنت میں داخل ہوگا مگر (وہ محروم رہے گا) جس نے انکار کیا، صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول، بھلا ایسا کون ہے جو انکار کرے فرمایا جس نے میری اطاعت کی (سیرت طیبہ کو اپنایا) وہ جنت میں جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے انکار ہی کیا۔

ہر مسلمان اس پر اپنے آپ کا محاسبہ کرسکتا ہے آیا کہ وہ سچا اتباع کرنے والا ہے یا محض زبانی جمع خرچ ہے؟ سچ تو یہ ہے:

صدق دل سے جو ہوا ہے آپ ﷺ کا خالق کونین اس کا ہو گیا
اُسوۂ کامل ملا ہے آپ ﷺ کا پیروی کرنے کو اے آقا ہمیں

نیکی کا مفہوم کیا ہے؟

﴿لَّيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّواْ وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَـٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَالْمَلآئِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّيْنَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ، وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِيْ الرِّقَابِ، وَأَقَامَ الصَّلاَةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُواْ وَالصَّابِرِيْنَ فِيْ الْبَأْسَاء والضَّرَّاءِ وَحِيْنَ الْبَأْسِ أُولَـٰئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوا وَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ﴾

(البقرہ:۲/۱۷۷)

''ارشاد ہوا کہ تمہارا (نماز کے وقت) مشرق یا مغرب کی طرف رخ کر لینا ہی نیکی نہیں (یہ تو نظم ملی کا تقاضا ہے) بلکہ اصل نیکی یہ ہے کہ جو اللہ پر، یوم آخرت پر، فرشتوں پر، اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں پر اور انبیاء علیہم السلام پر صدق دل سے ایمان لائے اور اپنے مال اس کی چاہت کے باوجود رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، مدد کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں اور غلاموں کو رہائی دلانے پر خرچ کرے، پھر وہ نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے، اور نیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کریں تو اسے وفا کریں اور تنگی اور مصیبت کے وقت اور حق و

باطل کی جنگ میں صبر وثبات کا مظاہرہ کریں، یہ ہیں راستباز لوگ اور یہی سچے متقی ہیں۔“

”اَلْبِرُّ“ نیکی اس کا مادہ (ب رر) ہے یہ لفظ اَلْبَرُّ ب کی زبر کے ساتھ بَحْرٌ کی ضد ہے، بَحْرٌ کے معنی سمندر یا تری کے ہیں بَرٌّ کے معنیٰ خشکی کے ہیں پھر اس معنیٰ کو وسعت دے کر ”البِرُّ“ کا لفظ مشتق کیا گیا ہے جس کے معنی وسیع پیمانے پر نیکی کرنے کے ہیں، اس کی نسبت کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے۔ جیسے قرآن حکیم میں آتا ہے:

﴿اِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ﴾ (الطور: ۲۸/۵۲)

بلاشبہ وہ بڑا ہی احسان کرنے والا اور مہربان ہے۔

اور کبھی بندے کی طرف جیسا کہ عربی زبان میں کہا جاتا ہے۔ بَرَّ الْعَبْدُ رَبَّهٗ یعنی بندے نے اپنے رب کی خوب اطاعت کی گویا کہ جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کے معنی ثواب اور اجر عطا کرنا ہوتے ہیں اور جب بندے کی طرف منسوب ہو تو اطاعت اور فرمانبرداری کے ہوتے ہیں۔

البِرُّ (نیکی) دو قسم پر ہے اعتقادی اور عملی اور مندرجہ بالا آیہ مبارکہ (آیت نمبر ۱۷۷) میں ﴿لَّيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّواْ وُجُوهَكُمْ﴾ دونوں قسم کی نیکی کے بیان پر مشتمل ہے، اسی بنا پر جب رسول اللہ ﷺ سے ”بِرٌّ“ کی تفسیر دریافت کی گئی تو آپ ﷺ نے جواباً یہی آیت تلاوت فرمائی کیونکہ اس آیہ مبارکہ میں عقائد و اعمال، فرائض و نوافل کی پوری تفصیل پائی جاتی ہے۔ (مفردات القرآن، راغب اصفہانی)

اس آیہ مبارکہ پر مولانا عبدالرحمٰن کیلانی لکھتے ہیں:

”جب یہود مدینہ نے تحویل قبلہ کے مسئلہ کو مسلمانوں کے ساتھ جھگڑے کا ایک مستقل موضوع بنا لیا تو یہ آیت نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی کہ مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرنا کوئی ایسی نیکی نہیں ہے جس پر نجاتِ اُخروی کا مدار ہو بلکہ نیکی کے اصل اور بڑے بڑے کام تو اور ہیں اور وہ کام ایسے تھے جن میں سے اکثر کی ادائیگی میں یہود قاصر تھے یا کوتاہی کر جاتے تھے پہلے تو اللہ تعالیٰ نے ایمان بالغیب کی انواع بیان فرمائیں، یہود جبرئیل امین کو اپنا دشمن سمجھتے تھے حالانکہ اسی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنا کلام انبیاء کرام پر نازل فرماتا رہا، پھر وہ انجیل اور قرآن پر ایمان نہیں رکھتے تھے بلکہ اپنی کتاب

پر بھی ٹھیک طرح سے ایمان نہیں لاتے تھے اور بے شمار غلط عقائد آخرت کے بارے میں اپنے معتقدات میں شامل کر لیتے تھے پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے صدقات و خیرات اور اس کے مستحقین کا ذکر فرمایا اس سلسلے میں وہ قاصر یوں تھے کہ وہ سود خور تھے اور سود خور کی فطرت میں بخل اور شقاوت پیدا ہونا لازمی امر ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے ایفائے عہد کی نصیحت فرمائی جبکہ یہود کی تاریخ عہد شکنیوں سے بھری پڑی ہے۔ اور بزدل ایسے کہ ان کا کوئی قبیلہ بھی مسلمانوں کے ساتھ کھلے میدان میں لڑنے کی جرأت نہ کر سکا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے راست باز اور متقی لوگوں کی جو جو صفات بیان فرمائی ہیں، یہودیوں کی اکثریت ان سے عاری تھی اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے سیرت و کردار سے متعلق صرف دو باتوں کا ذکر فرمایا...... ایک ایفائے عہد کا اور دوسرے صبر کا، عہد خواہ ایک شخص کا دوسرے شخص سے ہو یا قوم سے ہو یا ایک قوم کا دوسری قوم سے ہو یا کسی کا اللہ تعالیٰ سے ہو نیز خواہ یہ عبادت سے تعلق رکھتا ہو یا معاملات سے یا مناکحات (شادی بیاہ سے متعلق خاندانوں میں) اس عہد کا پورا کرنا ہر حال میں لازم ہے اور ظاہر ہے کہ یہ عہد دراصل ایفائے حقوق کا عہد ہوتا ہے جو انسان کی ساری زندگی ہی اپنے احاطہ میں لے لیتا ہے اور ایفائے عہد کے سلسلہ میں کئی قسم کی مشکلات بھی پیش آ سکتی ہیں، لہٰذا ساتھ ہی صبر و ثبات کا حکم فرما دیا اور صبر کے تین مواقع کا بالخصوص ذکر فرمایا: ایک فِی الْبَاْسَآءِ جس کے معنی تنگی ترشی اور فقر و فاقہ کا دور ہے، دوسرے وَالضَّرَّآءِ جس کے معنی جسمانی تکالیف اور بیماری کا دور ہے اور تیسرے وَحِیْنَ الباْس یعنی جنگ کے دوران بھی اور اس وقت بھی جب جنگ کے حالات پیدا ہو چکے ہوں اور اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہی وہ مقامات ہیں جہاں بسا اوقات انسان کے پائے ثبات میں لغزش آ جاتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے بالخصوص ان مواقع کا ذکر فرمایا۔

(تیسیر القرآن)

یہ آیت مبارکہ حکمت و بصیرت کی کئی باتوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے:

۱- تصور آخرت اور تمام اعمال کے لیے جوابدہی کے احساس سے انسان کو نیک اعمال کرنے اور

برے اعمال سے بچنے کا احساس دامن گیر رہتا ہے۔
تصور آخرت اور تمام اعمال کے لیے جوابدہی کے احساس سے انسان کو نیک اعمال کرنے اور برے اعمال سے بچنے کا احساس دامن گیر رہتا ہے۔

۲- اسلام کی دو اہم بنیادی تعلیمات ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد اس آیت نے دونوں تعلیمات کو بڑی خوبی سے سمیٹ دیا ہے۔ حقوق العباد میں بھی ترتیب رکھی ہے، خدمت کے اولین حقدار رشتہ دار ہیں پھر یتامیٰ کی سرپرستی ہے، اس کے بعد مساکین حقدار ہیں اور پھر وہ سائلین آجاتے ہیں جو تنگ دستی کے باعث مانگنے پر مجبور ہو گئے ہیں، اس کے بعد لٹے پٹے مسافروں کی مدد ضروری ہے اور بے گناہ انسانوں کو غلامی کے پھندے سے آزاد کرانا بھی باعث اجر وثواب ہے۔
۳- ایفائے عہد اور ابتلاء وآزمائش میں صبر وثبات سے انسانی کردار اور اخلاق کی تعمیر ہوتی ہے۔
۴- صدق وتقویٰ میں اُخروی نجات کی بشارت ہے۔
۵- ''البِرّ'' یعنی نیکی اتنی جامع کلمہ ہے کہ اپنے اندر بہت وسیع مفہوم لیے ہوئے ہے یوں کہنا چاہیے کہ کوزہ میں دریا بند ہے۔ والدین کے ساتھ نیکی، پڑوسیوں سے ہمدردی، مریضوں کی تیمارداری، عفو ودرگزر، ایثار اور صلہ رحمی، حلم اور برد باری ایسی تمام صفات اس میں آجاتی ہیں۔

حدیث مبارکہ میں اسے حسنِ اخلاق کا نام دیا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((البِرُّ حُسنُ الْخُلُقِ)) (مسلم رقم الحدیث ۲۵۵۳)

''نیکی حسن اخلاق کا نام ہے۔''

اور کہیں زبان رسالت ﷺ سے یوں ادا ہوا:

((اِطْعَامُ الطَّعامِ وَ طِيْبُ الكَلامِ))

''(غربا ومساکین) کو کھانا کھلانا اور لوگوں کے ساتھ خوش کلامی سے پیش آنا۔''

اور پھر آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

((عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ، فَنّ الصِّدق يهدِى اِلى البِرّ وَ اِنَّ البِرَّ يَهْدِى اِلى الجنّةِ)) (مسلم رقم الحدیث ۲۶۰۷)

''تمہارے لیے سچائی اختیار کرنا لازم ہے اور یہ سچ تمہیں نیکی کی راہ پر گامزن کردے گا اور یہ نیکی تمہیں جنت میں لے جائے گی۔''

اس بِرّ (نیکی) کو عمر میں برکت اور اضافہ کا باعث قرار دیا:

((لَا یزیدُ فِی الْعُمُرِ اِلآ البرُّ)) (ترمذی رقم الحدیث ۲۱۳۹)

قرآن حکیم نے اس نیکی کو حاصل کرنے کا کتنا خوبصورت معیار قائم کر دیا ہے، رب کریم کا ارشاد ہے:

﴿لَن تَنَالُواْ الْبِرَّ حَتَّى تُنفِقُواْ مِمَّا تُحِبُّونَ وَمَا تُنفِقُواْ مِن شَيْءٍ فَإِنَّ اللّهَ بِهِ عَلِيمٌ﴾

(ال عمران:۳/۹۲)

''جب تک تم اپنی پسندیدہ چیز سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو گے ہرگز بِرّ (نیکی) کا اجر نہیں پاسکتے ہو اور تم جو خرچ کرو اسے اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے۔''

نیکی کی اس بلندی پر اس نیلگوں آسمان کے نیچے خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر لحاظ سے پہنچے ہیں:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ
وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (الاحزاب:۳۳/۵۶)

’’(رب کریم کا ارشاد ہے) اللہ اور اس کے ملائکہ نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود وسلام بھیجا کرو۔‘‘

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ
عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى
اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى
اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ - رَحمةً لِلعَالمین ﷺ

ولادتِ باسعادت تا ہجرتِ مدینہ تک - اہم جھلکیاں

بیس اپریل ۵۷۱ء کو دوشنبے کے روز جس دن تقویمِ عرب کے مطابق ربیع الاول کی نویں تاریخ تھی۔ اِدھر بوقبیس کے مطلع الانوار پر صبح صادق نمودار ہوئی اُدھر مکے کے ایک قریش امیر عبدالمطلب کے بیٹے عبداللہ کا ''درِیتیم'' رونق افروز بزمِ شہود ہوا۔

پروردگارِ عالم کا یہ دستور ازل سے جاری ہے کہ جب کبھی دنیا پر ظلم وعصیان کی گھٹا چھا جاتی ہے اور انسان گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹکنے لگتا ہے تو اس کو ہدایت کی سیدھی راہ دکھانے کے لیے ایک ایسی شمع روشن ہو جاتی ہے جس کی اجالے میں اسے نیکی اور بدی کے خطوط واضح اور صاف دکھائی دینے لگتے ہیں۔ پھر جو کوئی اس شمع کی روشنی کے فیض سے صراطِ مستقیم پر چل نکلتا ہے نجات پاتا ہے۔

مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں افقِ ہدایت پر ایسے کئی ستارے چمکے جن کی درخشانیوں سے کفر وانکار کی تاریکیاں کافور ہوگئیں اور گم کردہ راہ انسان نے نجات کی راہ کا سراغ پا لیا، لیکن زمانے کو ابھی تک اس آفتاب عالمِ تاب کا انتظار تھا جس کی نورانی شعاعوں کی تابانی سے ایک جہانِ نو منور ہونے کو تھا اور چشمِ فلک اس خاتم الرسُل کے ظہور کے لیے صدیوں اور قرنوں سے چشم براہ تھی جس کی تجلیوں سے انسان اپنے مقصدِ تخلیق کی معراجِ کمال پر پہنچنے والا تھا۔

سلام ہو اس دن پر جس دن یہ آفتاب افقِ عالم پر جلوہ گر ہوا۔

طرب کے جوش سے ایک ایک ذرہ مسکراتا ہے
زمیں کی آج قسمت پر فلک کو رشک آتا ہے

مبارک شمعِ بزمِ انبیاء تشریف لے آئے
مبارک دستگیرِ بے نوا تشریف لے آئے
مبارک ہو نبیؐ آخری تشریف لے آئے
مبارک ہو جہاں کی روشنی تشریف لے آئے
مبارک ہادیٔ دین ممبین تشریف لے آئے
مبارک رحمۃ لِلعالمین تشریف لے آئے

رسول اللہ ﷺ کے والد عبداللہ آپ کی پیدائش سے کچھ عرصہ پہلے ہی غازا سے واپس آتے ہوئے مدینے میں رحلت فرما چکے تھے۔ دنیا میں بچے یتیم بھی ہو جاتے ہیں اور ماؤں کا سہاگ بھی اجڑ جاتا ہے، لیکن ان معصوموں کی محرومیاں کس درجہ المناک ہوتی ہیں جنہوں نے باپ کی وفات کے بعد رزم گاہ ہستی میں قدم رکھا ہو اور ہوش سنبھالنے کے بعد جن کی آنکھیں باپ کا نام سن کر اس کے دیکھنے کو ترس ترس جاتی ہوں۔

جوانی کی عمر ہی میں بیٹے کی وفات سے جو زخم عبدالمطلب کے قلب وجگر پر لگا تھا ایسا نہ تھا کہ جلدی بھر جاتا، لیکن اس عبداللہ کے لختِ جگر اور آمنہ کے لال کے نظر آتے ہی دل باغ باغ ہو گیا ایسا معلوم ہوا کہ آسمان کا چاند زمین پر اتر آیا ہے۔ پوتے کو گود میں اٹھایا، چھاتی سے لگایا، اور محمد نام رکھا۔

سب سے پہلے آپ ﷺ کو ماں نے اور دو تین روز کے بعد خاندان کی ایک کنیز ثوبیہ نے دودھ پلایا۔

عرب کا دستور تھا کہ شہروں میں رہنے والے شرفاء اپنے شیر خوار بچوں کو دیہات میں بھیج دیتے تھے تاکہ وہ صحرا کی آغوش میں پل کر اور بدوؤں کی صحبت میں رہ کر خالص عربی روایات کے مطابق تربیت پائیں۔

آپ ﷺ کو سعد قبیلے کی ایک نیک دل بی بی حلیمہ پرورش کے لیے لے گئیں اور چار برس تک اپنے پاس رکھ کر آپ ﷺ کی ماں آمنہ کے سپرد کر دیا۔ جب آپ ﷺ اپنی ماں کے پاس واپس آئے تو ماں کا کلیجہ ٹھنڈا ہوا، مگر ان کو یہ دیکھ کر بڑا صدمہ ہوا کہ بچے کا دل یتیمی کے ملال سے افسردہ رہتا ہے۔

اس خیال سے کہ شاید باپ کی قبر کو دیکھ کر آپ ﷺ کے دل کو صبر آ جائے۔ ماں نے فیصلہ کیا کہ بیٹے کو

مدینے لے جا کر باپ کی قبر دکھائے۔ مکے سے مدینے تک دو سو میل کا سفر تھا۔ اونٹ کی سواری، اوپر سورج کی تیز شعاؤں کی گرمی نیچے تپتی ہوئی ریت کی تپش اس پر آسائش کے ہر سامان کی کمی، ماں بیٹا بے حال ہو جاتے ہوں گے۔ آپ ﷺ بار بار یہی خیال کرتے ہوں گے کہ اگر میرا باپ زندہ ہوتا تو ہمیں اس سفر میں ایسی تکلیف نہ ہوتی۔ مدینے جا کر جب آپ ﷺ نے باپ کی قبر دیکھی تو اور بے چین ہو گئے۔ ماں نے تسلی دی اور آپ ﷺ کا دل بہلانے کی کوشش کی۔ آپ ﷺ کے ننھیال کے لوگ مدینے میں ہی رہتے تھے، دونوں ماں بیٹے کچھ دن مدینے میں رہ کر مکے کو واپس ہوئے مگر اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ واپسی میں ابوا کے مقام پر بی بی آمنہ ناگہان بیمار ہو گئیں اور آن کی آن میں بیٹے کی آنکھوں کے سامنے دنیا سے چل بسیں۔ باپ کے بعد آپ ﷺ کا سہارا ایک ماں ہی تھی جو جاتا رہا۔ ماں کی بیماری اور ان کی ناگہانی موت کا سماں جب اپنی آنکھوں سے دیکھا تو آپ ﷺ کا دل بیٹھ گیا۔ اتفاق سے اس وقت ام ایمن ایک کنیز موجود تھی اس نے آپ ﷺ کو مکے پہنچا دیا۔ آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کو یہ دیکھ کر کہ ان کا کمسن پوتا اب ماں کی شفقت سے بھی محروم ہو گیا ہے بڑا دکھ ہوا۔ اللہ کی شان ہے کہ جب آپ ﷺ مکے سے مدینے کو روانہ ہوئے تھے تو صرف باپ کے سائے سے محروم تھے، واپسی پر ماں کے پیار سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ آپ ﷺ اب بہت اداس رہنے لگے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ میں ہیں اور کیا سوچ ہو گی یہی کہ باپ کا سایہ کیوں اٹھ گیا، ماں داغِ مفارقت کیوں دے گئی۔ دادا نے پوتے کا ملال دور کرنے کی بڑی کوشش کی اور آپ ﷺ کی پرورش اور تربیت میں بڑی محبت اور محنت سے کام لیا مگر تقدیر یہی چاہتی تھی کہ آپ ﷺ اس مکتب میں تعلیم پائیں جس کا نصاب بہت سخت اور کڑا ہو اور یہ بیل کانٹوں بھری جھاڑیوں ہی میں منڈھے چڑھے۔ ماں باپ کا سایہ تو پہلے ہی اٹھ چکا تھا، آٹھ برس کی عمر کو پہنچتے پہنچتے دادا کا سہارا بھی چھوٹ گیا۔ عبدالمطلب نے مرنے سے پہلے آپ ﷺ کو آپ کے چچا ابو طالب کے سپرد کیا اور کہا کہ میں عبداللہ کے نورِ نظر کو تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ میرے بعد بھتیجے کی خبر گیری کا تم سے بہتر اور کون حقدار ہے۔ ابو طالب نے باپ کی وصیت کا حق ادا کیا اور اپنے بھتیجے کی خاطر داری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

آپ ﷺ اپنی طبیعت کے لحاظ سے کم سخن مگر بڑے شیریں زبان تھے۔ اکثر خاموش رہتے اور

دیکھنے والے یہی سمجھتے کہ آپ ﷺ کسی گہری فکر میں ہیں۔ اکثر ایسا ہوا کہ شہر کے ہنگاموں سے گھبرا کر آپ ﷺ کبھی صحرا کی طرف نکل جاتے، کبھی مکے کی پہاڑیوں پر چڑھ جاتے اور جب کبھی آپ ﷺ کعبے کی طرف جانکلتے جس میں چاروں طرف بت ہی بت نظر آتے تھے تو آپ ﷺ کے دل پر افسردگی کی ایک گھٹا سی چھا جاتی اور آپ ﷺ اس کی دیواروں سے دامن بچا بچا کر چلتے۔

آپ ﷺ کا پہلا سفر

آپ ﷺ کی عمر کوئی بارہ برس کی ہوگی کہ آپ ﷺ کو اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ شام کے سفر کا اتفاق ہوا۔ آپ ﷺ دادا کی وفات کے بعد اپنے چچا سے اس قدر مانوس ہو گئے تھے کہ آپ ﷺ کو ان کی جدائی پل بھر کو بھی گوارا نہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ جب ابو طالب تجارت کے سلسلے میں شام کے سفر کی تیاری کرنے لگے تو آپ ﷺ ان سے لپٹ گئے اور ان کے ساتھ جانے پر اصرار کرنے لگے پہلے تو چچا نے کمسن بھتیجے کو اس دور دراز سفر کی دشواریوں کے پیش نظر لے جانا مناسب نہ سمجھا، لیکن جب آپ ﷺ نے بہت ہی اصرار کیا تو چچا کی محبت ان کی دور اندیشی پر غالب آ گئی اور وہ آپ ﷺ کو اپنے ساتھ لے چلنے پر رضامند ہو گئے۔

عرب کی حالت

اگرچہ آپ ﷺ کی عمر کچھ ایسی زیادہ نہ تھی تاہم اس سفر میں ہر چیز کو بڑی غور سے دیکھتے رہے۔ قمار بازی، شراب خوری اور بت پرستی۔ اس زمانے کا عام شیوہ تھی وہ اللہ کا گھر جس کی بنیاد ابراہیم علیہ السلام نے رکھی تھی، اب تین سو ساٹھ بتوں کا صنم خانہ بن چکا تھا۔ عورت ذات کا وقار بس اتنا رہ گیا تھا کہ وہ تجارت کی ایک قیمتی جنس سمجھی جاتی تھی اور دوسری وراثتوں کی طرح باپ سے بیٹے کے حصے میں آتی تھی جو شخص جتنی عورتیں چاہتا اپنے تصرف میں لاتا اور جس وقت اس کا جی ان سے بھر جاتا انہیں نیلام کا مال سمجھ کر برسرِ بازار بیچ ڈالتا۔ اب رہے غلام تو ان کو انسان کے نام سے پکارنا بھی ایک جرم سمجھا جاتا تھا، مالک کی خوشنودی ان کی زندگی کا سہارا اور اس کی نارضامندی ان کی موت کا پروانہ تھی۔ عرب کا سارا علاقہ مختلف حصوں میں منقسم تھا اور ہر علاقے میں کئی کئی خود مختار قبائل اپنی اپنی حکومت کا سکہ چلاتے تھے۔ ان قبیلوں میں اکثر ذرا ذرا سی بات پر جھڑپ ہو جاتی اور بڑھتے بڑھتے نوبت یہاں تک پہنچتی کہ

اُن کی ذاتی عداوت قبیلوں کی باہمی جنگ کی صورت اختیار کر لیتی جس کا سلسلہ برسوں تک جاری رہتا۔ اوہام پرستی کا تو یہ حال تھا کہ ہر کام کرنے سے پہلے لوگ فالیں نکلواتے کسی اچھے یا برے شگون پر اپنے کاموں کی کامیابی اور ناکامی کو منحصر سمجھتے کوئی ایسا گھرانہ نہ تھا جس میں نجومیوں، رمالوں اور قیافہ شناسوں کی آؤ بھگت نہ ہوتی ہو، جن لوگوں نے اللہ کو بھلا دیا تھا اور انسان کو اپنا ملجا و ماویٰ بنا لیا تھا اس کے سوا اور کر ہی کیا سکتے تھے۔ یہ لوگ علم سے کوسوں دور بھاگتے تھے اور ضد اور ہٹ کے ایسے دھنی تھے کہ جس کام کے کرنے پر تل جاتے اسے کر کے ہی دم لیتے۔ ان لوگوں کی جہالت کا اندازہ تو اسی بات سے ہو سکتا ہے کہ تاریخ میں اس زمانے کو ''زمانہ جاہلیت'' سے موسوم کرتے ہیں۔

جب آپ ﷺ اپنے چچا کے ساتھ شام کے علاقے میں پہنچے تو وہاں کے لوگوں کی بھی یہی حالت دیکھی اور ایک عرب اور شام ہی پر کیا منحصر ہے اس زمانے میں ساری دنیا کی حالت بگڑ چکی تھی کہیں لوگ چاند اور سورج کو پوجتے تھے کہیں آگ کی پرستش ہوتی تھی کہیں اپنے ہی ہاتھ سے بنائے ہوئے بتوں کو معبود بنا رکھا تھا۔ کہیں لوگوں نے اپنے اپنے پیغمبروں کو معبود کا درجہ دے رکھا تھا۔ انسان اللہ کے خوف سے ناآشنا ہو کر ایسا ظالم اور سفاک ہو گیا تھا کہ اس میں اور وحشی درندوں میں کوئی فرق نہ تھا۔ نیکی کی کوئی قدر نہ تھی۔ برائی کو برا نہ سمجھا جاتا وہی شخص بڑا آدمی شمار ہوتا جس کے پاس زیادہ مال اور مویشی ہوں۔ انسان کی نیکی اور بدی صرف دولت کی کسوٹی پر پرکھی جاتی تھی جس کے پاس زیادہ پیسہ ہوتا وہ اللہ کا برگزیدہ بندہ سمجھا جاتا۔ غریبوں کے نیک عمل بھی اس قابل نہ سمجھے جاتے تھے کہ ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے۔

بہائم کی اور اُن کی حالت ہے یکساں
کہ جس حال میں ہیں اُسی میں ہیں شاداں
نہ ذِلّت سے نفرت نہ عزّت کا ارماں
نہ دوزخ سے ترساں نہ جنت کا خواہاں
لیا عقل و دیں سے نہ کچھ کام انہوں نے
کیا دینِ برحق کو بدنام انہوں نے

عربوں کی بعض خوبیاں

ہاں یہ ضرور تھا کہ عرب کے لوگ اپنی جغرافیائی خصوصیتوں اور قدیم روایتوں کے مطابق عہد کی پابندی، مہمان نوازی، دیانت اور راست گوئی کو اپنا خاص امتیاز سمجھتے تھے۔ زبان کی فصاحت پر نازاں تھے۔ جفاکشی ان کی طبیعتِ ثانی ہو چکی تھی خود اعتمادی ان کا جوہر بن چکی تھی۔ آزادروی اور خودسری ان کی سرشت میں داخل ہو چکی تھی۔ شہروں سے زیادہ صحرا کی آب و ہوا ان کو راس آتی تھی اور یہی وجہ ہے کہ شہر کے رہنے والے امراء اپنے بچوں کو صحرا نشین بدوؤں کے سپرد کر دیتے تھے کہ وہ اپنی عمر کے ابتدائی حصے میں صحرا کی وسعت دیکھ کر قلب ونظر کی وسعت سے بہرہ مند ہو جائیں اور مہمان نواز بدوؤں کی فراخدلی ان کے دلوں میں سخاوت اور تواضع کے جذبات پیدا کر دے یہ لوگ خوب جانتے تھے کہ ماں باپ کے زیادہ قریب رہنے کے باعث بچوں میں جو حوصلے اور ہمت کی پستی آ جاتی ہے ان کی نظر سے دور رہ کر ہمت کی بلندی اور ارادے کی استواری کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور اس طرح انسان اپنی جان، اپنے مال اور اپنی اولاد کی حفاظت کی ذمہ داری کا بارِ گراں اٹھانے کے قابل ہو جاتا ہے۔ یہی عزم و استقلال اسے جہانگیری اور جہاں بانی کا اہل بنا دیتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ صحرا کے بدو بکریاں اونٹ چرا چرا کر ان کے گلوں کو ہانک ہانک کر حکومت کے جوگُر سیکھ لیتے ہیں وہ انہیں آگے چل کر قوموں کی قیادت اور قبیلوں کی سرداری کے قابل بنا دیتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ قدرت کا وضع کیا ہوا ایک نصاب تھا اور صحرا ایک مکتب۔ جس میں تعلیم پا کر یہ صحرا نشین بنے بنائے گھر سنبھال لیتے اور بڑی بڑی سلطنتوں کی بنیاد ڈالنے کے قابل ہو جاتے۔ یہی وہ درس گاہ ہے جس میں قریب قریب ہر پیغمبر نے اپنی عمر کا ابتدائی حصہ بسر کیا اور اپنی تربیت کے ابتدائی مراحل طے کیے اور پھر انہی بکریاں اور اونٹ چرانے والوں نے قوموں کی تقدیر کا رُخ بدل دیا۔ سچ ہے زندگی کی سختیاں ہی زندگی کے سخت امتحانوں میں کامیاب ہونے کا سامان بن جاتی ہیں اور سکون وراحت سے بے گانگی ان صحرانوردوں پر اِن کڑی منزلوں کو آسان کر دیتی ہے جو انہیں آگے چل کر طے کرنا ہوتی ہیں۔ پانی کی قلت ان کو مجبور کر دیتی ہے کہ وہ کسی ایک جگہ قیام نہ کریں۔ جب ایک جگہ پانی کا ذخیرہ ختم ہو جاتا ہے تو وہ پھر کسی ایسے مقام کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے ہیں جہاں پانی دستیاب ہو سکے جس مقام پر

ان کے مویشیوں کے لیے چارہ میسر نہ آئے وہ اُن کے قیام کے لیے مناسب اور موزوں نہیں ہوتا۔ یہ خانہ بدوش اس لیے خانہ بدوش نہیں ہوتے کہ انہیں کسی ایک جگہ کا قیام پسند نہیں ہوتا۔ یہ اپنا اوڑھنا بچھونا اس لیے کندھوں پر اٹھائے پھرتے ہیں کہ وہ کسی جگہ کو اپنا وطن نہیں بنا سکتے۔ جب سامانِ زندگی کی فراوانی نہ ہو تو زندگی کی ضرورتوں کو کم کر دینا ہی دانائی ہے دوسرے کے آگے ہاتھ پھیلانے سے تو یہی بہتر ہے کہ انسان جتنی چادر ہو، اتنے ہی پاؤں پھیلانا سیکھ لے۔ ان صحرانشینوں کی ضرورتوں کو پورا کر دینے کے لیے اونٹ، بکریاں اور بھیڑیں ہی کافی ہیں۔ ان کے بالوں سے یہ لوگ اپنا بدن ڈھانپنے کے لیے کپڑا بُن لیتے ہیں۔ ان کی کھال سے بنے ہوئے فرغل انہیں سردی سے بچاتے ہیں۔ ان کی ہڈیوں سے کئی کام کی چیزیں تیار ہوتی ہیں۔ ان کا گوشت کھانے کے اور ان کا دودھ پینے کے کام آتا ہے غرض قدرت نے جہاں ان لوگوں کو صحراؤں میں پیدا کیا وہاں ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کا سامان بھی خود ہی بہم پہنچا دیا۔

یہ عجیب بات ہے کہ عرب کے یہ صحرانشین جو بدو اور غیر مہذب کہلاتے تھے، ان میں بہت سے اچھے اوصاف پائے جاتے تھے اور شہر کے لوگوں میں جو مہذب کہلاتے تھے یہ اوصاف سرے ہی سے موجود نہ تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان صحرانشینوں کا واسطہ براہِ راست خالق کائنات سے ہوتا ہے اور شہر والوں کے دل پتھروں کے بتوں کو پوج پوج کر پتھر ہو گئے تھے۔ ایسے سخت کرخت اور بے رحم کہ ان کو نہ کسی کی جان کی پرواتھی نہ کسی کے مال کا پاس ذرا ذرا سی بات پر بگڑ بیٹھتے اور لڑنے مرنے پر تیار ہو جاتے۔ دشمن پر فتح پاتے تو دشمن کی عورتوں اور ان کے بچوں کو قتل کرنے اور ان کی بستیوں کو جلا دینے سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔

غارِ حرا

غرض آپ جہاں جہاں گئے، لوگوں کی کچھ ایسی حالت دیکھی جیسے جیسے وقت گزرتا گیا آپ ﷺ کی طبیعت پر ان باتوں کا اثر زیادہ ہوتا گیا اور پھر یہ حالت ہوگئی کہ آپ ﷺ حرا کی پہاڑی پر ایک غار میں بیٹھ کر یہی سوچتے رہتے کہ اس دنیا کا کیا ہوگا جس کو انسان نے اپنی خودغرضی، بداخلاقی اور خودسری سے اس قعرِ مذلت میں گرا دیا ہے۔ جوانی کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی طبیعت میں دلیری آگئی اور جو

خیال پہلے آپ کے دل و دماغ کو بے چین رکھتا تھا اب آپ ﷺ کو مجبور کرنے لگا کہ آپ ﷺ ان برائیوں کے خلاف جس نے انسان کی زندگی کو ایسا مکروہ اور قابل نفرت بنا دیا تھا عملی جہاد شروع کریں۔ پہلے تو آپ ﷺ نے ان باتوں کی طرف توجہ کی جن کی طرف اس سے پہلے کوئی دھیان نہ دیتا تھا۔

خدمت خلق

بیماروں کی تیمار داری، ہمسایوں کے حقوق کا پاس، بچوں سے شفقت کا برتاؤ، ضعیفوں اور یتیموں کی امداد، بے سہاروں کی حمایت، غرض ہر حاجت مند کی حاجت روائی اور ہر دردمند کی ہمدردی اب آپ ﷺ کا دن رات کا کام تھا۔ اس نیک سلوک کا لوگوں کے دل پر اثر ہونا ایک یقینی امر تھا۔ اب آپ ﷺ کا نام ہر شخص کی زبان پر تھا کسی زبان پر احسان مندی سے اور کسی زبان پر رقابت اور دشمنی سے، رقابت اس لیے کہ ان لوگوں کا ایک حریف پیدا ہوگیا ہے۔ جن لوگوں نے غریب لوگوں کے حقوق کو پامال کر رکھا تھا۔ دشمنی اس لیے کہ آپ ﷺ ہر ظالم کے دشمن تھے اور ہر مظلوم کے دوست۔ رفتہ رفتہ آپ ﷺ کی سرگرمیاں جو پہلے صرف غریبوں کی امداد کے لیے وقف تھیں، اب ان کے حقوق کی حفاظت کے لیے بروئے کار آنے لگیں۔

مبارک غمگسارِ بیکساں تشریف لے آئے
مبارک ہو محمد مصطفٰے تشریف لے آئے

صادق و امین

یوں تو بچپن ہی سے رسول اللہ ﷺ اخلاقِ حسنہ کا بہترین نمونہ تھے، لیکن جیسے جیسے عمر بڑھتی گئی آپ ﷺ کی نیکیوں کا حلقہ اثر بڑھتا گیا اور اب ہر شخص آپ ﷺ کی مثال کی پیروی کو ایک قابل تحسین امر سمجھنے لگا۔ آخر کار آپ ﷺ کی تحریک پر ایک جماعت قائم ہوگئی جس کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ مظلوموں کی حمایت کی جائے اور ان لوگوں کو جو دولت اور طاقت کے نشے میں مست ہو رہے تھے، مجبور کیا جائے کہ وہ کسی کا حق نہ چھینیں۔ رسول اللہ ﷺ کی راست بازی اور دیانت کا اب یہ شہرہ تھا کہ مکے کے لوگ آپ ﷺ کو صادق و امین کے لقب سے یاد کرنے لگے تھے۔ آپ ﷺ کی دانشمندی پر لوگوں کو ایسا اعتماد ہو گیا تھا کہ وہ اپنے ذاتی معاملوں اور قبائلی تنازعوں کے متعلق آپ ﷺ

ہی سے مشورہ کرتے اور آپ ﷺ کے فیصلوں کو دل و جان سے قبول کرتے۔ غرض آپ ﷺ جس طرح بچپن میں اپنی شیریں زبان اور نیک اطوار کی بدولت سب کو عزیز تھے، جوانی کی عمر کو پہنچ کر اپنے خصائل حمیدہ اور اخلاقِ پسندیدہ کے باعث رحمتوں کا سرچشمہ بن گئے اور آپ ﷺ کا خوانِ کرم اپنوں، بیگانوں سب کے لیے عام ہو گیا۔

مبارک مخبر صادق لقب تشریف لے آئے
مبارک سیّد والا نسب تشریف لے آئے

حجر اسود کی تنصیب

یہاں ایک واقعہ قابل ذکر ہے کہ جب خانہ کعبہ کی از سرِ نو تعمیر شروع ہوئی تو حجر اسود کے نصب کرنے کی سعادت کے لیے قریش کے سب قبیلے اپنی اپنی جگہ بیقرار ہو گئے۔ ہر خاندان یہی چاہتا تھا کہ یہ سعادت اس کے حصے میں آئے اور حجر اسود اسی خاندان کے کسی بزرگ کے ہاتھوں خانہ کعبہ میں نصب ہو۔ یہ اختلاف ایک نازک صورت اختیار کر گیا اور اندیشہ ہونے لگا کہ یہ ہنگامہ ایک معرکۂ کارزار بن جائے گا اور قریش کے مختلف قبیلوں کی یہ باہمی نزاع مدت دراز تک بھائی کو بھائی سے جُدا رکھے گی۔ مگر آپ ﷺ کے عدل اور صلابت رائے پر ان قبیلوں کو جو ایک دوسرے کے حق میں دستبردار ہونے کو تیار نہ تھے، ایسا اعتماد تھا کہ سب نے آپ ﷺ کو اپنا ثالث مقرر کیا۔ آپ ﷺ کی غیر معمولی معاملہ فہمی اور صلح اندیشی کی یہ ایک نادر مثال ہے کہ آپ ﷺ نے اس جھگڑے کو یوں نمٹایا کہ اپنی چادر بچھادی اور اس پر حجر اسود کو جس کا تقدس ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے اور جس کی تحریم قبائل عرب کی قدیم روایتوں میں شامل ہے، رکھ دیا اور ان قبیلوں کو جو حجر اسود پر اپنا حق جمائے بیٹھے تھے، دعوت دی کہ وہ اپنے اپنے خاندان کا ایک ایک فرد منتخب کر لیں جب یہ لوگ جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ وہ چادر کو چاروں طرف سے پکڑ کر اٹھا لیں اور اس طرح حجر اسود کو اس جگہ تک لے جائیں جو اس کے نصب کرنے کے لیے تجویز کی گئی تھی۔ جب حجر اسود اس مقام پر پہنچایا گیا تو آپ ﷺ نے اسے خود اٹھا کر نصب فرما دیا۔ اس طرح ایک طرف تو آپ ﷺ کو خانہ کعبہ میں حجر اسود کے نصب کرنے کی سعادت نصیب ہوگئی اور دوسری طرف قریش کے سب قبیلے مطمئن اور دلشاد اپنے گھروں کو لوٹے۔

وہ چادر کا بچھانا اُس پہ رکھنا سنگِ اسود کا
یہ زندہ معجزہ قبلِ نبوّت تھا محمدؐ کا
وہ پتھر نصب کرنا آپ خود جھگڑے کا چک جانا
وہ ہر ایک جنگجو کا آشتی کی سمت جھک جانا

اس طرح ایک نہایت ہی ہولناک اور خونریز جنگ کا اندیشہ دور ہو گیا اور امن و امان کی صورت پیدا ہو گئی۔

مبارک چشمۂ صدق و صفا تشریف لے آئے
مبارک صاحب جود و کرم تشریف لے آئے

آپ ﷺ بحیثیت تاجر

ادھر آپ ﷺ کے چچا ابو طالب جو کثیر العیال تھے اور اپنی کہنہ سالی کے باعث تجارت کے کاروبار میں پہلی سی تندہی سے کام نہ لے سکتے تھے۔ گھر بار کے اخراجات کا بوجھ اٹھانے میں کچھ دقت محسوس کرنے لگے۔ اس زمانے میں عرب کا یہ دستور تھا کہ جو دولت مند لوگ اپنی تجارت کے کاروبار براہِ راست خود نہیں کرتے تھے وہ دیکھ بھال کر دیانت دار اور صاحب فراست کارندوں کو اپنا کاروبار سونپ دیتے تھے۔ آپ ﷺ نے بھی اس خیال سے کہ ان کے چچا کا بوجھ کچھ ہلکا ہو جائے۔ ایک دولت مند اور شریف خاندان کی خاتون سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تجارت کا کاروبار سنبھال لیا اور اس سلسلے میں سامانِ تجارت لے کر شام، بصرہ، یمن اور دوسرے متعدد ملکوں کا سفر کیا اور اپنے کام کو اس دیانت اور دانائی سے انجام دیا کہ ایک طرف تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو تجارت میں منافع کثیر حاصل ہوا اور دوسری طرف ان کے دل میں آپ ﷺ کی عظیم شخصیت کا سکہ بیٹھ گیا۔ اس احترام نے رفتہ رفتہ اعتماد کا وہ مقام حاصل کیا کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ابو طالب کی خدمت میں عرض کی کہ وہ آپ ﷺ کو خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کرنے پر رضامند کریں۔ ابو طالب نے اس تجویز کو پسند کیا اور آپ ﷺ کا نکاح سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہو گیا۔ شادی کے وقت آپ ﷺ کی عمر پچیس برس اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس برس تھی۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا شادی کے بعد پچیس برس زندہ رہیں اور آپ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے تین بیٹے

اور چار بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ بیٹے تو سب کے سب کمسنی ہی میں داغِ مفارقت دے گئے۔صرف بیٹیاں زندہ رہیں۔ان ہی میں سب سے چھوٹی صاحبزادی سیدہ النساء فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا تھیں۔جن کا نکاح ابو طالب کے بیٹے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ہوا اور پھر آپ ہی کے دو بیٹوں امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ سے سادات کا سلسلہ شروع ہوا۔ جو آپ ہی کی نسبت سے آپ ﷺ کی اولاد متصور ہوتے ہیں۔

حسن سلوک

آپ ﷺ کی سادہ زندگی اور رہنے سہنے کے بے تکلف اسلوب کا یہ عالم تھا کہ جب شادی کے بعد بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنا ایک غلام سیدنا زید رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی نذر کیا تو آپ ﷺ نے اسے آزاد کر دیا۔زید کے والدین اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے،لیکن ماں باپ کے اصرار کے باوجود زید اِن کے ساتھ نہ گئے اور آپ ﷺ کی خدمت میں رہنے کی سعادت کو ماں باپ کی محبت پر ترجیح دی۔ یہ تھا آپ ﷺ کے حسنِ سلوک کا اثر جو اپنوں کا تو کیا غیروں کا دل بھی موہ لیتا تھا اور آپ ﷺ کی محبت کو ان کی زندگی کی حرارت بنا دیتا تھا۔

آپ ﷺ نے جب دیکھا کہ آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کے گھر کے اخراجات اب ان کی وسعت سے زیادہ ہو گئے ہیں تو انہوں نے ان کے بیٹے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلا لیا اور اس طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کو آپ ﷺ کے پاس رہنے اور ان کی خدمت کرنے کی سعادت میسر آئی۔

مبارک ہو رسول محتشم تشریف لے آئے
مبارک ہو نبیؐ محترم تشریف لے آئے

غارِ حرا کی خلوت گزینی

جب آپ ﷺ فکرِ معاش سے بے نیاز ہو جاتے تو ان کی عادت تھی کہ اپنے پرانے بچپن اور لڑکپن کے دستور کے مطابق کچھ کھجوریں یا جو کا آٹا اپنی چادر کے پلے میں باندھ کر مکے کی پہاڑیوں کی طرف چلے جاتے اور وہاں کسی نہ کسی غار میں بیٹھ کر مراقبے میں محو ہو جاتے۔حرا کی غار کو اس امر میں بڑی خصوصیت حاصل تھی۔آپ ﷺ کئی کئی روز اس غار میں گزار دیتے اور پروردگارِ کائنات کی قدرتوں

کے تصور اور اُس کے جلال و جمال کے کرشموں کے نظاروں پر غور کرتے رہتے اور پھر اسی بات کا تصور کر کے کہ ایسے لوگوں کا کیا انجام ہو گا، جنہوں نے اپنے پروردگار کو بھلا دیا ہے اور اسے چھوڑ کر خود ساختہ معبودوں کی عبادت کرنے لگے ہیں۔ آپ ﷺ کا سر جھک جاتا اور پشت خم ہو جاتی اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔ اب آپ ﷺ کا سن مبارک چالیس برس کو پہنچ گیا تھا۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر آپ ﷺ اب حرا کے غار ہی میں اپنے وقت کا بہت سا حصہ صرف کرتے اور کئی کئی دن اور کئی کئی راتیں وہاں اس بے خبری کے عالم میں گزار دیتے جیسے کوئی اپنی منزلِ مقصود کی تلاش میں اپنا سب کچھ بھلا بیٹھا ہو۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مشیت ایزدی اس آنے والے کو اس کے عظیم الشان مستقبل کے لیے تیار کر رہی تھی جس کے آنے کی بشارت خلیل اور مسیحا دے گئے تھے۔ اس کو عبادت کہیے یا مراقبہ، غور و فکر سمجھئے یا ایک بندے کا اپنے مالک سے بلا وساطت رابطہ۔ غرض اِس کا نام کچھ بھی رکھیے آپ ﷺ کی یہ خلوت گزینی اور ساری دنیا سے کٹ کر حرا کی تنہائی میں ایک ہی مصروفیت آپ ﷺ کے قلب کو ایک انقلابِ عظیم کے لیے تیار کر رہی تھی۔

پہلی وحی اور نبوت کی بشارت

اب آپ ﷺ کی عمر چالیس برس کی تھی۔ رمضان کے مہینے کا آخری عشرہ تھا اور آپ ﷺ حرا کے خاموش اور سنسان غار میں مراقبے میں محو تھے، اللہ جانے کیا کیفیت پیش آئی کہ آپ ﷺ رعشہ براندام ہو گئے اور اسی طرح کانپتے کانپتے گھر کو لوٹ آئے اور فرمایا کہ خدیجہ! مجھے کوئی کپڑا اوڑھا دو۔ بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے جسم مبارک پر ایک چادر ڈال دی اور آپ ﷺ کی طبیعت کی کیفیت پوچھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: آج رات ایک عجیب ماجرا پیش آیا ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے جبرائیل کو دیکھا۔ اس نے کہا کہ اللہ نے مجھے بھیجا ہے کہ میں آپ کو یہ خوشخبری دوں کہ آپ اللہ کے نبی ہیں اور اللہ نے آپ کو نوعِ انسانی کی ہدایت کے لیے اپنا پیغمبر مقرر فرمایا ہے اور پھر جبرائیل نے میرے سامنے ایک تحریر پیش کی اور کہا کہ اسے پڑھیے۔ اس پر میں نے کہا میں لکھنا پڑھنا نہیں جانتا۔ پھر اس نے مجھے اپنی آغوش میں لے کر دبایا اور کہا کہ پڑھیے یہ اللہ کا پیغام آپ کے نام ہے۔ اسے اپنے رب کا نام لے کر پڑھیے۔ جس نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ جب میرے منہ سے یہ الفاظ نکل رہے تھے تو میں دیکھ رہا تھا کہ مجھ

پر کپکپی سی طاری ہونے لگی ہے۔ خدیجہ! میں سچ کہتا ہوں مجھے ایسا معلوم ہونے لگا کہ یہ نزع کا عالم ہے تم دیکھ رہی ہو میرا بدن اس وقت بھی کانپ رہا ہے۔ پہلے تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی یہ حالت دیکھ کر کچھ گھبرا سی گئیں۔ پھر ان کے چہرے پر بشاشت آ گئی اور انہوں نے آپ ﷺ کو تسلی دی اور کہا کہ آپ ﷺ کو تو آج بہت خوش ہونا چاہیے۔ میرے آقا آج کیسا مبارک دن ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ نے اپنا پیغمبر مقرر فرمایا۔ آپ ﷺ اسی قابل ہی تو تھے۔ صداقت آپ ﷺ کی عادت ہے، مہمان نوازی آپ کا شیوہ، آپ ﷺ غریبوں اور محتاجوں کی امداد کرتے ہیں، اور ہر نیک کام میں لوگوں کی اعانت فرماتے ہیں۔ آپ ﷺ یقیناً اللہ کے نبی ہیں۔ سب سے پہلے میں آپ ﷺ کی بیوی آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لاتی ہوں اور آپ ﷺ کی نبوت کا اقرار کرتی ہوں۔ آپ ﷺ کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا جیسے کسی چمن میں بہار آ گئی ہو اور اِس میں پھول کھلنے لگے ہوں۔

وہ آئے جن کی آمد ظلم کو پیغامِ بربادی
وہ آئے جن کا آنا دہر کو اعلانِ آزادی
وہ آئے جن کا آنا باعث الطافِ رحمٰن تھا
وہ آئے جن کی پیشانی کا ہر خط شرح قرآں تھا

لوگ اللہ کے پیغمبروں کے معجزوں پر حیران ہوتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی صداقت اور رسالت کا اس سے بڑا اور کیا معجزہ ہوسکتا ہے کہ سب سے پہلے آپ ﷺ کی بیوی ہی آپ پر ایمان لائے اور آپ ﷺ کی نبوت کا اقرار کرے۔ سب جانتے ہیں کہ بیوی شوہر کے تمام بشری تقاضات آشکار ہوتے ہیں۔ بیوی شوہر کی ہر کمزوری سے واقف ہوتی ہے۔ بیوی شوہر کے ہر راز کو جانتی ہے۔ غرض اگر یہ بھی کہا جائے کہ بیوی کو شوہر کے متعلق اس قدر علم ہوتا ہے جس قدر اس کے شوہر کو خود اپنے متعلق علم نہیں ہوتا تو کچھ بے جا نہیں ہوگا۔ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا آپ ﷺ کی نبوت پر ایمان لے آنا ہمارے نزدیک آپ ﷺ کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا معجزہ ہے اور اسلام کی مقبولیت عام کی سب سے پہلی روشن دلیل۔

پھر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو اپنے عم زاد بھائی ورقہ ابن نوفل کے پاس لے گئیں۔ مکے

کے یہ محترم بزرگ اللہ کی توحید کے قائل تھے۔ اللہ کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے تھے اور آنے والے ہادیِ برحق کے لیے دن رات چشم براہ جس کے آنے کی پیش گوئی اللہ کے پیغمبر دیتے چلے آئے تھے۔ جب ورقہ ابن نوفل نے آپ ﷺ کی زبان سے وہ واقعات سنے جو آپ ﷺ کو غارِ حرا میں پیش آئے تھے تو کھڑے ہو گئے اور آپ ﷺ کی ہر بات کی تصدیق کی۔ آپ ﷺ کی نبوت کا اقرار کیا اور کہا کہ وہ آنے والا آ گیا جس کے آنے کا ہم کو انتظار تھا۔

آپ ﷺ اب حرا کے غار میں ایک نئے یقین کے ساتھ جاتے۔ ایک نئی حقیقت کا ایک روشن مشعل کی طرح، حرا کی تاریکیوں میں آپ ﷺ کی رہنمائی کرتی جس کے جلال خطاب نے آپ ﷺ کے بدن پر رعشہ طاری کر دیا تھا۔ اس کا انتظار آپ ﷺ کو بے چین رکھتا۔ چھ مہینے اسی انتظار میں گزر گئے۔ آخر رحمت باری جوش میں آئی اور آپ ﷺ پر پھر وہی اگلی سی کیفیت طاری ہوئی، مگر اب دل میں کوئی خوف نہ تھا بلکہ آنکھیں کسی کو دیکھنے کے لیے بے تاب تھیں کہ اتنے میں ایک پر جلال آواز سنائی دی ''اے کملی اوڑھنے والے اٹھ اور جا کر اپنوں اور بیگانوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرا۔ یہ سنتے ہی آپ ﷺ پر پھر ایک کپکپی سی طاری ہو گئی۔ آپ ﷺ نے گھر آ کر بی بی خدیجہ سے یہ ماجرا بیان کیا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پھر تسلی دی۔ آپ ﷺ کو یقین دلایا کہ آپ ﷺ بلاشبہ اللہ کے پیغمبر ہیں اور مہبط وحی!

اب آپ ﷺ پر وحی کا سلسلہ جاری ہو گیا اور اہل مکہ پر رحمت کے بادل برسنے لگے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ جو بعد میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لقب سے سرفراز ہوئے، شرفائے مکہ میں بہت نامور تھے۔ آپ ﷺ کی نبوت پر ایمان لے آنا مکے کے لوگوں کے لیے موجب حیرت ہو گیا۔ ابو طالب کے خورد سال بیٹے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جن کی عمر ابھی آٹھ برس ہی کی تھی، جب آپ ﷺ کی نبوت کا اقرار کیا تو لوگوں نے اسے ایک معجزہ سمجھا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کیے ہوئے غلام زید نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اور آپ ﷺ نے اسے بھائی کہہ کر اپنے گلے سے لگایا تو جس نے بھی یہ ماجرا سنا یا دیکھا اس کے دل میں ایک ہلچل سی پیدا ہو گئی۔ ہمارے نزدیک یہ آپ ﷺ کی رسالت اور اسلام کی صداقت کا دوسرا معجزہ ہے اور اس بات کا بین ثبوت کہ جس آنے والے کے آنے کی خبر ورقہ ابن نوفل

نے دی وہ آ گیا تھا۔ یہ لوگ تھے جن میں سے ایک ایک کو آپ ﷺ کی خدمت میں خصوصیت حاصل تھی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پرانے رفیق تھے۔ ایک ایسے دوست جن کو بچپن ہی سے صرف آپ ﷺ سے ایک دلی لگاؤ تھا بلکہ جو خود آپ ﷺ کو اپنی بے لاگ صداقت اور بے غرض محبت کے باعث بہت عزیز تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ تو آپ ﷺ کے اپنے چچا ہی کے بیٹے تھے وہ خون جو آپ ﷺ نے عبدالمطلب سے ورثے میں پایا تھا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی رگوں میں بھی دوڑ رہا تھا، لیکن کرشمۂ نبوت تو یہ ہے کہ یہ آٹھ برس کا لڑکا ان کی نبوت پر ایمان لائے جن کی گود میں کھیل کھیل کر اور جن کے دوشِ مبارک پر سوار ہو کر اس نے اپنی عمر کے یہ سات برس گزارے تھے اور پھر زید جو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا غلام تھا اور آپ ﷺ نے اسے آزاد فرما دیا تھا اور جو آزاد ہونے کے بعد بھی مہر و وفا کے طوق کو اپنی گردن سے نہ اتار سکا جسے دن رات رسول اللہ ﷺ کا قرب حاصل تھا اور خدمت کا شرف۔ ایسے شخص کا آپ ﷺ کی نبوت اور اسلام کی صداقت پر ایمان لے آنا اگر معجزہ نہیں تو اور کیا ہے۔ شاعر گھر کے ان افراد کے قبولِ ایمان کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

خدیجہؓ اور علیؓ ابنِ ابی طالب ہوئے مومن
ابھی اسد اللہ آٹھ سال کے بچے ہی تھے کمسن
جناب زیدؓ جو اک بندہ آزاد کردہ تھے
علیؓ کے بعد وہ بھی دامنِ اسلام میں آئے
ابوبکرؓ آئے اُن کو بھی یہی پیغام پہنچایا
اللہ کے دِین کی تلقین کی اسلام پہنچایا
کہا ابوبکر نے سرکار اٰمَنَّا وَ صَدَّقْنَا
مرے ساتھی مرے دوست اٰمَنَّا وَ صَدَّقْنَا

السابقون الاولون

ان لوگوں نے جو اِس وقت آپ ﷺ کی رسالت اور اسلام کی صداقت پر ایمان لائے ہیں، بڑی بڑی قربانیاں دیں، مال و جان کی قربانی بھی بڑی وقعت رکھتی ہے، لیکن سب سے بڑی قربانی جو

اِن لوگوں نے دی وہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنے آباء واجداد کا مذہب چھوڑ کر اپنے ان عزیزوں اور قرابت داروں سے جو ابھی تک اپنے پرانے مذہب پر ثابت قدم تھے، ہر قسم کا ناطہ توڑ دیا۔ اب آپ ﷺ کی یہ کیفیت تھی کہ آپ ﷺ مکے کے ہر شہری کے پاس بنفس نفیس خود تشریف لے جاتے اور اعلانِ حق فرماتے۔ اس طرح تین برس گزر گئے اور ان تین برس کے عرصے میں صرف چالیس اشخاص نے اسلام قبول کیا۔ یہی وہ چالیس حق پرست ہیں جو اسلام کی تبلیغی تحریک کی تاریخ میں "السابقون الاولون" کہلاتے ہیں۔

یہ چند افراد سب سے پیشتر حق کے قریں آئے
درِ توحید پر السّابقینِ الاوّلین آئے
مقدر تھی سعادت اِن رضا کے بہرہ مندوں کو
اللہ نے آپ خود ہی چن لیا تھا اپنے بندوں کو

اِدھر رسول اللہ ﷺ کی تبلیغی سرگرمیاں جاری تھیں، اُدھر نزولِ وحی کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ ایک روز جب یہ وحی نازل ہوئی کہ اے ہمارے پیغمبر! آپ کو جن باتوں کے لیے حکم دیا جاتا ہے، انہیں کھول کھول کر بیان کر دیجیے، لوگوں کو حق اور باطل میں فرق کرنے کی ہدایت کیجیے اور اس بات کی پروا نہ کریں کہ وہ آپ ﷺ کا حکم نہیں مانتے اور آپ کی باتوں کو جھٹلاتے ہیں اور دیکھئے جو لوگ آپ کا کہا مان گئے اور ایمان والوں کی صف میں داخل ہو گئے، ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں اور اس بات کا اعلان کر دیجیے کہ میں اس لیے آیا ہوں کہ لوگوں کو حق اور باطل میں فرق کرنا سکھاؤں اور انہیں اللہ کے عذاب سے ڈراؤں۔

کھلی دعوت

اس وحی کی تعمیل میں رسول اللہ ﷺ کوہِ صفا کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ مکے کے رہنے والوں کا دستور تھا کہ جب ان میں سے کسی کو کوئی فریاد کرنی ہوتی یا انہیں کسی خطرے سے آگاہ کرنا ہوتا تو وہ کوہِ صفا کی چوٹی پر چڑھ جاتا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے ان سے ایک سیدھا سادا سوال کیا کہ "لوگو! تم مجھے بچپن سے جانتے ہو...... بتاؤ میں نے کبھی جھوٹ بولا ہے یا کسی کی امانت میں

خیانت کی ہے۔ سب لوگ یک زبان ہو کر بولے کہ اے محمد! بلاشبہ تو صادق اور امین ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا اگر ایسا ہے تو جو کچھ میں کہتا ہوں سچ ہے اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ دیکھو! اللہ کی ذاتِ واحد کے سوا نہ کسی کی عبادت کرو، نہ کسی کے آگے سر جھکاؤ ہمیشہ پاک وصاف رہو۔ پاکیزہ باتوں کی عادت ڈالو اور بے حیائی کی باتوں سے پرہیز کرو۔ ایک دوسرے کا دکھ درد بانٹو اور اوہام پرستی سے باز رہو۔ اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کو معبود نہ بناؤ اور اس اللہ کی طرف واپس آ جاؤ جس نے تمہیں پیدا کیا۔

فواحش اور بے حیائی مٹا دو نیک ہو جاؤ
اللہ کو ایک مانو اور تم بھی ایک ہو جاؤ
بہائم کی صفت چھوڑو ذرا انسان بن جاؤ
برے اعمال سے توبہ کرو شرماؤ شرماؤ

باپ دادا کے مذہب کے خلاف آپ ﷺ کی زبان سے لوگوں نے یہ باتیں سنیں تو انہیں اپنے معبودوں اور بزرگوں کی توہین سمجھا۔ قریش کے معزز اور متکبر سردار ایسے بگڑے اور بپھرے کہ بدکلامی پر اتر آئے۔ ابولہب نے جو رشتے میں آپ ﷺ کا چچا تھا، ایسی ترش روئی سے کام لیا کہ آپ ﷺ کی طرف سے منہ موڑ بیٹھا۔ یہ لوگ جیسے آئے تھے ویسے ہی چلے گئے۔ پتھر کیا خاک موم ہوتا کسی نے آپ ﷺ کی بات کو توجہ کے قابل نہ سمجھا اور یہی کہہ کر اپنے دل کو تسلی دی کہ جوانی کا عارضی جوش ہے خود بخود ٹھنڈا ہو جائے گا۔ کسی نے کہا کہ آپ ﷺ پر جنون کا عارضی جوش ہے، خود بخود ٹھنڈا ہو جائے گا۔ کسی نے کہا کہ آپ ﷺ پر جنون کا دورہ آ پڑا ہے۔ کسی نے کہا آپ ﷺ پر کسی آسیب کا سایہ ہے۔ اب حالت یہ تھی کہ آپ ﷺ جس طرف جاتے سب سے وہی کچھ کہتے، جس کا آپ ﷺ نے کوہِ صفا کی چوٹی سے اعلان کیا تھا اور لوگ آپ کی باتوں کو ہنسی اور تمسخر اڑا دیتے۔

مکہ جزیرہ ہائے عرب دعوت وتبلیغ کا نیا رخ

مکہ جزیرہ ہائے عرب کا مرکزی مقام تھا اور خانہ کعبہ جو اس وقت تین سو ساٹھ بتوں کا صنم خانہ تھا عرب کے لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گیا تھا۔ یہاں ہر برس ایک میلہ سا لگتا تھا جس میں عرب کے تمام

قبیلوں کے بڑے بڑے لوگ جمع ہوتے، بڑے بڑے نامور شاعر اپنا کلام سناتے، آپس میں مباحثے ہوتے، قیمتی چیزوں کی منڈی لگتی۔ غرض خانہ کعبہ کے چاروں طرف بڑی رونق ہوتی۔ کہیں پہلوانوں کے اکھاڑے لگتے اور پہلوان اپنی بہادری اور شجاعت کے کارنامے بیان کرتے، کوئی اپنی دولت اور اولاد کی کثرت کی لافیں مارتا، کوئی اپنی شرافت اور شجاعت کی شیخی بھگارتا، ذرا ذرا سی بات پر یہ لوگ آپس میں جھگڑ پڑتے اور ایک دوسرے کا خون بہانے سے بھی دریغ نہ کرتے۔ اس میلے کے اختتام پر لوگ خانہ کعبہ کا طواف کرتے، بتوں کے آگے سر جھکاتے اور اپنی منتیں گزارتے مگر آپ ﷺ کو بچپن ہی سے ان میلوں تماشاؤں سے نفرت تھی اور بتوں کے آگے سر جھکانا کیا آپ کبھی بھولے سے بھی ان کی طرف نگاہ نہ کرتے تھے اور جب کبھی ادھر سے گزرتے تھے ان کی طرف سے منہ پھیر لیتے تھے، لیکن اب آپ ﷺ نے اس میلے کی تقریب کو اسلام کی تبلیغ کا بہترین موقع سمجھا۔ آپ ﷺ اس میلے کے ایّام میں عام گزرگاہوں میں کھڑے ہوکر اور لوگوں کی بھیڑ میں جا کر وہی کچھ کہتے جس کا اعلان آپ ﷺ نے اللہ کے حکم کے مطابق کوہِ صفا کی چوٹی سے کیا تھا۔ لوگ بھی اس کے جواب میں وہی کچھ کہتے جو پہلے کہتے تھے اور کہتے چلے آئے تھے۔ مگر آپ ﷺ کے ماتھے پر شکن تک نہ پڑتی۔ اگر دل میں کوئی خلش تھی تو صرف یہی کہ یہ لوگ حق کی بات کیوں نہیں سنتے۔

تمہارے واسطے میں دولتِ اسلام لایا ہوں
جو ابراہیمؑ لائے تھے وہی پیغام لایا ہوں
اللہ قادر و قہاّر پر ایمان لے آؤ
جہاں کے مالک و مختار پر ایمان لے آؤ
جہالت چھوڑ دو قرآن پر ایمان لے آؤ
بتوں کو توڑ دو رحمان پر ایمان لے آؤ
اگر ایمان لے آؤ تو بچ جاؤ گے اے لوگو!
فلاحِ دُنیوی و اُخروی پاؤں گے اے لوگو!
نہ مانو گے تو بربادی کا بادل چھانے والا ہے
بُرا وقت آنے والا ہے، بُرا وقت آنے والا ہے

ایام حج

ایامِ حج میں بھی جب عرب کے سب قبیلوں کے لوگ مکے میں جمع ہو جاتے تو آپ ﷺ ہر قبیلے کے لوگوں کے پاس الگ الگ جاتے اور ان کو اللہ کا پیغام پہنچاتے۔ پہلے تو لوگوں نے آپ ﷺ کی ان باتوں کو جوانی کا جوش اور کسی آسیب کا اثر سمجھا مگر اب یہ دیکھ کر آپ ﷺ ان باتوں پر اصرار فرماتے ہیں۔ قریش کے سردار اوچھی باتوں پر اتر آتے اور آپ ﷺ کو برا بھلا کہنے لگے۔ ابولہب اور ابوجہل نے تو اپنے قبیلے کی شرافت اور آپ ﷺ کی قرابت کا بھی پاس نہ کیا اور آپ کے پیچھے شہر کے آوارہ لڑکے لگا دیے جو آپ ﷺ پر پتھر پھینکتے اور جب آپ ﷺ لوگوں کو اللہ کا پیغام سناتے تو یہ گستاخ لڑکے اتنا شور وغل مچاتے کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی۔ ابولہب تو یہاں تک کہہ گزرتا کہ میرا بھتیجا جنون کے مرض میں مبتلا ہو گیا ہے اور کوئی عقل کی بات نہیں کہتا۔ دوسرے قبیلوں کے لوگ آپ ﷺ سے صاف صاف کہہ دیتے کہ جب آپ ﷺ کے اپنے خاندان کے لوگ اور اپنے قبیلے کے بزرگ آپ ﷺ کی بات نہیں مانتے تو ہم کیسے مان لیں۔

تبلیغی سرگرمیوں میں اضافہ

اس انکار اور ضد کی زیادتی کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی تبلیغی سرگرمیاں اور بھی زیادہ ہوتی گئیں اور ساتھ ساتھ ہی کفارِ مکہ کا آپ ﷺ سے عناد بھی بڑھتا گیا اور وہ مسلمانوں پر طعن وتشنیع سے تو کام لیتے ہی تھے، اب انتہائی تشدد پر اتر آئے جب انہوں نے دیکھا کہ ان کی سخت مخالفت کے باوجود مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے اور مکے کے عوام کے دلوں میں آپ ﷺ کی باتیں گھر کر رہی ہیں تو وہ ایذا رسانی پر اتر آئے، آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھاتے، جہاں مسلمان جمع ہوتے ان پر کوڑا کرکٹ پھینکتے۔ غرض کوئی ایسی مصیبت نہ تھی جس میں مسلمانوں کو مبتلا کرنے میں انہیں تامل ہوتا اور مسلمانوں کی کوئی توہین نہ تھی جس سے یہ کفار دریغ کرتے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ حرمِ کعبہ کے اندر تشریف رکھتے تھے، ابوجہل اور ابولہب نے کچھ کافروں کو ایسی پٹی پڑھائی کہ ان میں سے کچھ سنگ دل چپکے سے حرم میں داخل ہوئے اور آپ ﷺ کے گلے میں چادر ڈال دی اور اسے اتنے بل دیے کہ آپ ﷺ کا دم گھٹنے لگا، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے، وہ ان موذیوں پر جھپٹ

پڑے اور آپ ﷺ کو ان ظالموں کے پنجے سے چھڑایا۔ کافر اس مزاحمت کو کب برداشت کر سکتے تھے۔ ابوبکر پر دوڑ پڑے اور انہیں اپنے نرغے میں لے کر اس قدر زدوکوب کیا کہ وہ بے ہوش ہو گئے۔ یہ کافروں کا مکے میں اُن امراء سے سلوک تھا جو اسلام پر ایمان لے آئے تھے اور جنہوں نے آپ ﷺ کی رسالت کا اقرار کیا تھا، لیکن ان غلاموں کی حالت ناگفتہ بہ تھی جو اپنی درماندگی کے باوجود ایمان کی نعمت سے بہرہ مند ہو گئے تھے۔ یہ ظالم انہیں تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر ان کی چھاتی پر بڑے بڑے وزنی پتھر رکھ دیتے تھے، یہاں تک کہ انہیں اونٹوں کی کھالوں میں سی کر دھوپ میں ڈال دیتے تھے، لیکن اللہ اللہ ان غلاموں کے سینے میں کتنا مضبوط ایمان تھا کہ وہ طرح طرح کی اذیت سہتے، لیکن اللہ کے پیغمبر کا دامنِ اسلام نہ چھوڑتے اور ایمان کی راہ سے منہ نہ موڑتے، وہ جانتے تھے کہ اسلام ہی ان کے حقوق کا ضامن ہے اور توحید باری پر ایمان رکھنے میں ان کو ان ظالموں کے ہاتھوں سے نجات ہے جنہوں نے اپنی طاقت اور دولت کے بل بوتے پر خدائی کا دعویٰ کر رکھا تھا کہ یہ ان کی فنا و بقا کا سوال نہ تھا بلکہ انسانیت کی فنا و بقا کا سوال تھا، ان کو اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ اسلام انسانیت کے حقوق کا علمبردار ہے اور اگر اسلام غالب آ گیا تو ان کی غلامی کی زنجیریں کٹ جائیں گی اور ان کی گردن سے وہ طوق اتر جائے گا جس نے ان کو انسانیت کے رتبے سے گرا کر حیوانوں سے بھی بدتر بنا دیا ہے۔

صنم کدہ ہے جہاں اور مردِ حق ہے خلیل
یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لا اِلٰہ میں ہے

مسلمان کا وجود دنیا کے لیے سراپا خیر ہوتا ہے، وہ برائیوں کو مٹاتا اور بھلائیوں کو پھیلاتا ہے، اپنوں اور غیروں کے ساتھ انصاف کرتا ہے، اُس کی زبان اور ہاتھ سے دوسروں کو تکلیف نہیں پہنچتی یہ باتیں اُسی وقت ممکن ہیں جب انسان غیر اللہ سے نفع نقصان کی امید نہ رکھے اور اُن سے ممکن طور پر بے نیاز ہو جائے اور رب واحد کو اپنا حاکم مان کر سنت مصطفیٰ ﷺ پر عمل پیرا ہو جائے۔

جب کفارِ مکہ مسلمانوں پر ظلم کرتے کرتے تھک گئے اور ان کو یقین ہو گیا کہ ان کی ایذا رسانی آپ ﷺ کے پایۂ استقلال کو متزلزل نہ کر سکے گی اور آپ ﷺ کی تبلیغی سرگرمیوں کو ان کی طرف سے عائد کی ہوئی ساری رکاوٹیں نہ روک سکیں گی تو کافروں نے آپ ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنایا اور اس

منصوبے کی تکمیل کے لیے طرح طرح کی ترکیبیں سوچنے لگے، لیکن اس معاملے میں کافروں کے راستے میں ایک بڑی مشکل حائل ہو گئی کہ عرب کا زمانۂ قدیم سے یہ دستور رہا ہے کہ ہر قبیلہ اپنے افراد کی حفاظت کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ جب قریش کے قبیلے کے لوگوں کو اس منصوبے کا علم ہوا انہوں نے آپ ﷺ کو ابوجہل اور ابولہب کے اس فتنے سے بچانے کا عہد کیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کافروں کا یہ منصوبہ تشنۂ تکمیل رہ گیا اور ان کی ساری محنتیں اکارت گئیں۔

اب کافروں نے تنگ آ کر یہ فیصلہ کیا کہ ابوطالب کے پاس جا کر فریاد کریں کہ ان کا بھتیجا مکے کے لوگوں کو ان کے آبائی دین سے منحرف کرنا چاہتا ہے۔ ابوطالب ابھی تک اسلام پر ایمان نہیں لائے تھے اور اپنے بزرگوں کے مذہب پر قائم تھے۔ کفار ابوطالب کے پاس آئے اور یہ ماجرا بیان کیا۔ ان کے اسلوبِ خطاب میں خوشامد بھی تھی اور سختی بھی۔ انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ آپ اپنے بھتیجے کو ان باتوں سے روک دیں ورنہ ہم مجبور ہو کر اپنے معبودوں کے دشمن کی دشمنی پر آمادہ ہو جائیں گے اور ہمیں اس بات کا بھی پاس نہ رہے گا کہ اُن کا دشمن آپ کا بھتیجا ہے۔ ابوطالب نے نہایت نرمی اور حُسنِ سلوک سے ان کی باتیں سنیں اور پھر ان کو یقین دلایا کہ وہ آپ ﷺ کو ان باتوں سے منع کریں گے جو مکے کے شرفاء اور امراء کے عقیدے کے خلاف ہیں۔

ابوطالب نے اپنے وعدے کی ایفا کی اور آپ ﷺ کو سمجھایا، لیکن جس دل پر نورِ ازل کی تجلّیوں کا پرتو پڑ چکا تھا وہ ان کفر و انکار کی بدلیوں کے حجاب میں سے چھن چھن کر کفر کی ظلمتوں کو دور کرتا رہا کافروں کی کوئی تحریص اور کوئی تعزیر آپ ﷺ کو اس عظیم ارادے سے نہ روک سکی، جو اَب آپ ﷺ کی زندگی کا ایک ہی مقصد بن چکا تھا۔ آپ ﷺ نے ان ساری مخالفتوں اور اذیتوں کے باوجود اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو جاری رکھا اور مسلمانوں کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی۔ کفارِ مکہ نے ایک بار پھر قسمت آزمائی پر کمر باندھی اور ان کے بڑے بڑے سردار ایک وفد کی صورت میں ابوطالب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ کے بھتیجے پر کوئی اثر نہیں ہوا، اس لیے اب ہم یہ بات آپ پر صاف صاف واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ہم آپ کے بھتیجے کی ان حرکتوں کو برداشت نہیں کر سکتے۔ آپ اسے روک دیں ورنہ آپ کے خاندان اور ہمارے قبیلوں میں جنگ ٹھن جائے گی اور ان دونوں فریقوں میں سے جب تک کسی

ایک کا خاتمہ نہیں ہوتا یہ جنگ بند نہ ہوگی۔ یہ صرف زبانی دھمکی نہ تھی ابو طالب نے دیکھ لیا کہ کفار اپنے اس ارادے کی تکمیل کا پورا پورا سامان کر چکے ہیں اور کیل کانٹے سے لیس ہو کر ان کے بھتیجے اور مسلمانوں کی ہلاکت کی درپے ہو گئے وہ بہت پریشان ہوئے آپ ﷺ کو بلوایا اور بڑے پیار سے کہا کہ محمدؐ! تم مجھے میری جان سے بھی عزیز ہو، میں نہیں چاہتا کہ تم اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالو، ان باتوں سے باز آجاؤ جن سے مکے کے لوگوں کو دکھ ہوتا ہے۔ دیکھو! مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ جسے میں برداشت نہ کر سکوں۔ میں نے اب تک بڑی مشکل سے تمہاری حفاظت کی ہے مگر اب یہ کافر مجھے بھی خاطر میں نہیں لاتے اور تمہاری وجہ سے میری مخالفت پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے چچا کی پریشانی دیکھی اور سمجھ لیا کہ وہ ان لوگوں سے دشمنی مول لینے کا حوصلہ نہیں رکھتے، پھر یہ سوچ کر کہا کہ چچا! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی لا کر رکھ دیں تو بھی میں اس کام کو ترک نہیں کر سکتا جسے انجام دینے کے لیے مجھے اللہ نے مقرر فرمایا ہے، یہ کام جاری رہے گا۔ یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ پورا کر دے اور یا میں خود اِس کوشش میں ہلاک ہو جاؤں۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں قرآن
جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

آپ ﷺ کے منہ سے جب یہ الفاظ نکل رہے تھے تو آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ آنسو جن سے صداقت کا خلوص جھلک رہا تھا۔ پھر آپ ﷺ بے اختیار رونے لگے۔ وہ طوفان جو سینے کے اندر امڈ رہا تھا بارانِ رحمت بن کر آنکھوں سے ابل پڑا اور آپ آزردہ خاطر اٹھے اور قدم قدم پر رک کر دروازے کی طرف چلے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چچا کی مجبوری نے آپ ﷺ کے کندھوں پر ایک ایسا بارِ گراں ڈال دیا ہے جس کے بوجھ کے نیچے آکر پہاڑ بھی پس جائے گا۔ بھتیجے کی آنکھوں میں آنسو دیکھ

کر چچا کا دل موم ہو گیا وہ آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے دوڑے اور چلّا کر کہا: میرے بھتیجے! اِدھر آؤ، جب آپ ﷺ لوٹ کر آئے تو ابو طالب نے بڑی محبت سے کہا: محمد......! تمہارا جو جی چاہے کرو میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا، خواہ مجھے سارے مکے کے لوگوں ہی کو نہ چھوڑنا پڑے۔

ابو طالب نے حیرت سے بھتیجے کی طرف دیکھا
جلالِ مصطفےٰ میں مردِ کامل سربکف دیکھا
کہا اے جانِ عم اب میں کسی سے ڈر نہیں سکتا
جہاں میں کوئی تیرا بال بیکا کر نہیں سکتا

حبشہ کی ہجرت

اب نبوت کا پانچواں برس تھا، اِدھر آپ ﷺ کی تبلیغی سرگرمیاں زوروں پر تھی، اُدھر کفارِ مکہ کے مظالم شباب پر، کونسا ستم تھا جو ان کے ہاتھوں غریب مسلمانوں پر نہ ٹوٹا ہو اور کون سی سختی تھی جو ان بے بس مسلمانوں نے اپنے ایمان کی خاطر نہ جھیلی ہو۔ جب آپ ﷺ سے مسلمانوں کی یہ حالت دیکھی نہ گئی اور آپ ﷺ نے سمجھ لیا کہ مسلمانوں کی چھوٹی سی جماعت کفار کے ٹڈی دل کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور اب ان پر عرصۂ حیات تنگ ہو گیا ہے تو آپ ﷺ نے انہیں حبشہ کو ہجرت کرنے کا مشورہ دیا کہ جہاں تک ولایت حبشہ کے متعلق خبریں پہنچی تھیں یہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہاں کے لوگ غیر جانبدار اور وہاں کا حکمران منصف مزاج ہے آپ ﷺ کی اجازت سے گیارہ صحابہ جن کے ساتھ چار صحابہ کی بیویاں بھی تھیں، مہاجروں کے اس قافلے کا جزو کل تھیں، ان میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی رقیہ رضی اللہ عنہا جو آپ ﷺ کی بڑی صاحبزادی تھیں سب میں پیش پیش تھے۔ جب ان لوگوں نے اپنے آباء واجداد کے وطن کو چھوڑ کر اپنے گھر کی آسائشوں اور اپنے مال ومتاع سے منہ موڑا ہوگا تو اللہ جانے ان کے دل پر کیا گزری ہو گی، لیکن جہاں تک ظاہری حالات کا تعلق ہے، تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے اللہ اور رسول کی خاطر یہ سب کچھ بڑی خوشی سے برداشت کیا اور راہِ عشق کی منزلوں کو بڑی گرمجوشی، بڑے استقلال اور بڑی فراوانیِ شوق سے طے کیا۔ جب کفارِ مکہ کو ان لوگوں کی ہجرت کی خبر ہوئی تو وہ اس قافلے کے تعاقب میں دوڑ پڑے اور ان کا پیچھا کرتے کرتے بڑی دور تک جا نکلے، لیکن انہیں ان

راہ رواں کوئے محبت کا نقش پا تک نہ ملا آخر لاچار ہو کر انہوں نے فیصلہ کیا کہ معتبر اور دانشور نمائندوں کا ایک وفد قیمتی تحائف لے کر حبشہ کے حکمران کے پاس جائے اور اپنے پرانے تعلقات کی بنا پر یہ مطالبہ کرے کہ مہاجرین اسلام کو حبشہ سے نکل جانے کا حکم دے دیا جائے، انہیں کفارِ مکہ کے حوالے کیا جائے تاکہ جس سزا کے وہ سزاوار ہوں انہیں دی جا سکے۔ یہ وفد مہاجرین اسلام کے فوراً بعد ہی حبشہ میں جا پہنچا اور اس کے امیر قافلہ نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ ہمارے شہر کے چند سر پھرے، جوشیلے اور بے عقل لوگ اپنے آباء واجداد کے دین سے برگشتہ ہو کر اور اپنے بزرگوں کا وطن چھوڑ کر آپ کی مملکت میں آ گئے ہیں اگر وہ اس لیے آتے کہ یہاں آ کر آپ کا مذہب اختیار کر لیں تو ہمیں کوئی تعرض نہ ہوتا، لیکن وہ تو اس لیے آئے ہیں کہ آپ کے مذہب کے بارے میں آپ کے دلوں میں ایسے شکوک پیدا کریں کہ آپ کو اپنے مذہب کی سچائی میں شبہ ہونے لگے اور آپ اُن کے عجیب وغریب مسلک کی پیروی ہی کو ذریعۂ نجات سمجھیں۔ یہ لوگ یہی کچھ مکے میں کر رہے تھے اور جب ان کا بس ہم پر نہ چلا تو اب اپنا دام فریب بچھانے کے لیے یہاں چلے آئے ہیں۔

اے بادشاہ! عرب کے اور آپ کے تعلقات دیرینہ ہیں اور قریش کے سب قبیلے آپ کے مداح ہیں، ان قبیلوں کے نامور اور صاحب فراست امیروں نے ہمیں آپ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ آپ ان کی خیر سگالی کے یہ تحائف منظور فرمائیں اور ان کی اس عرضداشت کو شرف قبول بخشیں۔

نجاشی کے دربار میں سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی تقریر

کفار کی نیّت کا اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے اور ان کی کینہ پروری اس سے عیاں ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ وطن کے اندر تو خیر وہ جو کچھ بھی چاہتے تھے کر گزرتے مگر وطن سے باہر بھی انہوں نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ مسلمانوں کا سب سے بڑا قصور یہ تھا کہ وہ ربِ واحد کی عبادت کرتے تھے اور اس کے رسول کی صداقت پر ایمان رکھتے تھے۔ حبشہ کا بادشاہ ایسا نادان نہ تھا کہ اس پر ان باتوں کا جادو چل جاتا۔ اس نے مہاجرین اسلام کے امیر کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ مہاجرین کے قافلے نے سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو جو ابو طالب کے بیٹے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے، اپنا نمائندہ مقرر کیا اور دربار میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ بادشاہ کے استفسار پر جعفر نے کہا: اے بادشاہ! ہم لوگ ایک

جاہل قوم تھے جو پتھروں کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، ہمسایوں کو ستاتے تھے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا، قوی لوگ کمزوروں کو کھا جاتے تھے اس اثنا میں ہم میں سے ایک شخص پیدا ہوا جس کی شرافت اور صدق و دیانت سے ہم پہلے سے واقف تھے، اس نے ہمیں اسلام کی دعوت دی اور سکھایا کہ ہم بت پوجنا چھوڑ دیں، سچ بولیں، خونریزی سے باز آئیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، ہمسایوں کو آرام دیں، نیک عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں۔ نماز پڑھیں، روزے رکھیں، زکوٰۃ دیں۔ ہم اس پر ایمان لائے۔ شرک اور بت پرستی چھوڑ دی اور تمام اعمالِ بد سے باز آئے اور اس جرم پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہوگئی اور ہم کو مجبور کرتی ہے کہ پھر اسی گمراہی میں واپس آ جائیں۔ نجاشی نے کہا اللہ کا جو کلام تمہارے پیغمبر پر اترا ہے کہیں سے پڑھو۔ جعفر نے سورۃ مریم کی چند آیتیں پڑھیں۔ بادشاہ پر رقت طاری ہوگئی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے پھر کہا اللہ کی قسم! یہ کلام اور انجیل ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں۔ یہ کہہ کر سفرائے قریش سے کہا تم واپس جاؤ میں ان مظلوموں کو ہرگز نہ دوں گا۔ دوسرے دن قریش کے امیر قافلہ عمرو بن العاص نے پھر دربار میں رسائی حاصل کی اور نجاشی سے کہا حضور! آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہ لوگ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہیں۔ نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا کہ اس سوال کا جواب دیں۔ مہاجرین کو تردد ہوا اگر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ ہونے سے انکار کرتے ہیں تو نجاشی عیسائی ہے ناراض ہو جائے گا۔ سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے کہا کچھ بھی ہو ہم کو سچ بولنا چاہیے۔

آئین جوانمرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

غرض یہ لوگ دربار میں حاضر ہوئے، نجاشی نے کہا تم لوگ عیسیٰ ابن مریم کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہو۔ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا ہمارے پیغمبر نے بتایا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا بندہ، پیغمبر اور کلمۃ اللہ ہے۔ نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھالیا اور کہا: واللہ! جو تم نے کہا عیسیٰ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اسلام کی روح سے واقف ہو چکے تھے، ان کی زبان سے سچ کے سوا اور

کچھ نہ نکلتا تھا اور یہ ان کی اس راست بازی ہی کا کرشمہ تھا کہ جو کوئی بھی ان کی زبان سے حق کی آواز سنتا اس کی صداقت کو تسلیم کرتا۔ یہاں تک کہ کفار بھی مسلمانوں کو قسم قسم کی اذیتیں پہنچاتے رہے، لیکن کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ مسلمانوں کو جھوٹا یا بددیانت کہہ سکیں۔ اب اس قافلے ہی کی طرف دیکھیے کہ اس میں صرف گیارہ مرد اور چار عورتیں ہیں، اپنے وطن سے دور ہیں، غیروں کے ملک میں آئے ہوئے ہیں، اپنوں کے ستائے ہوئے غیروں کی پناہ کے طالب ان کی زندگی اور موت ایک ایسے بادشاہ کی مرضی پر منحصر ہے جن کا ان کے ملک و مذہب سے کوئی تعلق نہیں جس کو ان کی قوم اور قبیلوں سے دور کا واسطہ نہیں۔ ایک بے یارو مددگار ملک میں غریب الوطن مسافروں کے چھوٹے سے گروہ کا امیر قافلہ ایک طاقتور بادشاہ کے سامنے آتا ہے وہ سرکاری دربار کے آداب سے واقف نہیں، بحث مباحثہ کا فن نہیں جانتا مگر اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر سچی بات کہنے میں تامل نہیں کرتا یہ اسی راست گوئی کا معجزہ تھا کہ بادشاہ نے قریش کے وفد کو طلب کیا اور ان کے تحائف واپس کر دیے اور ان سے کہا کہ مجھے اللہ نے حکومت اس لیے نہیں دی کہ میں تم سے رشوت لے کر ان بے گناہوں کو اپنے ملک سے نکال دوں جنہوں نے تمہارے مظالم سے تنگ آ کر ہماری پناہ ڈھونڈی ہے۔ قریش کے وفد کے لوگ اپنا سا منہ لے کر واپس چلے گئے۔

سچائی کا اثر ظاہر ہوا قلبِ نجاشی پر
وہ بولا کون سا برہان لایا ہے وہ پیغمبرؐ
سنائیں سیّدِ جعفر نے چند آیات قرآنی
نجاشی کے مکدّر دِل نے پائی جن سے تابانی
ہوا دل پر اثر آنکھوں سے آنسو ہو گئے جاری
کہا لاریب اللہ کی کتابیں ایک ہیں ساری
قسم اللہ کی اعجاز ہے انجیل و قرآن میں
اُسی کے نطق کی آواز ہے انجیل و قرآن میں
مسلمانوں سے بولا تم حبش کو اپنا گھر سمجھو
مجھے اپنا معین و ہم خیال و ہم نظر سمجھو

کیا یوں مخاطب اہلِ مکہ کے سفیروں کو
کہ جاؤ کہہ دو اپنے بھیجنے والے شریروں کو
کہ جو مظلوم میرے دامنِ دولت میں آئے گا
وہ خود جائے تو جائے کوئی لے جانے نہ پائے گا

جب یہ خبر مکے میں پہنچی تو اُدھر قریش اپنی ناکامی پر مشتعل ہوئے اِدھر مسلمان اپنی کامیابی پر خوش وہ اس امدادِ غیبی پر اللہ کا شکر بجالائے اور رفتہ رفتہ ان کے حوصلے اتنے بڑھے کہ دوسرے ہی برس مسلمان مہاجروں کا ایک اور قافلہ جو سو سے کچھ زیادہ افراد پر مشتمل تھا، حبشہ کی طرف ہجرت کر گیا۔ ہجرت کرنے سے مسلمانوں پر نئے نئے امکانات کے دروازے کھل گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اس اللہ کی دنیا اس مکے کی حدود تک ہی محدود نہیں اگر کفارِ مکہ کے دلوں پر صداقت کی راہ بند ہو چکی ہے تو دنیا میں ایسے ملک بھی ہیں جن کے رہنے والے حق شناس اور انصاف پسند ہیں۔ اس سارے معاملے کا اسلام کی عام صورتِ حال پر جو اثر ہوا وہ بہت دور رس تھا۔ اب مکے کے لوگ بڑی سنجیدگی سے سوچنے لگے کہ اسلام کی اس نئی تحریک میں کوئی صداقت ضرور ہے کہ اِدھر مکے کے وہ لوگ جو اسلام پر ایمان لائے اور جنہوں نے اپنے ایمان کی خاطر ایسی ایسی سختیاں جھیلیں نہ تو ایسے نادان ہیں اور نہ ایسے بے حقیقت کہ ان کی قوتِ فیصلہ پر اعتماد نہ کیا جائے اور نہ حبش کے لوگ ہی ایسے حق ناشناس اور ضعیف الاعتقاد ہیں کہ مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت سے مرعوب ہو جائیں۔ یہ سب ذہنی تاثرات ایک برقی رو کی طرح اب دور ونزدیک کارفرما تھے، لیکن ایک بات کا تو اب عام چرچا ہو چکا تھا اور وہ یہ تھی کہ اسلام کی یہ نئی تحریک جس ربِ واحد کی عبادت کا اعلان کرتی ہے وہ صرف مسلمانوں ہی کا رب نہیں بلکہ سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور جس مضبوط رشتے سے مسلمان اسلام پر ایمان لے آنے کے بعد ایک دوسرے سے وابستہ ہو جاتے ہیں وہ ہر قسم کے نسلی امتیاز، جغرافیائی بیگانگی اور قبائلی رقابت کو یکسر مٹا دیتا ہے اور ان جذبات کی جگہ ان کے دل میں باہمی یگانگت ہمدردی اور اتحادِ فکر وعمل کی حِس پیدا کر دیتا ہے یہی حِس ترقی کرتے کرتے اور روز بروز پختہ تر ہوتے ہوتے اخوت کی ہم آہنگی اور یک رنگی میں تبدیل ہو جاتی ہے اور پھر یہی اخوت کا رشتہ وہ مضبوط رسی بن جاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ”عُرْوَۃٌ

الوُثقٰی" سے موسوم کیا اور جس نے نہ صرف رنگ اور نسل کے امتیازات کی بیخ کنی کر دی بلکہ انسان کو اس کی حقیقی عظمت کے راز سے آشنا کر دیا اور اس قابل بنا دیا کہ وہ حقوق و فرائض کے معاملے میں ذاتی اغراض، اقربا پروری اور مرتبوں کے امتیاز کو بالائے طاق رکھ کر انسانیت کو اس بلند مقام پر پہنچا دے جو صدیوں اور قرنوں سے اس کے ارتقاء کی منزلِ مقصود تھی۔

یہی مقصود فطرت ہے، یہی رمزِ مسلمانی
اخوّت کی جہانگیری، محبت کی فراوانی
بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملّت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی

تعلیماتِ اسلام کے سماجی اثرات کے خلاف کفار کا شدید ردّعمل

کفار اپنے اپنے عقیدے کی پیروی میں بتوں کو پوج تو سکتے تھے مگر اپنی آنکھوں اور کانوں کو بند نہ کر سکتے تھے، جب انہوں نے دیکھا کہ اسلام نے ان لوگوں کو جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لے آئے ہیں، ایک ہی رنگ میں رنگ دیا ہے اور اللہ کی عبادت کرتے وقت غریب اور امیر، رذیل اور شریف، سفلہ اور نجیب، غلام اور آقا دوش بدوش کھڑے ہو کر اس ربِ واحد کے سامنے جھک جاتے ہیں جو نہ نظر آتا ہے اور نہ جس کا جسمانی تصور ہی قائم ہو سکتا ہے جو ہر طاقتور سے زیادہ طاقتور اور جس کی قدرت ہر چیز پر قادر ہے تو انہوں نے ان مٹی، پتھر، چاندی اور سونے کے بتوں کو اپنے ذہن ہی ذہن میں منہدم ہوتے دیکھ لیا جن سے ان کی عبادت گاہیں بھری ہوئی تھیں اور پھر جب انہوں نے پیغمبرِ اسلام کی زبان سے یہ سنا کہ زمین و آسمان کی تمام موجودات تمام قوتیں اور اللہ کی سب نعمتیں صرف اس لیے ہیں کہ انسان کے قبضۂ تصرف میں آئیں اور انسان کی تخلیق کا یہی مقصد ہے کہ وہ اللہ کی نیابت کا بلند مقام حاصل کر کے ہر چیز پر غالب آئے تو کافروں کی نگاہوں میں ان کے سارے اوہام ان کے سارے صنم کدے اور قدرت کے وہ تمام مظاہر جن کی عظمت کے آگے وہ سر جھکاتے تھے مٹی میں مل کر مٹی ہو گئے اور اس طرح ان کے ان باطل عقیدوں کو جنہیں وہ اپنے آباء و اجداد کا مذہب قرار دیتے تھے، ایک بہت کاری ضرب لگی۔ یہ تو تھی ان کافروں کی ذہنی کیفیت۔ مگر جہاں تک عالم ظاہر کا تعلق ہے

ان کے دل میں یہ فکر پیدا ہوئی کہ اگر اسلام کی تحریک کو روک کر اس کے داعیوں کو نیست و نابود نہ کر دیا گیا تو ان کے نسلی امتیازات، معاشرتی مراتب اور مذہبی مدارج کے تفوق کا خاتمہ ہو جائے گا اور اس کے ساتھ ساتھ ہی وہ خاص حقوق پامال ہو جائیں گے جو اس وقت کے معاشرے میں عبادت گاہوں کے پجاریوں اور حاکموں کے درباریوں کو ان کے منصبوں اور درجوں کی بنا پر حاصل تھے۔ اس چیز کو یہ جھوٹی بڑائیوں کے خوگر اور خود ساختہ بلندیوں کے پرستار برداشت نہ کر سکتے تھے اس لیے انہوں نے اس نئی تحریک کو کچل دینے کے لیے وہ سارے سامان مہیا کر لیے جو ان کی اعتدال سے ناآشنا فطرت اور انصاف سے بیگانہ طبیعت اختراع کر سکتی تھی، لیکن انسانی فطرت ہمیشہ نیکی اور صداقت کی معاون ہوتی ہے جو ان اوچھے ہتھیاروں کو خاطر میں نہیں لاتی۔ نیکی خود اتنی بڑی قوت ہے کہ اس کے سامنے بدی کے پاؤں نہیں جم سکتے مگر شرط یہ ہے کہ انسان کی طبیعت کو نیکی کی طرف مائل کرنے اور برائی سے روکنے کے اسباب مہیا ہو جائیں اور یہ اسباب اسلام نے مہیا کر دیے تھے۔ پس اس دعوت کا حلقہ اثر جس قدر زیادہ ہوتا گیا مسلمانوں کی تعداد میں اسی قدر ترقی ہوتی گئی اور اسلام کا سیل رواں کفر و انکار کے پتھروں کو بہاتا ہوا اور توحید کے نقش جماتا ہوا بڑھتا چلا گیا۔

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہادِ زندگی میں ہیں، یہ مردوں کی شمشیریں

معراج

معراج کا مشہور واقعہ جس کی تفصیل قرآنِ مجید میں ہے۔ ۲۷ رجب نبوّت کے دسویں سال پیش آیا۔ اسلام کی تبلیغ کے لحاظ سے یہ زمانہ اس عظیم الشان تحریک کا ابتدائی زمانہ تھا، لیکن معراج کی روئیداد نے ثابت کر دیا کہ جہاں تک آپ ﷺ کی رسالت کا تعلق ہے وہ معراجِ کمال کو پہنچ چکی تھی اور آپ ﷺ کو خالق کائنات کی بارگاہ میں وہ قرب حاصل ہو چکا تھا جس کی مثال اس سے پہلے اللہ کے کسی نبی کی تاریخِ حیات میں نہ تھی۔ معراج میں نمازِ پنجگانہ فرض ہوئی جو امتِ مسلمہ کے لیے گرانقدر تحفہ ہے۔

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ قریش کے ایک نامور سردار اور رشتہ داری میں آپ ﷺ کے چچا بھی تھے۔ ان کی

شجاعت اور سخاوت ضرب المثل تھی۔ اتفاق سے ان کی ایک کنیز نے یہ سانحہ دیکھ لیا اور جا کر سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ سے اس کا ذکر کیا۔ جب حمزہ رضی اللہ عنہ نے یہ سنا کہ ابوجہل نے آپ ﷺ پر بلا وجہ حملہ کیا ہے تو وہ فرطِ غضب سے تِلملا اٹھے اور ابوجہل کے مکان کی طرف دوڑے، ابوجہل اس وقت گھر میں بیٹھا ڈینگیں مار رہا تھا۔ جب سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی زبان سے یہ سنا کہ اس نے آپ ﷺ کو پتھر سے زخمی کیا ہے تو بڑھ کر اس کی پیشانی پر نیزے، سے ایک ایسی کاری ضرب لگائی کہ خون بہنے لگا پھر حمزہ رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کو مخاطب کیا اور کہا کہ میں نے محمد ﷺ کا انتقام لے لیا اور اب اس کا دین بھی قبول کرتا ہوں اور دیکھوں گا کہ تُو اس کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے مرتبے کی برتری اور ان کی شجاعت کی دھاک ایسی نہ تھی کہ اس کا اثر نہ ہوتا سب دم بخود رہ گئے۔ اس کے بعد سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اسلام سے مشرف ہو گئے۔ حمزہ رضی اللہ عنہ کے ایمان لے آنے پر آپ ﷺ کو بڑی خوشی ہوئی اور حقیقت بھی یہ ہے کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا اسلام کی ایک فتح مبین تھی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے برابر کے ایک اور عرب بہادر عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے جو شجاعت اور سخاوت میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ ہی کی طرح مشہور تھے۔ آپ ﷺ جب انہیں دیکھتے تو دعا فرماتے کہ الٰہی عمر کو اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرما۔ جب عمر اس دعا کا ذکر کسی کی زبان سے سنتے تو غصے سے بے قابو ہو جاتے۔ ایک دن اسی حالت میں شمشیر برہنہ ہاتھ میں لے کر آپ ﷺ کے قتل کی نیت سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ راستے میں ان کی بہن کا گھر پڑتا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہو چکا تھا کہ ان کی بہن اور بہنوئی اسلام پر ایمان لا چکے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ پیغمبر اسلام کا کام تمام کرنے سے پہلے بہن اور بہنوئی کا قصہ کیوں نہ نمٹا لوں۔ جب ان کے گھر پہنچے تو دیکھا کہ وہ میاں بیوی قرآن کی آیات کی تلاوت کر رہے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سن کر وہ ڈر گئے اور خاموش ہو گئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے دروازے کے اندر داخل ہوتے ہی پوچھا کہ کیا یہ سچ ہے کہ تم نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ یہ میاں بیوی مسلمان تھے، جھوٹ کیسے بولتے۔ ان کی زبان سے مسلمان ہونے کا اقرار سن کر بہت بگڑے، بہن پر بہت سختی کی اور کہا کہ اس حرکت سے

باز آ جا، لیکن جب اس نے یہ کہا کہ عمر! اگر تو میری جان بھی لے لے، تو بھی میں اسلام سے نہ پھروں گی تو عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تم کیا پڑھ رہی تھیں۔ اس نے کہا قرآنِ مجید۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا پھر پڑھو۔ جب اس خاتون نے قرآن کی آیات پڑھ کر سنائیں تو اللہ کی ہیبت سے عمر پر کپکپی طاری ہوگئی اور ان کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ کر زمین پر گر پڑی۔ جب ذرا سنبھلے تو بہن کو ساتھ لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام پر ایمان لے آنے کے بعد ہی مسلمانوں کو یہ حوصلہ ہوا کہ وہ حرمِ کعبہ میں جمع ہو کر باجماعت نماز پڑھنے لگے۔ سچ ہے جس آقا کے غلاموں میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے جیالے دلیر ہوں کس کا جگرا ہے کہ ان کی طرف ترچھی نظر سے دیکھے۔

اشاعتِ اسلام

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام پر ایمان لے آنے کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ کفارِ مکہ کے غصے کی آگ ٹھنڈی پڑ گئی اور ان کے مظالم میں وہ شدت نہ رہی جن سے مسلمانوں کی جان عذاب میں تھی۔ اب مسلمانوں کی تعداد میں روز بروز زیادہ ترقی ہونے لگی اور بڑے بڑے قبیلوں کے امیر اور عرب کے شرفا اور روسا بھی اسلام کے حلقے میں شامل ہونے لگے اگر غور سے دیکھا جائے تو ہر مذہبی یا اصلاحی تحریک کی یہی صورت ہوتی ہے۔ پہلے تو اس کے نیچے کے طبقے کے لوگ متاثر ہوتے ہیں اس بات کے پیش نظر کہ ایک نئے نظام میں داخل ہو کر ان کی معاشرتی حالت بہتر ہو جائے اور جب ان لوگوں کی معاشرتی حالت بہتر ہو جاتی ہے تو اس کا اثر لامحالہ اونچے طبقے کے لوگوں پر بھی ہونے لگتا ہے۔ یہی صورتِ حال اس وقت مسلمانوں کو پیش آئی۔

اب تحریص و ترغیب کا دور ختم ہو چکا تھا اور ظلم و تشدد کے ہتھیار کند ہو گئے تھے۔ اب اسلام کے پشت پناہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تھے اور اللہ کی وحی کا نور غریبوں کی جھونپڑیوں سے چھن چھن کر امیروں کے محلوں کے کنگروں تک پہنچ گیا تھا کہ بڑے بڑے شرفا اور امراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آ بیٹھتے ان میں جو لوگ ایمان لے آئے تھے وہ تو اس لیے آئے تھے کہ اللہ کے رسول کی زبانی اللہ کا کلام سنیں تا کہ ان کا ایمان مضبوط بنیادوں پر استوار ہو کر اسلام کی مدافعت کا قلعہ بن جائے اور جو لوگ ابھی

اسلام پر ایمان نہیں لائے تھے اس لیے آتے تھے کہ اگر ان کو مذہبِ اسلام کی خوبیوں اور اسلامی طرزِ معاشرت کی اچھائیوں کا یقین ہو جائے تو وہ بھی اس زمرہ میں شامل ہو جائیں جس کے لوگ روز افزوں زور پکڑ رہے تھے۔ آپ ﷺ بھی اپنے فرائضِ نبوت کو اس زمانے میں جس تندہی، جس ایثار اور جس ذوق وشوق سے ادا کر رہے تھے اس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ ہر معاملے میں ایک نئی ملت کی قیادت اور کمزور مسلمانوں کی حفاظت ایک طرف، اسلام کے نئے قوانین کو رائج کرنے اور ان پر عمل درآمد کرانے کا کام دوسری طرف۔ غرض آپ ﷺ کے دن رات انہی کاموں میں صرف ہوتے اور رات ہو یا دن، جب کبھی اکابر مکہ آپ ﷺ کی تعلیم سے مستفیض ہونے کے لیے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ ﷺ بڑی توجہ سے ان کی باتیں سنتے اور ان کے اطمینانِ قلب کا سامان کرتے اگرچہ یہ امرائے عرب اب مسلمانوں کی توجہ کا مرکز بن گئے تھے، لیکن اسلام اس مساوات کی روح ہی کو اپنی زندگی اور بقاء کا سرمایہ سمجھتا تھا جس نے مذہب کے ارکان اور ایمان کے مکارم کے لحاظ سے غریب اور امیر میں کوئی تمیز روا نہ رکھی تھی۔

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز
قبلہ رُو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

ایک دن کا ذکر ہے کہ چند اکابرِ مکہ اور شرفائے عرب آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر تھے۔ آپ ﷺ ان کو اللہ کا پیغام سنا رہے تھے اور اسلام کی خوبیاں بتا رہے تھے، اتنے میں ایک نابینا مجلس میں آیا اور آپ ﷺ کی باتیں سننے لگا چونکہ وہ دیکھ نہیں سکتا تھا اس لیے وہ نہ جان سکا کہ مجلس میں کیسے لوگ موجود ہیں۔ آپ ﷺ کی کوئی بات اس کی سمجھ میں نہ آئی تو وہ کچھ پوچھ بیٹھا۔ جب آپ ﷺ نے اس کی طرف توجہ نہ کی اور اپنے سلسلۂ کلام کو جاری رکھا تو اس نابینا نے اپنے سوال کا

جواب مانگنے پر اصرار کیا۔آپ ﷺ نے یہ دیکھ کر کہ اگر وہ اس نابینا کی باتوں میں الجھ گئے تو ان کی اس گفتگو کا سلسلہ جو اِن کے اور شرفائے عرب کے درمیان جاری تھا، ٹوٹ جائے گا۔ اس کے اصرار کو قابل اِعتنا نہ سمجھا اور اس کی طرف توجہ نہ دی۔ اللہ نے یہ بات پسند نہ فرمائی کیونکہ یہ چیز اسلام کی روح کے خلاف تھی کہ ایک صاحبِ ایمان غریب کی پروانہ کی جائے اور ان لوگوں کی طرف دھیان دیا جائے جو ابھی تک ایمان کی نعمت سے محروم تھے۔ معاً وحی نازل ہوئی کہ اے، ہمارے پیغمبر! یہ کیا بات ہے کہ آپ ﷺ کی پیشانی پر شکن پڑ گئے اور اس طرف سے منہ پھیر لیا۔ کیا اس لیے کہ ایک نابینا آپ ﷺ کی مجلس میں آ بیٹھا۔ آپ ﷺ کو کیا علم کہ شاید یہی نابینا آپ ﷺ کے فیضانِ صحبت سے ان امیروں سے زیادہ فائدہ اٹھائے۔

مفہوم اس وحی کا یہ ہوا کہ پیغمبر کا کام صرف یہی ہے کہ وہ اللہ کا پیغام اللہ کے بندوں کو پہنچا دے۔ اس امر میں معاشرے کے اونچے اور نیچے طبقوں میں تمیز کی کوئی گنجائش نہیں۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ نچلے طبقے کے لوگ اللہ کے پیغام کے سننے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی ان لوگوں سے زیادہ صلاحیت رکھتے ہوں جن کا تعلق اونچے طبقوں سے ہو۔ پس اس وحی کی تنبیہ نے یہ بات واضح کر دی کہ آپ ﷺ کی رحمت کا دستر خوان خاص و عام کے لیے برابر بچھا رہنا چاہیے۔ یہ اپنی اپنی قسمت ہے کہ کون اس کی نعمتوں سے بہرہ مند ہوتا ہے اور کون بے بہرہ رہتا ہے۔ آپ ﷺ کی صداقت اور وحی کی ہیبت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس حقیقت کو صاف صاف آشکار کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرتبوں کی کوئی تمیز نہیں اور یہ اسی بنیادی اصول کے ارتقاء کا لازمی نتیجہ تھا کہ اسلامی معاشرے میں انسان کی برتری اور بزرگی کا معیار مرتبوں، شخصیتوں، قبیلوں اور نسبوں کے تفوق کو نہیں بلکہ اس کے اعمالِ حسنہ کو قرار دیا گیا اور آپ ﷺ نے یہ دعوت عام دے دی کہ اللہ کے نزدیک تم میں وہی شخص سب سے زیادہ عزت والا ہے جو اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہے۔

آپ ﷺ کو دعوتِ حق سے روکنے کیلئے کفار کے حربے

کفارِ مکہ کی جب کوئی چال بھی نہ چل سکی اور ان کا کوئی تشدد آپ ﷺ کے عزم اور مسلمانوں کے استقلال کو متزلزل نہ کر سکا تو انہوں نے ظلم وستم اور مکروفریب کے ہتھیار ڈال دیے اور اس خوش فہمی

میں مبتلا ہو کر کہ آپ ﷺ جو کچھ بھی کہہ رہے ہیں اور کر رہے ہیں اس کا مقصد صرف اکتسابِ مال و زر اور حصولِ عزو جاہ ہے۔ بنی قریش کے بڑے بڑے سردار آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی اے محمد ﷺ! ہم آج تجھ سے ایک سیدھی سی بات کہنا چاہتے ہیں تُو نے ہمارے قبیلوں کو جس مصیبت میں مبتلا کر رکھا ہے ایسی مصیبت ہم پر کبھی نہیں آئی۔تم ہمارے آباء و اجداد کو گمراہ بتاتے ہو جن معبودوں کو ہم پوجتے ہیں ان کو برا بھلا کہتے ہو، تمہارے بیان میں ایسا جادو ہے کہ جو بھی تمہاری بات سنتا ہے تمہارے پیچھے ہو لیتا ہے تم نے ہمارے گھروں میں خرابی ڈال دی ہے۔ باپ کو بیٹے سے اور بیٹے کو باپ سے جدا کر دیا۔قبیلوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا۔غرض کوئی ایسی آفت نہیں جو تم نے ہم پر نہ ڈھائی ہو۔ پس اگر تمہارا مقصد مال و دولت جمع کرنا ہے تو ہم اپنے خزانوں سے تمہیں اس قدر مال دے سکتے ہیں کہ تم اپنی قوم کے سب لوگوں سے زیادہ دولت مند ہو جاؤ اور اگر تمہاری یہ خواہش ہے کہ تم اپنی قوم کے سردار بن جاؤ تو ہم تمہیں اپنا سردار تسلیم کرنے کو تیار ہیں۔ اگر تمہیں سارے عرب کی بادشاہی منظور ہے تو چلو ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تمہیں عرب کا بادشاہ بنا دیں گے اور اگر بدقسمتی سے تمہارے سر پہ کوئی جن سوار ہے یا کسی آسیب کا اثر ہے تو ہم تمہارے علاج پر اپنا آخری درہم تک صرف کرنے کو تیار ہیں۔آپ ﷺ یہ سب باتیں بڑے صبر سے سنتے رہے اور جب بنی قریش کے سردار اپنی تقریر ختم کر چکے تو فرمایا: اللہ کی قسم! تم نے جتنی بھی باتیں کہیں ہیں میں ان میں سے کسی چیز کا طلب گار نہیں۔ نہ مال و دولت چاہتا ہوں اور نہ سرداری کا شرف نہ عرب کی حکومت اور نہ کسی ملک کی بادشاہی۔ مجھے تو اللہ نے اپنا پیغمبر مقرر فرمایا ہے اور مجھ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے اور حکم دیا ہے کہ تمہیں تمہارے نیک کاموں کے ثواب اور برے کاموں کی سزا سے ڈراؤں۔ پس میں نے اپنے اور تمہارے پروردگار کا پیغام تم تک پہنچا دیا اگر تم اسے قبول کرو گے تو اس میں تمہاری بھلائی ہے اگر تم نے اسے قبول نہ کیا تو میں بڑے صبر سے انتظار کروں گا یہاں تک کہ اللہ مجھ میں اور تم میں فیصلہ فرما دے۔

کفار نے خاندانِ رسالت سے مقاطع کر لیا

یہ جواب سن کر سب کفار حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے اور اس بات کا صحیح اندازہ کر کے کہ آپ ﷺ پر نہ تو کوئی لالچ غالب آ سکتا ہے اور نہ کوئی اندیشہ ہی آپ ﷺ کے قدم ڈگمگا سکتا

ہے۔ کفار نے آپ ﷺ سے ترکِ موالات کا فیصلہ کر لیا اور ایک عہد نامہ مرتب کیا جس پر بنی قریش کے سب قبیلوں کے سربراہوں نے دستخط کیے اور اسے حرمِ کعبہ میں آویزاں کر دیا۔ اس عہد نامے کی رو سے تمام قبائل نے یہ فیصلہ کیا کہ کوئی شخص بنی ہاشم کے خاندان سے نہ کسی قسم کا رشتہ ناطہ کرے گا اور نہ ان سے کوئی لین دین کرے گا، نہ ان سے ملے گا، نہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دے گا جب تک وہ لوگ محمد کو ان کے حوالے نہ کر دیں یا ان کو خود قتل نہ کر ڈالیں۔

شعب ابی طالب میں پناہ گزینی

یہ ترک موالات کیا تھی۔ آپ ﷺ کا اور آپ ﷺ کے قبیلے کا ایک مکمل مقاطعہ تھا جب ابوطالب نے دیکھا کہ مکہ میں رہ کر ان کے خاندان پر عرصۂ حیات تنگ ہو رہا ہے تو وہ اپنے قبیلے کے لوگوں کو لے کر شعب ابی طالب میں جو مکے کے قریب ایک گھاٹی ہے، پناہ گزیں ہوئے اور تین سال تک خاندان بنی ہاشم نے اس جگہ ہی کو اپنا حصارِ عافیت سمجھا۔ یہ زمانہ ان پر ایسا سخت گزرا کہ یہ لوگ درختوں کے پتے کھا کھا کر پیٹ بھرتے تھے۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رات کو سوکھا چمڑا ہاتھ آ گیا۔ میں نے اس کو پانی سے دھویا پھر آگ پر بھونا اور پھر پانی میں ڈبو کر کھایا۔ ابن سعد نے روایت کی ہے کہ بنی ہاشم کے بچے جب بھوک سے روتے تھے اور باہر آواز آتی تھی تو قریش سن سن کر خوش ہوتے تھے۔ ابو طالب اور خاندان بنی ہاشم کے سب افراد کے ایثار کی تعریف تو بیان سے باہر ہے کہ اسلام پر ایمان نہ لانے کے باوجود انہوں نے محض آپ ﷺ کے ساتھ ایسی سختیاں جھیلیں مگر ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے کردار کی عظمت کا اسی بات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ اس مصیبت کے ایام میں آپ ﷺ کے ساتھ رہیں اور دولت وثروت کے باوجود آپ ﷺ کے ساتھ کئی کئی دن کے فاقے کاٹے۔

اس زمانے میں آپ ﷺ صرف ایام حج میں باہر نکلتے، ان دنوں میں کسی شخص پر کوئی زیادتی نہ ہو سکتی تھی۔ آپ ﷺ جگہ جگہ جاتے اور لوگوں کو اللہ کا پیغام سناتے ظلم کی بھی آخر ایک حد ہوتی ہے۔ اب بنی قریش کے وہ لوگ بھی جو ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے، ان مظالم کو جو قریش نے خاندان بنی ہاشم پر روا کر رکھے تھے اپنی شان کے خلاف سمجھا۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ سمجھ چکے تھے کہ وہ لوگ جو تین برس

تک ایسی ایسی سختیاں سہہ کر اپنے ارادے سے نہیں ہٹے ان کو ان حربوں سے شکست دینا ناممکن ہے۔

آخر کار یہ معاہدہ پھاڑ دیا گیا اور بنی ہاشم کے خاندان کے لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس آئے۔

بنی قریش کی مسلمانوں سے مخالفت بظاہر تو اس بات کے لیے تھی کہ مسلمان صرف ربِ واحد کی عبادت کرتے ہیں اور اپنے آباء و اجداد کے دین سے پھر گئے ہیں، لیکن اس مخالفت کی تہ میں جو اصل راز تھا وہ یہ تھا کہ اسلام کی روز افزوں ہر دل عزیزی کے ساتھ بنی قریش کا اقتدار گھٹتا جاتا تھا۔ یہ ایک امر حقیقت ہے کہ صاحبِ اقتدار لوگ انہی تحریکوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں جو ان کے اقتدار کو قائم رکھنے میں معاونت کریں۔ اگر کوئی ایسی تحریک معرضِ وجود میں آ جائے جس سے عوام کو فائدہ پہنچتا ہو مگر جس سے ان کے اقتدار پر ضرب لگتی ہو تو یہ لوگ ایسی تحریک کو ملک اور قوم سے غداری کا نام دے کر اسے کچلنے کی کوشش کرتے ہیں، اگر یہ کام شمشیر و تفنگ سے نہ نکلے تو پھر مکر و فریب کا جال پھیلایا جاتا ہے۔ غرض کسی نہ کسی طرح اللہ کے ایسے نیک بندوں کو جنہوں نے اپنی قوم کے لوگوں کی اصلاح کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا ہو اور ذاتی مفاد کو ملک کے مفاد پر قربان کر دیا ہو، کسی نہ کسی طرح بدنام کر کے یہ لوگ اپنا الو سیدھا کرتے ہیں۔ یہی قریش نے کیا۔

حضرت ابو طالب کی وفات

اب ایک اور مصیبت آئی شعب ابی طالب میں جلا وطنی کی مصیبتیں اٹھا اٹھا کر ابو طالب کی صحت خراب ہو گئی تھی۔ ان کی بیماری نے ایسا طول کھینچا کہ آخر کار بستر مرگ پر جا لیٹے۔ یہ خبر جب قریش کو ملی تو سب جمع ہو کر ابو طالب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ابو طالب! اب تمہاری زندگی کی مدت تمام ہوئی، لیکن مرنے سے پہلے ہمارے اور اپنے بھتیجے کے مابین یہ معاہدہ کروا دو کہ اگر وہ ہمارے دینی معاملات میں دخل نہ دے گا تو ہم اس کے ساتھیوں سے کوئی سروکار نہ رکھیں گے۔ ظاہر میں تو یہ ایک سیدھی سادی بات تھی مگر غور سے دیکھا جائے تو اس معاہدے سے تبلیغ کا رستہ بند ہو جاتا تھا۔ ابو طالب نے آپ ﷺ کو بلایا اور کفارِ مکہ کی یہ شرط پیش کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ چچا! اگر یہ لوگ میری ایک ذرا سی بات مان لیں تو یہ سارا جھگڑا مٹ سکتا ہے۔ ابو جہل جلد سے بولا کہ ہاں ہاں کہو ہم تمہاری ایک

نہیں دس باتیں ماننے کے لیے تیار ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تو صرف اتنا کہتا ہوں کہ تم سچے دل سے اقرار کر لو اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور ان جھوٹے معبودوں کو چھوڑ دو جنہیں تم پوجتے ہو اگر تم نے ایسا کیا تو عرب اور عجم کی بادشاہی تمہارے قدم چومے گی۔ کفارِ مکہ کو یہی ایک بات تو پسند نہ تھی، بہت بگڑے اور اٹھ کر چلے گئے۔

بنوخزرج اور اوس کے قبائل کا قبولِ اسلام

اب نبوت کا گیارھواں سال تھا اور حج کی تقریب پر عرب کے سب قبیلے دور دور سے مکے میں آئے ہوئے تھے۔ ان میں یثرب جو بعد میں آپ ﷺ کے قیام کی وجہ سے مدینۃ النبی کے نام سے مشہور ہوا اور اب مختصر ہو کر صرف مدینہ رہ گیا ہے۔ خزرج اور اوس کے قبیلے بھی تھے اپنی اپنی قسمت ہوتی ہے اللہ جسے چاہے ایمان کی نعمت عطا فرما دے۔ جس دعوت کا اہل مکہ پر اثر نہ ہوتا تھا، بجلی بن کر یثرب کے لوگوں پر کوندی اور ان کے خرمنِ کفر و انکار کو جلا کر ان کے لیے ہدایت کی شمعِ روشن بن گئی۔ جب خزرج کے قبیلے کے لوگوں نے آپ ﷺ کی زبان سے قرآن کی آیتیں سنیں تو وہ فوراً مشرف بہ اسلام ہو گئے اور آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لے آئے۔ اس کے دوسرے سال ہی آپ ﷺ کی رسالت کے بارھویں سال میں حج کے موقع پر کچھ اور لوگ یثرب سے آئے اور اسلام کی دولت سمیٹ کر اپنے اپنے گھروں کو لوٹے جب یہ لوگ رخصت ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے کہا کہ تم اپنے شہر جا کر لوگوں کو اس بات کی تلقین کرو کہ وہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کریں۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، چوری، بدکاری، اولاد کے قتل اور لوگوں پر جھوٹی تہمتیں لگانے پر پرہیز کریں۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے ایک صحابی کو ان کے ساتھ کر دیا اور فرمایا کہ دیکھو اسلام کو ایک آسان صورت میں پیش کرنا۔ مظلوموں کی بددعا سے ڈرنا اور انصاف کرتے وقت مسلمانوں اور دوسرے لوگوں میں کوئی فرق نہ کرنا۔ یاد رہے کہ ظلم و انصاف کے معاملے میں اسلام کے دستورِ حیات میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تمیز نہیں۔ اسلامی قانون کسی پر ظلم کرنے کی اجازت نہیں دیتا اور سب سے، مسلمان ہو یا کافر، انصاف چکاتا ہے۔

یثرب والوں پر اللہ کی بڑی رحمت ہوئی کہ آپ ﷺ کا یہ صحابی سیدنا معصب بن عمیر رضی اللہ عنہ مدینہ میں آ پہنچا۔ اس نے جس سادگی سے اسلام کے سیدھے سادے طریقے یثرب کے لوگوں کو بتائے اور

ان کے ساتھ وہ جس حسنِ سلوک سے پیش آیا اس کا یہ اثر ہوا کہ یثرب کا کوئی گھر بھی ایسا نہ تھا جس کے تمام مرد وزن اسلام پر ایمان نہ لے آئے، ان سب کے دل میں اسلام کے پیغمبر کی محبت اور آپ ﷺ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا ولولہ اس زور وشور سے پیدا ہوا کہ سب نے یک زبان ہو کر آپ ﷺ کو یثرب میں چلے آنے کی دعوت دی۔ ادھر مکہ کی یہ حالت تھی کہ آپ ﷺ کی ذات پر بالخصوص اور مسلمانوں پر بالعموم کفار کی یورش تھی۔ اگر تائید غیبی ان کے ساتھ نہ ہوتی تو ان کا کوئی سہارا نہ تھا۔ ادھر یثرب اور اس کے مضافات میں اسلام بڑی تیزی سے پھیل رہا تھا اور جب یہ لوگ یہ خبریں سنتے تھے کہ مکہ میں مسلمانوں پر ان کی زندگی کفار کے ہاتھوں وبالِ جان ہو رہی ہے تو ان کا یہی جی چاہتا تھا کہ اڑ کر مکہ پہنچیں اور آپ ﷺ کو اپنے ساتھ یثرب لے آئیں۔

ہجرتِ یثرب

یہ نبوت کا تیرھواں سال تھا جب یثرب کے لوگ بہت بے صبر ہو گئے تو انہوں نے اپنے چیدہ چیدہ آدمی جو تعداد میں ۷۲ تھے، مکہ بھیجے تا کہ آپ ﷺ کو یثرب والوں کی عقیدت مندی سے آگاہ کریں۔ جب ان لوگوں کو مکہ میں آ کر آپ ﷺ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے یہ معلوم ہوا کہ خود آپ ﷺ کا بھی ارادہ ہو رہا ہے کہ مکہ سے ہجرت کر کے یثرب چلے جائیں۔ تو یہ لوگ اتنے خوش ہوئے کہ بے تابانہ آپ ﷺ کے ساتھ چمٹ گئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ کو جو شرط بھی ہم سے منوانی ہو منوالیں، جو عہد بھی ہم سے لینا ہو لے لیں، ہم ہر خدمت اور قربانی کے لیے تیار ہیں۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں کا یہ خلوص دیکھ کر پہلے تو ان کو قرآنی آیتیں سنائیں اور پھر تاکید کی کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا اس لائق نہیں کہ اس کی عبادت کی جائے۔ پھر ان سے یہ عہد لیا کہ وہ شرک، چوری، بدکاری، اولاد کے قتل اور افترا کے مرتکب نہ ہوں گے اور رسول اللہ ﷺ جو اِن سے بات کہیں گے اس سے سرتابی نہ کریں گے اور ہر حالت میں آپ ﷺ کی جان کی حفاظت کریں گے۔ یہ سنتے ہی یثرب والوں کے قافلے کے امیر نے آپ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی اور کہا کہ ہمیں آپ ﷺ کی ہر بات منظور ہے۔ جب انصار بیعت کر رہے تھے تو اسد بن زرارہ ایک کافر پکار اٹھا۔ بھائیو! یہ بھی خبر ہے کہ کس چیز پر بیعت کر رہے ہو کہ یہ عرب وعجم جن وانس سے اعلانِ جنگ ہے سب نے کہا ہاں! ہم اس

پر بیعت کر رہے ہیں۔

اسی سال اللہ کی طرف سے آپ ﷺ کو ہجرت کا حکم ہوا اور آپ ﷺ نے مسلمانوں کو مکے سے ہجرت کر کے مدینہ جانے کی اجازت دی۔ جب مسلمان ایک ایک دو دو کر کے مدینہ پہنچتے تو مدینے کے لوگ ان کا استقبال اس گرم جوشی سے کرتے کہ ان کے حوصلے بڑھ جاتے، اللہ کو اسلام کی نصرت منظور تھی کہ مکے کے وہ اکابر جو مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ اب مدینے جانے لگے۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شخصیتیں ایسی نہ تھیں کہ ان کا مکہ سے ہجرت کر جانا لوگوں سے چھپا رہتا اور جب کفار نے یہ دیکھا کہ ایسے ایسے لوگ اپنے رشتہ داروں، اپنی جائیداد اور اپنے مال و منال کو چھوڑ کر محض اسلام اور پیغمبر اسلام کی خاطر ایسی بے کسی اور بے بسی کی زندگی قبول کر کے اپنا وطن اور گھر بار چھوڑ رہے ہیں تو وہ کھسیانے ہو ہو جاتے، لیکن ان لوگوں کا کچھ نہ بگاڑ سکتے جو ایمان کی دولت کو دنیاوی دولت سے زیادہ عزیز جانتے تھے اور جن کے دل اللہ کے رسول کی محبت سے سرشار ہو چکے تھے۔ غرض نبوت کے چودھویں سال کے پہلے دو ایک مہینوں تک کے عرصے میں آپ ﷺ کے سب صحابہ مدینہ آ گئے صرف آپ ﷺ، سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ رہ گئے۔ ہاں جو مسلمان مفلسی سے مجبور تھے وہ مدت تک نہ جا سکے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے حکم کا انتظار کر رہے تھے۔ آپ ﷺ کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کرنے کی اجازت مل گئی اور آپ ﷺ نے مدینہ جانے کا عزم فرمالیا اس ارادے کی اڑتی ہوئی خبر کفار تک جا پہنچی۔ انہوں نے دارالشوریٰ میں ایک مجلس منعقد کی اور آپ ﷺ کو اس ارادے سے باز رکھنے کی تدبیریں سوچنے لگے۔ ایک نے کہا محمد کے ہاتھ پاؤں میں زنجیریں ڈال کر مکان میں بند کر دیا جائے۔ ابوجہل نے کہا کہ ہر قبیلے میں سے ایک ایک شخص کا انتخاب ہو اور پورا مجمع ایک ساتھ مل کر تلواروں سے محمد کا خاتمہ کر دے۔ اس صورت میں آپ ﷺ کا خون تمام قبائل میں بٹ جائے گا اور اہل ہاشم اکیلے تمام قبائل کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ اس رائے پر سب کا اتفاق ہوا۔ آپ ﷺ کو جب اس سازش کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے وہ امانتیں جو لوگوں نے آپ ﷺ کے پاس رکھی ہوئی تھیں، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حوالے کیں اور خود تن تنہا سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ پہلے ہی سے ہجرت کے لیے تیار تھے، صرف آپ ﷺ کے منتظر تھے۔ جب آپ ﷺ نے فرمایا

کہ مجھے ہجرت کا حکم مل گیا ہے تو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ رونے لگے یہ غم کے آنسو نہ تھے۔ سفر میں آپ ﷺ کی رفاقت کی عزت آنکھوں سے آنسو بن کر چھلک رہی تھی۔ غرض اِدھر آپ ﷺ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اُدھر کفارِ مکہ نے آپ ﷺ کے گھر کا محاصرہ کیا اور صبح جب آپ ﷺ کی جگہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو گھر سے نکلتے دیکھا تو بہت پریشان ہوئے ظالموں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو پکڑا اور حرم میں لے جا کر تھوڑی دیر کے لیے بند کر دیا۔ پھر کفار آپ ﷺ کی تلاش میں نکلے۔ آپ ﷺ نے احتیاط سے کام لے کر غار ثور میں پناہ لی تھی۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ اسی غار میں تھے۔ تین روز تک آپ ﷺ اسی غار میں مقیم رہے۔ سیدنا ابو بکر ﷺ کی بڑی بیٹی اسماء کھانا غار میں پہنچا دیتی اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کا غلام عامر اپنی بکریاں چراتا غار کی طرف آ جاتا اور ہر روز تازہ دودھ دے جاتا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ کفارِ مکہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار کے دھانے تک آ گئے۔ آہٹ پا کر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ غم زدہ ہوئے اور آپ ﷺ سے عرض کی کہ اب دشمن اس قدر قریب آ گئے ہیں کہ ہم ان کی نگاہوں سے نہ چھپ سکیں گے۔ ہم صرف دو ہیں اور دشمنوں کی بڑی جماعت ہے۔ آپ ﷺ نے فوراً فرمایا: گھبراؤ نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ ظاہر ہے کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ جیسے جان نثار خادم کی پریشانی آپ ﷺ کے لیے تھی ورنہ وہ تو اپنی جان آپ ﷺ کے قدموں پر اسی دن قربان کر چکے تھے جس دن انہوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی جب کفار کو یہ یقین ہو گیا کہ آپ ﷺ ان کے ہاتھوں سے نکل گئے ہیں تو انہوں نے اشتہار دیا کہ جو شخص محمد یا ابو بکر کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو سو اونٹ انعام دیا جائے گا۔ انعام کی خبر پا کر سراقہ بن جُعشُم آپ ﷺ کے تعاقب میں نکلا، آپ ﷺ غار سے نکل ہی رہے تھے کہ سراقہ نے آپ ﷺ کو دیکھ لیا اور گھوڑا دوڑا کر قریب گیا، لیکن گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ گر پڑا ترکش سے فال کے تیر نکالے کہ حملہ کرنا چاہیے یا نہیں جواب میں ''نہیں'' نکلا۔ تائب ہو کر آپ ﷺ کے پاؤں میں گر پڑا اور قریش کے اشتہار کا واقعہ سنایا اور درخواست کی کہ مجھ کو امن کی تحریر لکھ دیجیے۔ آپ ﷺ کے مطابق سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیر رضی اللہ عنہ نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر فرمانِ امن لکھ دیا۔

آپ ﷺ کی تشریف آوری کی خبر مدینہ میں پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔ مدینے والوں کے اشتیاق کی

یہ کیفیت تھی کہ ہر روز سورج نکلنے سے پہلے گھروں سے باہر نکل آتے اور جب انتظار کرتے کرتے تھک جاتے تو بڑی مایوسی سے گھروں کو واپس لوٹ جاتے۔ ایک دن انتظار کر کے واپس جا رہے تھے کہ ایک یہودی نے قلعے سے دیکھا اور قرائن سے پہچان کر پکارا کہ اہل عرب جس کا تمہیں انتظار تھا آ گیا۔ تمام شہر تکبیر کی آواز سے گونج اٹھا۔

کسی نے دی خبر اے لو رسول اللہ آ پہنچے
جناب حضرت صدیق بھی ہمراہ آ پہنچے

قباء میں قیام

آپ ﷺ نے پہلے قباء میں جو مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی بستی ہے، قیام کیا۔ یہیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی آ ملے۔ یہاں انصار کے بہت سے خاندان آباد تھے، ان میں سب سے زیادہ ممتاز عمر بن عوف کا خاندان تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس خاندان کے امیر کلثوم بن الہدم کی مہمانی قبول کی۔ اب مدینے کے لوگ جوق در جوق آتے اور آپ کی زیارت سے شادکام ہوتے۔ انصار کی یہ حالت تھی کہ جوشِ عقیدت سے آپ ﷺ کے ساتھ محبت سے لپٹ جاتے۔ آپ ﷺ نے اس مقام پر چودہ دن قیام فرمایا۔ یہاں آپ ﷺ کا پہلا کام مسجد کی تعمیر کرانا تھا۔ کلثوم کی ایک بیکار زمین تھی جہاں کھجوریں سکھائی جاتی تھیں، یہیں دست مبارک سے مسجد کی بنیاد ڈالی۔ مسجد کی تعمیر میں مزدوروں کے ساتھ آپ ﷺ خود بھی کام کرتے۔ بھاری بھاری پتھروں کو اٹھاتے وقت جسم مبارک خم ہو جاتا تھا۔ عقیدت مند آ جاتے اور عرض کرتے کہ ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپ ﷺ چھوڑ دیں، ہم اٹھالیں گے۔ آپ ﷺ ان کی درخواست قبول فرماتے، لیکن پھر اس وزن کا دوسرا پتھر اٹھا لیتے۔

قباء میں آپ ﷺ کا داخلہ اسلام کے دورِ خاص کی ابتدا ہے۔ اس لیے مؤرخین نے اس تاریخ کو زیادہ اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھا ہے۔ اکثر مؤرخین کا اتفاق ہے کہ یہ ۱۲ ربیع الاول یکم ہجری جمعہ کا دن تھا۔ چودہ دن کے بعد آپ ﷺ مدینے کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ جمعہ کا دن تھا، راہ میں بنی سالم کے محلّہ میں نماز کا وقت آ گیا، جمعہ کی نماز یہیں ادا فرمائی۔ نماز سے پہلے خطبہ دیا۔ یہ تاریخ اسلام میں سب سے پہلی نمازِ جمعہ اور سب سے پہلا خطبۂ نماز تھا۔ لوگوں کو جب خبر ہوئی کہ آپ ﷺ مدینہ پہنچ گئے

ہیں تو ہر طرف سے لوگ پیش قدمی کو دوڑے۔

مدینہ میں آمد مبارک

قباء سے مدینہ تک جان نثاروں کی صفیں تھیں، قدم قدم پر انصار کے خاندان آتے تھے اور اپنا زَر و مال آپ ﷺ کی خدمت میں نذر کرتے تھے۔ پردہ نشین خواتین چھتوں پر نکل آئیں اور گانے لگیں کہ کوہ وداع کی گھاٹیوں سے آج چاند نکل آیا ہے۔ ہم جتنا بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں بجا ہے۔ آپ ﷺ کے ننھیال بنی نجار کی بیٹیاں دف بجا بجا کر گاتی تھیں۔ ہم خاندانِ نجار کی لڑکیاں ہیں، محمد ﷺ کیسا اچھا ہمسایہ ہم کو ملا ہے۔۔آپ ﷺ نے ان لڑکیوں سے پوچھا کیا تم مجھ کو چاہتی ہو؟ بولیں ہاں! فرمایا: میں بھی تم کو چاہتا ہوں۔

مدینہ کا ہر فرد بشر یہی چاہتا ہے کہ اسے آپ ﷺ کی میزبانی کی عزت نصیب ہو۔ آپ ﷺ نے کسی کو مایوس نہ کیا اور اونٹنی کی مہار چھوڑ دی اور فرمایا کہ جہاں اللہ کا حکم ہوگا یہ اونٹنی وہیں ٹھہر جائے گی۔ جہاں اب مسجد نبوی ہے اس سے متصل سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا گھر تھا۔ ہر شخص کی آنکھ آپ ﷺ کی اونٹنی پر لگی ہوئی تھی کہ دیکھیں کہاں ٹھہرتی ہے۔ سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے طالع بیدار کو دیکھئے کہ یہ دولت انہی کے حصے میں آئی۔

آپ ﷺ نے سات مہینے تک یہیں قیام فرمایا۔ اس زمانے میں مسجد نبوی اور اس کے حجروں کی تعمیر ہوئی جب حجرے تیار ہو گئے تو آپ ﷺ وہیں چلے گئے اور وہاں جا کر صاحبزادیوں اور حرم نبوی کو بلا لیا۔

مسجد نبوی کی تعمیر

مدینے میں قیام کے بعد سب سے پہلا کام اللہ کے گھر کی تعمیر تھی۔ سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کے قریب خاندان نجار کی تھوڑی سی زمین تھی، جس میں کچھ قبریں تھیں، کچھ کھجور کے درخت تھے۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں کو بلوا بھیجا اور فرمایا میں یہ زمین اللہ تعالیٰ کے گھر بنانے کے لیے خریدنا چاہتا ہوں۔ وہ بولے ہم اس کی قیمت آپ ﷺ سے نہیں لیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ سے لیں گے۔ اصل میں وہ زمین دو یتیم بچوں کی تھی، آپ ﷺ نے خود ان یتیموں کو بلا بھیجا، قیمت کا فیصلہ ہوا۔ سیدنا ایوب

انصاری رضی اللہ عنہ نے قیمت ادا کر دی۔ مسجد کی تعمیر شروع ہوئی۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے اور اپنے ہاتھوں سے مسجد تعمیر کرتے۔ کون جانتا تھا کہ اس وقت جو لوگ عام مزدوروں کی طرح پتھر اور گارا سر پر اٹھا کر اللہ کا گھر تعمیر کر رہے ہیں، ایک دن بڑے بڑے شہنشاہ ان کی غلامی کو دین اور دنیا کی بادشاہی سمجھیں گے۔ جب صحابہ پتھر اٹھاتے تو آپ ﷺ یہ پڑھتے کہ اے اللہ! کامیابی صرف آخرت کی کامیابی ہے۔ اے اللہ! مہاجرین اور انصار کو بخش دے۔ یہ مسجد ہر قسم کے تکلّفات سے عاری اور اسلام کی سادگی کی تصویر تھی۔ کچی اینٹوں کی دیواریں، کھجور کے پتوں کو چھپر، کھجور کے تنوں کے ستون اور کچا فرش، بارش ہوتی تو صحن میں کیچڑ ہو جاتی تھی۔ بعد میں فرش پر سنگریزے بچھا دیے گئے۔ پہلے قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا گیا، لیکن جب قبلہ بدل کر کعبہ کی طرف ہو گیا تو شمال کی جانب ایک نیا دروازہ بنا دیا گیا۔ مسجد کے ایک سرے پر ایک چبوترہ تھا جس پر چھت ڈال دی گئی تھی اسے صفہ کہتے تھے۔ یہاں وہ لوگ رہتے تھے جو اسلام لاتے اور گھر بار نہیں رکھتے تھے۔ یہی لوگ ''اصحابِ صفہ'' کہلاتے ہیں جن کے ایمان اور عزم کی دنیا میں مثال نہیں ملتی۔

مکے میں مسلمان علانیہ نماز نہیں پڑھ سکتے تھے جب آپ ﷺ مدینے میں تشریف لائے اور مسجد نبوی کی تعمیر ہو چکی تو دستور یہ ہوا کہ لوگ آگے پیچھے آتے اور جو جس وقت آتا نماز پڑھ لیتا۔ یہ بات آپ ﷺ کو ناپسند تھی۔ آپ ﷺ نے اس معاملہ میں صحابہ سے مشورہ کیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تجویز پسند فرمائی۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ پانچ وقت اذان دیا کریں۔ اس سے ایک طرف لوگوں کو نماز کی اطلاع مل جاتی تھی، دوسری طرف اسلام کے بنیادی اصول کا اعلان ہو جاتا تھا۔

مہاجرین وانصار کی باہمی اخوّت

جب مہاجرین مکہ معظّمہ سے آئے تھے تو بالکل بے سروسامان تھے۔ یہ سچ ہے کہ ان میں دولت مند اور خوشحال لوگ بھی تھے، مگر وہ اپنا سب کچھ مکے میں چھوڑ آئے تھے۔ یہ لوگ اس بات کو پسند نہ کرتے تھے کہ بیکار بیٹھے رہیں اور انصار کی میزبانی سے پیٹ بھرتے رہیں۔ یہ لوگ کام کرنے کے عادی تھے اور خیرات پر بسر کرنا پسند نہیں کرتے تھے، مگر ان کے پاس پھوٹی کوڑی تک نہ تھی۔ آخر کام نہ کرتے تو کیا کرتے اور سرمایہ آتا تو کہاں سے آتا۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں کے لیے ایک باعزت

زندگی بسر کرنے کا یہ انتظام کیا کہ مہاجرین اور انصار کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا۔ آپ ﷺ مہاجرین اور انصار میں سے دو دو شخص بلاتے اور ان سے کہتے کہ تم بھائی بھائی ہو۔ آپ کا ارشاد اور وحی کی تائید یہ لوگ سچ مچ بھائی بھائی بن گئے۔ (اِنما المومِنُونَ اِخْوَةٌ) انصار نے مہاجرین کو اپنے گھر لے جا کر ہر چیز میں آدھا حصہ دے دیا۔ اس رشتے کو ''مواخاۃ'' کہتے ہیں۔ اس وقت مہاجرین کی تعداد پینتالیس تھی۔ گویا اب مدینے میں مہاجرین اور انصار کے ملے جلے پینتالیس گھر آباد ہو گئے۔ یہ پینتالیس گھر اسلامی اخوت کی ایک زندہ مثال اور مسلمانوں کے اتحادِ فکر و عمل کا ایک صحیح نمونہ تھے۔ انصار نے مہاجرین کو جس طرح بھائی بنایا اور بھائی سمجھا اس کی نظیر سگے بھائیوں میں بھی نہیں ملتی۔ اس نئی تحریک کی کامیابی...... اسلام کے اصولِ اخوت کی کامیابی تھی جو آگے چل کر اس نتیجے پر منتج ہوئی کہ مسلمانوں میں رنگ و نسل، قبیلے اور قوم کی تمیز جاتی رہی اور جب اسلام اقصائے شرق و غرب پھیلا تو یہ اسی اخوت کے رشتے کی جادو اثری تھی کہ مختلف ممالک اور مختلف اقوام کے مسلمان کچھ اس طرح برادری کے رشتے میں منسلک ہو گئے کہ کسی مسلمان کو کسی دوسرے مسلمان کے گھر میں غیرت اور اجنبیت کا گمان بھی نہ تھا۔ گو مواخاۃ کا رشتہ ایک عارضی ضرورت کے لیے قائم کیا گیا تھا، لیکن حقیقت میں یہی رشتہ آگے چل کر مفادِ اسلامی کی حفاظت اور اغراض اسلامی کی تکمیل کا سامان بن گیا۔

لگایا تھا مالی نے اک باغ ایسا
نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا

[حکیم احمد شجاع (مرحوم)]

انسانیت کی موجودہ مشکلات اور سیرتِ رسول ﷺ

امنِ عالم کی بربادی

آج ساری دُنیا پریشان ہے، انسانی مسائل پیچیدہ سے پیچیدہ ہوتے جا رہے ہیں۔ جو طریقے بناؤ اور سُدھار کے لیے اختیار کیے جاتے ہیں، وہ اُلٹا بگاڑ کا باعث ہوتے ہیں، کسی کو چین اور سکون حاصل نہیں، ایک دائمی بے اطمینانی ہے جو سب پر مسلّط ہے۔ ایک جنگ ختم ہونے نہیں پاتی کہ دوسری جنگ کا ہوّا سامنے آ کھڑا ہوتا ہے، جھگڑوں، خونریزیوں، فسادات، انقلابات اور باہمی کش مکشوں نے دنیا کا سکون بالکل غارت کر دیا ہے قومیں، قوموں سے، فرقے فرقوں سے، طبقے طبقوں سے، پارٹیاں پارٹیوں سے اور افراد افراد سے دست و گریبان ہیں، اور یہ کشمکش ختم ہوتی نظر نہیں آتی، ہر شخص خود غرضی میں مبتلا ہے، کسی کو کسی پر اعتماد حاصل نہیں۔ نیکی، شرافت اور اخلاق کوئی چیز نہیں۔ انسان کا علم بہت بڑھ چکا ہے وہ بڑے بڑے خوش نما فلسفے گھڑتا ہے، بڑی دل فریب اسکیمیں بناتا ہے، امن اور انسانیت، آزادی اور فلاحِ عالم پر بڑی جادو بیانی کے ساتھ لیکچروں پر لیکچر دیتا ہے۔ لیکن ان سب کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ دنیا کو دھوکا دے اور لوگوں کی آنکھوں میں خاک جھونک کر اپنا اُلو سیدھا کرے۔ انسان کو مادی وسائل پر بے پناہ قدرت حاصل ہوگئی ہے۔ یہ انسانیت کی بہترین تعمیر کا ذریعہ بن سکتی تھی۔ لیکن انسان کے بگڑ جانے کی وجہ سے بدترین تخریب کا باعث بن گئی ہے۔ آج انسان کی عقل جواب دے چکی ہے، اس کی تمام تدبیریں فیل ہو چکی ہیں۔ اللہ کی ہدایات اور اس کے رسولوں کی رہنمائی کی ضرورت اگر کبھی انسان کو ہوتی تھی تو آج یہ ضرورت سب سے زیادہ ہے۔ پچھلے صفحات میں یہ واضح کیا گیا تھا کہ آخری نبی سیدنا محمد ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات اور آپ ﷺ کی سیرت میں انسانیت کی مشکلات کا بہترین حل موجود ہے۔ آیئے دیکھیں کہ وہ حل کیا ہے، اور ہمارے ان مسائل کو آپ ﷺ نے کس طرح

سُلجھایا ہے۔

انسان کی سب سے بڑی مشکل کسی متفقہ اِقتدار کا نہ ہونا ہے، کوئی ایسا اقتدار جسے سب مل کر تسلیم کر سکیں۔ جس کی سب اطاعت کر سکیں اور جو انسانیت کے شیرازے کو مجتمع رکھنے کا باعث ہو۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں تصادم اور کشمکش کا ایک طوفان برپا ہے اور کوئی روکنے والا نہیں، نہ کوئی کسی کی سنتا ہے۔ یہ سب سے بڑی مشکل ہے جس کے حل ہونے پر دوسری مشکلات کے سلجھنے کا دارومدار ہے۔

مشکلات سے نکلنے کا حل

اللہ کے رسول ﷺ نے اس مشکل کو انتہائی خوش اسلوبی سے حل کیا ہے۔ آپ ﷺ نے دنیا کے انسانوں کے سامنے یہ حقیقت دلائل کی روشنی میں رکھی کہ دنیا کے انسان جو کبھی پیدا ہوئے تھے، جو آج موجود ہیں اور جو آئندہ رہتی دنیا تک پیدا ہوں گے، ان کا پیدا کرنے والا، پالنے والا، ان کی زندگی و موت کا مالک، ان کے لیے زندگی کا تمام سامان بہم پہنچانے والا، انہیں جسمانی، ذہنی، روحانی ہر قسم کی قوت بخشنے والا صرف اللہ ہے۔ اسی نے اس ساری کائنات کو پیدا کیا ہے اور وہی اس نظام عالم کا نگران اور مدبّر و منتظم ہے۔ وہی تمام انسانوں کا مالک اور آقا ہے اور وہی ان کا حقیقی فرمانروا، نبی ﷺ اللہ کی جو کتاب انسانوں کی ہدایت کے لیے لائے اس کی ابتداء اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. (شکر وستائش اللہ کے لیے ہے جو ساری کائنات کا مالک اور پروردگار ہے) سے ہوتی ہے اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ. مَلِكِ النَّاسِ. اِلٰهِ النَّاسِ ......(کہہ دیجئے میں پناہ چاہتا ہوں تمام انسانوں کے رب کی۔ تمام انسانوں کے بادشاہ کی اور تمام انسانوں کے معبود کی) پر اس کی انتہا ہوتی ہے۔ اور اس کا پورا زور اسی بنیادی تعلیم پر ہے کہ تمام انسان اللہ کو اپنا مالک و آقا مانیں اور اُسی کو مقتدر اعلیٰ تسلیم کریں۔ نبی ﷺ نے اپنی ساری زندگی اسی بات کے منوانے میں صرف کر دی اور اپنے پیچھے ایک بہت بڑی جماعت چھوڑی جو اس بنیاد پر متفق ہو چکی تھی۔

آپ اگر غور کریں تو انسانوں کی اس مشکل کو سلجھانے کا یہی فطری اور حقیقی حل ہے۔ اور اس کے سوا اس کا اور کوئی حل ہے ہی نہیں۔ کسی ایک انسان کی حاکمیّت سے ایک قوم کے افراد بھی مطمئن و راضی نہیں ہوتے تو تمام انسان اور سب قومیں کس طرح راضی ہوں گی۔ اس دور میں جب کہ ہر قوم

دوسری قوم سے انتہائی بدظن ہے اوران میں اتحاد کی کوئی بنیاد نہیں، یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی ایک انسان کو جو بہرحال کسی خاص قوم سے متعلق ہوگا۔ سب اپنا فرمانروامنتخب کرلیں اوراگرایسا ہوبھی جائے اوراس شخص کوقوت واقتدار کے سارے ذرائع ووسائل سونپ دیے جائیں تو اس کے سوا کیا نتیجہ نکل سکتا ہے کہ وہ دنیا کا سب سے بڑا فرعون بن جائے اوراپنی طاقت کے نشے میں تمام انسانوں کومصائب و آلام میں مبتلا کردے۔ معمولی اقتدار پانے پربھی انسان نے ہمیشہ یہی کیا ہے، تواتنے بڑے اقتدار کے مل جانے کے بعد وہ کیوں ظلم کی راہ اختیار نہ کرے گا؟ انسان اغراض اورخواہشات سے پاک نہیں ہوسکتا۔ اس لیے وہ اپنے لیے، اپنے خاندان کے لیے، اپنے فرقے اوراپنی قوم کے لیے سارے فائدے سمیٹ لے گا اور باقی انسانوں کواُن سے محروم کردے گا۔ وہ بہرحال اپنے عزیزوں سے زیادہ محبت رکھتا ہوگا، وہ اپنے خاندان کوزیادہ چاہتا ہوگا اوراپنی قوم کوزیادہ پسند کرتا ہوگا اس لیے وہ سب کے ساتھ یکساں انصاف نہ کرسکے گا، اس کے احکام میں عدل اورمساوات کی بجائے ظلم اور ناانصافی ہوگی۔ اس کا علم کسی طرح اتنا وسیع نہیں ہوسکتا کہ وہ سب انسانوں کی ضروریات سے واقف ہو، سب کی فلاح و بہبود کے طریقوں سے باخبر ہواورسب کی فطری صلاحیتوں کے ارتقا کی راہیں جانتا ہو، وہ جہالت کی وجہ سے قدم قدم پرٹھوکریں کھائے گا اوراس طرح انسانیت کوتباہ کرکے رکھ دے گا۔ رہی یہ بات کہ کوئی ادارہ تمام انسانوں کا حاکم بن جائے تو یہ اوربھی ناممکن ہے۔ ایسے ادارے کو جومختلف اغراض ومقاصد رکھنے والی قوموں کے اشتراک سے وجود میں آئے کبھی ایسی طاقت ہاتھ نہیں آسکتی کہ وہ سب قوموں اورسب انسانوں کوایک مرکز پرجمع کرسکے اورانہیں اپنی اطاعت کے لیے مجبورکرسکے، اس ادارے کے پاس متصادم اغراض کے سوا کوئی ایسا بنیادی قانون بھی نہ ہوگا جس کوسب دل و جان سے مانتے ہوں اورجس کے مطابق انسانیت کے اختلافات طے ہوسکتے ہوں۔ یہ ادارہ لازمی طور پر قوت واکثریت رکھنے والی قوموں کے ہاتھ میں ایک کھلونا بن جائے گا اوران کی ناجائز اغراض پورا کرنے کے سوا کسی بھی مشکل کوسلجھا نہ سکے گا یہی حال لیگ آف نیشنز کا ہوا اوریہی یواین او کا ہورہا ہے اوریہی حشر ہراس ادارے کا ہوگا جس کی بنیاد کسی متفقہ مقصد و مفاد پر نہ ہواورجس کی زمام کسی ایک مقتدراعلیٰ کے ہاتھ میں نہ ہو۔

اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کرنا

اللہ سب کا پیدا کرنے والا اور پالنے والا ہے، اس لیے اس کی حاکمیت پر سب انسان اکٹھے ہو سکتے ہیں، وہ ساری کائنات کا حاکم و فرماں روا ہے، اس لیے اگر انسان اُسے حاکم مان لے گا۔ تو اس کے اقتدار میں کوئی اضافہ نہ ہوگا کہ نشۂ اقتدار کا خطرہ ہو۔ اس کی حکومت کسی کے قائم کرنے اور تسلیم کرنے کی محتاج نہیں کہ اس کی وجہ سے وہ لوگوں کی ناروا رعایت کرے، اس کی حکومت آپ سے آپ قائم ہے، وہ ظلم سے پاک ہے۔ عدل و انصاف کا سرچشمہ اور اس کا خالق ہے۔ اس لیے اس سے تمام انسانوں کو یکساں طور پر عدل و انصاف مل سکتا ہے، سب انسان اس کے بندے ہیں، اس کا تعلق سب سے یکساں ہے، اس کی مہربانیاں سب کے لیے عام ہیں، اس لیے اس کی حکومت میں کسی کی حق تلفی نہیں ہوسکتی اور نہ اس سے کسی کو جانب داری کا ڈر ہوسکتا ہے۔ پھر وہ تمام انسانوں کی تمام ضروریات سے اچھی طرح واقف ہے اور اُن کی تمام فطری صلاحیتوں اور ان کے ارتقا کی ایک ایک راہ سے خوب باخبر ہے اس لیے اس سے بہتر اور اس کے سوا انسانوں کے لیے مقتدرِ اعلیٰ اور واحد مقتدرِ اعلیٰ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

انسانیت کی دوسری بڑی مشکل کسی مشترک رشتے کا نہ ہونا ہے، یہ بات اس وقت تو کسی حد تک قابل برداشت تھی جب دنیا کی قومیں یک دوسرے سے الگ تھلگ پڑی تھیں اور ایک دوسرے سے غیر متعلق تھیں۔ لیکن آج جب کہ پوری دنیا ایک شہر اور تمام قومیں ایک خاندان میں تبدیل ہوگئی ہیں۔ ان میں کسی رشتے کا نہ ہونا کتنی بڑی مصیبت ہے! اسی کا نتیجہ ہے کہ سفید فام سیاہ فام کے دشمن ہیں، ایشیا اور یورپ میں برتری اور کہتری کی مستقل نسبت قائم ہے اور آرین نسل کے لوگ سامی نسل والوں سے بیر رکھتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ہر قوم دوسری قوم کی بدخواہ ہے اور ہر ملک دوسرے ملک کا مخالف، یہ دوسری بڑی غلطی ہے جس نے انسانوں کو جنگل کے وحشی درندوں کے مقام سے بھی گرا دیا ہے اور پوری دنیا روما کے اکھاڑوں کی شکل میں تبدیل ہو کر رہ گئی ہے۔

سب اللہ کے بندے ہیں

وحدت انسانیت کے اس سب سے بڑے علمبردار (ﷺ) نے اس مشکل کو حل کرنے کے لیے سب سے پہلے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرانے کی کوشش کی کہ سب انسان ایک خالق کی مخلوق،

ایک مالک کے بندے اور ایک حاکم کی رعیت ہیں اور انہیں صاف صاف الفاظ میں بتا دیا کہ ان کا مالک اپنی رعیت کو متحد و متفق دیکھنا پسند کرتا ہے اور وہ جھگڑے فساد اور دشمنی و بدخواہی کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ آپ ﷺ نے دوسری بات یہ بتائی کہ زمین کو جن جغرافیائی سیاسی اور معاشی حدود میں بانٹ دیا گیا اور جن کی وجہ سے انسانیت قومیتوں کی ناقابل شکست قسموں اور تفریقوں میں تقسیم ہو گئی ہے ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔ پوری زمین اللہ کی ہے اور اس پر پائے جانے والے سارے ذرائع و وسائل اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور سب انسانوں کے لیے ہیں، پوری زمین انسان کا وطن ہے اور خاک و وطن کے تمام تعصّبات نہ صرف یہ کہ بے اصل ہیں بلکہ انتہائی غلط اور مالک ارض و سما کی ناخوشی کا باعث ہیں۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ بات دلوں میں پیوست کی کہ تمام انسان ایک ہی ماں باپ (آدم و حوا) کی اولاد ہیں اس لیے ان میں خون کا اشتراک ہے اور وہ بھائی بھائی ہیں، رنگ ونسل کی ساری تفریقیں غلط اور بے بنیاد ہیں، کسی کو کسی پر رنگ اور نسل کی بنیاد پر کوئی برتری اور بڑائی نہیں، تقسیم ایک ہی صحیح ہے اور وہ ہے اچھوں اور بُروں کی تقسیم، اللہ کو مقتدرِ اعلیٰ ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کی تقسیم۔

جس سوسائٹی اور جس قوم کو آپ ﷺ نے سب سے پہلے یہ تعلیم دی وہ اس لحاظ سے بہت گئی گزری تھی، چھوٹی سی قوم ہونے کے باوجود اس میں سینکڑوں قبیلے تھے۔ پھر ہر قبیلے کے مختلف ٹکڑے تھے اور ہر ٹکڑے میں مختلف خاندان اور کنبے تھے اور ان میں سے ہر ایک نسلی غرور کا بری طرح مارا ہوا تھا، اسی بنا پر وہ آپس میں دست و گریبان رہتے تھے اور کسی طرح بھی ان کو متحد نہ کیا جا سکتا تھا۔ لیکن نبی کریم ﷺ کی تعلیم کا اثر یہ ہوا کہ چند سال کے اندر وہ بھائی بھائی بن گئے اور جہاں جہاں یہ پیغام گیا اسے دل و جان سے تسلیم کیا گیا۔ وہاں تمام تفریقیں ختم ہو گئیں اور ایک عالمگیر برادری اور ہمہ گیر اخوّت وجود میں آ گئی۔ جس کا ہر فرد دوسرے فرد سے اسی طرح وابستہ و متعلق تھا جس طرح ایک جسم کے اعضا ایک دوسرے سے...... آج بھی اس تعلیم کو عام کرنے سے یہ نتائج برآمد ہو سکتے ہیں اور انسانیت کا انتشار اور تصادم یقینی طور پر ختم ہو سکتا ہے۔

یکساں نصب العین

انسانیت کی تیسری پریشانی کسی متفقہ نصب العین کا نہ ہونا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ مختلف قوموں کے

نصب العین مختلف ہیں ہر فرقے اور ہر طبقے کا نصب العین جدا ہے۔ ہر خاندان اور ہر فرد کا مقصدِ زندگی علیحدہ ہے جن کے حاصل کرنے کے لیے یہ سب اپنی پوری کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح یہ نصب العین ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں۔ اور دنیا کے امن و امان کے لیے خطرے کا باعث ہوتے ہیں۔ پھر یہ نصب العین عموماً غلط ہوتے ہیں اور ان کے غلط ہونے کی وجہ سے نوع انسانی کی بہترین صلاحیتیں اور زمین کے کثیر مادی وسائل نہ صرف رائگاں جاتے ہیں بلکہ وہ انسانیت کی تخریب میں صرف ہوتے ہیں۔ پھر یہ نصب العین آئے دن بدلتے رہتے ہیں اور اس طرح انسانوں کو مسلسل ذہنی، عملی اور سیاسی و معاشی پریشانی میں مبتلا رہنا پڑتا ہے۔ یہ ہے تیسری پریشانی جسے دور کیے بغیر انسانیت کی گاڑی چند قدم بھی خطرے کے بغیر نہیں چل سکتی۔

اس مشکل کو بھی دنیا کے سب سے بڑے رہنما ہادی برحق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی عمدگی سے حل کیا۔ آپ ﷺ نے بتایا کہ انسان کی زندگی کا مقصد اور پوری انسانیت کا نصب العین مقرر کرنا اصل میں خالق و مالک کا کام ہے، وہی بتا سکتا ہے کہ اس نے سب انسانوں کو کس مقصد کے لیے پیدا کیا ہے اور وہی یہ بتا سکتا ہے کہ کونسا نصب العین صحیح ہے، انسانیت کے لیے مفید ہے اور نوع انسانی کے اتحاد و اتفاق کا باعث ہے۔ آپ ﷺ نے بتایا کہ یہ پوری کائنات اللہ کی تابع فرمان ہے اور اس کی ہر ہر شئے کی زندگی اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری میں بسر ہو رہی ہے انسان بھی اسی کائنات کا ایک جزو ہے اُسے بھی اللہ نے پیدا کیا ہے، وہ اللہ ہی کی دی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہا ہے اور اللہ ہی اس کا مالک و آقا ہے اس لیے انسان کی زندگی کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے مالک و آقا اور خالق و پروردگار کی اطاعت و بندگی اختیار کرے اور اپنی ساری کوششیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو خوش کرنے میں صرف کرے۔ یہی ہر انسان، ہر خاندان اور ہر گروہ، ہر قوم اور پوری نوع انسانی کا مقصد ہونا چاہیے۔ اسی لیے مقاصد کے اختلاف سے جو کش مکش آئے دن برپا رہتی ہے وہ اطاعتِ الٰہی کو اختیار کر لینے کے بعد آپ سے آپ ختم ہو جائیگی۔ پھر یہ ایک ایسا مقصد ہے جو صحیح اور مفید ہے۔ جو سب انسانوں کی فطرت کو اپیل کر سکتا ہے۔ اور جس پر تمام دنیا کے انسان اکٹھے ہو سکتے ہیں۔

منصفانہ حل

چوتھی مشکل یہ ہے کہ انسانوں کے درمیان کوئی ایسا مشترک اور منصفانہ مفاد موجود نہیں جو ان سب کو یکجا کر کے ایک مقصد میں لگائے رکھے، ایک فرد سے لے کر ایک قوم تک سب کے مفاد جُدا ہیں، ہر شخص خود غرضی میں مبتلا ہے، ہر قوم مفاد پرستی کا شکار ہے ہر طبقے اور ہر انسان پر اپنے مادی مفاد کا بھُوت سوار ہے، ہر ایک اپنے جائز و ناجائز حقوق ہر طرح منوانے پر مُصِر ہے اور دوسروں کے حقوق دینے کے لیے کسی طرح تیار نہیں، ہر ایک دنیا کے تمام مادی وسائل پر قابض ہونا چاہتا ہے اور دوسروں کو کچھ دینا نہیں چاہتا، یہ کش مکش ہر دم جاری ہے اور برابر تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی ہے، دنیا کے محدود وسائل اس کشمکش کو سہار نہیں سکتے، نتیجہ یہ ہے کہ جنگوں پر جنگیں جاری ہیں، دنیا ایک سخت قسم کے معاشی بُحران میں مبتلا ہے، ہر طرف بے اطمینانی، بے چینی، بھوک، خوف و ہراس کا دور دورہ ہے۔ روز بروز حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں اور اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا مکمل تباہی و بربادی کی گہری کھائی میں گرا ہی چاہتی ہے، بڑے بڑے امید افزا اور خوش آیند پروگرام پیش ہوتے ہیں۔ مگر مفادات کی کشمکش کی وجہ سے سب کے سب خاک میں مل جاتے ہیں۔ انسانوں کی خود غرضیاں ہر بنتے ہوئے کام کو بگاڑ دیتی ہیں اور اس طرح کوئی الجھن دور نہیں ہوتی بلکہ کئی الجھنوں کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

انسانیت کے سب سے بڑے محسن نے اس عُقدہ لاینحل کا جو حل پیش کیا ہے اس سے بہتر کسی حل کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس نے آثارِ کائنات اور قوانین فطرت کی روشنی میں دنیا کو اس حقیقت سے روشناس کرایا کہ زندگی یہی زندگی نہیں، مرنے کے بعد ایک دوسری زندگی انسان کو ملے گی جو دائمی و ابدی ہوگی، جس عالم میں یہ زندگی بسر کرنا ہوگی اس کے ذرائع و وسائل غیر محدود اور اس کی نعمتیں اور تکلیفیں بے پایاں و غیر فانی ہوں گی۔ اُس عالم کی دوامی اور لامحدود نعمتوں کے مقابلے میں اس دنیا کی چند روزہ اور محدود فائدوں کی وہی حیثیت ہے جو سمندر کے مقابلے میں ایک حقیر بوند کی۔ دنیا کی یہ حقیر نعمتیں پوری جدوجہد اور دوڑ دھوپ کے باوجود اکثر انسانوں کو حاصل نہیں ہو پاتیں۔ اور وہ اس کی تمنا کرتے کرتے ہی دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ لیکن اُس عالم کی لازوال اور عظیم نعمتیں ہر اس انسان کو جو ان کے لیے مناسب کوشش کرے، یقیناً ملیں گی، خواہش اور تمنا کے مطابق ملیں گی، بلکہ انسان کی تمنا سے

کہیں زیادہ ملیں گی اور اتنی اور ایسی ملیں گی کہ انسان کا تصوّر کسی طرح وہاں تک پہنچ ہی نہیں سکتا۔ لیکن یہ سب کچھ صرف ان لوگوں کو ملے گا جو دنیا کے بھوکے ہونے کے بجائے آخرت کی کامیابی کے دلدادہ ہوں۔ جو مادہ پرست ہونے کے بجائے معبودِ حقیقی کی پرستش کے خوگر ہوں، جو ہوس کے بندے ہونے کے بجائے اللہ کے بندے اور اس کے تابع فرمان ہوں، جو اللہ تعالیٰ کی تھوڑی سی خوشنودی کے مقابلے میں دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت کو ہیچ سمجھتے ہوں، جو حق پرستی اور انصاف کے لیے اپنے بڑے سے بڑے فائدے کو قربان کرنے کے لیے آمادہ ہوں جو اپنے ناجائز مفادات کو پورا کرنے کے چکّر میں پھنسے رہنے کے بجائے دوسروں کے حقوق ادا کرنے اور اِنسانیت کی خدمت کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہوں، جو خود تکلیفیں اٹھا اٹھا کر دوسروں کو آرام پہنچانے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہوں۔ ایسے ہی لوگ آخرت میں کامیاب ہوں گے اور دائمی و ابدی نعمتوں کے مالک، لیکن جو لوگ ایسے نہ ہوں جو اپنے مادی فائدوں کی خاطر اللہ کی خوشنودی، آخرت کی کامیابی، انسانیت، امن و انصاف سب کو قربان کر سکتے ہوں اور کر دیتے ہوں اُن کے لیے اُس عالَم میں درد ناک سزائیں ہوں گی، ہولناک تکلیفیں ہوں گی، مصائب و شدائد کا ہجوم ہو گا ایسے ایسے دکھ ہوں گے جن کو انسان کسی طرح برداشت نہ کر سکے گا، وہ چاہے گا کہ اسے موت آ جائے، لیکن موت بھی اس کی دستگیری نہ کرے گی، یہ سزائیں دائمی اور غیر فانی ہوں گی، اُس عذاب کے مقابلے میں دنیا کے سارے عذاب ہیچ ہوں گے۔ انسان کے پاس اس عالَم میں کچھ بھی نہ ہو گا، کوئی اس کا مداوا کرنے والا نہ ہو گا، کسی کی سفارش وہاں کام نہ آئے گی۔ انسان نہ اُس عذاب سے نکل کر بھاگ سکے گا اور نہ دنیا بھر کی ساری دولتیں اور نعمتیں دے کر اس عالم کے ابدی عذاب سے نجات پا سکے گا...... اس عقیدے کو آپ ﷺ نے زندگی بھر مختلف انداز سے ذہنوں میں اتارا اور اپنے ماننے والوں کے رگ و پے میں پیوست کر دیا، نتیجہ کیا ہوا، تاریخ سے معلوم کیجئے، مسلمانوں کے بجائے غیر مسلموں سے دریافت کیجئے۔ سب جانتے اور سب مانتے ہیں کہ جن لوگوں کے ذہن میں یہ عقیدہ اچھی طرح راسخ ہو گیا تھا۔ ان کے ہاتھوں ایک ایسا زریّں دور وجود میں آیا جس سے زیادہ پر سکون اور انصاف پرور دور دنیا نے کبھی نہ دیکھا یہ لوگ قعرِ مذلّت سے اُٹھ کر تختِ حکومت پر جا بیٹھے لیکن نشۂ اقتدار سے بدمست نہ ہوئے یہ کروڑوں اور اربوں انسانوں کی جان و مال کے مالک بنے لیکن

ہمیشہ اپنے آپ کو ان کا خادم سمجھتے رہے، یا فاتے کرتے کرتے قیصر وکسریٰ کی حکومتوں کے وارث ہو گئے۔ مگر دولت پرستی اور ہوسِ اقتدار کا شکار نہ ہوئے، ان کے ہاتھ میں بے شمار دولت آتی اور رعیّت کو ملتی تھی۔ مگر انہوں نے سادہ زندگی گزاری اور وہ قُوتِ لایموت سے زیادہ لینے کے خواہشمند نہ ہوئے وہ مظلومیّت کی زندگی گزارتے اٹھے اور بے پناہ اقتدار کے مالک ہوئے۔ لیکن اس کے باوجود ظالم و جابر نہ ہوئے۔ ان کے بدترین دشمنوں نے گواہیاں دیں کہ وہ دشمن و دوست سب کے ساتھ یکساں انصاف کرتے ہیں، سب کے حقوق کا برابر خیال رکھتے ہیں اور ہر انسان کے، جان و مال کو اپنے جان و مال کی طرح عزیز و قیمتی سمجھتے ہیں...... آج بھی اگر اس دور کو واپس لانا ہے تو آخرت کے عقیدے ہی کو ذہن میں اتارنا ہوگا اور دنیا کے مفادات کے بجائے آخرت کی کامیابی کو اپنا مقصود بنانا ہوگا۔

کامل اور متوازن زندگی

دنیا کی پانچویں مشکل کسی ایسے کامل اور متوازن نظام زندگی کا نہ ہونا ہے جو خیر و صلاح کا سرچشمہ ہو، فلاح و بہبود کا ضامن ہو جس میں انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے لیے متوازن اصول ہوں جس میں تمام انسانی قوتوں اور صلاحیتوں کے ارتقاء اور ہم آہنگی کا سامان ہو جس میں ہر ہر فرد، ہر ہر صنف، ہر ہر قوم اور پوری نوعِ انسانی کے تمام مسائل کا صحیح اور عادلانہ حل ہو جس میں پوری زندگی اور ہر ایک کی پوری رہنمائی کا مکمل انتظام ہو، جو نہ صرف آج کارآمد اور صحیح ہو بلکہ کل حالات کے بدل جانے اور مادی حیثیت سے انسان کے اِرتقا کر جانے کے بعد بھی بدستور موزوں اور صحیح ہو...... ایسا نظامِ زندگی انسان آج تک وضع نہیں کر سکا اور نہ اپنے محدود علم، ناقص عقل، مستقبل کے حالات سے اپنی بے خبری، خواہشات و اغراض اور جذبات کی بندگی کرتے ہوئے وہ ایسا نظام کبھی وضع کر سکتا ہے؟ کچھ ناقص، غیر متوازن، غیر صالح اور قومی و طبقاتی نظام ہیں جو دنیا کو تباہ و برباد کر رہے ہیں۔ جن سے نہ کسی کو امن و سکون میسرّ ہے نہ انسان کی ساری صلاحیتوں کا ارتقاء ہوتا ہے نہ تمام شعبے ہم آہنگی اور توازن کے ساتھ ترقی کر پاتے ہیں اور نہ تمام قوموں اور طبقوں کے لیے ان میں سیاسی معاشی اور معاشرتی حقوق کا تحفظ ہے کسی میں اگر انسان کی انفرادی آزادی محفوظ ہے، تو اس کی معاش خطرے کی نذر ہو چکی ہے اور معاش کے ساتھ ساتھ اخلاق و شرافت بھی، کسی دوسرے نظام میں اگر معاش کا مسئلہ حل کیا گیا ہے تو انسان کی

آزادی ختم کر کے اسے اخلاق اور انسانیت سے محروم کر دیا گیا ہے۔

کسی دوسرے نظام میں اخلاق و روحانیت کا انتظام ہے مگر اس کے پاس سیاسی و معاشی مسائل کا کوئی حل نہیں......صرف یہ ہے بلا استثناء تمام موجودہ نظام ہائے حیات کا حل یعنی اسلام کا عادلانہ نظامِ حیات اور بس!

اسلامی نظام ہی تمام مسائل کا حل ہے

اگر آپ اس مسئلے پر پوری سنجیدگی سے غور کریں تو اسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ ایسا نظام صرف اُسی خالق کی طرف سے مل سکتا ہے جس نے ہم سب کو اور ہماری صلاحیتوں اور قوتوں کو پیدا کیا ہے جس نے انسانی ضرورتیں پیدا کیں ہیں اور ان کے پورا کرنے کا انتظام کیا ہے۔ جو سب پر مہربان ہے اور جو سب کی ضروریات سے اچھی طرح واقف ہے جس کا علم ہر شے کو محیط ہے جس کی نظر ماضی و حال اور مستقبل سب پر یکساں حاوی ہے اور جو ظلم و جور سے اور خواہشات و جذبات سے پاک ہے، جس اللہ نے انسان کی معمولی معمولی ضرورتوں کے پورا کرنے کے لیے وسیع انتظامات کئے ہیں کیا اس نے اس کی سب سے بڑی ضرورت کے پورا کرنے کا انتظام نہ کیا ہوگا، جس کا بندوبست کرنے سے انسان بطور خود عاجز ہے؟ آپ کی عقل کہے گی کہ ضرور کیا ہوگا اور مذاہبِ عالم اور انسانی تاریخ گواہی دیتے ہیں کہ اس نے ایسا بندوبست کیا ہے۔

انسانیت کے سب سے بڑے، رہنما ﷺ نے ہمیں بتایا کہ اللہ ہی انسان کی اس ضرورت کو پورا کر سکتا ہے اور اسی نے اس ضرورت کو پورا بھی کیا ہے۔ اس نے ہر مخلوق کی رہنمائی فرمائی ہے اور اس کو مختلف انداز سے یہ بتا دیا ہے کہ وہ اپنی زندگی کس نہج پر گزارے، اس نے پہلے انسان کو زمین پر بھیجتے ہی یہ واضح کر دیا تھا کہ انسان دنیا میں اپنی زندگی کیسے گزارے؟ پھر جب انسان اس حقیقت کو بھول گیا۔ اور گمراہی اور ناکامی کا شکار ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے یاددہانی کے لیے اپنے نبی و رسول بھیجے اور کتابیں نازل کیں تاکہ لوگوں کو وہ طریقہ معلوم ہو جس پر چل کر وہ اپنی زندگی کو کامیاب بنا سکتے ہیں۔ اللہ کے یہ بندے ہر ملک و قوم میں آئے، مختلف زمانوں میں آئے اور لوگوں نے جب اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایات کو بھلا دیا، یا اُس میں گڑ بڑ کر دی تو اُس کو از سرِ نو پیش کرنے یا اس کو ٹھیک کرنے آئے۔ یہ سلسلہ یوں ہی

چلتا رہا اور اللہ کی طرف سے ہدایت اسی طرح آتی رہی، یہ ہدایت اپنے اساسات، اپنے اصول اور اپنے بنیادی احکام کے لحاظ سے ہمیشہ ایک ہی رہی۔ البتہ حالات کے اختلاف اور مختلف ضروریات و مزاج واطوار کے مطابق اُس نظامِ زندگی کی تفصیلات میں تھوڑا بہت فرق رہا جو مختلف قوموں کو دیا جاتا رہا، قوموں نے جب کبھی اس نظامِ زندگی کو اپنایا وہ کامیاب وکامران رہیں اور ترقی وعروج کی منزلیں طے کرتی چلی گئیں اور جب انہوں نے اس سے انحراف کیا۔ تو سارے مادی شان وشکوہ کے باوجود آخر کار وہ ناکام وذلیل ہوئیں اور دنیا سے ان کا وجود مٹا دیا گیا، یا باعزت وذی اقتدار قوم کی حیثیت سے باقی نہ رہیں۔

انسانیت کے عظیم رہنما ﷺ نے بتایا کہ وہ کوئی نیا مشن لے کر نہیں آئے ہیں اور نہ اُن کے پاس کوئی نیا پیغام ہے۔ وہ انبیاء علیہم السلام کے زریں سلسلے کی جو ابتدائے آفرینش سے چل رہا تھا، آخری کڑی ہیں، وہ اُسی حیات بخش پیام کو پھر لوگوں تک پہنچانے آئے ہیں۔ جسے اُن سے پہلے بے شمار انبیاء کرام علیہم السلام لوگوں کے پاس لاتے رہے ہیں اور جسے انسان نے اپنی بدبختی سے بار بار بھلا دیا ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ اللہ کے بھیجے ہوئے نظامِ زندگی میں لوگوں نے جو تحریفات کر دی ہیں میں اس نظام کو ان تحریفات سے پاک کر کے تمہارے سامنے رکھ رہا ہوں تا کہ تم پورے اطمینان کے ساتھ اللہ کی بندگی کر سکو، اور اپنی زندگی سنوار سکو، انہوں نے یہ بھی بتایا کہ اب تک جو نظام ہائے زندگی اللہ کی طرف سے آئے تھے وہ وقتی اور قومی تھے دائمی اور عالمگیر نہ تھے اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ایک ہی قوم کو مخاطب کیا اور کچھ عرصے کے بعد اُن نظاموں میں مختلف اسباب کے ماتحت کچھ تحریفات ہوتی رہی ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی اصلاح فرماتا رہا یا کچھ دوسرے بہتر قوانین بھیجتا رہا، لیکن اب جو نظامِ زندگی میں اللہ کی طرف سے لایا ہوں یہ دنیا کے تمام انسانوں کے لیے قیامت تک کے لیے ہے اور اس سے ہمیشہ ہمیشہ انسانوں کو صحیح رہنمائی مل سکے گی۔ اس طرح یہ نظامِ زندگی عالمگیر و بین الاقوامی ہونے کے ساتھ ساتھ مکمل بھی ہے اور چونکہ قیامت تک اس سے رہنمائی حاصل کی جانی ہے اس لیے یہ قیامت تک محفوظ رہے گا اور اس میں کسی طرح تحریف نہ ہو سکے گی۔ کسی انسان کی دیانت وصداقت کو معلوم کرنے کے لیے جن سخت سے سخت شرائط سے کسی کی سیرت کو پرکھا جا سکتا ہے ان سے اگر آپ محمد عربی ﷺ کی

سیرت کو جانچیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ اس شخص نے اپنی پوری زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں بولا، نہ مزاح میں نہ دشوار سے دشوار تر حالات میں، اس شخص کی زندگی سرتاپا صداقت تھی۔ پھر اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لیے انہوں نے جو دلائل دیے۔ اگر آپ ان پر غور فرمائیں تو آپ کا دل اندر سے خود گواہی دے گا کہ واقعی آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ پچھلے صحیفوں کی پیش گوئیاں اگر آپ اٹھا کر دیکھیں گے تو وہ آپ پر ٹھیک ٹھیک اتریں گے۔ مذاہب کی جو تاریخ آپ ﷺ نے بیان کی ہے، خود مذہبی کتابیں اس کی گواہی دیتی ہیں اور اس سے بہتر مذاہب کی کوئی توجیہ نہیں ہو سکتی۔ قرآن کے محفوظ رہنے کے متعلق جو پیش گوئی کی تھی وہ بالکل صحیح ثابت ہوئی اور عربوں کے کم تعلیم یافتہ اور اُمّی ہونے کے باوجود قرآن مِن وعَن ویسا ہی موجود ہے جیسا کہ دورِ رسالت میں تھا اور اس کے شواہد اتنے محکم ہیں کہ خود غیر مسلموں کو اس کا اعتراف ہے اس کے برعکس تعلیم یافتہ اور مہذب قوموں نے اپنی کتابوں کو ضائع و محرّف کر دیا۔ اور آج قرآن ہی وہ واحد اللہ کی کتاب ہے جو مستند ہے اور ہر طرح کی تحریفات سے محفوظ...... جو نظامِ زندگی آپ ﷺ نے پیش فرمایا عقلِ انسانی اس سے بہتر، اس سے جامع اور اس سے مکمل نظام نہ سوچ سکی۔ اس نظام کی تفصیلات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سب انسانوں کے لیے مفید اور موزوں ہے اور اس میں تمام انسانوں کی زندگی کے تمام شعبوں کا صحیح اور کامل ارتقا ہے، پھر یہ نظام وقتی بھی نہیں ہے۔ اگرچہ یہ آج سے چودہ سو سال پہلے پیش کیا گیا تھا اور آج کے بہت سے مسائل اس وقت تک نہ پیدا ہوئے تھے اور نہ کسی کے ذہن میں ان کا خیال و گمان تک تھا مگر ہم دیکھتے ہیں کہ موجودہ دور کے وہ تمام مسائل جنہیں سلجھانے سے انسانی عقول عاجز ہیں اسلام کی تعلیم میں اُن کا بہترین حل موجود ہے اور ہم پورے عقلی اطمینان کے ساتھ اپنے آپ کو اس یقین پر مجبور پاتے ہیں کہ اگر آج اسے پورے کا پورا اختیار کر لیا جائے تو وہ ان مسائل کا بہترین حل ہے۔ پھر ایسا بھی نہیں کہ یہ نظام کوئی فلسفیانہ اور غیر عملی نظام ہو، یہ خود اُسی رہنمائے انسانیت ﷺ کے ہاتھوں عملاً قائم ہو چکا ہے اور اس کے بعد اُس کے جانشینوں نے اسے چلا کر اس کے ہر ہر پہلو کو بالکل اُجاگر کر دیا ہے۔ تاریخ میں اُس دور کی مکمل تاریخ اور معاصرین کے تاثرات کا ریکارڈ موجود ہے جسے دیکھ کر ہر دوست و دشمن اُسے انسانیت کا بہترین دور کہنے پر مجبور ہے...... ظاہر ہے کہ اس سے بہتر اس مشکل کا کوئی حل نہیں ہو

سکتا۔ اللہ کا نظام ہمارے پاس محفوظ، مستند اور یقینی شکل میں موجود ہے جو عملی بھی ہے اور تجربہ شدہ بھی اور انسانیت کے سارے مسائل کا حل بھی۔

غلط نظام اور پریشانیاں

دنیائے انسانیت کو غلط نظاموں سے جو نقصانات پہنچتے ہیں ان کی طرف اوپر اشارہ ہو چکا ہے اور درحقیقت یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے آج کا کوئی انسان بے خبر ہو ہم سب ہی ان تلخ نتائج سے دو چار ہیں جو ان نظاموں کے پیدا کردہ ہیں۔ انقلاب انقلاب کی ہمہ گیر آوازیں انہیں تلخیوں کی بازگشت ہیں لیکن سچ پوچھئے تو ان پریشانیوں اور مصیبتوں کے پیدا کرنے میں جہاں ان نظام ہائے حیات کو دخل ہے۔ وہاں ان افراد کا بھی ہاتھ ہے جو ان نظاموں کو بددیانتی اور بے ایمانی کے ساتھ چلاتے ہیں، ہر غلط نظام میں برائیوں کے ساتھ کچھ اچھائیوں کا پرورش پانا بھی ضرور ہے مگر ہوتا یہ ہے کہ جن ہاتھوں میں زمام کار ہوتی ہے وہ بددیانت اور خود غرض ہوتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان ان چند خوبیوں سے بھی بہرہ یاب نہیں ہو پاتے جو ان نظاموں میں پائی جاتی ہیں۔ سارے اچھے اور مفید نتائج برسر اقتدار طبقے کے حصے میں آتے ہیں اور عوام کی قسمت میں صرف تلخیاں اور پریشانیاں رہ جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ مختلف نظام ہائے حیات سے جو توقعات لگائے ہوتے ہیں وہ ان کے قائم ہونے کے بعد پوری نہیں ہوتیں اور انقلاب در انقلاب کا ایک لامتناہی سلسلہ چلتا رہتا ہے۔

یہ بڑی اندوہناک صورتِ حال ہے لیکن کوئی اتفاقی بات نہیں۔ اس کا اصل سبب یہ ہے کہ دنیا کے تمام انسانی نظام انقلاب برپا کرنے اور اقتدار پر قبضہ کرنے کی فکر میں تو رہتے ہیں لیکن اس بات کی فکر بالکل نہیں کرتے کہ اپنے علمبرداروں کو دیانت دار اور مخلص بنائیں۔۔ وہ اس بگڑی ہوئی دنیا کی اصلاح کے لیے اس دنیا کے ان بگڑے ہوئے انسانوں کو اپنے ساتھ لے لیتے ہیں جو کسی نہ کسی طرح سیاسی اقتدار حاصل کرنے کا ذریعہ بن سکتے ہوں۔ اور چونکہ یہ جمہوری انقلاب کا زمانہ ہے اس لیے زیادہ سے زیادہ بھیڑ اکٹھی کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس جدوجہد میں کامیاب ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ انسان اخلاق و دیانت کی بات نہ کرے کیونکہ لوگ اس ''وعظ'' کو سن کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ اس ''اخلاق باختہ'' بھیڑ کو مادی مفادات کا لالچ دے دے کر خود غرض، لالچی اور ضمیر فروش بنایا جاتا ہے

اور پھر انقلاب برپا کرنے کے لیے اسے تمام جائز و ناجائز طریقوں کا عادی بنایا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب ایسے لوگوں کے ہاتھ میں زمام کار آئے گی تو وہ خودغرض اور لالچی کیوں نہ ثابت ہوں گے اور مقصد براری کے لیے ناجائز ذرائع استعمال کرنے میں کیوں دریغ کریں گے جبکہ انہیں اللہ کے آگے جواب دہی کا خوف نہیں ہوتا اور آخرت کی کامیابی ان کے سامنے نہیں ہوتی۔ اس طرح یہ لوگ پہلے ہی سے کافی بگڑے ہوئے ہیں اور اقتدار و دولت کا نشہ انہیں اور بھی بگاڑ کر رکھ دیتا ہے۔

یہ انسانیت کی چھوٹی بڑی گتھی ہے اور افسوس یہ ہے کہ اس کے حل کی طرف کسی کی توجہ نہیں۔ اس گتھی کا صرف ایک ہی حل ہے اور وہ یہ ہے کہ لوگوں کے ہاتھ میں اقتدار کی کنجی دینے سے پہلے انہیں اتنا بااخلاق بنا دیا جائے کہ وہ اس سے غلط فائدہ اٹھانے کی خواہش نہ کرسکیں۔ نیز ماحول ایسا بنا دیا جائے کہ اس میں اخلاق و دیانت داری ہی کا چلن ہو، تاکہ بددیانت اور بداخلاق لوگ برسرِ اقتدار نہ آنے پائیں، اور برسراقتدار لوگ بددیانت ہوکر اقتدار کی کرسی پر قابض نہ رہنے پائیں۔

سراپا خیر و برکت

انسانیت کے اس سب سے بڑے رہنما ﷺ نے جہاں انسانیت کو ایک ایسا نظام دیا جو سراسر خیر و برکت کا سرچشمہ ہے۔ وہاں اس نے اس نظام کو قائم کرنے اور چلانے والے افراد کی تعمیرِ سیرت کا بہترین انتظام کیا۔ آیئے اس تربیتی پروگرام پر بھی ایک نظر ڈالتے چلیں۔

آپ ﷺ نے سب سے پہلے لوگوں میں اللہ پر ایمان و یقین پیدا کرنے کی کوشش کی اور انہیں لوگوں کو اپنے ساتھ لیا جو اللہ کے وجود اور اس کی صفات پر پورا یقین رکھتے تھے اور اللہ کی مکمل بندگی کو اپنا مقصود اور اس کی رضا کو اپنی زندگی کا حاصلِ یقین جانتے تھے۔ اللہ کی بندگی اور اس کی رضا کو مقصود بنانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ نظامِ اسلامی کے بہترین مخلص اور بے مثال پیرو بن جاتے تھے اور کسی قیمت پر اس سے خیانت کرنے پر آمادہ نہ ہوتے تھے۔ اللہ کے وجود اور اس کی صفات پر ایمان رکھنے کا اثر زندگی پر یہ پڑا کہ وہ ہر وقت اپنے آپ کو ایک ایسے مقتدر اعلیٰ کے سامنے جواب دہ محسوس کرتے تھے جو ہر دم ان کی نگرانی کر رہا ہے، جو ہر جگہ حاضر و ناظر ہے جس سے وہ اپنا کوئی فعل نہیں چھپا سکتے، جو دل کے ارادوں اور نیتوں تک سے بخوبی واقف ہے، جس کے قبضۂ قدرت سے نکل کر وہ کہیں نہیں جاسکتے،

جس کی پولیس ہر جگہ انسان کو گھیرے ہوئے ہے اور جس کی سی آئی ڈی ہر وقت انسان کا ریکارڈ مرتب کرنے میں مشغول ہے، جس کی رحمتیں بے پایاں ہیں اور انہیں پر انسان کی زندگی اور اس کے تمام معاملات کا انحصار ہے۔ اس کا عذاب بے پناہ ہے اور وہ کسی وقت بھی نافرمان اور ظالم بندوں پر آسکتا ہے اور انہیں تباہ و برباد کرسکتا ہے۔ اس یقین کا جو کچھ اثر انسانی زندگی پر پڑے گا اس کا اندازہ بآسانی کیا جاسکتا ہے۔

فکر آخرت کا تربیتی پہلو

اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے آخرت کے یقین کو پیدا کرنے اور اس دنیا کی کامیابی کو مقصود بنانے کی کوشش کی۔ اس غرض کے لیے آپ ﷺ نے وہ دلائل و براہین پیش کیے جو انسان کے دل میں آخرت کا یقین پیدا کرسکیں، پھر آپ ﷺ نے دنیا اور آخرت کی نعمتوں کا مقابلہ کرکے بار بار اس حقیقت کو اچھی طرح واضح کیا کہ دنیا کی نعمتیں چند روزہ ہیں، معمولی ہیں، ناپائیدار ہیں اور پھر بھی بہت کم انسانوں کو ملتی ہیں، اس کے مقابلے میں آپ ﷺ نے بتایا کہ آخرت کی نعمتیں دائمی ہیں، پائیدار ہیں، عظیم الشان ہیں اور ہر اس انسان کو ملیں گی جو ان کے لیے ایمانداری و اخلاق کی راہ اختیار کرے اور اسی طرح آپ ﷺ نے دونوں دنیاؤں کے تکالیف و مصائب کا موازنہ کیا، پھر آپ ﷺ نے ہر ہر قدم پر اپنے ساتھیوں کی تربیت کی کہ وہ ہر کام صرف اللہ کی رضا اور آخرت کی کامیابی کے لیے کریں اور دنیوی مفادات کو مقصود نہ بنائیں، اس کے لیے آپ ﷺ نے دنیا کی طرف سے بے رغبتی پیدا کی۔ اللہ کی راہ میں دولت خرچ کرنے، ضرورت پڑنے پر عیش و آرام کو تج دینے، گھر بار چھوڑ دینے، اپنے معاشی ذرائع و وسائل کو تباہ کرلینے اور بالآخر جان تک دے دینے کا حکم دیا اور اس کی عملی تربیت کرائی۔ پھر ان سب قربانیوں کے سلسلے میں دنیا کے دوسرے نظاموں کے برخلاف قدم قدم پر یہ حقیقت واضح کی کہ اگر تم یہ سب کچھ دنیوی فوائد یا اقتدار کے حصول کے لیے کرو گے تو یہ سب رائیگاں جائے گا اور اس کے لیے اللہ کے یہاں جواب دہ ہو گے۔ تمہیں یہ سب کام صرف اللہ کو خوش کرنے کے لیے اور آخرت کو کامیاب بنانے کے لیے کرنا چاہیے۔

اللہ کا قرب کیسے؟

آپ ﷺ نے اس کے ساتھ یہ بھی واضح کیا کہ اللہ کی صرف قانونی بندگی سے کام نہ چلے گا، اللہ کا تقرب ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور اس کی محبت کے مقابلے میں دنیا کی ہر ایک محبت کو قربان کر دیتے ہیں۔ جو صرف وہی اعمال بجا نہیں لاتے جن کا اللہ نے حکم دیا ہے، بلکہ بہت سے وہ کام بھی کرتے ہیں جنہیں اللہ نے قانوناً ضروری تو نہیں ٹھہرایا ہے لیکن جن سے وہ خوش ہوتا ہے (مثلاً فرائض کے علاوہ نوافل) جو ہر کام پورے جذبۂ خلوص و اطاعت کے ساتھ کرتے ہیں اور اچھے سے اچھے طریقے پر کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ساتھ ہی اللہ کی ان صفاتِ رحم و کرم کو بھی واضح فرمایا جن کو جاننے سے انسان کے دل میں اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ بھی بتایا کہ جو اللہ سے محبت کرتے ہیں اللہ ان سے محبت کرتا ہے۔ اس طرح آپ ﷺ نے لوگوں میں اللہ کی گہری محبت اور اس کی مخلص فرمانبرداری پیدا کی۔ موجودہ نظام اپنی پابندی قانون کے زور سے کرانا چاہتے ہیں جس کا دائرہ بہت محدود ہوتا ہے اور جس کو توڑنے کے لیے انسان سو بہانے کرتا رہتا ہے، برسرِ اقتدار طبقے کے لیے یہ روک بھی نہیں ہوتی، اس لیے وہ خوب کھل کر کھیلتا ہے۔

اسلامی نظام کی خصوصیات

اسلامی نظام کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ انسانوں کے دلوں میں اپنے مقتدر اعلیٰ کے خوف کے ساتھ ساتھ اس کی گہری اور والہانہ محبت پیدا کرتا ہے اور ان سے رضا کارانہ اور وفادارانہ اپنی اطاعت کراتا ہے اور اس محبت و وفاداری کے جذبے سے وہ لوگ بھی خالی نہیں ہوتے جن کے ہاتھ میں زمام کار ہوتی ہے۔

ایمان پر یقین کیسے برقرار رہتا ہے؟

آپ ﷺ نے اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کیا کہ انسان یقین رکھنے اور فیصلہ کرنے کے باوجود جو غلطیاں کرتا ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ دنیا کے دوسرے علائق اس پر چھا جاتے ہیں اور تھوڑی دیر کے لیے ان حقائق کو بھول جاتا ہے جو اس کے دل میں گھر کئے ہوتے تھے۔ یہ کیفیت ہر انسان پر طاری ہوسکتی ہے اور ہوتی ہے اور اگر اس کیفیت کو دور نہ کیا جائے تو بالآخر انسان اپنا سرمایۂ ایمان و یقین کھو

بیٹھتا ہے۔آپ ﷺ نے انسان کی اس کمزوری کو دور کرنے کے لیے اور اس کو اللہ کی عظمت یاد دلانے، اس کی بندگی پر اکسانے اور اس کی محبت و وفاداری کے بڑھانے کے لیے ذکر الٰہی کو مسلمان کی زندگی میں اس طرح سمو دیا کہ وہ اللہ کو کسی طرح بھول نہ سکے۔ اسے قرآن کی تلاوت کا حکم دیا جو ہدایت کا سرچشمہ ہونے کے علاوہ اللہ کو یاد دلانے اور اس کی محبت پیدا کرنے اور آخرت کی کامیابی کی خوش خبری سنانے اور اللہ کے عذاب سے ڈرانے کا بہترین ذریعہ ہے۔آپ ﷺ نے دن رات میں ہر چند گھنٹے کے بعد نمازیں ادا کرنا دین کی بنیاد اور مومن کی سب سے پہلی اور اہم نشانی قرار دیا۔ یہ نماز کیا ہے، اللہ کی یاد، مسلسل یاد، اس کی بندگی کا عہد، اس کے سامنے انتہائی عاجزی وعبودیت کا اظہار، اس کی صفات کا ورد، اس سے قریبی تعلق پیدا کرنے کا بہترین طریقہ، نماز کے علاوہ آپ ﷺ نے مومن کی یہ صفت بتائی کہ وہ ہر وقت اللہ کو یاد رکھتا اور یاد کرتا ہے، اس غرض کے لیے آپ ﷺ نے ہر کام کے کرنے سے پہلے اور کرنے کے بعد کچھ دعائیں مانگنے اور کچھ اذکار کو ورد میں رکھنے کی تلقین فرمائی، جن میں سے ہر ایک غفلت کو دور کرنے، انسان کو اس کی حیثیت سے باخبر رکھنے اور اللہ کی محبت وعظمت پیدا کرنے کے لیے اکسیر ہے، نماز کے علاوہ آپ ﷺ نے مسلسل ایک ماہ کے روزے رکھنے کا حکم فرمایا، یہ روزے ایک طرف اخلاقی انضباط پیدا کرنے کا بے مثل نسخہ ہیں، دوسری طرف ہمہ وقتی ذکر کا بہترین پروگرام ہیں۔ مزید برآں استطاعت رکھنے والوں پر حج بیت اللہ فرض قرار پایا جو محبت الٰہی میں انسان کو سرشار کر دینے اور دین سے وفاداری کا والہ وفریفتہ بنا دینے والی عبادت ہے۔

عملی تعلیم

آپ ﷺ نے اخلاقیات کی بہترین تعلیم علمی اور عملی حیثیت سے لوگوں کے سامنے پیش کی۔ لوگوں کے حقوق کی ادائیگی اور انصاف اور حسنِ سلوک کو دین میں بنیادی اہمیت دی اور اربابِ اقتدار کی ذمے داریوں کو خصوصیت سے بہت واضح الفاظ میں بیان فرمایا۔ آپ نے کھلے الفاظ میں بتا دیا کہ اسلام میں قیادت، مخلوق کی خدمت اور شبانہ روز محنت وتندہی کا نام ہے۔عیش وآرام اور نفع اندوزی کا نام نہیں۔ آپ ﷺ نے طرح طرح سے عوام وخواص میں یہ ذہنیت پیدا کرنے کی کوشش کی کہ وہ دولت واقتدار کو بڑائی کا ہم معنی قرار نہ دیں۔اس کے برخلاف رسول ﷺ نے وضاحت سے فرمایا کہ

بڑائی اللہ کی بندگی اور اس کے قانون کی پیروی میں ہے اور جو اس لحاظ سے بڑا ہے وہی قیادت و سرداری کا مستحق ہے۔ آپ ﷺ نے بتایا کہ مومن کی رائے بھی اللہ کی امانت ہے اور اس کا مستحق وہی شخص ہے جو خادمِ خلق اور رحمدل ہو اور واقعتاً اس منصب کا اہل جس کے لیے رائے دی جارہی ہے، آپ ﷺ نے اس شخص کو منتخب کرنے سے بالکل روک دیا جو خود کسی عہدے کا طالب ہو اور اپنے آپ کو امیدوار کی حیثیت سے پیش کررہا ہو۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

اس کے علاوہ آپ ﷺ نے اپنے ماننے والوں پر ایمان وعمل کے بعد سب سے بڑا یہ فرض عائد کیا کہ وہ نیکی کا حکم دینے، بُرائی سے روکنے اور حق کی طرف دعوت دینے کو اپنی زندگی کا مشن بنائیں اور جب تک دنیا میں کہیں بھی کوئی برائی موجود ہو وہ اپنے اس کام میں پورے انہماک کے ساتھ مشغول رہیں، اس فریضے کو بجالانے میں انہیں نہ تو سستی کرنا چاہیے، نہ محبت وقرابت کا کوئی لحاظ کرنا چاہیے، نہ کسی بڑے سے بڑے لالچ یا بڑے سے بڑے خوف کی بنا پر اسے ترک کرنا چاہیے، سوسائٹی میں جہاں کہیں بُرائی سر نکالے ہر مومن کا فرض ہے کہ اسے بڑھ کر وہیں دبادے۔ اسلامی نظامِ حکومت کا مقصدِ وجود ہی یہ ہے کہ وہ اس فریضے کو ادا کرے اور دنیا میں نیکی، انسانیت، حق پرستی اور اللہ کی بندگی غالب و عام کردے، لیکن اگر اربابِ اقتدار اس مقصد کو پورا نہ کریں اور خلافِ اسلام مقاصد میں منہمک ہوجائیں تو ہر مومن کا حق ہے کہ ان پر تنقید کرے اور اس کا فرض ہے کہ اس کو اس غلط روش سے روکے اور راہِ راست پر لائے اور ان کے ناجائز احکام کی تو ہرگز اطاعت نہ کرے، لیکن اگر وہ اپنی غلطیوں سے باز نہ آئیں اور کھلم کھلا خلافِ اسلام روش اختیار کرلیں تو اہل ایمان کا فرض ہے کہ وہ انہیں اقتدار کی گدی سے اُتار پھینکیں اور صالح قیادت کو برسرِ کار لائیں۔ ان احکام کی پابندی اور اس ماحول کی موجودگی میں اربابِ اقتدار کی بددیانتی کا خطرہ پیدا نہیں ہوسکتا اور اگر کسی خامی یا غلطی کی بنا پر پیدا ہوجائے تو اس قدر شدت اختیار نہیں کرسکتا جتنا اس دور میں ہے، پھر اس کا تدارک آسانی کے ساتھ ہوسکتا ہے۔

دورِ حاضر میں کمی کس بات کی ہے؟

اس دور کی ایک بہت بڑی مصیبت یہ ہے کہ نیکی و اخلاق اور فلاحِ انسانیت کے دعوے کرنے والے، ان موضوعات پر تحقیقی مقالے لکھنے والے، دنیا کو اس کا درس دینے والے، ان چیزوں کو بنیاد بنا کر تنظیمیں کرنے والے تو کم نہیں ہیں مگر ان لوگوں کی کمی ہی نہیں، قحط ہے جو واقعی نیکی و اخلاق کا نمونہ اور انسانیت و خیر خواہی کا پیکر ہوں۔ اس کے برخلاف ایسے لوگوں کی کوئی کمی نہیں ہے اور وہ پوری دنیا میں حشرات الارض کی طرح بکثرت موجود ہیں جن کی زندگی سراسر بدی سے معمور ہے، جو بدی کے پرجوش داعی و مبلغ ہیں اور جو بدی کو دنیا میں پھیلانے کے لیے ہر قسم کی تدبیریں اور کوششیں کررہے ہیں۔ حکومتیں اور برسرِ اقتدار طبقے اس ''مقدس مہم'' میں آگے آگے ہیں اور عوام ان کے پیچھے۔ بدی کے اس عالمگیر سیلاب میں ہیں کوئی نیکی کیسے اختیار کرے اور کون سا نمونہ سامنے رکھے؟ یہی وجہ ہے کہ بدی کی راہ اختیار کرنا عام شیوہ ہو چکا ہے اور نیکی کی راہ سنسان پڑی ہے۔

بے خبر تیار کردہ اسکیم

پھر مشکل صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ نیکی کا کوئی نمونہ سامنے نہیں ہے بلکہ جو اسکیم بھی سامنے آتی ہے اس کا سب سے زیادہ ناقص پہلو یہی ہوتا کہ وہ محض دماغی سکیم ہوتی ہے۔ جو ایک شخص یا چند اشخاص مرتب کرتے ہیں، ان کے سامنے اس اسکیم کے تمام روشن و تاریک پہلو نہیں ہوتے اور چند روشن پہلوؤں کو سامنے رکھ کر یہ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ یہ اسکیم لوگوں کے لیے مفید ہوگی اور انہیں پہلوؤں کا وہ لوگوں میں پروپیگنڈا کرتے ہیں لیکن جب لوگ اس اسکیم کو اپناتے ہیں تو اچانک اس کے تاریک پہلو سامنے آتے ہیں اور جن پہلوؤں کو روشن خیال کیا گیا تھا بسا اوقات وہ بھی اپنے پیچھے تلخ نتائج رکھتے ہوتے ہیں۔ لوگ یہ حالت دیکھ کر گھبرا اٹھتے ہیں اور پھر یا تو ترمیموں کے ذریعے کچھ دنوں اس اسکیم کو اور گھسیٹ کر لے چلتے ہیں یا اس کے خلاف انقلابی جدوجہد شروع کر دیتے ہیں۔ یہ صورت حال ہر اسکیم اور ہر تحریک کے سلسلے میں پیش آتی ہے۔

محسن انسانیت کا احسان عظیم

انسانیت کے اس سب سے بڑے رہبر ﷺ کا بہت بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے جہاں ایک

ایسا نظام دنیا کو دیا جس کی بنیاد نیکی، خوف الٰہی پر تھی اور جو سراپا خیر و برکت کا سرچشمہ تھا۔ وہاں انہوں نے اس کے ایک ایک جزو پر سب سے پہلے خود عمل کیا اور اس طرح عمل کا جذبہ رکھنے والوں کے سامنے اس کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کر دیا اور ان پر واضح کر دیا کہ اس نظام کو انفرادی طور پر اختیار کرنے سے انسان دنیا کے لیے کس قدر خیر و برکت کا باعث اور فلاح و بہبود کا ذریعہ بنتا ہے۔ اجتماعی اثرات واضح کرنے کے لیے آپ ﷺ نے ان کو گزشتہ قوموں کے حالات کا حوالہ دیا جن کی تاریخ لوگوں کے سامنے تھی اور جو اس نظام کو اختیار کرنے سے ترقی و کامرانی کی منزل تک پہنچے تھے اور جو اس سے انحراف کرنے کے باعث تباہی و بربادی کا شکار ہو گئے تھے کیونکہ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا۔ اسلامی نظام ہی ایک ایسا نظام ہے جو تفصیلات کے تھوڑے بہت اختلاف کے ساتھ ابتدائے آفرینش ہی سے دنیا میں موجود رہا ہے اور قوموں نے اس سے فوائد و برکات حاصل کئے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے یہ بتایا کہ یہ اس اللہ کا بھیجا ہوا نظامِ زندگی ہے۔ جو علیم و خبیر ہے اور جس نے اپنے علم و آگہی کی بنا پر یہ نظام تمہارے لیے بھیجا ہے۔ اس لیے نہ تو یہ غیر عملی ہو سکتا ہے نہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس کے روشن پہلو تاریک ثابت ہوں، یا کچھ تاریک پہلو سامنے آ جائیں جو اس کے روشن پہلوؤں کو تاریک کر کے رکھ دیں۔ جن لوگوں نے اس اعتماد پر اس نظام کو قبول کیا اور اپنی زندگی کو اس کا عملی نمونہ بنایا آپ ﷺ نے انہیں منظّم کیا اور اس جماعت کا مقصد ہی یہ قرار دیا کہ وہ اپنی زندگی اقامتِ دین، امر بالمعروف نہی عن المنکر، اور دعوت الی الحق میں لگا دیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کی زندگی ہی میں اس جماعت کی اجتماعی جدوجہد کے نتیجے کے طور پر وہ نظامِ حق عملاً قائم ہو گیا جو آپ ﷺ لے کر آئے تھے اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے خلفا نے اس کو عمدگی کے ساتھ چلا کر اور دنیا پر اسے غالب و با اقتدار کر کے دکھا دیا کہ اس سے جو توقعات لگائی گئی تھیں نہ صرف یہ کہ وہ پوری ہو گئیں بلکہ بہت سے ایسے روشن پہلو سامنے آ گئے جن کا لوگ تصور تک نہ کر سکتے تھے۔

حاصل کلام

آج یہ ساری تفصیات ہمارے سامنے موجود ہیں جنہیں دیکھ لینے کے بعد کسی شخص کو دوسرے نظاموں کی طرح اس نظام کے بارے میں یہ بدگمانی نہیں ہو سکتی کہ یہ غیر عملی ہے یا مہلک و مضر ہے۔

پھر ان تفصیلات میں ہمارے لیے کام کی راہیں بھی آسان کردی ہیں، ان سے ہم جان گئے ہیں کہ اس نظام پر کس طرح عمل کریں اور کن کن مراحل میں کون کون سی راہ اختیار کریں۔ یہ کہ ایسی نعمت ہے جو صرف سیرت رسول ﷺ اور سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم ہی سے مل سکتی ہے۔ لیکن ان سب آسانیوں کے باوجود یہ ایک واقعہ ہے کہ یہ ایک عملی نمونہ اب کتابی نمونہ بن چکا ہے اور مخالفین اور بدگمان لوگوں کے لیے یہ کہنے کی بڑی گنجائش پیدا ہوگئی ہے کہ یہ تو پچھلے زمانے کی باتیں اور کتابوں کی روایات ہیں اس لیے اس دور میں سیرتِ رسول ﷺ کا سب سے بڑا تقاضا یہ ہے کہ اس کو اپنا رہنما ماننے والے اپنی پوری زندگی کو اس نمونے کے مطابق ڈھالیں۔ اسی طرح پھر شہادت حق و اور اقامتِ دین کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور اس کے لیے انفرادی و اجتماعی جدوجہد شروع کردیں یہاں تک کہ نظامِ حق کو سیاسی طور پر دنیا میں قائم و غالب کرکے چھوڑیں۔ اسی وقت دنیا کو یہ یقین ہوگا کہ سیرت رسول ﷺ دنیا کے لیے خیر و برکت کا سرچشمہ ہے۔ اور اس کا عملی نمونہ بھی ان کے سامنے آجائے گا اور درحقیقت عام انسان اسی وقت آپ ﷺ کی سیرت سے فائدہ اٹھاسکیں گے ورنہ مشکلات کا واحد حل کتابوں کی زینت بن کر رہ جائے گا اور دنیا اسی طرح ہلاکت و بربادی کی طرف بڑھتی رہے گی جس طرح بڑی رہی ہے۔

دشت میں، دامنِ کہسار میں، میدان میں ہے
بحر میں، موج کی آغوش میں، طوفان میں ہے
چین کے شہر، مراقش کے بیابان میں ہے
اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے
چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شانِ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَک دیکھے

سید حامد علی

رسول اللہ ﷺ بحیثیت داعی الی الحق

مادی و روحانی ضرورتیں

انسان بنیادی طور پر دو ایسی ضروریات کا محتاج ہے جس سے وہ ایک لمحہ کے لیے بھی صرفِ نظر نہیں کرسکتا۔ ایک طرف اسے ان اشیاء و وسائل کی ضرورت درپیش ہے جو اس کی مادی اِحتیاجات کو پورا کریں، جن کے ذریعہ وہ اپنے جسم اور روح کے رشتے کو قائم و استوار کرے اور بقائے حیات کے مادی تقاضوں کو پورا کرے۔ دوسری طرف وہ اُس ہدایت اور رہنمائی کا محتاج ہے جس کی روشنی میں وہ اپنی اخلاقی، اجتماعی اور تمدنی زندگی کی تشکیل صحت مند بنیادوں پر کر سکے اور اس طرح انسانیت کے حقیقی مقاصد کی بوجہِ احسن تکمیل کر سکے۔

اللہ تعالیٰ کی ربوبیّتِ عامہ کا تقاضا ہے کہ وہ انسان کی ان دونوں ضرورتوں کو پورا کرے۔ پہلی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اس نے زمین و آسمان میں وسائل معیشت کا ایک ختم نہ ہونے والا خزانہ ودیعت کر دیا ہے اور انسان ان وسائل کے ذریعہ اپنی مادی ضرورتوں کو پورا کرسکتا ہے۔ پوری کائنات انسان کے لیے اپنا دامن پھیلائے ہوئے ہے اور اپنے سینے سے وہ وسائل اُگل رہی ہے جو انسانیت کی بے شمار اور ہر آن بڑھتی ہوئی ضرورتوں کو بحسن و خوبی پورا کر رہے ہیں۔

ہر ایک شے سے پیدا رمِ زندگی ‏ ‏ ‏ دما دم رواں ہے یمِ زندگی

انسان کی دوسری بنیادی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت اور اپنے نبی مبعوث فرمائے تاکہ وہ اِنسانوں کو زندگی کی حقیقت سے روشناس کرائیں۔ انہیں زندگی کے معنی اور اس کے مقاصد سے آشنا کریں۔ نہیں جینے کے طریقے سکھائیں اور ان اُصولِ تمدّن کی تعلیم دیں جو زندگی کو اس کے اصل مقاصد سے ہمکنار کر دیں اور اللہ کی زمین پر ایک صحت مند نظام قائم کریں جس میں

زمین اپنی نعمتیں اُگل دے اور آسمان اپنی برکتیں نازل کرنے لگے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد

انبیاء کی بعثت کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ اور بندے کے تعلق کو توحید، رسالت اور آخرت کے عقائد کی بنیادوں پر استوار کرائیں اور دعوت دین اور اجتماعی جدوجہد کے ذریعہ تاریخ کے رُخ کو موڑ دیں اور الہامی ہدایت کی روشنی میں انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تعمیر کریں۔ سورۃ الحدید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (الحدید۵۷/۲۵)

''ہم نے اپنے رسول واضح نشانیاں دے کر بھیجے اور ان کے ساتھ قرآن (یعنی قانونِ حیات) اور میزان عدل اتاری تاکہ انسانوں پر انصاف قائم کریں۔''

سورۃ الصّف میں رب السمٰوات والارض کا ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾

(الصّف:۶۱/۹)

''وہی ہے (ذات باری تعالیٰ) جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو تمام نظام ہائے زندگی پر غالب کر دے۔''

یہ ہے انبیاء کا مشن! اور یہی وجہ ہے کہ نبی کی جو حیثیت اس کی تمام حیثیتوں سے نمایاں اور ممتاز ہے وہ داعی الی الحق کی حیثیت ہے۔ اسلام کا اصل مقصد انسانی زندگی کو ایک خاص نہج پر چلانا ہے۔ اسلام کوئی پوجا پاٹ کا جدید نظام نہیں بلکہ ایک زندہ اور متحرک تحریکِ فکر و عمل ہے جو انسان کی اِنفرادی اور اِجتماعی زندگی کو ہدایتِ الٰہی کا پابند بناتی ہے۔ اسلام ایک دعوت ہے جو انسان کو اللہ کے دین کی طرف بلاتی اور ان کی زندگیوں کو نورِ الٰہی سے منور کرتی ہے، اسلام ایک مکمل دین، ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے اور اس کی تمام وسعتوں پر حاکمیت الٰہی قائم کرنے کا دعویدار ہے۔ انبیاء وہ برگزیدہ ہستیاں ہیں جو اس دعوت کے داعی اور اس تحریک کے قائدین ہیں اور جن کی

رہنمائی میں یہ اصلاحی جدوجہد برپا ہوئی۔

خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ

سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی محمد رسول اللہ ﷺ تھے قرآن پاک آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد اس چیز کو قرار دیتا ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ (الجمعه:٦٢/٢)

''وہی تو ہے جس نے اَن پڑھوں میں انہی میں سے (یعنی سیدنا محمد ﷺ کو) پیغمبر بنا کر بھیجا، جو ان کے سامنے ان کی آیتیں پڑھتے، ان کا تزکیہ کرتے اور اللہ کی کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور اس سے پہلے تو یہ صریح گمراہی میں تھے۔''

﴿یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ (مائدہ:٥/٦٧)

''اے رسول، جو حق تم پر تمہارے رب کی جانب سے اتارا گیا ہے اس کی تبلیغ کرو۔''

﴿فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ﴾ (الشوریٰ:٤٢/١٥)

''پس اسی راہ کی دعوت دو اور س پر استقامت کے ساتھ جمے رہو جس طرح کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے۔''

ان آیاتِ ربانی سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی بنیادی حیثیت داعی الی اللہ کی ہے۔ آپ کا اصل مشن یہ تھا کہ اللہ کی ہدایت لوگوں تک پہنچا دیں، انہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب اور حکمت و دانش کی تعلیم دیں اور انہیں دعوت دیں کہ وہ دین کو اپنی پوری زندگی پر غالب کر دیں۔ پھر جو لوگ اس دعوت پر لبیک کہیں انہیں ایک تحریک اور ایک اُمت میں منظّم کریں، ان کے اخلاق کا تزکیہ کریں، ان میں کردار کے جوہر پیدا کریں اور اجتماعی جدوجہد کے ذریعہ اپنی قیادت و رہنمائی میں وہ تہذیب وتمدن قائم کریں جو اسلام قائم کرنا چاہتا ہے۔ اسلام فکر ونظر اور علم وعمل میں ایک ہمہ گیر انقلاب کا داعی ہے۔ وہ انسان کو غیر اللہ کی ہر غلامی سے نجات دلا کر اس کی زندگی کو اللہ کے لیے خالص کرنا چاہتا ہے۔ اس کا پیغام یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ پر، خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، سماجی ہو یا سیاسی، معاشی

ہو یا معاشرتی، قومی ہو یا بین الاقوامی اللہ کی حاکمیت قائم کرو۔ ہر اطاعت پر اللہ کی اطاعت اور ہر قانون پر اللہ کا قانون مقدم ہے۔

توحید تو یہ ہے کہ رب حشر میں کہہ دے   یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

نبی اکرم ﷺ کی دعوت حاکمیّتِ الٰہی کی دعوت تھی اور آپ کی سیرتِ پاک کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ آپ نے دعوتِ اسلامی کے کام کو باقی تمام کاموں پر مقدّم رکھا اور ہر دور اور ہر حالت میں اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ہمہ تن مصروف رہے۔ آپ ﷺ اول بھی داعی تھے اور آخر بھی داعی ...... اور صرف داعی الی اللہ، آیئے آپ ﷺ کی دعوتی زندگی کے چند اہم پہلوؤں کا مطالعہ کریں تا کہ ہم اپنی ذمہ داریوں کو آپ کے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں ادا کرنے کی کوششیں کرسکیں۔ اس لیے کہ داعی الی الحق کی جو ذمہّ داری آپ کے مبارک شانوں پر تھی اب وہ پوری اُمّتِ مسلمہ کے کندھوں پر ہے۔

﴿لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ (الحج:۲۲/۷۸)

’’تا کہ پیغمبر تمہارے بارے میں شاہد ہوں اور تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو۔‘‘

یعنی جس طرح نبی اکرم ﷺ نے حق کی شہادت اور گواہی دی اب اسی طرح پوری امت تمام انسانیت کے سامنے اس حق کی شہادت دیتی ہے اور قیامت تک دیتی رہے گی۔

پہلی خصوصیت

آپ ﷺ کی دعوتی زندگی کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ جو تعلیم آپ نے دنیا کو دی اس پر سب سے پہلے ایمان لانے والے آپ خود تھے۔

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ (البقرہ:۲/۲۸۵)

’’رسول اس پر ایمان لائے جو رب کی طرف سے اُن پر نازل کیا گیا اور تمام مومن بھی۔

آپ اس ہدایت پر سب سے پہلے ایمان لانے والے اور اپنی زندگی کو سب سے پہلے اس کے تابع کرنے والے تھے۔ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ میں سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں۔ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ میں سب سے پہلا مسلم ہوں۔

جو دعوت آپ ﷺ نے دی آپ کی پوری زندگی اس کی جیتی جاگتی تصویر تھی جو بقول سیّدہ عائشہ ؓ آپ کی زندگی سراپا قرآن تھی۔ دنیا میں بے شمار مصلح اور فلسفی آئے جو گفتار کے غازی تو ضرور تھے مگر کردار کے غازی نہ تھے۔ جو تعلیم انہوں نے دی وہ خود اس پر عامل نہ تھے مگر محمد رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت ہے کہ آپ نے اپنی دعوت کے ہر پہلو پر خود عمل کر کے دکھا دیا اور انسانیت کے لیے بہترین نمونہ پیش فرمایا تا کہ لوگ صرف آپ کے ارشادات ہی سے ہدایت حاصل نہ کریں بلکہ آپ کے افعال و اعمال کی بھی پیروی کریں اور زندگی کا کوئی گوشہ اور قلب و دماغ کا کوئی ریشہ ایسا باقی نہ رہے جس پر آپ کے سیرت و کردار کی گہری چھاپ موجود نہ ہو۔ ''لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ''

دوسری خصوصیت

دوسری بنیادی چیز یہ ہے کہ آپ نے جزوی اصلاح کے مقابلہ میں کُلی اِنقلاب کی جدوجہد کی۔ آپ کا مقصد چند جزئیات میں تبدیلی پیدا کرنا نہ تھا بلکہ پوری زندگی کو ہدایتِ الٰہی کے مطابق استوار کرنا تھا۔ آپ نے لوگوں کے خیالات اور نظریات کی اصلاح کی، اور انہیں پُر ایمان زندگی کی حرارت سے نوازا۔ آپ ﷺ نے ان کے اَخلاق و کردار کو سنوارا اور ایک نیا انسان پیدا کیا۔ آپ نے تمدّن و معاشرت کی اِصلاح فرمائی اور ایک نئی سوسائٹی کی تعمیر کی۔ آپ ﷺ نے طاغوت کو زندگی کے ہر میدان میں شکست فاش دی اور پھر وہاں حاکمیت الٰہی کے تخت بچھائے۔ یہ ایک ہمہ گیر انقلاب تھا اور انسانی تاریخ کا وہ واحد انقلاب ہے جس نے انسانیت کی پوری زندگی کی اِصلاح و تعمیر کی۔

پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو دین کی فتح و کامرانی اور اس کی سربلندی پر ہمیشہ گہرا اور غیر متزلزل یقین رہا۔ عین ان پُرآشوب حالات میں جب مسلمانوں کی کشتی مخالفتوں کے طوفانوں میں گھری ہوئی تھی اور دور دور ساحل کا کہیں نام و نشان نہ ملتا تھا اور روشنی کی کوئی رمق موجود نہ تھی۔ اُس وقت بھی قطعاً مایوس نہ ہوئے۔ مکّی زندگی کا مشہور واقعہ ہے کہ مسلمان قریش کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ ہر مسلمان کی جان خطرہ میں تھی، صبح ہوتی تھی تو شام کا بھروسا نہ تھا اور شام ہوتی تھی تو صبح کا یقین نہ تھا۔ بظاہر اسلام کا کوئی مستقبل نظر نہ آ رہا تھا اور جو دن گزرتا تھا غنیمت معلوم ہوتا تھا۔ ایسی حالت میں ایک مظلوم مسلمان سیدنا خباب ؓ آپ ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ بیت اللہ کے

سامنے بیٹھے تھے۔ سیدنا خباب رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یا رسول اللہ ﷺ! اب تو پانی سر سے گزرا جا رہا ہے۔ آپ ﷺ ہمارے لیے دعا کیجیے۔'' رسول اللہ ﷺ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بس خباب! گھبرا گئے، پہلی اُمتوں میں تو یہ ہوا کہ مومن کو گڑھا کھود کر گاڑ دیا گیا اور سر پر آرہ چلایا گیا یہاں تک کہ اس کے بدن کے دو ٹکڑے ہو کر گر گئے اور لوہے کی کنگھیوں سے ان کا گوشت ہڈیوں سے جدا کیا گیا مگر اس کے استقلال میں کوئی لغزش نہ آئی، اللہ کی قسم! وہ اپنے دین کو مکمل کرے گا یہاں تک کہ (اس دین کی عمومیت اور غلبہ) کا یہ حال ہو گا کہ سوار صُنعاء سے حضرِ موت تک سینکڑوں میل کی مسافت طے کرتا چلا جائے گا اور اس کو اللہ کے سوا کسی کا کھٹکا نہ ہو گا۔ سوائے اس کے کہ اس کو بھیڑیے سے خطرہ ہو کہ وہ اس کی بکریوں پر حملہ کرے...... لیکن تم بہت جلدی کرتے ہو۔''

یہ واقعہ کئی حیثیت سے بڑا اہم ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ داعی کو اپنی دعوت پر کتنا اعتماد ہے کہ بڑی سے بڑی مشکل اور آزمائش کو بھی وہ خاطر میں نہیں لاتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کی عمومیت اور غلبہ کا مقصد اپنے تمام تضمنات کے ساتھ اس کے سامنے اس وقت بھی تھا جب غلبہ وحکمرانی بظاہر ناممکن نظر آتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ داعی استقامت کے اس مقام پر ہوتا ہے جہاں سے کوئی چیز اس کے ارادہ کو متزلزل نہیں کر سکتی۔

تیسری خصوصیت

تیسری چیز ہمیں یہ نظر آتی ہے کہ آپ نے بعثت سے لے کر اپنے آخری سانس تک دین کی دعوت کو پھیلانے کی کوشش اس اِنہماک اور تندہی سے کی کہ اس کی نظیر تاریخِ انسانی پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ کا ہر لمحہ اسی فکر میں بسر ہوتا تھا کہ کسی طرح اللہ کا پیغام اللہ کے بندوں تک پہنچائیں اور ان کو جہنم کی آگ اور دنیا کے خسران سے بچائیں۔ یہ فکر آپ کو اس درجہ دامن گیر رہتی تھی کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ دن بھر کی تبلیغی جدوجہد اور دشمنوں کی اذیّت رسانی سے چور ہو کر رات کو تھکے ہارے گھر واپس آئے۔ بدن بخار سے تپ رہا تھا اور آپ چند منٹ کے لیے لیٹ گئے۔ اتنے میں اطلاع ملی کہ مکہ سے چند میل پر ایک پہاڑی کے نیچے ایک قافلہ آ کر رکا ہے۔ یہ سنتے ہی آپ فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے تاکہ ان تک اللہ کا پیغام پہنچائیں لوگوں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! آپ بہت تھکے ہوئے ہیں

قافلہ والوں سے کل صبح مل لیں۔ ' آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا معلوم صبح تک مجھے موت آ جائے یا وہ قافلہ راتوں رات کہیں اور چلا جائے اور اس صورت میں میرا فرض نامکمل رہ جائے۔'' دیکھیے دعوتِ اسلامی کے کام کو رسول اللہ ﷺ کتنی اہمیت دی اور فرض کی بجا آوری کو کیا مقام آپ ﷺ نے دیا۔ فرض شناسی کی یہ مثال ہمارے لیے روشنی کا مینار ہے۔

چوتھی خصوصیت

پھر آپ کی دعوتی زندگی کا یہ بھی ایک نمایاں پہلو ہے کہ آپ نے ہر مرحلے اور ہر دور کے حالات کے مطابق دعوتِ دین کی راہیں نکالیں اور ہر زمانہ میں نہایت حکمت و دانشمندی کے ساتھ کلمہ حق کا اظہار کیا اور بالآخر دین حق کو قائم کیا۔ بعثت کے فوراً بعد خاموشی کے ساتھ آپ نے اپنی دعوت کا آغاز کر دیا اور قریبی حلقوں میں دین کا پیغام پہنچانا شروع کیا۔ بعثت کے تیسرے سال جب دعوت عام کی اجازت ملی تو آپ نے تمام قریش کو فاران پر جمع کیا اور اسلام کی دعوت ان تک پہنچائی۔ پھر معزّزین قبیلہ کو خصوصی دعوت دی اور کھانے پر بلا کر ان کو اللہ کے کلام سے آگاہ کیا۔ آپ ایک ایک قبیلہ، ایک ایک خاندان، ایک ایک گروہ اور ایک ایک فرد تک پہنچے اور ان کو اسلام سے روشناس کرایا، نجی گفتگوئیں، مکالمات و مذاکرات، تقریر و وعظ الغرض ہر ممکن طریق سے اسلامی تعلیمات اُن کے ذہن نشین کرانے کی کوشش کی اور جب تک دعوت کی راہیں کھلی رہیں۔ آپ برابر حق کی طرف برملا بلاتے رہے اور جب کھلے بندوں تبلیغ کا امکان نہ رہا تو خاموشی سے نجی ملاقاتوں کے ذریعے اپنے مشن کی تبلیغ کرتے رہے۔ جب آپ ﷺ کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا گیا تو آپ خاموشی کے ساتھ جن جن مقامات پر جا سکتے تھے اس زمانہ میں بھی ان مقامات پر دعوت پہنچانے سے آپ نہ رکے۔ پھر جب مکہ میں دعوت کے مزید پھیلانے کا امکان نہ رہا تو آپ ﷺ نے مکہ سے باہر جا کر دعوت و تبلیغ کا کام انجام دیا۔ میلوں اور جلسوں کے موقع پر باہر کے قبائل سے ملے، طائف کا سفر کیا اور دوسرے بیرونی قبائل کو اپنی دعوت کی طرف بلایا حتی کہ بیرونی قبائل میں اس کوشش ہی کے نتیجے میں اسلامی دعوت کو نیا مرکز مل گیا اور اہل مکہ کی سختی اور ان کا تشدد دینِ حق کے نئے مرکز ''مدینۃ الرسول'' کے قیام اور بالآخر دعوتِ اسلامی کے غلبہ کا ذریعے بنے!

پھر مدینہ میں جب قوت و اقتدار اسلام کو حاصل ہو گیا تو آپ ﷺ نے ریاست کی تمام طاقتیں دعوتِ اسلامی کے فروغ کے لیے وقف کر دیں۔ ایک طرف مدینہ میں اسلامی ریاست قائم کی اور دوسری طرف اس ریاست کے ذریعہ تمام عرب اور بالآخر پوری دنیا کو اسلام کی دعوت دی۔

پانچویں خصوصیت

پھر آپ ﷺ کی زندگی سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوتِ اسلامی کو پھیلاتے وقت ہر کونے اور ہر جہت سے مصائب و مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھ ایمان لانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہر قسم کی تکلیفیں اور اذیتیں دی گئیں...... سب وشتم کا نشانہ بنایا گیا، زدوکوب کیا گیا، آپ کے راستہ میں کانٹے بچھائے گئے، وادی طائف میں جسد اطہر کو زخمی کیا گیا، آپ ﷺ کے ساتھیوں کو گرم کوئلوں پر لٹایا گیا، دوپہر کے وقت گرم ریت پر گھسیٹا گیا، سلوں کے نیچے دبایا گیا اور اتنا مارا گیا کہ اُن میں سے بعض نے اللہ کی راہ میں جام شہادت نوش کیا۔ اِن ابرار و صالحین نے تمام دکھوں اور تکلیفوں کو برداشت کیا اور وہ ایمان اور اسلام پر ثابت قدم رہے اور دعوتِ تبلیغ کے مشن کو جاری و ساری رکھا اور رسول اللہ ﷺ نے برملا یہ اعلان کیا۔

''اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی رکھ کر کہیں کہ مہر و ماہ کے عوض میں تبلیغِ دین کا کام ترک کر دوں تو مجھے منظور نہیں...... اگر اس راہ میں مجھے ہلاکت نظر آئے تب بھی میں پیچھے نہ لوٹوں گا...... حتیٰ کہ یہ مشن کامیاب ہو یا میں اس میں کام آجاؤں......''

یہ تھا داعی کا عزم! اور سچ ہے کہ داعی اگر اپنے مشن میں سچا اور اپنی دُھن کا پکا ہو تو انہی مشکلات سے کامیابی کی راہیں پھوٹیں گی اور دینِ حق فاتح و کامران ہو گا جس طرح کلی کی موت ہی کے بعد پھول خندہ زن ہوتا ہے اور جس طرح آگ کے جلے بغیر روشنی اور حرارت ممکن نہیں اسی طرح آزمائش اور ابتلا کے بغیر دعوت حق کی کامیابی کا اِمکان نہیں فتح مکہ کی منزل شعبِ ابی طالب کی گرفتاری، طائف کی ہزیمت اور بدر و اُحد کی خوں پاشی کے بعد ہی حاصل ہوئی ہے۔ اور یہی فطرت کا قانون ہے۔ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلاً ''اور تم اللہ کے طریقے میں تبدیلی نہ پاؤ گے۔''

لمحہ فکریہ

ہر سال ربیع الاول کے مہینے میں مسلمان میلاد کی محفلیں اور سیرت کے جلسے منعقد کرتے ہیں لیکن یہ جلسے نہ تو مسلمانوں پر اپنا کوئی خاص اثر چھوڑتے ہیں اور نہ غیر مسلموں کو ہی متاثر کرتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان جلسوں کا مقصد عام طور پر یا تو یہ ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ثناء اور توصیف بیان کر کے برکت حاصل کی جائے، یا یہ کہ اپنے قومی مفاخر کا اظہار کیا جائے اور اپنے سب سے بڑے ہیرو کا حال بیان کر کے اس پر فخر کیا جائے، یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ کسی ایسے مصلح اور ریفارمر کا ذکر کیا جائے جس نے اب سے پہلے کچھ اصلاحات کی تھیں اور جس کے اثرات اسی زمانے میں دنیا نے قبول کئے تھے ظاہر ہے کہ اس طرح کے جلسے نہ تو مسلمانوں ہی کو دعوتِ عمل دے سکتے ہیں اور نہ غیر مسلموں کو اسلام سے قریب کرنے کا باعث ہو سکتے ہیں اور نہ ان سے دنیا کی گتھیاں سلجھ سکتی ہیں۔ مسلمان بھی ان جلسوں سے اتنا سمجھ لیتے ہیں کہ اُن کے نبی ﷺ کی شخصیت بہت بڑی شخصیت تھی اور غیر مسلموں کا قومی تعصبّ اگر بھڑک نہ اٹھے تو وہ بھی اس بات کا اعتراف کر لیتے ہیں کہ محمد ﷺ ایک بڑے آدمی تھے جنہوں نے اپنے دور میں بہت سی اصلاحات کی تھیں۔

(پروفیسر خورشید احمد)

رسول ﷺ اکرم کا پیغام انقلاب

بعض الفاظ ہیں جن کے معنی دورِ حاضر کے ماحول اور تہذیبی آثار نے بدل دیے ہیں۔ مثلاً 'انقلاب' کے معنی توڑ پھوڑ اور شکست و ریخت کے سمجھے جاتے ہیں کہ ایک قوم، گروہ یا فرد اٹھا اور اس نے قوم یا ملک کو قتل و غارت گری کے ذریعہ رَام کر کے ایک اِنقلاب پیدا کر دیا، انقلاب کے ساتھ تعمیر کا تصور بہت ہی کم ذہنوں میں آتا ہے۔ آج کل انقلابی آدمی اُسی کو کہتے ہیں جو انارکسٹوں اور دہشت پسندوں جیسی ذہنیت رکھتا ہو اور جو بگاڑنا تو جانتا ہو، بنانے سے واقف نہ ہو۔

اسی طرح اِصلاح کے لفظ سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ بھکشوؤں، راہبوں، سادھوں اور گوسفندانہ ذہنیت رکھنے والوں کی نیاز مندانہ کوشش کا نام ہے جس میں اصلاح و ہدایت کے نام پر ہر سرکش اور اللہ کی باغی قوت سے سمجھوتہ کیا جا سکتا ہے اور ''مصلح'' (Reformer) سادھو قسم کا ایک سادہ لوح انسان ہوتا ہے جو 'فَعّال' ہونے کے ساتھ ساتھ سراپا اِنفعالیّت اور مجسم عجز و درماندگی ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ''انقلاب'' و ''اِصلاح'' کا مُجمع البحرین تھی مگر یہ انقلاب خالص تعمیری اِنقلاب تھا جس میں قاہریّت تھی مگر کس لیے؟ شر کو مٹانے اور خیر کو برپا کرنے کے لیے؟ اس انقلاب میں تلوار نے سِول سرجن کے نشتر کا کام انجام دیا، یہ انقلاب جسموں ہی کا نہیں فِکر و نظر اور قلب وضمیر کا انقلاب تھا۔ دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں یہی وہ تنہا انقلاب تھا جس کے لانے والے نے اپنی زندگی ہی میں پوری کامیابی بھی دیکھ لی اور جس نے اپنی تربیّت سے ہزاروں انسانوں کو اپنے اخلاق کا مظہر بنا دیا۔ اس انقلاب کو جن لوگوں نے قبول کیا وہ اپنی اس تبدیلی پر کبھی متاسّف نہیں ہوئے کہ ہائے ہم نے کیا کیا اور نہ کسی کو یہ محسوس ہوا کہ یہ انقلاب ہم پر جبراً لایا گیا ہے،

اس انقلاب کے بعد لوگ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے کہ ہم گم کردہ راہوں کو اس انقلاب کی بدولت صراطِ مستقیم مل گئی۔

رسول اللہ ﷺ ''مُصلِح'' بھی تھے مگر اس اِصلاح میں دنیا میں چھا جانے کی قوت تھی، یہ اصلاح ایسی نہ تھی جو چند آدمیوں کو نیک بنانے پر قناعت کر لیتی۔ اس اِصلاح نے نیکی کو ایک غالب قوت بنا کر چھوڑا۔ اس اِصلاح نے باطل اور شر و فساد کے اصولوں سے کبھی سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ ان کے زور کو توڑا۔ اصلاح و انقلاب کا یہی توازن تھا جس نے اسلامی تحریک کو آگے بڑھایا یہاں تک کہ کوئی باطل تحریک اس کے آگے نہ ٹھہر سکی۔ اِنقلاب و اِصلاح کا یہ قافلہ شعب ابی طالب کی سختیوں اور طائف مکہ کی مظلومیت سے بھی گزرا ہے مگر اس مظلومیت کے دور میں بھی دیکھنے والوں نے دیکھ لیا کہ یہ مظلومیت بہت بڑے انقلاب کا پیش خیمہ ہے۔ چنانچہ جب آپ ﷺ کے دستِ حق پرست پر مدینہ کے چند نیک دل انسان رات کے اندھیرے میں بیعت کر رہے تھے تو ان میں سے ایک شخص پکار اٹھا کہ دوستو! سوچ سمجھ کر بیعت کرنا یہ تمام عرب و عجم کے خلاف بیعت ہے۔

مکہ سے ہجرت ہوئی اور کس بے سروسامانی کے عالم میں ہوئی مگر واپسی کا منظر کس قدر پر شکوہ تھا۔ مکہ کا مظلوم مہاجر آج دس ہزار قدوسیوں کے جھرمٹ میں مکہ میں داخل ہو رہا تھا اور کس کی ہمت تھی جو اسے ٹوک دیتا۔ اسلامی فوجوں کے پرچم فضا میں لہرا رہے تھے اور ابوسفیان جو قسا وید قریش کی تنہا یادگار بلکہ جانشین تھا اس منظر کو دیکھ کر سہما جا رہا تھا، عتبہ، شیبہ اور ابوجہل جیسے نامور سردارانِ قریش جو اس کے دست و بازو تھے آج موجود نہ تھے جس کے لیے حرم کعبہ میں سجدہ کرنا دشوار کر دیا گیا تھا۔ آج کعبہ کی کنجی اسی کے ہاتھ میں تھی (ﷺ ...... فِداہ ابی وامی) کعبہ کی تطہیر اُس وقت تک نہ ہو سکی جب تک اسلامی تحریک بدر و اُحد کے معرکوں اور مرحلوں سے نہ گزر چکی۔

خون کے پیاسے دشمنوں کو فتح مکہ کے موقعہ پر جس وسعتِ قلب کے ساتھ معاف فرمایا گیا ہے۔ اس کی مثال تاریخ میں مل بھی کیسے سکتی ہے کہ یہ حضور اکرم رحمۃ للعالمین ﷺ ہی کے لیے سزاوار تھا۔ مگر یہ بھی ذہن میں رہے جو عالمین کے لیے رأفت و رحمت تھا۔ وہ بدر و اُحد کا سپہ سالار بھی تھا۔ جو رات رات بھر اللہ کے حضور اس طرح کھڑا رہتا تھا کہ پائے مبارک ورم کر آتے تھے وہ تبوک میں مدینہ سے

چل کر پہنچتا ہے تنہا نہیں ہزاروں تیغ زنوں اور قدر دانوں کیساتھ اور اسلامی افواجِ قاہرہ کی آمد کی خبر سن کر ہمسایہ حکومتیں لرز جاتی ہیں۔ یہی وہ مُزکّی تھا جس نے اپنے ساتھیوں کا تزکیۂ نفس مسجد اور حجرۂ نبوی ہی میں نہیں جنگ کے میدانوں میں بھی کیا، درود وسلام اُس ذاتِ قدسی پر جس نے دلوں سے اللہ کے خوف کے سوا ہر ڈر نکال دیا۔ وہ تزکیۂ نفس نہیں کیا کہ ظالم اور خطا کار حاکموں کے خلاف لب کشائی کی دل میں اُمنگ ہی نہ ہو، رسول اللہ ﷺ نے جن اللہ والوں اور حق آگاہ انسانوں کے دلوں کا تزکیہ کیا تھا وہ اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے تھے۔ انہوں نے پرشکوہ درباروں میں بھی حق کا اعلان کیا: باطل کا سامنا ہوتا تو سبزہ زارِ حق کے یہ غزال شیروں کی طرح بپھر جاتے۔

جب آپ ﷺ قبائل کے وفود کو شرفِ باریابی بخشتے، جنگ کے میدانوں میں صفوں کو درست فرماتے، غزوات میں چندہ دینے کے لیے لوگوں کو اُبھارتے، منبر پر خطبہ دیتے، کتاب وحکمت سکھاتے، خطا کاروں پر حد جاری فرماتے، بازاروں میں جا کر غلہ کے ڈھیروں کو دیکھتے......تو ان تمام مراحل میں تزکیۂ نفس کا کام جاری رہتا۔

قلب و نگاہ کے اس مجاہدے، اس تزکیے، اس طویل جدوجہد، اس عبادت و ریاضت کے نتیجہ میں جو چیز ظہور میں آئی وہ ایک مثالی حکومت کا قیام تھا جہاں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کا حکم اور قانون نہیں چلتا تھا اور رسول اللہ ﷺ کی سُنّت زندگی کے ہر گوشے میں متبوع اور مطاع تھی (اُس کی پیروی کی جاتی تھی)۔

اس اسلامی حکومت میں منبر ومحراب سے دربارِ خلافت سے بازار اور چراگاہوں سے صدیق رضی اللہ عنہ کے صدق وتحمّل سے، عمر رضی اللہ عنہ کے عدل اور جوشِ حق سے، عثمان رضی اللہ عنہ کی حیا اور سخاوت سے، علی رضی اللہ عنہ کے عِلم وشجاعت سے قرآن بولتا تھا کہ میں یہاں موجود ہوں۔ قرآن اِس زمانے میں صرف ''صحیفۂ تبرکّ'' بن کر رہ گیا ہے۔ جب تزکیۂ نفس کے بالکل ٹھیک معنی سمجھے جاتے تھے، اُس وقت قرآن صرف صحیفہ تبرّیک ہی نہیں تھا بلکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات اور دستورِ زندگی بھی تھا۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ فیضانِ نظر اور صحبت وحرمت کا اثر تھا کہ آپ ﷺ کے بعد آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے قیصر وکسریٰ کے تخت الٹ دیئے اور روم و مدائن کے دھوئیں اڑا دیے اور اس جدوجہد کا

مقصد صرف یہ تھا کہ دنیا کے جتنے حصے پر بھی ممکن ہو اللہ کے سوا کسی کی حاکمیّت باقی نہ رہے۔

یہودیتّ نصرانیّت مجوسیّت اور صابئیّت غرض جتنی ''اُمتیں'' اس وقت پائی جاتی تھیں ان سب پر اللہ کا دین غالب ہو گیا اور باطل کو صرف صومعوں، خانقاہوں اور معبدوں ہی میں نہیں، حکومت کے ایوانوں میں بھی شکست کھانا پڑی، جھوٹے خداؤں کی خدائی کے تخت اوندھے ہو گئے اور حقیقت پوری قوت کے ساتھ دنیا میں اُبھر آئی۔

رسول اللہ ﷺ نے لات وہبل ہی کو نہیں جھوٹی شخصیتوں کے بتوں کو بھی توڑا ایمان اور اسلام کا تقاضا ہی یہ ہے کہ مردِ مومن کفر و باطل کے غلبہ کو کسی صورت برداشت نہ کر سکے۔حق اور باطل کا آپس میں سمجھوتہ ہو ہی نہیں سکتا۔

زندگی کا کونسا گوشہ ایسا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے انقلاب برپا نہیں کیا رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و تربیت کا یہ اثر تھا کہ جاہلیت کا ایک ایک نشان مٹ کر رہا اور اسلامی معاشرت دنیا کے بہت بڑے حصہ پر چھا گئی۔اس معلّم کتاب وحکمت کے احسان سے انسانیت سچ تو یہ ہے کہ عہدہ برآ نہیں ہو سکتی......اور یہ بھی واقعہ ہے:

کسیکہ خاکِ درش نیست خاک برسرِ اُو

جس تزکیہ نفس میں اللہ کے پورے کے پورے دین کو غالب کرنے کی اُمنگ نہ ہو وہ بے روح اور بے جان تزکیہ ہے، اس قسم کا تزکیہ اسلام کی مظلومیت پر بھی ہمیشہ صبر کیے رہتا ہے اور اس کے ہاتھوں اللہ کا دین غالب نہیں ہونے پاتا۔

(ماہر القادریؒ)

یتیم ﷺ کا راج

تمدن کی نمائش گاہوں سے دور

پندرہ سو برس کا زمانہ گزرتا ہے کہ تمدن کی نمائش گاہوں سے کوسوں دور تہذیب کے سبزہ زاروں سے الگ، ایک ویران و بے رونق بستی میں، چلچلاتی دھوپ والے آسمان کے نیچے، خشک اور پتھریلی سرزمین کے اوپر، ایک شریف لیکن اَن پڑھ اور بے زر خاندان میں ایک بچہ عالمِ آب وگل میں آنکھیں کھولتا ہے۔

دعویٰ کی دلیل، صرف اللہ کا سہارا

شفیق باپ کا سایہ پہلے ہی اٹھ چکتا ہے۔ ماں بھی کچھ ہی روز بعد سفرِ آخرت اختیار کر لیتی ہے۔ تربیت کے جو ظاہری قدرتی ذریعے ہیں، وہ یوں گم ہو جاتے ہیں۔ بوڑھے دادا اپنے آغوشِ تربیت میں لے لیتے ہیں، لیکن بچہ کا بچپن ابھی ختم نہیں ہونے پاتا کہ وہ بھی ہمیشہ کی نیند سو جاتے ہیں۔ گھر میں نہ نقد ہے نہ جائیداد، نہ حکومت ہے نہ ریاست۔ خانہ ویرانی کا یہ عالم ہے کہ نہ ماں ہے نہ باپ۔ نہ دادا ہیں نہ دادی، نہ بھائی ہیں نہ بہن۔ تنِ تنہا، بے ساز و سامان، بے یار و مددگار، ایک نوعمر اللہ کا بندہ ہے، جسے سہارا ہے تو اسی نظروں سے اوجھل مولا کا، اور آسرا ہے تو اسی نگاہوں سے غائب مالک کا۔

عربوں کی حالت

ملک کی حالت یہ کہ شرک کی گھٹائیں ہر طرف چھائی ہوئی، ساری قوم مخلوق پرستی میں ڈوبی ہوئی، بدکاری فیشن میں داخل، انسانی ہمدردی کے مفہوم سے دماغ ناآشنا۔ ہر قسم کے فسق و فجور کی گرم بازاری، بات بات پر لڑنا اور پشت ہا پشت تک لڑتے رہنا، یتیموں کی حق تلفی، غریبوں کے ساتھ بے دردی، اخلاقی وبائیں اور روحانی بیماریاں گھر گھر پر مسلط۔ یہ حد سے گزری ہوئی حالت تو خاص اسی قوم کی اور اس کے

ملک کی۔

دنیا کا رنگ

باقی جتنی ہمسایہ قومیں ہیں، ان میں سے کسی ایک کی بھی زندگی، پاکی و پاکیزگی کے معیار پر نہیں۔مصر وایران، چین و ہندوستان، مشہور تھا کہ یہ تمام ملک ایک زمانہ میں علم وفن اورتہذیب وتمدن کے گہوارے تھے،لیکن اس وقت سب کے سب اَخلاقی گندگیوں اور روحانی ناپاکیوں کے زینے بنے ہوئے تھے۔توحید وحق پرستی جوسارے اخلاقی نشوونما کی جڑ ہے،سرے سے وہی کٹی ہوئی۔خالق کی یاد دِلوں سے غائب اورطرح طرح کے وسیلوں اور واسطوں کی پرستش ہر دل میں رچی ہوئی،متفرق طور پر کہیں کہیں اصلاح کرنے والے بھی پیدا ہوتے ہیں،لیکن سیلاب کی رو میں کس کے قدم جم سکتے ہیں؟

ظہورِ قدسی

فضائے ملک بلکہ فضائے عالم کی اس تیرگی میں یہ نوعمر یتیم کھڑا ہوتا ہے اوراپنی پاک اور پاکیزہ کتابِ زندگی کے ہرورق کو کھول کر رکھ دیتا ہے اوراپنی زندگی کا ایک کامل ومکمل نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر کے،حوصلہ یہ ہوتا ہے کہ دوسروں کو بھی اپنے جیسا بنایا جائے۔ایک طرف ساز وسامان سے محرومی ہے۔ہر پہلو سے بے کسی اور بے بسی ہے، ہراعتبار سے بے اختیاری ہے اور دوسری طرف ملک وقوم کی اصلاح کی امنگیں ہیں، بلکہ کہنا چاہیے کہ ساری کائناتِ انسانی کے سدھارنے کے حوصلے ہیں،لیکن ''اصلاحِ قوم'' آج کل کے مفہوم میں نہیں۔ اس لیے نہ کسی انجمن کی بنیاد پڑتی ہے، نہ کوئی پارٹی بنائی جاتی ہے، نہ کسی کمیٹی کے لیے کوئی فنڈ کھولا جاتا ہے، بلکہ سارا وقت اور ساری قوت اپنے آپ کو تیار کرنے میں صرف ہوتی ہے۔ یہ نوعمر،حسین وخوشرد ہے۔نوجوانی کا خون اس کی رگوں میں بھی گردش کرتا ہے۔ ملک میں گھر گھر فحش و بے حیائی کے چرچے ہیں،لیکن اس کی نیچی نظروں پر خود حیاداری قربان ہو جاتی ہے۔ مئے نایاب کے ساغر ہرطرف چھلک رہے ہیں، پیمانہ چاروں طرف گردش میں ہے،لیکن اس کے دامنِ تقویٰ پر فرشتے تک نماز پڑھنے کے آرزومند ہیں۔لوگ لڑ رہے ہیں، یہ صلح کرا رہا ہے۔قوم چھیننے میں مصروف ہے، یہ بانٹنے میں۔ دنیا تحصیل وفراہمی میں لگی ہوئی ہے اور یہ عطا و بخشش میں۔عالم مخلوق پرستی کی لعنت میں مبتلا ہے،ایک اس کے دل میں خالق کی لَو لگی ہوئی ہے۔

اصلاح کی جڑ، اللہ کی بندگی اور توحید

ساری اصلاحوں کی بنیاد تو ایک ہی اصلاح ہے یعنی بندے کا مالک سے تعلق پیدا ہو جانا، اس ٹوٹے ہوئے رشتے کا جڑ جانا اور شرک کی بھول بھلّیاں سے نکل کر توحید کی شاہراہ پر آ جانا۔ یہاں بھی دھن تھی تو اسی کی اور فکر تھی تو اسی کی۔ رات کی نیند، دن کی مشغولی، ہر شے اس کی نذر تھی۔

تڑپ اور وحی

آفتاب اور ماہتاب کی گردشیں اپنی اپنی میعادیں پوری کر رہی ہیں۔ بچے جوان ہوتے ہیں اور جوان ادھیڑ ہو رہے ہیں۔ موتی صدف کے اندر اور لعل و جواہر کانوں میں نشو و نما پا رہے ہیں۔ عَالمِ قدس کا یہ درِ یتیم چالیس برس کے سِن میں اپنی پختگی کو پہنچتا ہے۔ عمر کی ترقی کے ساتھ ساتھ راہِ ہدایت پانے کا جوش و ولولہ بھی ترقی پر ہے اور ''یافت'' کی تڑپ روز بروز بڑھتی ہی جا رہی ہے، یہاں تک کہ نوبت یہ پہنچتی ہے کہ آبادی کے شور و غل سے الگ، انسانوں کے مجمع سے دور، ایک غار کے سکون و خلوت میں ہفتوں کے ہفتے اسی سوچ بچار، اسی گرہ کی کشائش کے نذر ہونے لگتے ہیں۔ اس وقت ایک غیبی سہارا دستگیری کرتا ہے اور منصبِ ارشاد، خلق و ہدایتِ عَالم پر سرفرازی کا پروانہ ملتا ہے۔

کٹھن کام

کٹھن کام اب شروع ہوتا ہے۔ ایک طرف ملکِ حجاز کی قوت و جمعیت ہے اور دوسری طرف تن تنہا ایک فرد اصلاح و ہدایت کا کام ہاتھ میں لینے والا، صدیوں کی پڑی ہوئی خصلتوں کا چھڑانا، سینکڑوں برس کے زنگ دلوں سے دور کرنا، ایک دو شخص نہیں، ایک خاندان نہیں، ایک قبیلہ نہیں، سارے ملک کو ایک نئے سانچے میں ڈھالنا۔ پھر زندگی کی کوئی ایک صنف اور ہر شعبۂ زندگی کو نئے سرے سے بدلنا اور یہ پیام پہنچانا کہ اپنی زندگی بالکل نئی کر لو، مال و دولت کی محبت چھوڑ دو، بخل اور کنجوسی کو چھوڑ دو، حرصِ حکومت و ہوسِ جاہ کو چھوڑ دو، اپنی جھوٹی شاعری اور موسیقی کو چھوڑ دو، رشوت، سود خوری کو چھوڑ دو، خیانت اور بد معاملگی کو چھوڑ دو، جوئے اور شراب کو چھوڑ دو، بے حیائی اور بدکاری کو چھوڑ دو، عورتوں اور غلاموں پر ظلم کرنا چھوڑ دو، لڑکیوں کے زندہ دفن کر دینے کو چھوڑ دو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے معبودانِ باطل کو چھوڑ دو۔

اس آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ گویا ایک نازک ولطیف شیشہ کی ٹکر، ایک ٹھوس اور سخت چٹان سے لگی، ساری شیطانی اور طاغوتی قوتوں نے اکٹھے ہو کر اس زَمزمہ سرائے توحید پر یلغار کر دیا۔ کنبہ والے بگڑے کہ سارے کنبہ سے یہ انوکھی بات کیسی زبان سے نکالی...... برادری والے روٹھے کہ باپ دادا کی ریت رسم کو کس منہ سے بُرا ٹھہرایا۔ بستی والے الجھے کہ امن وچین کی زندگی میں یہ خواہ مخواہ ایک تفرقہ وفساد کھڑا کر دیا۔ غرض خاندان مخالف، برادری مخالف، شہر کی ساری آبادی مخالف، وطن کے درودیوار مخالف اور چشمِ ظاہر میں تو یہ نظر آنے لگا کہ وہ جو اس بزمِ ہستی کا صدر بنا کر بھیجا گیا، زمین کے ذرّے اس کے مخالف، آسمان کے تارے اس کے مخالف۔

"وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ"

اور ہم نے تو تیرا ذکر بلند رکھا ہے۔

بلندیٔ ذکر کی بشارت

ایک طرف ادائے فرض کا احساس، دوسری طرف مخالفتوں کا یہ ہجومِ بے پایاں!

عین اس وقت (سورۂ نشرح کا زمانۂ نزول بعثت کے ابتدائی ایام میں ہے جبکہ مخالفت کا شباب تھا) جبکہ عالم بشریت میں سامانِ تسکین وتشفی ممکن نہ تھا۔ یہ صدائے غیب کانوں میں آتی ہے کہ اے ہمارے پیارے اور فرمانبردار بندے! گھبرانے اور ہمت چھوڑنے کی کوئی بات نہیں۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ...... ہم نے تو تیرے اوپر وہ لطف وکرم کیا ہے جو کبھی کسی بندہ پر نہیں کیا تھا۔ موسیٰ کلیم اللہ کو ہم سے شرفِ ہم کلامی کے بعد بھی شرح صدر کی آرزو باقی رہی۔ (رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ...... طٰہٰ:ع۱) انہوں نے اس نعمت کے لیے دعا کی۔ تجھے ہم نے یہ نعمتِ عظمیٰ بلا طلب عنایت کی۔ تیرے سینے کو اپنی معرفت کے لیے کھول دیا۔ اسے اپنی نورانیت سے لبریز کر دیا اور اپنی آیات ودلائل کو تیرے اوپر واضح روشن کر دیا۔ اِصلاحِ خَلق کے لیے ہم تیری تڑپ دیکھ رہے تھے۔ یہ فکر تجھے ہلاک کیے ڈالتی تھی کہ لوگوں کو کیونکر راہِ راست پر لایا (لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ...... شعراء:ع۱) جائے۔ مراسمِ شرک سے تجھے شروع سے نفرت رہی ہے (وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ)۔ وہ ہماری نظر سے چھپی ہوئی نہیں۔ اِصلاح خَلق کے لیے تیری دھن، خود راہ راست دکھانے

کی فکر کا بار (وزر کے معنی قوم کی حالت زار کا بوجھ ہے کہ وہ ہر قسم کی برائیوں اور بے حیائیوں، شرک و بت پرستی میں مبتلا تھی جسے قرآن نے ضَلالِ مُبِین کہا ہے، آپ ﷺ اسے دیکھ کر آزردہ خاطر رہتے)۔ وَوَضَعْنَا عَنکَ وِزْرَکَ. الَّذِیٓ اَنقَضَ ظَهْرَکَ...... تیری پشت کو توڑے ڈالتا تھا۔ ہم نے اپنے فضل و کرم سے اس بار سے تجھے نجات دے دی اور یہی نہیں کہ وحی کی روشنی دے کر خود تجھے راہِ راست پوری کی پوری دکھا دی، بلکہ اس نعمت سے بھی سرفراز کر دیا کہ دوسروں کو بھی راہِ ہدایت دکھاتا رہ۔ مخالفین کے منصوبوں اور شرارتوں سے تنگ دل نہ ہونا، تُو ہماری حفاظت میں ہے، یہ تیرا کچھ بھی نہیں کر سکتے، آج یہ نالائق اپنے نزدیک تجھے مٹا دینے کی فکر میں ہیں، لیکن ہم نے تیرا ذکر بلند کر رکھا ہے۔ پھر جس ذکر کو ہم بلند قرار دیں، کون بشر اس کی بلندی کا پورا اندازہ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ...... کر سکتا ہے۔ یہ مخالفتیں اور یہ سازشیں تجھے تو کیا مٹا سکیں گی، مخالفین اور سازش کرنے والے خود ہی مٹ جائیں گے اور تیرا نام ان سب کو پست و سرنگوں کر کے خود ممتاز و سربلند رہے گا۔ (اللہ اکبر!)

کایا پلٹ

یہ آواز اس وقت دنیا کے سامنے بلند ہوئی تھی جب اسلام کے خلاف دولت، امارت اور حکومت کی ساری قوتوں کا ایکا تھا۔ جب اسلام محدود تھا۔ تنگ دستوں اور بے کسوں، ضعیفوں اور شکستہ حالوں کی ایک مختصر سی جماعت میں جب اللہ کا نام زبان پر لانے کا انعام ملتا تھا، گالیوں اور ذلتوں، تازیانوں اور عقوبتوں سے۔ مگر دیکھنے والوں نے دیکھ لیا کہ چند ہی روز میں کیسی کایا پلٹ تھی! قریش کے زور آور سردار خاک میں مل گئے۔ ان کے حلیف اور حمایتی مٹ کر رہ گئے۔ دولت مند یہود کا تختہ الٹ گیا اور جن کی عقل و فہم، قوت و اثر پر، دولت و سرمایہ پر، زمانہ کو ناز تھا، ان کے نام تک صفحۂ روزگار سے مٹ گئے۔ چودہ سو برس کی مدت میں دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ عقل و دانش کی کتنی منزلیں، حد و حساب سے باہر، عدد و حساب سے خارج، طے ہو چکیں، الحاد و مادیت کی قلمرو کتنی وسیع ہو چکی۔ پر آج خالق کے نام کے ساتھ جس مخلوق کا نام زبانوں پر آتا ہے، اللہ کے ذکر کے ساتھ جس بندہ کا ذکر کانوں تک پہنچتا ہے، وہ کسی قیصر و کسریٰ کا نہیں، کسی زار و فغفور کا نہیں، دنیا کے کسی شاعر و ادیب کا نہیں، کسی حکیم و فلسفی کا نہیں، کسی جنرل اور سردار کا نہیں، کسی گیانی اور کسی راہب کا نہیں، کسی رشی کا نہیں، یہاں تک کہ کسی

دوسرے پیمبر کا بھی نہیں، بلکہ عبداللہ کے لختِ جگر، آمنہ کے نورِ نظر، خاک بطحا کے اسی بے کس و بے بس یتیم کا، جسے قریش کے زور آور، جہل ونخوت کے نشہ میں اپنا ہی جیسا محض ایک مشتِ خاک سمجھ رہے تھے۔ کشمیر کے سبزہ زار میں، دکن کی پہاڑیوں میں، افغانستان کی بلندیوں میں، ہمالیہ کی چوٹیوں میں، گنگا کی وادیوں میں، چین میں، جاپان میں، جاوا میں، برما میں، روس میں، بخارا میں، مصر میں، ایران میں، عراق میں، شام میں، فلسطین میں، ترکی میں، نجد میں، یمن میں، مراکش میں، طرابلس میں، ہندوستان، پاکستان کے گاؤں گاؤں میں اور ان سب مہذب، نیم مہذب ملکوں کو چھوڑ کر خاص نافِ تمدن و مرکزِ تہذیب لندن، پیرس اور برلن کی آبادیوں میں، ہر سال نہیں، ہر ماہ نہیں، ہر ہفتہ نہیں، ہر روز پانچ پانچ مرتبہ، بلند میناروں سے جس نام کی پکار خالق کے نام کے ساتھ فضا میں گونجتی ہے، وہ اسی ایک سچے اور اچھے کا نام ہے، جسے بصیرت سے محروم دنیا نے ایک زمانہ میں محض ایک بے کس و یتیم کی حیثیت سے جانا تھا۔ (سبحان اللہ!)

رِفعت ذِکر کی تفسیر

یہ معنی ہیں ''یتیم کے راج'' کے۔ یہ تفسیر ہے وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ کی۔ کسی ایک صوبہ پر نہیں، کسی ایک جزیرہ پر نہیں، کسی ایک ملک پر نہیں، دنیا پر۔ دنیا کے دلوں پر، آج حکومت ہے تو اسی یتیم کی، راج ہے تو اسی اُمی کا۔ روشن خیال مصری دنیا میں قدم رکھتا ہے تو اسی کے نام سے برکت حاصل کرتا ہوا، خوش عقیدہ افغانی ڈھونڈتا ہے۔ پناہ تو اسی اسم پاک کی، جانباز ترک دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو اسی کے نام کا کلمہ پڑھتا ہوا اور مراکش کا مجاہد سینہ پر گولی کھا کر گرتا ہے تو اسی کے نام کی بلندی کی گواہی دیتا ہوا۔ (اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمۡ عَلَیۡہِ)

اللہ تعالیٰ کے انعامات کا نزول۔ ہر سختی کے ساتھ آسانی

اس پُرقوت بشارت، اس سچی پیش گوئی کے ساتھ جو صرف سچے ہی کی زبان سے ادا ہو سکتی تھی، قانونِ الٰہی کی یہ دفعہ بھی سنا دی گئی کہ ہر سختی کے ساتھ آسانی ہے، شرح صدر ہو چکا، سینہ مبارک کو فَاِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا...... انوارِ معرفت و سکینت سے بھرا جا چکا، وحی کی روشنی مرحمت کی جا چکی، پھر بھی عُسۡرِ وَ یُسۡر، تنگی و کشائش کا قانون دائمی اور نا قابل تبدیل ہے۔ مفسرین میں سے بعض کا قول ہے

کہ پہلی کشائش سے اسی دنیا کی نعمتیں اور دوسری کشائش سے آخرت کی راحتیں مراد ہیں اور پھر ایک جماعت اِس جانب بھی گئی ہے کہ ایک کشائش سے اشارہ عہد رسالتؐ کی فتح مندیوں کی طرف ہے اور دوسرے سے عہد خلفاء راشدین کے دورِ اقبال کی جانب۔ یہ سب مفہوم اپنی اپنی جگہ پر درست ہو سکتے ہیں، لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ اس تکرار سے درسِ ہدایت پر زور دینا رسول اور امت دونوں کے معنی میں الگ الگ مقصود ہو، یعنی جس طرح اس عبد کامل کو عُسْرِ کے بعد کے بعد یُسْو حاصل ہوا، ٹھیک اسی طرح اس یتیم کے پیروؤں کے لیے بھی راستہ کھلا ہوا ہے، تنگی کے بعد کشائش ان کے نصیب میں بھی آنی یقینی ہے۔

آخر میں یہ بھی ارشاد ہوتا ہے کہ اب جبکہ ہم نے تم کو اس بار سے ہلکا کر دیا ہے۔ جب اصلاحِ اُمت کا کام بجائے اس کے کہ تم اپنی عقل وفکر کے ذمہ رکھو، ہم نے اپنی وحی کے ماتحت کر دیا ہے۔ جب اس فکر و تدبیر کے کام سے ہم نے تمہیں فارغ وسبکدوش کر دیا ہے، تو بس اب تم بھی پوری طرح ہمارے احکام کو پہنچانے...... فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ. وَاِلٰى رَبِّکَ فَارْغَبْ فرائض و رسالت کے انجام دینے، خلقت کو راہِ ہدایت دکھانے میں لگ جاؤ اور اس راستہ میں ہر تکلیف اور محنت کو برداشت کرو (النصب، التعب (راغب) فانصب، فاتعب (بیضاوی) اور جس پروردگار نے تمہیں اس مرتبہ سے سرفراز کیا ہے، جس نے تمہارے لیے ہجومِ مشکلات میں یہ کشائش پیدا کر دی ہے، جس نے تمہارے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملا کر تمہارے ذکر کو یوں ہمیشہ کے لیے بلند کر دیا ہے، تمام تر اس کی طرف لَو لگائے رہو۔ سب سے بے پروا و بے نیاز، ایک اسی کے نام کا چرچا کرنے میں، ایک اسی کی پاکی پکارنے میں، ایک اسی کی بڑائی کے پھیلانے میں جان و دل سے لگے رہو۔

یتیموں کا والی، غلاموں کا مولیٰ

مکہ کا وہ یتیم آج خود ہی سب سے سربلند اور ساری دنیا کا سرتاج نہیں، بلکہ کارسازِ مطلق کی اس شانِ کریمی کی بلائیں لیجیے کہ اس مکّی یتیم کے طفیل میں، آج دنیا کے سارے یتیم، غریب سے غریب، بے کس سے بے کس یتیم، اپنی اپنی ٹوٹی ہوئی جھونپڑیوں، یتیم خانوں کی کوٹھریوں میں، بازار کی گلیوں میں، محل کے رہنے والے امیر زادوں اور شہزادوں سے کہیں زیادہ سربلند اور کہیں زیادہ معزز ہیں۔ وہ

خوش نصیب پاک بندے جن کے لیے اس دنیاوی زندگی کی قید سے رہا ہونے کے بعد چین ہی چین ہے، ان کی ایک بڑی پہچان یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی میں مسکینوں اور یتیموں کو محض اپنے پروردگار کی رضا جوئی کے لیے خلوص کے ساتھ، نہ کہ کسی وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا...... نمائش وریا کی غرض سے کھانا کھلاتے رہتے ہیں، اور جن بدنصیبوں کو یہاں اور وہاں ذلت کی سزا بھگتنی ہے ان کا خاص جرم یہ بتا دیا گیا ہے کہ وہ یتیموں کے كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ...... ساتھ، خواہ کوئی خاص بدسلوکی نہ بھی کرتے ہوں، تو بھی کیا کم ہے کہ وہ ان کی پوری عزت اور خاطر داری نہیں کرتے۔ شرفِ انسانیت کی سب سے بلند گھاٹی بغیر اس کے طے ہی نہیں ہوسکتی۔ انسانیت کے مرتبہٗ کمال تک رسائی ممکن ہی نہیں، جب تک قیدیوں اور غلاموں کو آزاد کرانے اور بھوک کے وقت یتیموں کو کھانا کھلانے کا شعار نہ بنالیا جائے...... وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ○ فَكُّ رَقَبَةٍ○ اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ يَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ○ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ (البلد۹۰/۱۲تا۱۵) اتنا ہی نہیں، بلکہ اصلی دین یہی ہے کہ یتیم کی خاطر مدارات، عزت وتوقیر کی جائے اور جو بدنصیب یہ نہیں کرتا، وہ خواہ بظاہر کیسا ہی نمازی ہو، لیکن اَرَءَيْتَ الَّذِیْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ. فَذٰلِكَ الَّذِیْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ...... (الماعون۱۰۷/۱تا۲) اگر یتیم کے حق کو نہیں پہنچانتا تو اپنی دینداری کے دعویٰ میں جھوٹا ہے، اس کی ساری مذہبیت مصنوعی اور نامقبول ہے۔

(یہاں جن آیتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ صرف وہی ہیں جن میں اِکرام یتیم کا اخلاقی و روحانی پہلو نمایاں ہے اور وہ بھی سب آیتیں نہیں، صرف نمونہ کے طور دو چار لے لی گئیں) آج ہے دنیا کا کوئی مذہب جس نے یتیموں کو یہ مرتبہ دیا ہو؟ جس نے یتیمی کو بجائے ایک باعث ننگِ داغ سمجھنے کے، اس قابلِ رشک درجۂ شرف و احترام پہنچا دیا ہو؟ آج ہے دنیا کا کوئی ایسا مذہب بجز اس ایک اکیلے، سچے دین کے جو ایک یتیم کا لایا ہوا ہے؟ وَ اٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَ لَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ وَ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا...... (النساء:۴/۲) ''(اور دیکھو!) یتیموں کے مال اُن کو واپس کر دو اُن کے اچھے مال کو برے مال سے نہ بدل لو اور اُن کے مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھا جاؤ، یہ بہت بڑا گناہ ہے۔''

اپنوں نے جو کچھ کہا وہ تو بہر حال کہتے ہی ہیں، دیکھئے یہ کہ منکر اور بیگانہ اور قرآن مجید کو ایک مکی

یتیم کی تصنیف قرار دینے والے کی زبان کیا شہادت دے رہی ہے:

''قرآن کو پڑھ کر سب سے زیادہ قابلِ داد چیز یہ ملتی ہے کہ محمد ﷺ کو بچوں کا کس درجہ خیال رہتا تھا، خصوصاً ان بچوں کا جو اپنے قدرتی والی وارث کے سایہ سے محروم ہو چکے ہوں، بار بار ان کی تعلیم بھی ملتی ہے کہ بچوں کے ساتھ عدل وشفقت کا برتاؤ کیا جائے۔'' [ص:۴۰-۴۱]

''یتیموں کے حقوق کا محمد ﷺ کو خاص اہتمام تھا۔ ان کا بار بار یتیموں کا ذکر لانا اور یتیموں کے حقوق غصب کرنے والوں، اور ان کے ساتھ نا انصافی برتنے والوں کے خلاف سخت وعیدیں، یہ سب سیرتِ محمدی ﷺ کی اس پاکیزہ پہلو پر دلیل ہیں، جس پر مسلمان مصنفین اکثر اور بجا طور پر فخر کرتے ہیں۔ [ص:۴۱]

......اور بھی متعدد آیتیں نقل کی جا سکتی ہیں جن سے معلوم ہو گا کہ محمد ﷺ کو اس باب میں کس قدر اہتمام تھا۔ حقیقت اس سے بڑھ کر ہے اور کسی معاملہ پر قرآن میں زور نہیں ملتا، چنانچہ اسی بناء پر مسلمانوں میں مالِ یتیم کے غصب کرنے کا گناہ، کبائر میں شمار کیا گیا ہے۔ ان کبائر میں جن کی تعداد عموماً صرف سات مانی گئی ہے۔'' [ص:۴۲،۴۳]

(ملاحظہ ہو ڈاکٹر رابرٹ رابرٹس پی، ایچ، ڈی کی کتاب ''قرآن کے قوانینِ معاشرتی''۔)

(مولانا عبدالماجد دریابادی)

یتیم ﷺ کی جیت

اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ.

''اے رسول! ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا فرمایا۔

بے بسی اور حکمتِ الٰہی

جو زور والے تھے ان کا زور توڑنے کے لیے، جو گھمنڈ والے تھے انہیں نیچا دکھانے کے لیے، جو حکمت اور حکومت والے تھے ان میں عبدیت کی شکستگی پیدا کرنے کے لیے اور سب سے بڑھ کر اپنی بے مثال قدرت وحکمت کا بے مثال نمونہ دکھانے کے لیے انتخاب اس کا کیا جاتا ہے، جو نہ زر رکھتا ہے نہ زور، نہ اس کے جلو میں سوار اور پیادے ہیں اور نہ اس کی بغل میں علوم وفنون کی پوتھیاں۔ ایک بے یارومددگار یتیم بچہ، جس کی ولادت سے قبل ہی اس کے باپ کو اٹھا لیا جاتا ہے۔ عرب کی سرزمین پر نمودار ہوتا ہے اور اسے حکم ملتا ہے کہ اپنے خاندان اور اپنے قبیلہ ہی کی نہیں سارے ملک کی بھی نہیں، سارے عالم کی اصلاح پر کمربستہ ہو جائے۔ عقل حیران، دماغ متحیّر!

سرمایہ داروں اور سامراجیوں کے قہقہے

جنہیں اپنی تہذیب وشائستگی پر ناز تھا، انہوں نے قہقہے لگائے، جنہیں خطابت وسحر بیانی کا دعویٰ تھا، انہوں نے تالیاں بجائیں، جنہیں آج کل کی برہنہ تصویروں اور نیم برہنہ صورتوں کی طرح اپنی برہنہ شاعری پر فخر تھا، انہوں نے آوازیں کسے، مال اور جتھے والوں کے تیور پر بل پڑے، اور جو زور و قوت والے تھے، وہ تن تن کر اور اکڑ اکڑ کر میدان میں نکل آئے۔

نور اور ظلمت کی آویزش

مقابلہ زور اور ضعف کے درمیان...... جسے دنیا زور اور قوت سے تعبیر کرتی ہے اور جسے دنیا

ضعف و ناتوانی کہہ کر پکارتی ہے۔ ایک طرف سامان کی فراوانی، دوسری طرف بے سروسامانی، اِدھر سازشیں، اُدھر تنہائی کی عبادتیں، یہاں ریاست و سرداری، وہاں فاقہ و بیکسی، اِس طرف جاہ و تجمل، اُس طرف فقر و توکل...... جو اکیلا اور دنیا کی نظروں میں بے یار و یاور تھا، اس پر خوب جی بھر کے ٹھٹھے لگائے گئے اور جو شان کے اونچے اور جتھے والے تھے، انہوں نے پکار پکار کر کہا کہ ذرا سننا اور دیکھنا، اس تخیل کو تو دیکھنا کہ جسے جھونپڑا بھی نصیب نہیں، وہ محلوں کے خواب دیکھ رہا ہے اور جو اپنی بے بسی اور بے کسی کے دور کرنے پر قادر نہیں، وہ دنیا کو راہِ ہدایت دکھانے کا دعویٰ اور خلق کو جادۂ اصلاح پر لانے کا حوصلہ کر رہا ہے؟...... یہ سب کرشمے وہ دکھا تا رہا تھا، جس نے نمرود کا بھیجا ایک مچھر کے ذریعے سے پاش پاش کر دیا تھا۔ جس نے ابراہہ کے ہاتھیوں کو چھوٹی چھوٹی چڑیوں کی خوراک بنا دیا تھا اور آج بھی لارڈ کچز (برطانیہ کے شعبہ فضائی کے وزیر، ۱۹۳۱ء میں ہوائی جہاز میں آگ لگ جانے سے ہلاک ہوئے) اور لارڈ ٹامسن کو دم کے دم میں ڈبوتا اور جلاتا اور زارِ روس اور زارینہ کو آن کی آن میں مارتا اور ہلاک کرتا رہتا ہے۔

کفارِ قریش کی جھوٹی مسرت

قدرت اور حکمت کا تازہ ظہور یوں ہوتا ہے کہ ربِ واحد کے اِس مخلص بندے خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کا لاڈلا بچہ (سیدنا ابراہیم) اس کی آنکھوں کے سامنے جان دیتا ہے اور جو دشمن کی بھی تکلیف کو دیکھ کر تڑپ جاتا تھا، اس کا ننھا اور معصوم لختِ جگر اسی کے آغوشِ شفقت میں دم توڑ کر رہتا ہے۔ اللہ اللہ! کیا شان بے نیازی اور کیا جلوۂ حکمت آرائی ہے کہ باغیوں اور سرکشوں کی 'اولاد' اور اولاد دَر اولاد پھل پھول رہی ہے اور جو اپنے رب کا نام لینے والا ہے، اُسے اس نعمت سے بھی محروم کیا جا رہا ہے۔ اس کے پاس نہ دولت تھی نہ حکومت نہ اس کی کوئی بڑی پارٹی تھی، نہ اس کے معتقدین کا کوئی وسیع حلقہ ہر طرف سے مخالفت کا ہجوم، ہر سعی و اصلاح میں ناکامی، ہر دعوتِ حق میں بے اثری، غرض ہر دنیوی نعمت سے محرومی چشم ظاہر کو پہلے ہی سے نظر آ رہی تھی، لے دے کے یہ جو آخری نعمت تھی، اب یہ بھی چھن کر رہ گئی۔ دنیا ایسے مواقع پر کیا رائے قائم کرتی؟ اس نے وہی رائے قائم کی جو اندھوں اور بے بصروں نے ہمیشہ قائم کی ہے۔ وہ ہنسی، مسکرائی، وہ خوشی سے اچھلی اور کودی۔ عاص بن وائل (قال ابن

عباس و مجاہد و سعید بن جبیر و قتادہ نزلت فی العاص بن وائل......ابن کثیر) منکروں کا ایک سردار اور نابجاروں کا ایک پیشوا تھا۔ اس نے چمک چمک کر اور مٹک مٹک کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ چلو، چھٹی ہو گئی محمد ﷺ کی نسل ختم ہوئی اور آگے نہ اس کے کام کو چلانے والا کوئی باقی رہا نہ اس کے نام کا لینے والا، دیکھا ہمارے دیوتاؤں سے بے ادبی کرنے کا انجام......جنہوں نے محمد ﷺ کو محض گوشت و پوست کا مجموعہ سمجھ رکھا تھا، وہ اس طنز میں شاید معذور بھی تھے، کوئی کس طرح دکھا دیتا کہ کس عنصری کا لفافہ اپنے اندر کس روح مطہر کو ڈھانپے اور چھپائے ہوئے ہے۔

بہر حال غیرتِ حق نے اس طعن کو سنا اور اب اس میں حرکت ہوئی۔ آواز آتی ہے اور وہاں سے آتی ہے جہاں نہ الفاظ کا گزر ہے نہ حروف کا پتہ، کہ یہ بے خبر اور بے بصر، یہ غافل اور جاہل، تیرے اوپر طعنہ زن ہیں۔ ان بدبختوں کو کیا خبر کہ ہم نے تجھے خیر کثیر دے رکھی ہے، بھلائیوں کے خزانے دَر خزانے تجھے عطا...... اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ...... کر رکھے ہیں۔ ساری اچھائیوں، ساری خوبیوں، ساری محبوبیوں کا مالک تجھے بنا رکھا ہے۔ تیرے لیے کس چیز کی کمی ہو سکتی ہے۔ دنیا میں بھی، عقبیٰ میں بھی؟ جسے دینے والے ہم ہوں اس کی دولت مندی کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے۔ جسے بخشنے والے ہم ہوں اس کی نعمت اندوزیاں کس کے شمار میں آ سکتی ہیں؟ جس پر مہربان ہم ہوں اس کے جاہ و جلال، اس کے عز و کمال، اس کے حُسن و جمال، اس کے مال و منال اور اس کے اوج و اقبال کا احاطہ کرنا کس کے بس کی بات ہے؟

اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ.

خیر کثیر

دینے والا تو یہ ہوا، اور دیا کیا گیا؟ بہت اور بہت ہی بہت ''کوثر'' اس کوثر کی تشریح کون کرے اور کن الفاظ سے کرے؟ اربابِ شرح و تفسیر میں سے سب نے اپنے اپنے مذاق کی پیروی کی ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ:

''کوثر سے مراد جنت کی نہرِ کوثر اور محشر کا حوضِ کوثر ہے۔''

اور کسی نے لکھا ہے کہ:

''دوسرے انبیاء علیہم السلام پر جو فضیلت وسر بلندی دی گئی ہے وہ اس سے مراد ہے۔''

بے شک یہ سب کچھ مراد ہوگا، لیکن لفظ کے مفہوم کی وسعت کو کیوں محدود کیجیے اور کیوں نہ اسے انہی فراخیوں اور پہنائیوں کا حامل رہنے دیجیے جو بخشنے والے اور عطا کرنے والے کی شانِ یکتائی کے شایاں ہیں۔ اللہ اکبر! جن نعمتوں اور جن بخششوں کو بے تکان اور بے اندازہ بخشنے والا، خود ''بہت'' اور ''بہت ہی بہت'' فرمائے، ان کے رتبے کی پیائش کے لیے انسان بے چارہ کوئی پیانہ کہاں سے لائے؟ اہل لغت نے بہت ہاتھ پیر مارے۔ کوثر کی شرح مختلف عنوانوں اور متعدد پیرایوں سے کی بالآخر یہی کہتے بنا کہ:

وَمَا لَا يُحْصٰى مِنَ الْخَيْرِ (صاحب لسان العرب نے بہت سے معانی دے کر آخر یہ فقرہ لکھا ہے اور مفرط الکثرۃ تو بہتوں نے لکھا ہے۔)

وہ ان سب بھلائیوں پر شامل ہے جو شمار میں بھی نہیں آسکتیں۔ اب مرادِ کلام واضح اور مفہومِ متکلم ظاہر ہے۔

نسل یا نام لیوا کے خاتمہ کا طعنہ

یہ خبیث طعنہ زن ہیں کہ تیری نسل ختم ہو رہی ہے اور تیرا سلسلہ منقطع ہو رہا ہے۔ تیری نسل بھلا کبھی ختم ہونے والی اور تیرا سلسلہ کبھی قطع ہونے والا ہے؟ یہ بدباطن دیکھنے کو زندہ نہ رہیں گے، لیکن ان کے جانشین دیکھیں گے، زمین وآسمان دیکھیں گے، جن و بشر دیکھیں گے، آفتاب و ماہتاب دیکھیں گے کہ تیری نسل قائم اور تیرا سلسلہ دائم ہے۔ بادشاہتیں بنیں گی اور بگڑیں گی، حکومتیں قائم ہوں گی اور مٹیں گی، شہر بسیں گے اور اجڑیں گے، قومیں ابھریں گی اور فنا ہوں گی، لیکن تیرا نام زندہ اور تیرا کام پائندہ، قیامت تک قائم اور قیامت کے بعد بھی قائم۔ دنیا میں تیرے نام کی وہ عزت ہوگی جو نہ آج تک کسی بندہ کی ہوئی نہ آئندہ ہوگی۔ اونچے اونچے میناروں سے تیرا نام ہمارے نام کے ساتھ پکارا جائے گا۔ دشت وجبل، صحرا و دریا، بحر و بر، شہروں اور دیہاتوں، آبادیوں اور ویرانوں، سمندروں اور پہاڑوں، وادیوں اور گھاٹیوں میں سب کہیں تیرے نام کی منادی ہوگی۔ حجاز وعراق، یمن وشام، حبش ومصر، ایران وتوران، بخارا و ہندستان، چین و جاپان، روس و افغانستان، جرمنی و انگلستان، فرانس و امریکہ، دنیا کا

گوشہ گوشہ اور ہماری وسیع زمین کا چپہ چپہ تیرے نام کی پکار سے گونجے گا۔ ذرہ ذرہ تیرے کام کی عظمت کی گواہی دے گا اور تیرا نام ان ان کانوں تک پہنچے گا جو سوا تیرے ہر دوسرے ہادی کے نام سے ناآشنا ہوں گے۔ آج تو ان کور بصروں کی نگاہ میں حقیر ہے، کل تو ہی بلند کیا جائے گا، کل تیری ہی عزت ہوگی اور اس وقت ہوگی جب سب کی عزتیں پامال اور سب کی شہرتیں خاک میں مل چکی ہوں گی۔ جو اپنی شامت سے تجھے مانیں گے نہیں، وہ بھی کم از کم جان ضرور لیں گے۔

معنوی اولاد

اور تیری صلبی اولاد کے بدلے ہم تیری معنوی اولاد کروڑوں اور اربوں کی تعداد میں اور اس سے بھی کہیں بڑھ کر انسان کے شمار و اعداد میں نہ سما سکنے والی تعداد میں قیامت تک ایسی پیدا کر دیں گے جو تجھے اپنے والدین سے کہیں بڑھ کر عزیز و محبوب و مکرم و محترم رکھے گی۔ جو اپنی نجات تیری رضا جوئی پر موقوف سمجھے گی، جس کی ورد زبان پر اٹھتے اور بیٹھتے تیرا ہی نام اور تیرا ہی کلمہ رہے گا۔ تیرے نام پر بے گنتی اور بے شمار درود پڑھا جائے گا اور تیرے نام کی تسبیحیں صبح اور شام، دوپہر اور سہ پہر، آدھی رات کو اور پچھلے پہر، دن اور رات کے ہر لمحہ میں پڑھی جاتی رہیں گی۔ تیرے نام کو وہ ادب اور وہ احترام ہوگا جو کسی لڑکے نے اپنے باپ کا نہ آج تک کیا نہ آیندہ کرے گا (ادب، احترام وہی ہے جو ممدوح کے شایانِ شان ہو۔ مثلاً یہ کہ رسول کو رسول کہہ کر پکارا جائے نہ یہ کہ اُسے ابن اللہ یا اوتار وغیرہ مانا جانے لگے۔ یہ تو صریح توہین ہوئی نہ کہ تعظیم)۔ ہم نے بہتوں کو عزتیں بخشی ہیں، بہتوں کے مرتبے بلند کیے ہیں، بہتوں کو سرداریاں عطا کی ہیں، لیکن جو مرتبہ تجھے عطا ہو رہا ہے وہ بس تیرے ہی ساتھ مخصوص ہے۔

سیرتِ پاک کی عظمت

تیرے منہ سے نکلے ہوئے بول ایک ایک کر کے جمع کیے جائیں گے اور اس شغف و احترام، تحقیق و سند کے ساتھ جمع کیے جائیں گے کہ ان کی کوئی نظیر دنیا کی کوئی تاریخ، کوئی تذکرہ، کوئی ملفوظ، کوئی سوانح عمری نہ پیش کر سکے گی۔ تیری سیرت اور تیری تاریخ اس تفصیل و جامعیت کے ساتھ دنیا کے حافظہ میں محفوظ رکھی جائے گی، جس کی مثال نہ کسی بادشاہ کشور کشا کی سیرت میں ملے گی، نہ کسی نبی و ولی

کے تذکرہ میں، تیرے اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، بولنے ہنسنے، سونے جاگنے، کھانے پینے، سب کا ایک ایک جُزمحفوظ رکھا جائے گا۔ کروڑ ہا کروڑ، اور اربہا ارب بندے اپنی نجات تیرے ہی نقشِ قدم پر چلنے سے وابستہ سمجھیں گے، بیسیوں اور سینکڑوں کتابیں تیرے ملفوظات اور تیرے معمولات پر تالیف کی جائیں گی اور ہزار ہاہزاران کی شرحیں تیار ہوں گی اور خود تیری ذات تو بڑی چیز ہے جنہوں نے تجھے کبھی دیکھا، بلکہ جنہوں نے تیرے دیکھنے والوں کو دیکھا انہیں بھی زندہ رکھا جائے گا، انہیں بھی ممتاز وسر بلند کیا جائے گا، ان کی سیرتیں بھی تاریخ کے نگار خانہ میں منِ وعَن محفوظ رکھی جائیں گی۔ دنیا بڑے سے بڑے فلسفیوں کو، بڑے سے بڑے بادشاہوں کو بھول جائے گی، لیکن نہ بھول سکے گی تو اس اَن پڑھ اور فاقہ مست بدوی کو جس کی خصوصیت بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ وہ تیرے دیدارِ جمال سے مشرف ہوا ہے۔ دارا وسکندر، چنگیز و جولیس سیزر، نپولین ومسولینی، جالینوس و بقراط، فیثا غورث وسقراط، ارسطو و افلاطون، نیوٹن واسپنسر، اپنے علم وعمل میں بڑے بڑے کارنامے، اپنی کامیابیوں اور اپنی فتح مندیوں کی بڑی بڑی یادگاریں، اپنے نزدیک دنیا کے لیے چھوڑ کر جائیں گے۔ ان سب کی یاد رفتہ رفتہ بھلا دی جائے گی۔ یہ سارے نقش دیکھتے دیکھتے ماند پڑ جائیں گی اور لوحِ دہر پر نقش قائم رکھا جائے گا تو تیرا اور تیرے غلاموں کا اور تیرے غلاموں کے غلاموں کا۔

رسول اللہ ﷺ کی نام لیوا معنوی اولاد

تو اَن پڑھ ہے اور حروف و کتاب سے ناآشنا (مگر تیری تعلیم وتربیت کا رب کریم کی طرف سے انتظام ہوا) اور تیری عظمت کی گواہی دینے والے وہ ہوں گے، جنہیں ناز اپنے علم وفضل پر اور دعویٰ اپنے کمالِ فن کا ہوگا۔ کچھ لوگ تیرے اقوال اور ملفوظات کی جمع وتحقیق اور ان کی شرح وتفسیر میں اپنی اپنی عمر بسر کر دیں گے اور بخاریؒ ومسلمؒ ابن حجرؒ وابن جوزیؒ کی طرح محدثین کے گروہ میں محشور ہونا اپنے لیے باعث فخر سمجھیں گے۔ ایک گروہ تیرے بتائے ہوئے احکام کی جانچ پڑتال اور ان سے استنباطِ جزئیات کی خاطر اپنی زندگیاں وقف کر دے گا اور ابوحنیفہؒ وشافعیؒ، مالکؒ وابو یوسفؒ، نخعیؒ ومُزنیؒ کے مثل اِفتاء وتفقہ کو اپنے لیے باعث سعادت خیال کرے گا۔ ایک جماعت تیری باطنی تعلیمات کی دلدادہ ہوکر راہِ سلوک ومجاہدہ میں پڑ جائے گی اور کتنے ہی جنیدؒ وشبلیؒ، جیلانیؒ، اجمیریؒ تیری ہی مشعل سے اپنے اپنے

چراغ نسلاً بعد نسلٍ جلاتے رہیں گے۔ رومیؒ وسعدیؒ، حافظ وسنائیؒ، اکبر و اقبال اپنے شاعرانہ کمالات کو تیری غلامی پر نثار کر دیں گے۔ ابو حامد غزالیؒ اور ولی اللہ دہلویؒ اپنی سربلندی تیرے ہی بتلائے ہوئے حقائق و اسرار کی تشریح و ترجمانی میں سمجھیں گے اور رازی وطوسی، فارابی و ابن سینا کو عقل و دلیل کے طوفان میں اگر پناہ کہیں ملے گی تو تیرے ہی دامن کے سایہ میں، حدیث، فقہ، سلوک، تصوف، کلام، کتنے ہی فن مخصوص تیرے ہی سلسلہ کی خدمت کے لیے عالم وجود میں آئیں گے اور علوم وفنون کے کتنے ہی علمبردار، ہر ملک اور ہر قوم اور ہر زمانہ میں، اپنی تحقیق و کاوش کو تیری خدمت کے لیے وقف رکھیں گے۔ برلن اور پیرس اور لندن، تیرے، اور تیرے دین کے دشمنوں کے پایۂ تخت ہوں گے، لیکن تیرا نام ہمارے نام کے ساتھ ان شہروں میں بھی ہر روز اور ہر روز بھی پانچ پانچ وقت بلند ہوتا رہے گا اور ہمارے عطاء کوثر کی شہادت بہم پہنچاتا رہے گا۔

ظہورِ نتائج

یہ سب کچھ آب وگل والی دنیا میں ہوگا اور ہوتا رہے گا اور اسے دنیا والے اپنی مادی آنکھوں سے برابر دیکھتے رہیں گے۔ باقی جو کچھ اس عالم کے خاتمہ کے بعد، ہماری طرف مراجعت کے بعد ہوگا، اس کے فہم و ادراک کے لیے تو ان شامت زدوں نے اپنے پاس کوئی ادنیٰ سا ذریعہ بھی باقی نہیں رکھا ہے۔ قرآن ونبوت کے اندر جو گہری اور حقیقی نعمتیں جھلک رہی ہیں اور شفاعتِ کبریٰ ولوائے احمد، حوضِ کوثر و نہرِ جنت کی نعمتوں کی قدر و قیمت کا اندازہ تو اسی وقت ہوگا، جب یہ حقیقتیں پردۂ غیب سے نکل کر شہود میں آ چکیں گی اور افسوس ہے کہ اس وقت کی حسرتیں اور ندامتیں، پشیمانیاں اور پریشانیاں، کچھ ان کے کام نہ آئیں گی، لیکن اس مادی دنیا میں جو کچھ پیش آنے والا ہے اس کے ظہور کے لیے تو زیادہ انتظار کی ضرورت نہیں، جلد اور بہت جلد پردہ آنکھوں سے ہٹنے کو ہے اور سب کو نظر آ جانے کو ہے کہ اولادِ صلبی کے عوض میں بے شمار اور بے حساب اولادِ معنوی تجھے دے کر، تیرے نام کو چمکا کر، عطاءِ کوثر کا مشاہدہ اسی دنیا میں کیونکر کرا دیا جاتا ہے۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد

نماز اور قربانی

غرض دینے والا وہ جس کا نہ کوئی ثانی نہ کوئی شریک، نہ کوئی مثال نہ کوئی عدیل، اور دیا گیا وہ جو نہ پہلے کسی پانے والے کو ملا تھا اور نہ آیندہ کسی خوش نصیب کے نصیب میں آئے گا، لیکن لینے والا بھی کون تھا؟ وہ نہیں جو اس لطف و کرم، جود و عطا، فضل و بخشش سے بھول میں آ کر غفلت میں پڑ جائے اور اپنے تعلق باللہ کو ذرا بھی ماند پڑنے دے، اس کی طبعِ سلیم کا یہ فطری تقاضا ہے اور عین اسی کے مطابق اسے حکم بھی ملتا ہے کہ وہ برابر...... فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانۡحَرۡ اپنے پروردگار کی یاد میں لگا رہے۔ اس کے لیے نمازیں پڑھتا اور قربانی کرتا رہے۔ الفاظ میں تصریح صرف دو عبادتوں کی آتی ہے۔ ایک نماز، دوسری قربانی، لیکن یہی دو عبادتیں خلاصہ ہیں ساری عبادات کا۔ حقوق اللہ کی ادائی کی ساری صورتوں کی جامع نماز ہے، اور حقوق العباد کا لب لباب قربانی میں آ گیا اور رسول کو یہ ہدایت کر کے امت کے لیے بھی یہ اشارہ کر دیا گیا ہے کہ جب فضل و کرم کی بارش ہونے لگے تو ادائے شکر کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ ادائے حقوقِ الٰہی و ادائے حقوقِ عباد میں اور زیادہ توجہ و التفات شروع کر دیا جائے نہ یہ کہ ان کی طرف سے غفلت برتی جانے لگے۔

یتیم مکہ ﷺ کی فتح مبین

سرچشمۂ حق و صداقت کی پیش گوئی کے ایک حصہ کو پورا ہوتے دوست و دشمن، سب چودہ سو سال سے دیکھتے چلے آ رہے ہیں، لیکن دوسرا جزو بھی اپنی سچائی میں کچھ کم اثر انداز نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے اور عین اس وقت کہ جوشِ مخالفت اور مخالفین کے اقتدار و قوت کا شباب ہے، بے دھڑک...... اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ...... اور بلا جھجک ارشاد ہوتا ہے کہ...... بے نام و نشان رہ جانے والے تیرے دشمن ہی ہیں...... آج ان کور باطنوں کو اپنی کثرتِ آل و اولاد پر غرّہ ہے، اپنی اقبال مندی اور کامرانی کا دعویٰ ہے، اپنے پھلنے پھولنے پر ناز ہے، تیری اولاد کی وفات پر طعنہ زن ہیں کہ تُو بے نام و نشان رہ گیا...... بے نام و نشان رہ جانے والا تُو نہیں، بلکہ یہ خود ہیں، بے سلسلہ رہ جانے والا تیرا کام نہیں، خود ان کا کام

ہے، مٹ جانے والا تیرا نام نہیں، اُن کا نام ہے۔ بجھ جانے والی روشنی تیری نہیں ان کی ہے اور جن کی اولادِ صلبی و معنوی نیست و نابود ہو کر رہے گی۔ وہ تُو نہیں یہ خود ہیں۔ یہ مٹ جائیں گے۔ ان کی اولاد برباد کر دی جائے گی۔ ان کے گلشن تاراج کر کے رکھ دیے جائیں گے۔ ان کی نسلیں خاک میں ملا دی جائیں گی۔ یہ ناموری کے بھوکے ہیں، انہیں گمنام و بے نشان کر دیا جائے گا۔ تاریخ ان کے نام پر لعنت بھیجے گی۔ انسانیت اپنا شجرۂ نسب ان سے جوڑتے شرمائے گی۔ کوئی نہ ان کا نام لینے والا رہے گا نہ ان پر فاتحہ پڑھنے والا۔

دنیا نے چند ہی روز کے بعد کیا نظارہ کیا؟ اس چودہ سو برس کی مدت میں کیا دیکھتی چلی آ رہی ہے؟ ......ابوجہل کی قبر کا بھی کہیں نشان ہے؟ ......ابولہب کا ''مزار'' آج تک کوئی تلاش کر سکا ہے؟ ......عاص بن وائل کی اولاد آج دنیا کے کسی خطہ میں آباد ہے؟ ......امیہ بن خلف کے کارناموں کی داد آج تاریخ کے کون سے طلبہ دے رہے ہیں؟ ......ولید بن مغیرہ کے فضائل و مناقب کا چرچا آج کسی کی زبان پر ہے؟ ......عقبہ کی اولاد آج دنیا کے کسی گوشہ میں آباد ہے؟ ......رؤساءِ قریش کی ریاست اور سردارانِ مکہ کی سرداری کی کہیں گرد تک بھی باقی ہے؟ ......روئے زمین کے کسی خاندان کو آپ نے پایا ہے جو اپنا شجرۂ نسب ان باغیوں اور طاغیوں سے جوڑ رہا ہو؟

دُور درود و سلام

انہیں بھی چھوڑیے۔ ان کے بعد سے اس وقت تک صدیوں کے طویل و عریض زمانہ کا جائزہ لے ڈالیے۔ ہر ملک اور ہر دور کی تاریخ کو دیکھ ڈالیے، محمد ﷺ سے جس نے دشمنی کی، اس کا کیا انجام ہوا؟ کسی کی قسمت میں عزت و ناموری آئی؟ جس کی مدح اللہ تعالیٰ نے کی، جسے اللہ نے محمد کہہ کر پکارا، اس کی ہجو کو جو بھی اٹھا، خود لڑکھڑا کر گرا۔ جو اس سے ٹکرایا، پاش پاش کر دیا گیا۔ جس نے اس سے گستاخی کی جرأت کی اُسے پامال کر دیا گیا۔ جسے لاولدی کی بنا پر گمنامی اور بے نشانی کا طعنہ دیا گیا تھا۔ دنیا دیکھ رہی ہے اور ہزار ڈیڑھ ہزار سال سے دیکھتی چلی آ رہی ہے کہ وہ سب سے زیادہ وسیع العیال اور کثیر الاولاد ہے جس کی بے کسی و بے بسی پر ہنسی اڑائی گئی تھی، وہی ناموری کا سردار، شہرت والوں کا سرتاج ہے۔ جس کے نام کو مردہ سمجھ لیا گیا تھا، اسی کے نام پر درود و سلام ہیں، اُسی کی اطاعت باعث

نجات اور اُسی کا نام اللہ کے نام کے ساتھ بلند وممتاز۔

تمہارے نام کی رٹ ہے اللہ کے نام کے بعد

دلہاڈمن اور سیل مغرب میں اور ان جیسے ہزاروں اور لاکھوں بد بخت مشرق میں مل کر اور اکٹھے ہو کر بھی۔ اس عزت و ناموری کو حاصل کر سکتے ہیں؟ اور اپنے نام کو اور اپنے کام کو مردہ ہونے سے بچا سکتے ہیں؟

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ.

(مولانا عبدالماجد دریابادی)

اپنی مِلّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولؐ ہاشمی

اُن کی جمعیّت کا ہے مُلک و نسب پر اِنحصار
قوّتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیّت تری

دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیّت کہاں
اور جمعیّت ہوئی رخصت تو مِلتّ بھی گئی

دُنیا کا مسافر یا آخرت کا راہی؟

﴿وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى﴾ (الاعلیٰ:۸۷/۱۷)

آخرت (یعنی جنت کی زندگی) خوبتر اور قائم و دائم رہنے والی ہے۔

دنیا میں انسان کا وجود

دنیا میں انسان کا وجود اس کی رفتار کا پہلا قدم ہے۔ جب سے یہ دنیا میں آیا ہے اس کو ایک منٹ کے لیے قرار نہیں، سکون سے یہ آشنا نہیں، قرار کا یہ خوگر نہیں۔ حرکت سے یہ زندہ ہے، سکون سے یہ مردہ ہے۔ وجود میں انسان کا آنا تھا کہ ایک مسافر کی طرح ایک رخ میں چل پڑا۔ اس کے آگے پیچھے دو طرفیں قائم ہوگئیں۔ دنیا اس کے پیچھے ہے، آخرت اس کے آگے ہے۔ لحہ بہ لحہ پیدائش سے دور تر، موت وقبر سے قریب تر ہوتا جاتا ہے۔ دنیا کو چھوڑتا جاتا ہے، آخرت کی طرف بڑھتا جاتا ہے، اس کے بدن کو سکون وقرار ملتا ہے مگر اس کی زندگی کو لحہ کے لیے قرار نہیں۔ یہ چلتا ہے تو وہ چلتی ہے، یہ سوتا ہے تو وہ چلتی ہے۔ غرض چلنے سے اس کو کام ہے۔ آگے بڑھنے سے اس کو سروکار ہے۔ دنیا میں کوئی ایسا راہ گیر نہیں جو کبھی نہ ٹھہرتا ہو۔ دنیا میں کوئی ایسا مسافر نہیں جو کبھی دم نہ لیتا ہو مگر انسان کی حیات وہ راہ گیر و مسافر ہے جو منزل مقصود موت ہی پر پہنچ کر سانس لیتی ہے۔ دنیا کے سارے خطرات کو جھیلتی، ہر مصیبت و آفت کی گود میں کھیلتی، آگے ہی آگے بڑھتی جاتی ہے۔ یہ بار بار ٹھہرنا نہیں جانتی، اسی طرح یہ ایک بار ٹھہر کر پھر چلنا نہیں جانتی۔ دنیا اس کی حرکت کا میدان ہے اور آخرت اس کے سکونِ ابدی کا مقام۔

اس موت کے آگے اکبر مشغولیٔ دنیا کچھ بھی نہیں
سب کچھ جسے ہم سمجھے تھے ابھی دم بھر جو دیکھا کچھ بھی نہیں

تدبیر کی کوئی حد نہ رہی اور بالآخر کہنا ہی پڑا
اللہ کی مرضی سب کچھ ہے بندہ کی تمنا کچھ بھی نہیں

موت سے پہلے جو خطرہ اس کو پیش آئے، جس محنت و مشقت سے اس کو سابقہ پڑے، اس کی رفتار میں فرق نہیں آتا۔ ہر وقت وہ مصیبت کو سر کرتی ہوئی ہر سنگِ راہ سے ٹکراتی ہوئی آخرت کی طرف تیزی سے بڑھتی جاتی ہے۔ اپنے خالق سے جلد ملنا چاہتی ہے۔ خالق دو جہاں کا صاف ارشاد ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِیْهِ﴾ (الانشقاق:٦/٨٤)

”اے انسان! تو دنیا کی راہ میں محنت و مشقت سے گزرتا ہوا اپنے پروردگار کی جانب چلا جا رہا ہے۔ پس تو اس سے جا ملے گا۔“

یعنی تو نہ ایک جگہ قائم ہے نہ پیچھے ہٹ رہا ہے بلکہ تیرا ہر قدم مسافر کی طرح آگے ہی آگے اپنے رب کی طرف تیزی سے اٹھتا جا رہا ہے۔ آخر ایک روز تو اپنے پروردگار کے روبرو پہنچ کر اس سے جا ملے گا۔

بزرگوں نے زندگی کو اس تیز رو دریا سے تشبیہ دی ہے جو جوش و خروش سے بہتا ہوا پہاڑوں اور ٹیلوں سے ٹکراتا ہوا، ہر بلندی و پستی سے گزرتا ہوا، غرض تلاطم کا ایک طوفان برپا کرتا ہوا، سمندر کی طرف تیزی سے بڑھتا جاتا ہے اور اس کو اپنی پوری راہ میں سکون و قرار نہیں۔ البتہ جب یہ اپنا طوفانی سفر طے کر کے سمندر کے پُرسکون ساحل میں جا ملتا ہے تو اپنا اضطراب بھول کر سمندر کی گود میں جا سوتا ہے اور مکمل سکون سے ہمکنار ہوتا ہے، بس یہی حال انسان کی دنیاوی زندگی کا ہے کہ سفرِ دنیا میں یہ ایک تلاطم میں ہے، نشیب و فراز میں ہے۔ کبھی صحت و تندرستی کے دور سے گزر رہی ہے تو کبھی بیماری کے دن کاٹ رہی ہے کبھی امیری کا زمانہ ہے تو کبھی محتاجگی کے تلخ دن اس کے نصیب میں ہیں۔ بس ابدی قرار گاہِ آخرت میں پہنچ کر اس کو قرار اور سکون نصیب ہوتا ہے اور اسی لیے آخرت کو ”دارالقرار“ کہا ہے۔

مجالِ گفتگو کس کو فنا کا جب پیام آیا
ہوئی خاموش آخر شمع بھی آتشِ زباں ہو کر

سفرِ دنیا کی منزلیں

اے دنیا کے مسافر! یہ تیرا بچپن، یہ تیری جوانی اور یہ تیرا بڑھاپا تیرے راستے کی منزلیں اور راہ کی

قرار گاہیں ہیں جن پر کچھ مدت رہتا ہوا تو آگے ہی آگے چل رہا ہے اور اپنے پروردگار سے روز بروز قریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ اسی طرح یہ رات و دن جو تجھ پر روز آ رہے اور جا رہے ہیں، یہ مہینے اور سال جن کو تو اپنی زندگی میں ختم کرتا جا رہا ہے۔ یہ تیری راہ کے چھوٹے بڑے نشانات و علامات ہیں جن پر سے تو گزر رہا ہے اور ایک ایک کر کے سب کو چھوڑ رہا ہے۔ ان سے تو پتہ لگا تا ہے کہ دنیا میں تو اپنا کس قدر راستہ طے کر چکا اور آخرت کی طرف کتنا بڑھ چکا ہے بلکہ یہ خود تیرا لگایا ہوا اندازہ ہے جس سے تو اپنے سفر دنیا کو ناپتا اور جانچتا ہے تیرے خالق کا انداز اس سے جدا اور نرالا ہے اس نے انسان کی زندگی کو نہ گھڑیوں اور دنوں سے ناپا ہے نہ مہینوں اور سالوں سے جانچا ہے بلکہ سانسوں سے اس کے نشاناتِ سفر قائم کیے ہیں اور یوں تیز رفتاری بتا کر انسان کی آنکھیں کھولی ہیں۔ انسان کہہ سکتا ہے کہ اس نے اپنی زندگی کا ایک دن گزارا مگر اس کا خالق کہے گا کہ اس نے دن میں اپنی زندگی کے اتنے ہزار سانس لے ڈالے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا﴾ (مریم:۱۹/۸۴)

''ہم ان کے سانس گن رہے ہیں۔''

سفرِ دنیا کا خاتمہ

انسان کے سفر کا خاتمہ بھی سانس سے ہی ہوگا۔ اس کو دنیا سے جانے میں نہ دن لگیں گے نہ مہینے بلکہ جس لمحہ میں سانس رکے گا، اسی لمحہ میں یہ دوسرے عالم میں قدم رکھے گا۔ اشارے میں دنیا کی سرحد سے پار ہوگا۔ سفر چھوڑ کر مقیم ہوگا۔ ابھی یہاں تھا اور ابھی وہاں ہوگا۔ جناب حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((اَلْمُبَادَرَةُ الْمُبَادَرَةُ فَإِنَّمَا هِيَ الْاَنْفَاسُ لَوْ حُبِسَتِ انْقَطَعَتْ عَنْكُمْ أَعْمَالُكُمُ الَّتِيْ تُقَرَّبُوْنَ بِهَا إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، رَحِمَ اللّٰهُ امْرَءًا ا اَنْظَرَ إِلٰى نَفْسِهٖ وَ بَكٰى عَلٰى عَدَدِ ذُنُوْبِهٖ))

''جلدی کرو، جلدی کرو، تمہاری زندگی کیا ہے؟ یہی سانس ہیں کہ اگر یہ سانس رک جائیں تو تمہارے ان عملوں کا سلسلہ ٹوٹ جائے جن سے تم اللہ عزوجل سے نزدیکی حاصل کر رہے ہو۔ اللہ رحم فرمائے اس آدمی پر جس نے اپنا خود جائزہ لیا اور اپنے گناہوں پر چار آنسو

گرائے۔''

پھر آپ یہ آیتِ قرآنی تلاوت کرتے ﴿اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا﴾ اور فرماتے:

((آخِرُ الْعَدَدِ خُرُوْجُ نَفْسِكَ آخِرُ الْعَدَدِ فِرَاقُ اَهْلِكَ آخِرُ الْعَدَدِ دُخُوْلُكَ فِي قَبْرِكَ)) (احیاء)

''جب تم آخری سانس لو گے تو تمہاری روح اس تن کو چھوڑتی ہوگی، جب تم آخری سانس لو گے تو اپنے گھر والوں کو الوداع کہتے ہو گے، جب تم آخری سانس لو گے تو تم اپنی قبر میں رکھے جا رہے ہو گے۔''

گویا ہماری زندگی کیا ہے، انھیں پیہم سانسوں کا ایک سلسلہ ہے جس کی آخری کڑی ہماری موت کا سانس ہے۔

ملاحظہ کیجیے، شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے انسان کو جب خالق کی شکر گزاری کے لیے ابھارا اور بیدار کیا تو یہ نہیں کہا کہ اے انسان ذرا سوچ کہ ہر گھڑی اور ہر دن تیرے خالق کے تجھ پر کس قدر احسانات و انعامات ہیں جن کا شکر تجھ پر لازم آتا ہے، بلکہ زندگی کو انھیں سانسوں پر تقسیم کر کے ہر سانس پر دو احساناتِ الٰہی بتائے اور فرمایا:

''ہر نفسیکہ فرو میرود ممد حیات است و چون برمی آید مفرح ذات پس در ہر نفسے دو نعمت موجود است و در ہر نعمتے شکری واجب۔''

یعنی ہر سانس کے عوض اللہ عزوجل کے انسان پر دو انعامات ہیں جب سانس اندر جاتا ہے ایک سانس کی مقدار زندگی بڑھ جاتی ہے گویا انسان اپنی زندگی کا ایک قدم اور آگے اٹھا لیتا ہے اور سفر دنیا کا ایک چھوٹا سا مرحلہ طے کر لیتا ہے اور زندگی چونکہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے، اس لیے اس نعمت پر انسان پر شکر گزاری کی ذمہ داری آتی ہے، اسی طرح جب سانس باہر آتا ہے تو طبیعت کو فرحت و بحالی نصیب ہوتی ہے۔ مزاج میں بشاشت و شگفتگی پیدا ہوتی ہے اور اس پر بھی شکر واجب ہوتا ہے۔ یوں ہر سانس پر دو شکر واجب ہوتے ہیں۔

جناب شیخ نے ایک سانس کو بھی دو حصوں پر تقسیم کر کے غافل انسان کو کیا خوب بیدار کیا۔ لحہ لحہ کی

غفلت سے بچایا، پل پل کی ناشکری سے چھڑایا اور پورا پورا یادِ مولیٰ میں لگایا۔ گویا سفرِ دنیا کو کار آمد بنایا، منزل آخرت کو سدھارا۔

کچھ خبر بھی ہے تجھے اے تشنہ کامِ زندگی
ہو چکا ہے پُر اب چھلکنے کو ہے جامِ زندگی
جو تجھے کرنا ہے کرلے آخری سانسیں ہیں اب
بھیس میں اس صبحِ پیری کے ہے شامِ زندگی

منزل مقصود کی فکر:

اے انسان اب جب تو اپنے پروردگار سے ملاقات کے لیے دنیا کا یہ سارا صعوبت وکلفت سے بھرا راستہ طے کر رہا ہے اور تو اس قدر تیز رفتار ہے کہ ایک دن میں اپنے سانسوں کے ہزاروں قدم اٹھا جاتا ہے اور ایک لمحہ کے لیے تجھ کو قرار نہیں تو تو نے اپنے اس سارے سفرِ دنیا میں یہ بھی کبھی سوچا کہ اپنے پروردگار کے پاس حاضری کے وقت تیرے ساتھ کیا پیش ہوگا اور تیری حالت کیسی بنے گی؟ تجھے راحت ملے گی یا تکلیف؟ تیرا شمار نیکوں میں ہوگا یا بدوں میں؟ تجھ سے اللہ راضی ہوگا یا ناراض؟ سفر تو پھر آخر سفر ہے تکالیف ومصائب کا گھر ہے، الم وغم سے پُر ہے۔ اس کا ایک ایک قدم پر خطرو پر حذر ہے۔ اس لیے دنیا میں تجھ کو جو بھی تکلیف پہنچے اس پر کبیدہ خاطر و آزردہ دل ہرگز نہ ہو۔ سفر میں تکلیف کوئی انوکھی بات نہیں۔ راہ کی صعُوبت کوئی اچنبھے کی چیز نہیں، لیکن اے دنیا کے مسافر! جہاں تیرا سفر ختم ہوگا اور تو دنیا کی اس اضطرابی اور بے چین زندگی سے نکل کر اپنے پروردگار کے پاس دم لے گا اور تجھ کو قرارِ ابدی نصیب ہوگا، وہاں کے لیے تو نے کچھ اسبابِ راحت اور سامانِ مسرت بھی اپنے ساتھ لیا یا نہیں؟ کیونکہ پروردگار کے پاس پہنچتے ہی انسانوں کے دو طبقے ہو جائیں گے۔ ایک وہ جن کا حساب آسان ہوگا۔ عتاب وسرزنش سے ان کا دامن پاک ہوگا۔ راحت ومسرت انہی کے حق میں ہوگی۔ دوسرے وہ جن کے اعمال کا محاسبہ سخت ہوگا۔ بات بات پر پکڑ اور گرفت ہوگی، تکلیف و مصیبت انھیں کے نصیب میں ہوگی۔ اے دنیا کے مسافر! نہ معلوم تیرا شمار کن میں ہو اِن میں ہو یا اُن میں ہو۔

یہ ہستی موہوم ہے مانندِ حباب　　　از بحر پُر آشوب جہاں شکلِ سُراب
پائیگا جو تو دیدۂ دل سے دیکھے　　　یہ سارا جہاں مثل آئینہ و آب

لہٰذا اے عقلمند انسان! تو یہیں سے اپنے آگے کی آخری منزل کے لیے سامانِ راحت لے چل ورنہ ہمیشہ پچھتائے گا اور تیرے لیے کوئی چارۂ کار نہ ہوگا۔ ہر ایک پر تو نظرِ اُمید لگائے گا مگر تیرے کوئی کام نہ آئے گا اور تیرا کوئی معاون و مددگار نہ ہوگا۔ تیرے اپنے بھی پرائے ہو جائیں گے اور تجھ سے نظر پھیر لیں گے۔ آہ یہ وہ بیکسی کا دن ہوگا جو کسی نے اس سے پہلے نہ دیکھا ہوگا۔ ہر ایک کی نظر خود اپنے پر ہوگی۔ دوسرے سے ہٹی ہوگی۔ بس اپنی پڑی ہوگی دوسرے سے نفرت ہوگی۔ عزیز عزیز کا ساتھی نہ ہو گا، دوست دوست کا یار نہ ہوگا، یاری و ہمدردی تو کجا اُلٹا بیزار ہوگا اور نزدیکی سے بھاگے گا۔ بھائی بھائی کو دغا دے گا جس پر دنیا میں وہ اپنا خون چھڑکتا تھا اور جس کی محبت و اُلفت کا دم بھرتا تھا، بلکہ اسی کو دیکھ دیکھ کر جیتا تھا۔ اولاد، ماں، باپ سے پھر جائے گی۔ اپنی ہو کر پرائی ہو جائے گی۔ سگی ہو کر غیر بن جائے گی۔ گو دنیا میں ان پر اپنی جان نثار کرتی تھی مگر اس دن انھیں کی صحبت سے جان چرائے گی۔ خاوند اپنی چہیتی بیوی، اپنی لاڈلی اولاد تک سے بیزار ہوگا جن پر دنیا میں جان و مال، عزت و آبرو اور دین و مذہب سب کچھ قربان کرتا تھا اور بہرصورت ان کو خوش رکھتا تھا۔ اپنی جان پر کھیلتا تھا مگر ان کی جان پر آنچ نہ آنے دیتا تھا۔ ان کی خوشی میں خوش اور ان کے رنج میں بے کل و بے چین رہتا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خود اس دن کی شناخت اس طرح کرائی ہے:

﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِيْهِ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِيْهِ﴾ (عبس: ۸۰/۳۴-۳۶)

''قیامت کے دن انسان دور بھاگے گا اپنے بھائی، اپنی ماں، اپنے باپ، اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے۔''

پھر یہ اچانک تبدیلی کیوں اور یہ یک بیک انقلاب کس لیے؟ یہ اس لیے:

﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ﴾ (عبس: ۸۰/۳۷)

''کہ اس دن ہر ایک کو اپنی پڑی ہوگی جو اس کو دوسروں سے بے پرواہ کر دے گی۔''

ہر ایک اپنی نبیڑے گا، دوسروں سے منہ موڑے گا۔ اپنی جان بچائے گا، دوسروں کی فکر چھوڑے گا۔

اللہ جل شانہ نے اسی دن کا تعارف کہیں اس طرح سے فرمایا:

﴿یَوۡمَ لَا تَمۡلِکُ نَفۡسٌ لِّنَفۡسٍ شَیۡئًا﴾ (الإنفطار:۸۲/۱۹)

''جس دن کسی شخص کا کسی شخص کے نفع کے لیے کچھ بس نہ چلے گا۔''

دنیا میں ایک انسان پر آفت آتی، دوسرا آڑے آتا، اس کے لیے ڈھال بنتا۔ خود تکلیف جھیلتا، مگر دوسرے پر آنچ نہ آنے دیتا۔ خود نقصان اٹھاتا، دوسرے کو نقصان کا منہ نہ دیکھنے دیتا۔ غرض ایک دوسرے کے لیے ڈھارس بنتا مگر ہائے قیامت کا وہ ہولناک اور ہوش ربا دن ہوگا جب کوئی کسی کے کام نہ آئے گا، نہ نقصان ٹال سکے گا، نہ نفع پہنچا سکے گا۔ بس ہر ایک اپنی دُھن میں ہوگا۔ اپنی جان کی فکر میں پڑا ہوگا۔ نفسی نفسی پکارتا ہوگا۔ دنیا کے سارے رشتے پارہ پارہ ہوں گے۔ تعلقات کا شیرازہ بکھرا ہوگا، اپنے پرائے کا فرق مٹا ہوگا۔

لے گیا تھا طرف گورِ غریباں دِل زار
کیا کہیں تم سے جو کچھ واں تماشا دیکھا
جو تھے رونق آبادیٔ گلزارِ جناں
سر سے پا تک انہیں خاکِ رہِ صحرا دیکھا
کل تلک محفل عشرت میں جو تھے صدر نشیں
قبر میں آج، انہیں بے کس و تنہا دیکھا

دنیا میں آخرت کا دھیان:

اے ہوشمند انسان! یہیں دنیا میں ہوش کر لے اور اس آگے آنے والے ہولناک دن کے لیے کچھ لے چل۔ اگر یہاں ہوش نہ لے گا تو وہاں جا کر تجھ کو لامحالہ ہوش آئے گا مگر وہ ہوش تیرے کام نہ آئے گا۔ ارشاد ہے:

﴿وَ اِذَا الۡقُبُوۡرُ بُعۡثِرَتۡ عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ وَ اَخَّرَتۡ﴾ (الانفطار:۸۲/۴–۵)

''جب قبریں اکھاڑ دی جائیں گی (اور مردے نکالے جائیں گے) تو ہر شخص جان لے گا کہ اس نے اپنے سفر دنیا کی آخری منزل (آخرت) کے لیے کیا آگے بھیجا اور کیا پیچھے

چھوڑا؟۔''

کیا لایا، کیا چھوڑ آیا کیا بنا لیا، کیا کھو آیا، غرض قیامت میں اصل حقیقت کھل جائے گی، جھوٹ سچ سے نکھر جائے گا۔ غفلت بیداری سے بدل جائے گی مگر گزشتہ کی تلافی نہ ہو سکے گی۔ ندامت و پشیمانی ہو گی، یاس و حسرت ہو گی اور اسی طرح ابدی زندگی کٹے گی۔ پھر یہیں دنیا سے انسان آگے کے لیے کچھ کیوں نہ لے چلے۔ فنا سے بقا کا راستہ کیوں نہ بنائے۔ دنیا کی بے چین زندگی میں آخرت کی چین کی راہیں کیوں نہ نکالے۔ اس دنیا میں سب کچھ کر سکتا ہے، آخرت میں کچھ نہیں کر سکتا جو یہاں نہ کیا، وہاں اس کی تلافی نہ کر سکا۔ لہٰذا اے دنیا کے مسافر! اس سفر کو غفلت سے نہ گزار۔ دیدہ و دانستہ نابینا نہ بن۔ آنکھ کھول، حقیقت کو سمجھ، راہ کو راہ سمجھ اور منزل کو منزل۔ کیا تو یہاں رہنے کے خواب دیکھتا ہے کیا کوئی رہا کہ تو رہے گا؟ تو یہ نہیں سوچتا کہ تیرے اس راستے پر کتنے راہ گیروں کے نشاناتِ قدم ہیں جن کو تو آج یہاں نہیں پاتا۔ مکانات ہیں مکین نہیں، گھر ہیں گھر والے نہیں کیونکہ یہ راہ طے کر چکے اور تو ابھی راہ میں ہے۔ بس اللہ خود کو راہ گیر خیال کر۔ اس راہِ دنیا کی تکلیف سے دل اٹھا۔ راحت سے دل نہ لگا۔

ہے ثباتِ ہستی موہوم مانندِ حباب
یا ہے افسانہ کوئی یا ہے خیال اور یا ہے خواب
تندرستی ہے بڑی شے اس کو نعمت جانیئے
زندگی بہر عبادت ہے غنیمت جانیئے

یہاں کا دکھ منزل کا سکھ، یہاں کا سکھ منزل کا دکھ ہے:

اس زرّیں نکتہ کو اگر تو سمجھ گیا تو آخرت میں سکھ پائے گا۔ امن و چین سے رہے گا دوسرے روئیں گے تو ہنسے گا۔ دوسرے پچھتائیں گے تو اپنے کیے کا پھل کھائے گا۔

یاد رکھ! دنیا میں تو اپنی مرضی سے نہیں آیا بلکہ لایا گیا ہے اور وہ بھی بے مقصد نہیں، مستقبل کو بنانے کے لیے راہِ دنیا پر چلایا گیا ہے۔ تو اس سفر سے اقامت کا دھوکہ نہ کھا۔ تو اپنے آگے پیچھے کو دیکھ، یہ نہ دیکھ تو کیا ہے بلکہ سوچ تو کیا تھا اور کیا ہو جائے گا۔ تو دو عدموں میں گھرا ہے، عدم سے آیا ہے اور عدم کی طرف چل رہا ہے، یہ تیرا سفرِ دنیا چند روزہ ہے۔ یہاں سے ایک تیز رو مسافر کی طرح جلد گزر جائے

گا، راہ کو چھوڑ جائے گا مگر اس راہ کا عمل تجھ کو نہیں چھوڑے گا۔ اِدھر مرا اُدھر تیرے سامنے کھڑا ہوگا۔ بس اس بے بسی کا دھیان ذرا دل میں لا کہ تیرا عمل تیرے سامنے ہو، تیرا کوئی غمخوار نہ ہو نہ اپنا ہو، نہ پرایا ہو، نہ مددگار و معاون ہو اور نہ ہمدرد و دلگیر ہو بس تو ہو اور تیرا عمل ہو۔ اس وقت بگڑی کو کون سنبھالے گا۔ کس کے دامن میں امن لے گا، کس کی پناہ ڈھونڈے گا، یہ دنیا کا دن نہ ہوگا کہ کسی انسان کی تو آڑ پکڑ لے۔ جان بچالے، آفت سے خلاصی پالے۔ آئی مصیبت کو سر سے ٹالے اور اپنی ڈوبتی کشتی کو کسی طرح پار لگا لے اس دن نہ رشتہ چلے گا نہ ناطہ۔ نہ ملن سازی کام آئے گی نہ آپس داری، بس خود کے عمل کا بوجھ خود ہی پر ہوگا۔ اپنے کیے کام کا آپ ہی ذمہ دار ہوگا۔

اس بے کسی، بے بسی اور تنہائی و پریشانی کے عالم میں اے انسان تو اپنے پروردگار کے روبرو کھڑا ہوگا اور تجھ سے سخت جواب طلب ہوگا۔ تیرے نبی اکرم ﷺ کا صاف اور کھلا فرمان ہے:

((لَا تَزُوْلُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُسْئَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمْرِهٖ فِيْمَا أَفْنَاهُ وَ عَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَا أَبْلَاهُ وَ عَنْ مَالِهٖ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَ فِيْمَا أَنْفَقَهُ وَ مَا ذَا عَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ)) (سنن الترمذی)

”قیامت کے دن انسان کے قدم جنبش میں نہ آئیں گے جب تک کہ اس سے یہ پانچ باتیں دریافت نہ کر لی جائیں گی، اس سے پوچھا جائے گا کہ اپنی عمر کو اس نے کس کام میں صرف کیا، اپنی جوانی کس کام میں ختم کی، مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور جو علم حاصل کیا تھا، اس کے موافق کیا عمل کیا؟“

لہٰذا اے دنیا کے مسافر! اگر تو نے سفرِ دنیا کو غفلت سے گزارا اور صرف کھایا پیا اور یوں ہی آخرت کو سدھارا تو یاد رکھ! تو ان میں سے ہر سوال کے جواب میں لاجواب ہوگا۔ عذابِ الٰہی کا شکار ہوگا، اپنے کیے پر پچھتاتا ہوگا۔ کہتا ہوگا: ہائے! دنیا میں کچھ کر لاتا تو آج اپنے کیے پر زار زار نہ روتا۔ دنیا میں منزل آخرت کے لیے کچھ سامانِ راحت بنا لاتا تو آج سُرخرو ہوتا اور ابدی زندگی بناتا۔ دنیا کی زندگی جس کی محبت میں تو کھو گیا ہے، اس کی محبت میں لِللہ آخرت کو نہ کھو۔ یہ تیری فانی حیات جس کی اُلفت میں تو فنا ہے، لِللہ اس کی الفت میں سعادتِ ابدی کو فنا کے گھاٹ نہ اُتار۔ فانی کو فنا ہونے دے، باقی کی

درستی میں لگ۔ دنیا ہاتھ سے چھن کر رہے گی اور آخرت سامنے آ کر رہے گی۔ بس تیرے حق میں یہی بہتر ہے کہ قدم قدم پر آخرت کا دھیان رکھ۔ خالق کے سامنے پیشی کو یاد رکھ۔ یہ تیری زندگی تیری اصل پونجی ہے جس کے نفع میں تجھے آخرت کمانا ہے اور وہاں کے لیے کچھ بنانا ہے اور وہاں نہیں یہیں سے کچھ لے جانا ہے اگر تو نے دنیا کو برتا یا آخرت کو بھلایا تو یوں سمجھ کہ تو نے اصل پونجی کھائی۔ اب نفع کی امید کیسی؟ محض دنیا بنالی اب آخرت کی درستی کیسی؟

یہ تیری جوانی جو تیری عمر کی بہار ہے جو تیری پوری زندگی کا نکھار ہے جس میں بدن، طاقت سے بھر پور ہے دل بے پناہ امنگوں سے مالا مال ہے۔ یہ دراصل تیری گردن پر احساناتِ الٰہی کا بھاری بوجھ ہے۔ اس کے احسانات کا حق ادا کر۔ اس کے قیمتی دنوں کو یوں ہی نہ گنوا۔ اس زرّیں موقع کو یونہی ہاتھ سے نہ جانے دے۔ ان دنوں کو غنیمت جان، خالق کو پہچان اور ہر دم آخرت کا رکھ دھیان، ورنہ سوچ کہ جب تیری جوانی کے بارے میں سوال اٹھے گا خالق کو کیا جواب دے گا بغلیں جھانکے گا اور تجھ سے کوئی جواب بن نہ آئے گا۔

اسی طرح یہ دنیا کا مال جو تجھ کو جان سے بھی زیادہ عزیز و پیارا ہے اور جس کی محبت میں تو نے اپنے حقیقی مولیٰ کو بھی بھلایا ہے، اس کی آمدنی کی راہوں کو بھی جانچ اور اس کے خرچ کے راستوں کو بھی دیکھ۔ کہاں سے لاتا ہے، کہاں سے اٹھاتا ہے کس سے لیتا ہے کس کو دیتا ہے؟ حلال کی فکر رکھ، جائز کی تمیز رکھ، حرام پر ہاتھ نہ ڈال۔ ناجائز پر نظر نہ رکھ۔ وہ مال جو تو بے سوچے کمائے، بے فکری سے اٹھائے وہ مال نہیں وبال ہے وہ مال نہیں تیرے جی کا جنجال ہے۔

اے انسان! تو دنیا میں آزاد نہیں اپنی مرضی کا آپ مختار نہیں، تیرے خالق نے تیری رہنمائی کے لیے دینِ مقدس بھیجا ہے جس کی روشنی میں تجھے چلنا ہے ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنا ہے اور دین کی جس بات کا تجھ کو علم ہو اس پر حرف بحرف عمل کرنا ہے اگر تو نے نہ جانا اور نہ کیا، سنا اور نہ برتا۔ تو یاد رکھ آخرت میں تجھ سے سنگین سوال ہوگا۔ جس کا جواب تیری گردن پر ہوگا۔ لہٰذا اس سوال جواب کا یہیں سے دھیان رکھ۔ دنیا کا کوئی قدم دین کے خلاف نہ رکھ۔

دنیا میں انسان محض راہ گیر ہے:

اے دنیا کے مسافر تو نے سنا ہے، نبی مکرم ﷺ نے کیا فرمایا ہے:

((كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ وَ عُدَّ نَفْسَكَ فِي أَهْلِ الْقُبُوْرِ)) (بخاری)

''اے دنیا کے راہ گیر! تو اپنے کو مسافر جان یہاں کی کلفت کو نہ گردان، راحت کو نہ پہچان اور یہاں بسنے اور ٹھہرنے کا نہ کر سامان۔'' یہ دنیا سرائے نہیں ہے۔ یہ قیام گاہ نہیں گزر گاہ ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ حقیقت تو یہ ہے کہ تو نہ مقیم ہے نہ مسافر بلکہ ایک راہ گیر ہے جو چلتا ہی چلتا ہے ٹھہرتا نہیں۔ مسافر گو چلتا ہے مگر کچھ دم لیتا ہے، سستاتا ہے، رکتا ہے، پڑاؤ کرتا ہے، سکون و آرام پاتا ہے مگر دنیا کا مسافر ایسا بھی نہیں۔ یہ کسی وقت دم نہیں لیتا، نہ سستاتا بلکہ ہر وقت رفتار میں ہے، ہر دم چلنے میں ہے۔ گویا تو دراصل مسافر بھی نہیں راہ گیر ہے۔ راہ گیر کو قرار سے کیا واسطہ۔ اس کو ٹھہرنے سے کیا سروکار؟ اگر یہ ٹھہر جائے گا تو راہ گیر کیوں کہلائے؟ اگر یہ رک جائے تو یہ مسافر یا مقیم نہ کہلائے؟

ہر قدم کہتا ہے تو آیا ہے جانے کے لیے — منزلِ ہستی نہیں ہے دل لگانے کے لیے
تنِ خاکی پہ تابکے یہ لباس زرلگار آخر — یہ ہوگا ایک دن زیر کفن مشتِ غبار آخر
غرور تھا، نمود تھی، ہٹو بچو کی تھی صدا — اور آج تم سے کیا کہو لحد کا بھی پتہ نہیں

پھر آگے بڑھ کر ارشاد ہے کہ اے دنیا کی راہ چلنے والے! تو دنیا کی زندگی سے بالکل دل اٹھا لے اور اغراضِ دنیوی سے ایسا بے غرض اور بے لوث ہو جا کہ گویا تو زندوں میں نہیں مردوں میں ہے۔ دنیا میں نہیں آخرت میں ہے۔ زندوں میں رہ کر زندگی سے دور رہ۔ اس زندگی کو زندگی نہ جان، اس کو دراصل مردگی سمجھ۔ یہاں کی مردگی وہاں کی زندگی ہے اور یہاں کی زندگی وہاں کی مردگی ہے۔

فکرِ دنیا تجھ کو صبح و شام ہے — اس سے غفلت ہے جو اصلی کام ہے
کچھ دنوں سہہ لے مشقت دین کی — پھر تو بس آرام ہی آرام ہے

اے دنیا کے راہ رو! یہ دنیا تیرا وہ جلد ختم ہو جانے والا راستہ ہے جہاں سے تجھے کچھ لے جانا ہے، راہ پر چلنا ہے مگر دھیان منزل کا رکھنا ہے، زندہ ضرور رہنا مگر زندگی کے بعد کا خیال دل میں جمانا ہے۔ تو

ناعاقبت اندیش نہ بن کہ اس ناپائیدار دنیا کو رہائش گاہ سمجھ بیٹھے۔ آخرت کو بھلا بیٹھے، دنیا پر نگاہ جما لے، آخرت سے نظر پھیر لے۔

دنیا کے ایک ایک لمحہ کی قیمت جان، ایک ایک منٹ کی قدر پہچان، اگر تو دنیا سے آخرت بناتا ہے دنیا دے کر آخرت خریدتا ہے تو یہ دنیا کی گھڑیاں نہیں موتیوں کی لڑیاں ہیں، اس کا ایک ایک پَل انمول موتی ہے، اس کی قیمت یہاں نہیں وہاں لگتی ہے اگر اس دنیا کے لمحات کی قدر کر لی تو یہاں ایک ایک لمحہ دوسرے عالم میں لاکھوں بلکہ بے شمار برسوں کی راحت میں تبدیل ہو گا۔ قطرہ سمندر بن جائے گا، ذرّہ پہاڑ کی شکل میں سامنے آ جائے گا تو پھر اس سستے سودے سے پیچھے کیوں ہٹتا ہے؟ اپنی ناسمجھی کا ثبوت خود پیش کیوں کرتا ہے، یاد رکھ جس طرح تو یہاں دنیا کا بھوکا ہے۔ اس راستے کی راحت پر مرمٹا ہے دنیا کس قدر بھی تجھے مل جائے ﴿هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ﴾ (کیا اور بھی ہے) کا نعرہ لگاتا ہے، اسی طرح آخرت میں پہنچ کر تو وہاں ثواب و اجر کا بھوکا ہوگا۔ بہت کو تھوڑا جانے گا، تھوڑے کو کچھ نہ جانے گا۔ اجر و ثواب کے ذرّے ذرّے کو ترستا ہوگا۔ ذرا غور کر، تیرے نبی اکرم ﷺ نے ایک مثال سے اسی حقیقت کو کیسا کھولا ہے اور خیر طلبی کے لیے تجھ کو کیسا ابھارا ہے، ارشاد گرامی ہے:

((إِنَّ عَبْدًا لَوْ خَرَّ عَلٰى وَجْهِهٖ مِنْ يَوْمِ وُلِدَ إِلٰى أَنْ يَّمُوْتَ هَرَمًا فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ أَحْقَرَهُ فِي ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَ يَوَدُّ أَنَّهُ رُدَّ إِلَى الدُّنْيَا كَيْمَا يَزْدَادُ مِنَ الْاَجْرِ وَالثَّوَابِ)) (مسند احمد)

''اگر کوئی بندہ پیدائش کے دن سے بوڑھا ہو کر مرنے تک اللہ کی طاعت وعبادت میں سرنگوں رہے تو وہ البتہ اپنی عبادت و طاعت کو قیامت کے دن حقیر خیال کرے گا اور یہ آرزو کرے گا کہ اس کو پھر دنیا میں واپس کر دیا جائے تا کہ اس کا اجر و ثواب زیادہ ہو جائے۔''

اللہ اکبر! حرص کا کیا ٹھکانا ہے کہ ولادت سے لے کر ممات تک ابتدائے حیات سے وفات تک، بندہ سربسجود رہا، جبہ فرسائی کرتا رہا، لمحہ کے لیے مولیٰ سے غافل نہ رہا۔ بچپن بھی اسی طرح گزارا، جوانی بھی اسی طرح کاٹی، بڑھاپا بھی اسی طرح ختم کیا، یہاں تک کہ پیغامِ اجل کو لبیک کہا مگر جب آخرت میں گیا تو کیے پر تسلی نہ پائی۔ لائے ہوئے ذخیرہ پر تشفی نہ ہوئی اور آرزو کرنے لگا کہ پھر دنیا میں جائے

اور پھر اسی قدر لائے اور اجر پائے۔

لہٰذا اے دنیا کے راہ گیر! تو دنیا میں رہ کر دنیا کے لیے حرص مند نہ ہو بلکہ آخرت کے لیے حرص کر۔ دنیا میں تھوڑے پر کفایت کر، آخرت کے لیے تھوڑے پر صبر نہ کر۔ دنیا میں تو جانے کے لیے آیا ہے آخرت میں رہنے کے لیے جائے گا۔ جانے والی چیز کو جانے دے، باقی رہنے والی چیز کی فکر ہر دم باقی رکھ۔

ترکِ دنیا کر کے ہر لذّت کو چھوڑ معصیت کو ترک کر غفلت کو چھوڑ
نفس وشیطان لاکھ درپے ہوں مگر تو نہ ہرگز ذکر اور طاعت کو چھوڑ

دنیا دل لگانے کی چیز نہیں، آخرت دل سے بھلانے کی چیز نہیں۔ نبی اکرم ﷺ کا صحیح فرمان ہے جو عقل مند کے لیے کھلا اعلان ہے:

((مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ إِلَّا وَ بِجَنْبَتَيْهَا مَلَكَانِ يُنَادِيَانِ يُسْمِعَانِ الْخَلَائِقَ غَيْرَ الثَّقَلَيْنِ يٰأَيُّهَا النَّاسُ هَلُمُّوْا إِلَى رَبِّكُمْ مَا قَلَّ وَ كَفٰى خَيْرٌ مِّمَّا كَثُرَ وَ أَلْهٰى)) (ابو نعیم فی الحلیة)

''جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس کے دونوں پہلوؤں میں دو فرشتے ہوتے ہیں جو پکارتے اور مخلوقات کو سناتے ہیں، ان کے پکارنے کی آواز کو ساری مخلوق سنتی ہے مگر جن و انسان نہیں سنتے۔ وہ یہ اعلان کرتے ہیں کہ لوگو! اپنے پروردگار کی طرف چلے آؤ اور اس بات کو جان لو کہ جو مال کم ہو اور کافی ہو وہ اس مال سے بہتر ہے جو زیادہ ہو اور لہو ولعب میں ڈالے، یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت سے باز رکھے۔''

گویا ہر روز فرشتے دنیا کے راہ گیر کو جگانے میں، خوابِ غفلت سے اٹھانے میں قدم قدم پر آخرت یاد دلاتے ہیں، کہ اپنے پروردگار کی طرف دوڑا چلا آ۔ تیز تیز قدم اٹھاتا آ۔ تھوڑے پر تسلی کرتا جا، بھلائی پر نظر رکھتا جا۔ وہ بہت مال کس کام کا جو تجھ کو اپنے مولیٰ سے بھٹکا دے۔ دنیا بنا کے آخرت بگاڑ دے۔ خالق سے دور کر کے شیطان سے تیرا رشتہ جوڑ دے۔ منزل کو کیوں بھولتا ہے، راستے کی حقیقت سمجھنے میں کیوں دھوکا کھاتا ہے۔ دنیا کے فریب میں کیوں آتا ہے۔ مال کی محبت میں کیوں اُلجھتا ہے۔ آخرت

تجھ سے کچھ دور نہیں۔ تیرے سفر کے ختم ہونے میں کچھ دیر نہیں۔

نفعِ دینی دیکھ تو دنیا کی بہبودی نہ دیکھ مرضیِ حق پر نظر کر اپنی بہبودی نہ دیکھ
تو اکیلا تیرے دشمن سینکڑوں یہ بھی نہ دیکھ اللہ پر نظر کر اپنی کمزوری نہ دیکھ

آخرت کچھ دور نہیں:

آخرت کے راہی! ذرا تو سوچ کچھ تو عقل سے کام لے۔ آخرت کو بھلاتا ہے جو تیری طرف تیزی سے بڑھتی آرہی ہے۔ دنیا سے دل لگاتا ہے جس کو تو پیٹھ کی جانب چھوڑتا جا رہا ہے۔ آگے دیکھ پیچھے نہ دیکھ، جو آگے دیکھ کر چلے گا وہ سیدھا بے خطر چلے گا اور جو چلنے میں پیچھے مڑ مڑ کر دیکھے گا وہ ٹھوکر کھائے گا منہ کے بل گرے گا۔

جناب لقمان اپنے صاحبزادے کو کیا خوب نصیحت فرماتے ہیں۔ دنیا کا پول کھولتے ہیں۔ انسان کو خوابِ غفلت سے جگاتے ہیں اور آخرت کا دھیان دل میں بٹھاتے ہیں، فرماتے ہیں:

((إِنَّ النَّاسَ قَدْ تَطَاوَلَ عَلَيْهِمْ مَا يُوعَدُونَ وَ هُمْ إِلَى الْاٰخِرَةِ سِرَاعًا يَذْهَبُونَ وَ إِنَّكَ قَدِ اسْتَدْبَرْتَ الدُّنْيَا مُنْذُ كُنْتَ وَاسْتَقْبَلْتَ الْاٰخِرَةَ وَ إِنَّ دَارًا تَسِيْرُ إِلَيْهَا أَقْرَبُ إِلَيْكَ مِنْ دَارٍ تَخْرُجُ مِنْهَا)) (رزین)

یعنی عرصہ دراز سے لوگوں کو حشر و نشر، حساب کتاب اور منزلِ آخرت کے پیش آنے والے جن اُمور کا وعدہ دیا جا رہا ہے وہ ان کو دور نظر آرہے ہیں، وہ ان سے بے فکر و بے غم ہیں، انھوں نے اپنی فکر و سوچ ہٹا کر راہِ دنیا پر لگا دی ہے حالانکہ یہ انصاف کا خون کرنا ہے، عقل کو دھوکا دینا ہے، دنیا میں اگر انسان ٹھہرا ہوتا، برقرار و پرسکون ہوتا، حرکت و اضطراب سے دور ہوتا تو اس خیال میں کچھ حقیقت ہوتی اور وہ اپنے اس خیال میں قدرے حق بجانب ہوتا لیکن واقعہ تو یہ ہے کہ انسان آخرت کی طرف سرعت و تیزی سے بڑھتا جا رہا ہے دنیا سے دور بلکہ دور تر اور آخرت سے قریب بلکہ قریب تر ہوتا جا رہا ہے پھر ایسی چیز جو سامنے چلی آرہی ہو آج کچھ قریب، کل مزید قریب ہو رہی ہو اس کو کون عقلمند دور جانے گا۔
پھر صاحبزادے کو خطاب فرما کر "وَ إِنَّكَ" سے ارشاد فرماتے ہیں:

اے صاحبزادے! دنیا میں جب سے تم نے قدم رکھا ہے تم ایک راستہ پر چل پڑے ہو۔ تمہارے

آگے پیچھے کی دو سمتیں قائم ہوگئی ہیں۔ تمہاری پشت دنیا کی طرف ہے اور منہ آخرت کی جانب، یعنی دنیا کو چھوڑ رہے ہو آخرت کی سمت میں بڑھ رہے ہو، جس طرح تمہارا رخ آخرت کی جانب ہے تم اپنے خیال و دھیان کو بھی ادھر ہی پھیر دو اور آخرت کو کچھ دور نہ جانو۔

پھر ''وَ اِنَّ دَارًا'' سے اسی حقیقت کو ایک نہایت پاکیزہ مثال سے وضاحت کی روشنی میں لاتے ہیں اور یوں گوہر بار ہوتے ہیں کہ اے صاحبزادے! تم ذرا یہ سوچو کہ اگر دو گھر ہوں اور تم ایک سے نکل کر دوسرے کی جانب روانہ ہو تو تم اس گھر سے قریب تر ہو جس کی طرف تم بڑھتے جا رہے ہو اور اس گھر سے تم دور تر ہو جس کو تم چھوڑتے جا رہے ہو۔ رفتہ رفتہ قدم قدم پر پیچھے رہنے والی چیز جس قدر قریب ہو پھر دور ہے۔ لحہ بہ لحہ ساعت بساعت آگے سے آنے والی چیز کس قدر بھی دور ہو پھر قریب ہے۔ دنیا کی نزدیکی پل پل پر دوری سے بدل رہی ہے۔ آخرت کی دوری لحہ بہ لحہ نزدیکی سے بدل رہی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اے دنیا کے مسافر منزل آخرت کو دور نہ جان اس کو اپنے دھیان و خیال سے نہ نکلنے دے۔ ہر دم اور ہر گھڑی اسی کی تیاری میں لگا رہ۔ دنیا کو خاطر میں نہ لا۔ اس پر اپنی توجہ نہ لگا جس کو تو چھوڑے اس کی طرف کیا منہ موڑے۔ تو ایسا ناعاقبت اندیش نہ بن کہ پوری راہ غفلت میں طے کرے۔ پھر آخر جب کوس رحلت بجے اور تو منزل مقصود میں قدم رکھے تو تیری آنکھیں کھلیں تب سمجھے کہ جس کو منزل جانا تھا وہ منزل نہ تھی راہ تھی جس کو ہمیشہ کی فرودگاہ خیال کیا تھا وہ عارضی اور وقتی قیام گاہ تھی۔ بس اس حیرانی اور یاس و حسرت میں تو دستِ حسرت ملے اور زبان پر یہ الفاظ ہوں ﴿ يٰلَيْتَنِىْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِىْ ﴾ (الفجر: ۸۹/آیت: ۲٤) کہ کاش میں اپنی زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجتا جس کو آج یہاں آ کر پاتا اور آج خالی ہاتھ نہ ہوتا۔ ماضی پر نہ روتا۔ کیے کو نہ بھگتتا بلکہ کوشش کا ثمرہ پاتا۔ سامان راہ سے فائدہ اٹھاتا۔ اور روتے تو میں ہنستا اوروں کا مستقبل تاریک ہوتا تو میرا مستقبل روشن ہوتا۔

بس اے ہوشمند انسان اس بے وفا دنیا پر کبھی تکیہ نہ کر اور دنیا کے ناپائیدار دنوں پر اپنی لمبی لمبی امیدوں کی عمارتیں کھڑی نہ کر۔ یہ دنیا جس پر تو فریفتہ ہے جس کا تو عاشق اور دلدادہ ہے یہ تیری کبھی نہیں بنتی تیرے ساتھ ہمدردی کبھی نہیں کرتی بلکہ منٹوں میں تیری آرزوؤں کو خاک میں ملاتی ہے۔ تیری امیدوں پر پانی پھیرتی ہے اور اشاروں میں تجھے آخرت میں جا چھوڑتی ہے اس لیے تو اس کی بے رخی

اور بے وفائی کو دھیان میں رکھ اور منٹ منٹ قدم قدم پر موت سے ڈر۔ کیا پیارے رسول ﷺ کے پیارے صحابی جناب معاذ رضی اللہ عنہ کا فرمان تو نے سنا ہے: انھوں نے دنیا کو کس نظر سے دیکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

((مَا خَطَوْتُ إِلَّا ظَنَنْتُ أَنِّي لَا أَتْبَعُهُ أُخْرٰی))

''میں نے زندگی میں جو بھی قدم اٹھایا اس پر خیال کیا کہ شاید دوسرا قدم نہ اٹھا سکوں (اور دوسرا قدم اٹھانے سے پہلے آخرت کو سدھاروں)۔''

لہٰذا دنیا کے مسافر! ذرا اپنے حال کو ان بزرگوں کے حال سے ملا کہ تیری غفلت کا یہ عالم ہے کہ تو دنوں اور مہینوں موت کا دھیان دل میں نہیں لاتا۔ موت سے نہیں کھٹکتا۔ دنیا کو آخرت سمجھ بیٹھا ہے اور آخرت کو ایک دھوکا جانا ہے۔ جان لے کہ تو اگرچہ موت سے بے فکر ہو بے غم اور نڈر ہو مگر موت تیری فکر میں ہے گھات میں لگی ہے وقت کی منتظر ہے ادھر وقت آیا ادھر کہیں نہ کہیں سے تجھ کو ڈھونڈ ھ نکالے گی۔ تیری لمبی لمبی امیدوں اور آرزوؤں پر چھری چلائے گی اور اشاروں میں تجھ کو تیرے مولا سے جا ملائے گی۔ اس لیے اے دنیا کے مسافر زندگی کو غنیمت جان اس کی ایک ایک گھڑی کی قدر و قیمت پہچان۔

کیا تجھ کو پتہ نہیں تیرے نبی اقدس ﷺ نے کیا فرمایا ہے۔ تیری زندگی کو کیسا بنایا ہے:

((اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ : شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَ صِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ وَ غِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَ فَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَ حَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ)) (ترمذی)

''یعنی پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو۔ جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، صحت کو بیماری سے پہلے، امیری کو فقیری سے پہلے، فراغت کو مشغولی سے پہلے، زندگی کو موت سے پہلے۔''

غنیمت ہے صحت علالت سے پہلے — فراغت مشاغل کی کثرت سے پہلے
جوانی بڑھاپے کی زحمت سے پہلے — اِقامت مسافر کی رحلت سے پہلے
فقیری سے پہلے غنیمت ہے دولت — جو کرنا ہے کر لو کہ تھوڑی ہے مہلت

گویا اے انسان اگر تو جوان ہو۔ تنومند و توانا ہو۔ طاقت و قوت سے بھرپور ہو۔ جوش و امنگ سے

مالا مال ہوتو زندگی کے اس زرین موقع کو ہرگز نہ گنوا۔ پوری طاقت و ہمت سے آخرت کما۔ اللہ کی دی ہوئی جوانی کو اس کی حکم برداری میں کھپا۔ یہ سوچ کر عقل و انصاف کا خون نہ کر کہ ابھی تو دنیا کا مزا لے لے۔ زندگی کی بہار کا لطف اٹھا لے۔ جب بوڑھے ہوں گے، جوانی کے دن ڈھلیں گے، قوت وطاقت میں گریں گے تو آقا کے سامنے جھکیں گے۔ آخرت کا سوچیں گے اور ادھر کی تیاری کریں گے۔

اے انسان کس قدر شرم وحیا کی بات ہے کہ جب تو کسی کام کا ہوتو شیطان کے ہاتھوں میں کھیلے۔ دنیا کے ہاتھ بکے، خواہشات کا کھلونا بنے اور جب تیرے بدن کی ہر چیز جواب دے اور تیرا بدن طاقت چھوڑ بیٹھے، بینائی وشنوائی بھی کھو بیٹھے اور تو دنیا کو نہ چھوڑے بلکہ دنیا تجھ کو چھوڑ دے اس وقت تو مولا کی طرف رخ کرے اور آخرت کا دھیان دل میں لائے۔ ان عاجزی کے دنوں میں تجھ سے کیا بن آئے گا۔ کئے کاموں کو بھی بگاڑے گا۔ ارادے گو کرے گا مگر کچھ نہ کر سکے گا۔

لہٰذا اے ہوشمند انسان قدرت وطاقت کے ایام کو غنیمت جان کام کو عاجزی کے دنوں پر نہ ٹال۔

اگر تو تندرست ہو چاق و چوبند ہو۔ صحت کے مزے لوٹ رہا ہوتو آخرت کا دھیان کر موت کے بعد کی فکر کر اور بیمار ہونے سے پہلے کچھ کر گزر۔ صحت اللہ کی زبردست نعمت ہے بلکہ ہزاروں نعمتوں کی ایک نعمت ہے اس نعمت کو دنیا پر لگا کر آخرت کو ہاتھ سے نہ گنوا۔

انسان بیماریوں میں گھرا ہے۔ آفات جسمانی کا نشان ہے۔ کیا پتہ کب تک تندرست ہے اور کب بیمار ہے۔ بیماری میں آخرت یاد آئی تو کیا کر سکے گا۔ عاجزی کے دنوں میں قدرت کے اسباب کہاں پائے گا۔ مجبوری ہوگی، معذوری ہوگی، پچھتائے گا اور صحت کو یاد کرے گا اور اپنی غفلت پر چار آنسو بہائے گا۔ مگر گیا وقت پھر ہاتھ نہ آئے گا۔

اگر تو مالدار وغنی ہو روپے پیسہ میں کھیلتا ہو، خوشحالی اور بے غمی میں پلتا ہوتو اس بیش قیمت موقع کو رائیگاں نہ کر اور اپنی خوشحالی میں اپنے مولا کو بھی خوش کر دے۔ آخرت کے خوشی کے سامان مہیا کرے، پیسہ کو آخرت پر قربان کر دے، مال کو وہاں کی بھلائی پر لٹا دے۔ جانتا ہے دنیا کی دولت چلتی پھرتی چھاؤں ہے آج ہے کل نہیں ہے۔ فقیر و نادار ہو جائے گا تو پچھتائے گا کہ ہائے امیری میں کچھ کر لیتا آخرت کے دنوں کو بنا لیتا تو آج نہ پچھتاتا۔

اگر آج تجھ کو فرصت ہے فراغت ہے تو اس انمول گھڑی کو غنیمت جان۔ دنیا کے بازار میں سب کچھ ہے مگر فرصت نہیں ہے۔ ہر شخص کام سے نالاں ہے شغل میں سرگرداں ہے۔ اگر ظاہر میں کوئی بیکار ہے تو اس کی بے کاری بھی اس پر کام سے زیادہ بار ہے۔ غرض یہاں دنیا میں فراغت بہت کم ہے۔ مشغولیت بہت زیادہ ہے لہٰذا اگر تو فرصت پالے تو اس کو آخرت کی درستی میں لگا دے اسی طرح اگر تو زندہ ہے تو زندگی کے ایک ایک لمحہ کی قدر کر اور آخرت کی درستی میں کمی نہ کر۔

زندگی کا کچھ بھروسا نہیں، سانس کا کچھ اعتبار نہیں ابھی تو اگر زندوں میں ہے تو ابھی مردوں میں ہے ابھی دوسرے تیرے کندھوں پر ہیں تو ابھی تو خود ان کے کندھوں پر ہے۔ لہٰذا موت سے پہلے کچھ کر لے اس چلتی دنیا سے کچھ لے چل۔ ورنہ عنقریب اس رہتی بستی دنیا کو تو چھوڑ جائے گا اور خود چل بسے گا۔ سب کچھ ہوگا ایک تو نہ ہوگا۔

دنیا کی زندگی تو ہے اک جزوِ موت ہی
اس کا نتیجہ ہو نہیں سکتا سوائے موت
سانچا یہ زندگی ہے فقط روح کے لیے
جب ڈھل چکے تو سانچے کو جائز ہے آئے موت

آخرت کی ہولناکی:

اے دنیا کے مسافر اور آخرت کے راہی اس سفر دنیا میں تو نے بڑی بڑی تکلیفیں جھیلیں۔ طرح طرح کی ٹھوکریں کھائیں لیکن اگر تو نے پورے سفر میں اپنی آخرت پر نظر رکھی۔ دل میں اس کی فکر رکھی تو یاد رکھ ان ساری راہ کی تکلیفوں کو تو موت کے بعد یکسر بھلا دے گا۔ منزل آخرت میں پہنچ کر ساری کلفتیں ایک دم دل سے مٹا دے گا اور اگر تو غفلت کا شکار رہا۔ دنیا میں خالی آیا اور خالی ہاتھ یہاں سے چلا تو سمجھ کہ ہمیشہ کے لیے راحت سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ ہمیشہ کا چین کھو بیٹھا سب سے پہلے تیرے سامنے قبر کی سخت دشوار گزار گھاٹی ہے جس سے تجھ کو گزرنا لازمی ہے، تیرے نبی مقدس ﷺ کا فرمان ہے اور عقلمند کے لیے کھلا اعلان ہے:

((اِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النَّارِ)) (ترمذی)

"قبر یا تو جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔"

اگر قبر تیرے لیے باغ بن گئی تُو بھی خوشی میں باغ باغ ہے۔ اور اگر گڑھا ہوگئی تو تُو عذاب الٰہی کا لقمہ ہے۔ سانپ بچھوؤں کی غذا ہے کیڑے مکوڑوں کا شکار ہے، پھر سوچ اگر تو نے دنیا کا سفر بے سوچ گزارا بے سروسامانی سے یہاں سے چل بسا تو تیری قبر میں کیا گت بنے گی تُو چلائے گا چیخے گا۔ مگر تیری شنوائی نہ ہوگی۔ بس تُو ہوگا تیرا عمل ہوگا اور اپنے کیے کو بھگتنا ہوگا۔ تیرے نبی مقدس ﷺ کا فرمان گرامی ہے کہ ہر روز قبر آواز دیتی ہے اور جن وانس کے علاوہ دنیا کی ہر چیز کو اپنی آواز سناتی ہے۔

((أَنَا بَيْتُ الْغُرْبَةِ وَ أَنَا بَيْتُ، الْوَحْدَةِ وَ أَنَا بَيْتُ التُّرَابِ وَ أَنَا بَيْتُ الدُّوْدِ))

(ترمذی)

"میں غربت کا گھر ہوں، میں تنہائی کا گھر ہوں۔ میں مٹی کا گھر ہوں میں کیڑوں کا گھر ہوں۔"

ہائے کیا ہولناک حال ہوگا تُو تنِ تنہا غریبوں کی طرح مٹی میں پڑا ہوگا۔ ہیبت ناک سانپ تیرے گرد لپٹے ہوں گے اور تجھ کو ڈستے ہوں گے اور وہ سانپ ایسے زہریلے ہوں گے کہ بمطابق فرمان نبوی اگر ان میں سے ایک سانپ اس زمین پر پھونک مار دے تو تا قیامت زمین سے روئیدگی کا مادہ مٹا دے اور ہمیشہ کے لیے زمین کو جلا پھینکے۔

دفن خود صدہا کئے زیر زمین — پھر بھی مرنے کا نہیں حق الیقین
موت کو پیشِ نظر رکھ ہر گھڑی — پیش آنے کو ہے یہ منزل کڑی

قبر کی منزل کے بعد آخرت کی کڑی منزل ہے۔ سخت ہولناک اور دل گداز ہے۔ دل شکن و دل فگار ہے خالق دو جہاں نے اس کی ہولناکی اس کے مختلف ناموں سے کھولی ہے کیونکہ نام مسمی کی کھلی نشانی ہے یہی قارعة ہے جو دلوں کو خوف و ہراس سے پاش پاش کر ڈالے گی۔ اتحاد و یگانگت کا شیرازہ بکھیر دے گی۔ پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر ڈالے گی آسمانوں کو چیر دے گی۔ زمین کو لپیٹ دے گی ہر ایک کا کیا اس کے سامنے لے آئے گی۔ یہی غَاشِيَةٌ ہے جو ہوش ربا واقعات سے انسانوں کو ڈھک لے گی۔ طرح طرح کی ہولناکیوں میں چھپالے گی۔ کسی کو بھاگنے کا رخ نہ مل سکے گا۔ کوئی بچاؤ کا راستہ نہ

پاسکے گا۔ برے عمل بھیانک صورت میں ہر ایک کے سامنے ہوں گے جو اس کے تن بدن کو لرزا دیں گے۔ یہی یَومٌ عَظِیمٌ ہے وہ بڑا دن ہے جب کہ سارے انسان اپنے اعمال لے کر سب سے بڑے بادشاہ کی عدالت میں پیش ہوں گے اور آخری فیصلہ کے لیے ہراساں اور ترساں ہوں گے۔ یہی حاقة ہے۔ جو آخرت کی ہولنا کیوں کو سچا کر دکھائے گی وہاں کے سارے خطرات کو سامنے لا کھڑا کرے گی۔ انسان ماضی اور مستقبل کو وہاں یکجا دیکھے گا۔ اگلے پچھلے عملوں کو اکٹھا پائے گا اور اپنے بچاؤ کے رخ ٹٹولتا ہوگا۔ آئی بلا کو سر پر سے ٹالتا ہوگا مگر پتہ لگا لے گا کہ واقعی نکلنے کی راہ نہیں۔ علاج کا وقت جا چکا۔ سدھار کا موقع گزر چکا۔ اب مصیبت میں گھرا ہے بس اب اللہ ہی اللہ ہے۔ یہی منزل ہے جس کا نام یَوْمَ التَّلَاقِ ہے، یعنی وہ دن اگلوں پچھلوں کو جوڑ دے گا سب کو یکجا کر دے گا۔ بچھڑوں کو ملا دے گا۔ بکھروں کو اکٹھا کر دے گا یہی یَوْمَ الاٰزِفَةِ ہے، یعنی قریب آ جانے والا دن۔ کیونکہ وہ انسانوں سے کچھ دور نہیں۔ ابھی مرے ابھی سر پر ہے ابھی قبر ہے تو ابھی حشر ونشر ہے، یہی یَوْمَ الْحِسَابِ ہے، یعنی دنیا عمل کا میدان ہے تو آخرت حساب کا دن ہے۔ ایک ایک عمل کا حساب ہوگا۔ ہر ایک کا کچا چٹھا اس کے سامنے ہوگا اس کو انکار کا موقع نہ ہوگا۔ سوائے اقرار کے کوئی چارہ نہ ہوگا۔ ہر ایک بات کو مانتا ہوگا۔ تسلیم کرتا ہوگا۔ معافی چاہتا ہوگا کئے پر نادم و پشیمان ہوگا۔ غرض اپنے عمل پر آپ گواہ ہوگا اور اقراری مجرم ہوگا۔

موت کو بھول گیا دیکھ کے دنیا کی بہار
دل نے پیش نظر انجام کو رہنے نہ دیا

لہٰذا اے آخرت کے راہی تو آخرت کے مختلف القاب سے اس کی ہولنا کی کا اندازہ کر اور (للّٰہ) دنیا سے کچھ لے چل۔ تیرے سامنے یہ خطرات ہیں اور تو غفلت سے چل رہا ہے۔ آنکھوں دیکھے کنوئیں میں گر رہا ہے۔ للہ یہ کیا کر رہا ہے۔ ہوش سنبھال جلد سدھر۔ ماضی کو جانے دے، مستقبل کی فکر کر۔ دیکھ آخرت کی سب سے بڑی ہولنا کی یہی ہے کہ وہاں عمل کا دروازہ بند ہے۔ تلافی کا راستہ مسدود ہے یا تو ابدی خوشی ومسرت ہے یا ابدی یاس وحسرت ہے، اس لیے عقل کا تقاضا ہے کہ دنیا کے سفر میں ہوش و بیداری ہو اور منزلِ آخرت کی پوری پوری تیاری ہو۔ یہاں کا ایک، ایک لمحہ ایک ایک پل غفلت میں نہ

گزرے اس راستے کا ایک ایک قدم نہایت ہوشیاری اور سنجیدگی سے اٹھے۔ ہر وقت یہ نظریہ پیش نظر ہو کہ جو کچھ ہو وہ ذخیرۂ آخرت ہو۔ یہاں کا کچھ ہو یا نہ ہو لیکن وہاں کا ضرور کچھ ہو۔ یہاں کا چاہے سب کچھ بگڑے لیکن وہاں کا ضرور سدھرے۔ اس راہِ دنیا کا آرام اگر اب ہاتھ سے گیا تو اب رنج ہو گا پھر رنج کبھی نہیں ہو گا لیکن اگر آخرت کے آرام کی پرواہ نہ کی تو گو اس کا اب رنج نہ ہو لیکن منزل مقصود پر پہنچ کر رنج ہو گا اور پھر وہ رنج کبھی ختم نہ ہو گا۔ اگر دنیا میں عمل بھی ہوتا اور ساتھ ساتھ حساب بھی ہوتا، یعنی باز پرس بھی ساتھ ساتھ ہوتی تو آخرت کی راحت شاید ہی کسی کے ہاتھ سے جاتی۔ یہاں کی غلطی انھیں نکال لے جاتی۔ لغزش اگر ہوتی تو تلافی بھی اس کے ہمراہ ہوتی لیکن حقیقت ایسی نہیں۔ راہِ دنیا محض عمل کا میدان ہے صرف تیاری کا مقام ہے یہاں کی غلطی کو یہاں نہیں بھگتنا ہے۔ یہاں کی تیاری کا پھل یہاں نہیں کھانا ہے۔ یہی حال منزلِ آخرت کا ہے کہ وہاں راہِ دنیا کی غلطیوں اور کوتاہیوں پر صرف محاسبہ ہے یا تو گرفت و بندش ہے یا داد و دہش ہے، عمل کی کوئی گنجائش نہیں۔ تلافی کا کوئی امکان نہیں۔ اگر وہاں بھی عمل کا موقع ملتا تو جنت کو کون چھوڑتا۔ دوزخ میں کون گرتا۔ دوزخ ویران ہوتی جنت آباد ہوتی۔ مگر حقیقت تو یہ ہے کہ وہاں یہ کوئی کہہ نہیں سکتا کہ اب تک نہ کیا تو اب کر لیں اب تک کھویا تو اب کما لیں۔

جو مال ہی پہ ہے نظر، تو خوں ہے اور ترا جگر
مرض ہے جس کو حرص کا، کبھی اسے شفا نہیں
غرور تھا، نمود تھی ہٹو بچو کی تھی صدا
اور آج تم سے کیا کہوں لحد کا بھی پتا نہیں

بس اسی حقیقت کو رسول اکرم ﷺ نے مختصر سے دو جملوں میں کیا خوب ظاہر فرمایا ہے اور دنیا اور آخرت کی اس نزاکت کو کیا بہتر طریقہ سے کھولا ہے کہ ارشاد ہے:

((كُونُوا مِنْ أَبْنَاءِ الْآخِرَةِ وَ لَا تَكُونُوا مِنْ اَبْنَاءِ الدُّنْيَا فَإِنَّ الْيَوْمَ عَمَلٌ وَ لَا حِسَابَ وَ غَدًا حِسَابٌ وَ لَا عَمَلَ)) (بخاری)

''کہ لوگو! آخرت والے بنو دنیا والے نہ بنو کیونکہ آج یعنی اس سفر دنیا میں عمل ہی عمل ہے حساب نہیں اور کل یعنی آخرت میں حساب ہی حساب ہے عمل نہیں۔''

لہٰذا اس عملی میدان کو غنیمت جانو اور عمل میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھو۔ وہاں کے لیے تیاری میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرو۔ وہاں پہنچ کر وہاں کی فکر نہ کرو وہاں کی یہیں سے فکر کرو اور کچھ لے چلو یہ دنیا کے تیزی سے گزرنے والے لمحات انمول موتی ہیں اگر ان کو کام میں لے لیا اور آگے کا دھیان و خیال کرلیا تو یاد رکھو ہمیشہ کا کام بنالیا۔ ابدی پچھتاوے سے جان کو چھڑا لیا۔ اور اگر ان لمحات کو یوں ہی گنوایا دنیا کے زرین اوقات کو رائیگاں کھویا تو یوں سمجھو کہ ابدی رنج وغم کو مول لیا آخرت کی ہمیشہ کی زندگی کو بے مزہ کیا۔ چنانچہ مومنین کو باری تعالیٰ سے یہی ہدایت ملی ہے کہ اللہ کا ڈر دل میں رکھو کل کا دھیان رکھ کر زندگی کا ہر قدم پھونک پھونک کر رکھو۔ آخرت کے دن کو ہرگز نہ بھلاؤ۔ وہاں کی راحت کا سامان یہیں سے بناؤ۔ ارشاد ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (الحشر: ۱۸/۵۹)

''یعنی اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور چاہئے کہ دیکھے ہر نفس کیا بھیجتا ہے کل کے واسطے اور ڈرتے رہو اللہ سے بے شک اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو۔''

گویا فرمان ہے کہ آخرت کچھ نہیں آج نہیں تو کل ہے بہرحال سر پر ہے۔ اسی کی فکر میں امن ونجات ہے اس سے غفلت میں تباہی وہلاکت ہے انسان نے کل کا سامان کرلیا تو بیڑا پار ہے۔ گر بے سروسامانی سے چل بسا تو بربادی کا شکار ہے۔

لہٰذا اے دنیا کے مسافر! تیرا سفر پر خطر ہے مختصر ہے۔ کل کی گھڑی تیرے سر پر کھڑی ہے آخرت کچھ دور نہیں بلکہ تیزی سے تیری جانب بڑھتی آرہی ہے تجھ سے جلد ملنا چاہتی ہے۔ فرمان نبوی ہے:

((هٰذِهِ الدُّنْيَا مُرْتَحِلَةٌ ذَاهِبَةٌ وَ هٰذِهِ الْاٰخِرَةُ مُرْتَحِلَةٌ قَادِمَةٌ))

''یہ دنیا کوچ کرنے والی اور جانے والی ہے اور آخرت آگے بڑھنے والی اور آنے والی ہے۔''

یعنی جانے والی کو جانے دے جو تجھ کو چھوڑے تو بھی اسے چھوڑ دے جو تجھ سے منہ موڑے تو بھی اس سے رخ پھیر لے۔ پیچھے نہ دیکھ آگے دیکھ۔ دنیا جو تیرے پیچھے ہے اسے پس پشت ڈال، آخرت جو تیرے سامنے ہے اس کو نظر کے سامنے رکھ، جان وتن و مال و دھن اسی کی تیاری میں کھپا اور تو وہ ہوشیار

چاق و چوبند مسافر بن جو گھر کا پورا سامانِ راحت لے کر گھر میں اترتا ہے۔ اسباب راحت سے لدا پھندا منزل میں قدم رکھتا ہے اور پھر گھر کو تکلیف کدہ نہیں راحت کدہ بناتا ہے۔

گر تُو قارون زمانہ بھی ہوا تو کیا ہوا
آخرش تو چیونٹیوں کی ہے غذا کے واسطے
کام وہ کرلے پیارے جس کے باعث گور میں
باغِ رضواں سے کھلے کھڑکی ہوا کے واسطے

اے غفلت سے قدم اٹھانے والے مسافر اپنے نبی کریم ﷺ کے خطبہ کو ذرا سن اور دل کے کان کھول ارشاد فرماتے ہیں:

((أَلَا إِنَّ الدُّنيَا عَرَضٌ حَاضِرٌ يَاكُلُ مِنْهُ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ أَلَا وَ أَنَّ الْاٰخِرَةَ أَجَلٌ صَادِقٌ وَ يَقْضِىْ فِيهَا مَلِكٌ قَادِرٌ أَلَا وَ أَنَّ الْخَيرَ كُلَّهٗ بِحَذَافِيرِهٖ فِى الْجَنَّةِ اَلَا وَ أَنَّ الشَّرَّ كُلَّهٗ بِحَذَافِيرٍ، فِى النَّارِ اَلَا فَاعْمَلُوْا وَ اَنْتُمْ مِّنَ اللّٰهِ عَلٰى حَذْرٍ وَاعْمَلُوْا أَنَّكُمْ مُعْرِضُوْنَ عَلٰى أَعْمَالِكُمْ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ)) (شافعی)

''یعنی خبردار دنیا ایک فانی پونجی ہے۔ اس میں سے نیک بھی کھاتا ہے اور بد بھی اور آخرت ایک بلاشک آنے والی مدت ہے۔ اس میں فیصلہ ایک باقدرت بادشاہ کے ہاتھ میں ہوگا خبردار ساری بھلائیاں جنت میں ہوں گی اور ساری کی ساری برائیاں دوزخ میں۔ خبردار ڈرتے ڈرتے عمل کرو اور جان لو کہ تم اپنے عملوں کے ساتھ اللہ کے سامنے پیش ہوگے بس جو شخص ذرّہ برابر نیک کام کرتا ہے وہ اس کی جزا پائے گا اور جو ذرہ برابر برا کام کرتا ہے وہ اس کی سزا پائے گا۔''

اس کلام نبوی کا ایک ایک جملہ نصیحت وعبرت ہے اور اس میں فلاح آخرت و عافیت ہے پہلے فرماتے ہیں کہ دنیا ایک ایسا سامان ہے جو جلد چھن جانے والا ہے جو ہر وقت فنا کے خطرے میں ہے ہر دم عدم وزوال کے کھٹکے میں ہے۔ اس پر کوئی کیا بھروسا کرے کہ اس کو اپنا مقصد بنا کر اپنی آرزوؤں کی

بنیاد اس پر کھڑی کرے۔ اس کا پانا کوئی خوبی نہیں اس کا حاصل کر لینا کوئی برتری کی نشانی نہیں۔ یہ نیک کو بھی ملتی ہے اور بد کو بھی۔

اسی دنیا کے مقابلے میں آخرت ہے جو بلاشک آنے والی ہے۔ کسی حال میں ٹلنے والی نہیں۔ کوئی لاکھ جتن کرے مٹنے والی نہیں۔ پھر آئے گی تو کیسی؟ کیسے ہو سکے گی اس میں رواداری اور منہ داری، آپس داری اور خویش نوازی؟...... نہیں نہیں وہ دنیا نہیں آخرت ہو گی اس میں فیصلہ کن ذات ایک بے پناہ طاقت والی ہو گی جس کے حکم اور فیصلے کو کوئی چیز نہ پھیر سکے گی، اس کا حکم چل کر رہے گا۔ اس کا فیصلہ ٹل نہ سکے گا۔ اس کی منشا سے کوئی منہ موڑ نہ سکے گا۔ اس کے سامنے سے کوئی ہٹ نہ سکے گا۔

نیز یہ دنیا نہ ہو گی کہ نیکی بدی سے ملی ہو۔ اچھائی برائی کے ساتھ شامل ہو۔ نیکیوں کا مقام اور نیکوں کا گھر جنت ہو گا اور بد اس کی ہوا تک نہ پا سکے گا۔ بدیوں اور بدوں کا گھر دوزخ ہو گا اور نیک اس کے پاس نہ پھٹکے گا جو جیسا کرے گا وہ ویسا بھگتے گا۔ نیکی کی تو نیکی دیکھے گا، بدی کی تو بدی پائے گا۔ ہر معاملہ صاف اور کھرا ہو گا۔

ہارون نے کہا وقتِ رَحیل اپنے پسر سے
جائے گا کبھی تو بھی اِسی راہگذر سے
پوشیدہ ہے کافر کی نظر سے ملک الموت
لیکن نہیں پوشیدہ مسلمان کی نظر سے

لہٰذا اے دنیا کے غافل مسافر! تُو نے اپنی منزل کا حال سنا۔ کیا تیرا دل کچھ ڈرا؟ تو کیوں اپنی جان کا آپ دشمن ہوا ہے۔ کیونکہ خود خود کا آپ مخالف بنا ہے۔ آنکھوں دیکھی جیتی مکھی نگلتا ہے جو کسی عقلمند نے نہیں کیا، تُو کرتا ہے۔ دین کو بدنام کرتا ہے عقل پر بٹہ لگاتا ہے بلکہ انسانیت کو چھوڑ کر جانور سے جا ملتا ہے اور تخلیق باری پر حرف لاتا ہے یہ کیا غضب کرتا ہے۔

آخرت کی تیاری:

اے انسان تو دنیا میں مسافر یا راہ گیر ہے۔ دنیا تیری راہِ سفر ہے۔ لیکن ہر سفر کی راہ متعین و مقرر ہے۔ بخلاف دنیا کی راہ کے کہ اس کی کوئی مقدار نہیں۔ اس کا کوئی اندازہ نہیں۔ نہ یہ راہ مہینوں اور دنوں

سے ناپی جاسکتی ہے۔ نہ یہ گھڑیوں اور ساعتوں کے شمار میں آسکتی ہے کسی کو کیا پتہ وہ کب تک ہے اور کب نہیں۔ کب تک رہے اور کب چل بسے۔ انسان کے آنے میں پھر بھی دیر ہے جانے میں کچھ دیر نہیں۔ اس لیے اے انسان ہر وقت تیاری میں رہ۔ آخرت کے استقبال میں رہ۔ ایسا نہ ہو کہ تو تیار نہ ہو۔ بے سروسامان ہو اور موت کا فرشتہ تجھ پر سوار ہو۔ سفر تیرا ختم ہو۔ منزل پر تیرا قدم ہو مگر تو آخرت کے لیے کچھ نہ رکھتا ہو کیا تجھے پتہ ہے نبی اکرم ﷺ کا کیا فرمان ہے: ارشاد ہے:

((إِذَا مَاتَ الْمَيِّتُ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ مَا قَدَّمَ وَ قَالَ بَنُوْ آدَمَ مَا خَلَّفَ)) (بیهقی)

یعنی جب انسان اس دار فانی سے دار باقی کی طرف کوچ کرتا ہے اور ابھی چار بھائیوں کے کندھوں پر ہوتا ہے تو فرشتے اور انسان اس کے بارے میں اپنے اپنے خیالات کے مطابق سوالات کرتے ہیں۔ فرشتے کہتے ہیں کہ اس مرنے والے نے اپنی آخرت کے لیے کیا بھیجا اور آدمی کہتے ہیں کہ اس نے دنیا میں کیا چھوڑا۔

دلا غافل نہ ہو یک دم یہ دنیا چھوڑ جانا ہے
بغیچے چھوڑ کر خالی زمین اندر سمانا ہے

بس اے دنیا سے چل بسنے والے انسان! فرشتوں کی نظر سے اپنے کو جانچ اور اپنے سامان کا جائزہ لے کہ وہ دنیا میں رہ جانے والا ہے یا تیرے ساتھ جانے والا ہے۔ یہاں رہ جانے والا سامان یہیں چھوڑ، اور ساتھ جانے والا سامان ہر دم اپنے ساتھ رکھ۔ اس بے وفا زندگی پر تو تکیہ لگائے بیٹھا ہے۔ اس فانی حیات پر تُو نے بھروسا کر رکھا ہے۔ زندگی کی حقیقت کو سمجھ، موت کے آنے کی رفتار کو پہچان۔

تیری زندگی کیا ہے؟ ایک ہوا ہے جس کا نام تو نے سانس رکھا ہے۔ وہ کبھی چلتی ہے، کبھی رکتی ہے کبھی ایک سمت چلتی ہے کبھی اپنا رخ پلٹتی ہے، یہ نہ چلنے میں وقت لیتی ہے نہ رکنے میں اس کا چلنا تیری زندگی ہے۔ اس کا رکنا تیری موت ہے۔ ابھی ہوا رکی اور ابھی تیرا سفر دنیا بھی رکا اور تو منزل پر پہنچا۔ تیرا کیا تیرے سامنے آیا۔ پھر کان کھول اور یہ بھی سن اور ہم سے نہیں بلکہ اپنے نبی اکرم ﷺ سے سن:

((يُبْعَثُ كُلُّ عَبْدٍ عَلَى مَا مَاتَ عَلَيْهِ)) (مسلم)

"قیامت کے دن ہر بندہ اس حالت پر اٹھایا جائے گا جس پر کہ وہ مرا ہے۔"

تیرا سفرِ دنیا گو اچھا کٹا ہو، عمدہ گزرا ہو، مگر اعتبار اسی حالت کا ہوتا ہے جس پر تیرا خاتمہ ہوا ہو۔ جس پر تو نے دنیا سے اپنا بستر لپیٹا ہو۔ اگر تو گناہ سے ہر گھڑی اور ہر وقت چوکنا رہے گا۔ قدم قدم پر موت سے کھٹکتا اور ڈرتا رہے گا تو دنیا سے تیرا کوچ بُری گھڑی کبھی نہ ہوگا بلکہ تیرا خاتمہ بالخیر ہوگا۔ دنیا سے سُرخرو جائے گا اور آخرت میں بھی سُرخرو رہے گا اور اگر آج نہیں کل کروں گا، ابھی نہیں پھر کرلوں گا، کے چکر میں پھنسا رہے گا تو یاد رکھ جلد عذاب الٰہی کا نشانہ بنے گا۔ دوسروں کو اپنے اوپر ہنسائے گا دنیا کے معاملات میں سوچ بچار ٹھیک ہے دنیا کے دھندوں میں تاخیر مناسب ہے لیکن آخرت کی باتوں میں دیر لگانا اپنے کو موت کی اچانک گولی کا نشانہ بنانا ہے کیونکہ ہم نے نبی اقدس ﷺ کا یہ فرمان سنا ہے۔

((اَلتُّؤَدَةُ فِی کُلِّ شَیْءٍ خَیْرٌ اِلَّا فِیْ عَمَلِ الْآخِرَةِ)) (ابوداوٗد)

”کہ تاخیر اور ڈھیل ہر چیز میں بہتر ہے مگر عمل آخرت میں۔ یعنی اس میں تاخیر ہرگز مناسب نہیں۔“

اور اے غافل انسان! ذرا عقل سے کام لے اور یہ سوچ کر اپنی غلطی آپ نکال لے کہ اگر تجھ کو یہ پتہ ہو کہ کل تجھ پر آئے گا تو تجھ کو اختیار ہے کہ آج کے عمل کو تو کل پر ٹال اور آج اور آرام کرلے لیکن تجھ کو یہ پتہ نہیں کہ کل تو کیا کرے گا۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّا ذَا تَكْسِبُ غَدًا﴾ (لقمان: ۳۱/۳۴)

”کہ کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا۔“

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے — یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے
یہاں ہر خوشی ہے مبدّل بہ صدغم — جہاں شادیاں تھیں وہاں اب ہیں ماتم

تیری موت کی کنجی خود تیرے ہاتھ میں نہیں کہ کل تک تو اپنے ارادے سے زندہ رہ لے بلکہ تیری زندگی کی باگ تیرے پروردگار کے ہاتھ میں ہے۔ اسی کے حکم سے تو زندہ ہے اسی کے حکم سے تو مرتا ہے اور اس کے حکم کا تجھ کو کیا پتہ ہے؟ تو کیا جانے کس وقت تیری موت کے لیے وہ حکم دیتا ہے پھر ایک دھوکے کی چیز پر آخرت کی اٹل چیز کا مدار کیوں رکھتا ہے اور یہ موجودہ وقت جو بلاشک تیرے ہاتھ میں ہے اس کو دنیا کی دھوکے کی زندگی میں کیوں کھپاتا ہے۔ عقل کو شرماتا ہے انصاف کا خون کرتا ہے اگر تو

بڑی بڑی کوٹھیوں پر فریفتہ ہے شاندار محلات کا دلدادہ ہے تو اللہ کے واسطے پتھروں اور اینٹوں میں اپنا دل نہ گنوا۔ تیرا اصل آرام دنیا کے بالا خانوں میں نہیں بلکہ خاک کی گود میں ہے۔ یہ رہائشی ٹھاٹ باٹ تو بہت جلد یہیں چھوڑ جائے گا اور زمین کی تہہ میں پڑا ہوگا تو نہ بالا خانوں میں ہوگا نہ اونچی اونچی کوٹھیوں میں ہوگا۔ بلکہ انھیں بالا خانوں میں رہنے والوں کے قدم تیرے سر پر ہوں گے اور تو ان کے قدموں میں دبا پڑا ہوگا۔ لہٰذا تو عمل خیر سے اسی خاک کی آبیاری کر اور اس کو اپنے لیے جنت کا باغیچہ بنا کر تو اس میں دولہا کی طرح آرام کی نیند سوجا۔

ملے خشک روٹی جو آزاد رہ کر تو وہ خوف و ذلت کے حلوے سے بہتر
جو ٹوٹی ہوئی جھونپڑی بے ضرر ہو بھلی اُس محل سے جہاں کچھ خطر ہو

رہائشی آرام پر مٹنے والے انسان! ذرا تو اپنے نبی اکرم ﷺ کا فرمان گرامی سن:

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ مَرَّ بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ اَنَا وَ اُمِّيْ نُطَيِّنُ شَيْئًا فَقَالَ مَا هٰذَا يَا عَبْدَ اللّٰهِ قُلْتُ شَيْئٌ نُصْلِحُهُ قَالَ الْاَمْرُ أَسْرَعُ مِنْ ذٰلِكَ)) (ترمذی)

''جناب عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک روز میں اور میری والدہ مٹی سے اپنے مکان کی درستی کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر ہم پر ہوا اور آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا، اے عبد اللہ یہ کیا کر رہے ہو؟...... میں نے عرض کیا کہ اس مکان کو درست کر رہا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ موت اس سے بھی جلد آنے والی ہے۔''

یعنی فرمایا کہ مکان گرنے سے پہلے موت کا تم تک پہنچ جانے کا اندیشہ ہے گویا تم کو یہی خوف ہے کہ تمہاری موت سے پہلے تمہارا مکان نہ گر جائے۔ لیکن یہ بھی تو کھٹکا ہے کہ مکان گرنے سے پہلے تم مرجاؤ۔ لہٰذا مکان کی درستی سے پہلے عمل کی درستی کرو اور پہلے آنے والی چیز کی پہلے تیاری کرو۔ یہ تو کچے مکان کا قصہ ہے اور آج کے انسان کا دل تو کوٹھیوں میں الجھا پڑا ہے۔ مٹی کے ڈھیر کو وہ بھولا بیٹھا ہے تو اس کا اپنی جان پر ظلم تو اور بھی برا ہے۔

آتی ہے نسیم، جی لبھاتی ہے نسیم خوشبوئے گلِ نعیم لاتی ہے نسیم

اے صاحب خلق یوں گزر دنیا سے گلگشتِ چمن کو جیسے آتی ہے نسیم

اے دنیا کے مسافر اگر تو کھانے پر فدا ہے پیٹ کا بندہ ہے اور یوں آخرت کا بھولا ہے تو یہ سمجھ کہ تو انسانیت سے گر کر جانور سے جاملا ہے۔ جانور دنیا میں کھانے کے لیے آیا ہے اور تو کھانے کے لیے نہیں عبادت کے لیے آیا ہے انسان پوری دنیا کا سردار ہے اور جانور اس کا خادم ہے اگر بہت کھانا فخر اور برتری کی نشانی ہوتا تو سردار خادم سے زیادہ کھانے کے قابل ہوتا۔ خادم کو کم ملتا سردار کو زائد ملتا۔ مگر قدرت کا نظام تو یہ ہے کہ جانور کے پیٹ پانچ سیر اور دس سیر کھانے کا لگایا اور سردار کے ایک پاؤ یا ڈیڑھ پاؤ کھانے کا۔

گویا بتایا کہ اے عقلمند انسان تیری برتری کھانے سے نہیں عبادت سے ہے۔ تیری سرداری اور عظمت بسیار خوری میں نہیں کم خوری میں ہے۔

تو کم کھائے گا اور بسیار خوروں پر سروری کرے گا۔ اور اپنے مولا پروردگار عالم کے سامنے جھکا رہے گا۔ تو اپنے خالق کو دیکھ کہ وہ کھانے سے بالکل ہی بے نیاز ہے اور وہ تیرا بھی سردار ہے۔ لہٰذا تو زیادہ کھا کر اپنے خادموں سے کیوں ملتا ہے۔ اپنی سرداری پر کیوں حرف لاتا ہے پھر کھانے کے دلدادہ انسان تو ذرا اپنے عمل کی حقیقت کو تو سمجھ کہ تجھ میں عقل آئے تو دراصل زبان کے چٹخارے کے ہاتھوں بکا ہے ایک قطعہ گوشت پر تو نے آخرت کی بھلائی کو قربان کیا ہے۔ ہونٹوں سے باہر لذیذ ترین چیز اور مٹی برابر ہے۔ وہ نہ میٹھی اور کڑوی ہے نہ اچھی اور بری ہے بس جب تک زبان پر ہے لذت ہے، جب زبان سے اتری مٹی ہے اس لیے ہندی میں مثل مشہور ہے۔ ''اترا گھاٹی ہوا ماٹی'' یعنی کھانا حلق سے اترا کہ مٹی ہوا۔ پھر یہ زبان کی لذت بھی دنوں اور گھنٹوں کی نہیں منٹ دو منٹ کی ہے۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اے انسان تو منٹوں کے مزے کی خاطر لاکھوں برسوں کا آرام وچین ہاتھ سے دے دے اور ہمیشہ کی زندگی پر خاک ڈال دے۔

اگر تجھ کو مال ملا ہے اور دولت کا تو گرویدہ بنا ہے اور یوں تو نے آخرت کو پس پشت ڈالا ہے تو تیری عقل پر صد حیف ہے تو نے یہ کبھی نہیں سوچا اس طرف تیرا کبھی دھیان نہیں گیا کہ یہ دولت جو تیرے ہاتھ میں آج ہے کتنے انسانوں کے ہاتھوں میں سے یہ گزر چکی ہے۔ کتنوں کو یہ لے ڈوبی ہے اور آج

تیری باری ہے۔ یہ دولت نہ کسی کی بنتی ہے نہ بنے گی۔ یہ صرف مالک حقیقی کی ہے۔ اگر تو اس کے مستقبل کو دیکھے تو تجھ کو اور بھی نصیحت و عبرت ہو۔ آج تیرے ہاتھ میں جو دولت ہے وہ تیری نہیں، تیرے پس ماندگان اور وارثوں کی ہے۔ آج نہیں تو کل موت سے پہلے نہیں تو موت کے بعد ان کی ہے۔ پھر دوسرے کے مال و دولت پر تو خوشیاں مناتا ہے، دوسروں کی ملکیت پر شادیانے بجاتا ہے یہ تجھ کو کہاں تک زیبا ہے۔ جناب عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ ایک روز نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے سوال فرمایا:

((أَيُّكُمْ مَالُ وَارِثِهِ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ مَالِهِ)) (بخاری)

''یعنی تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جس کو اپنے مال سے زیادہ وارث کا مال عزیز ہو؟''

عرض کیا گیا: ''ہم میں سے کوئی ایسا نہیں جو اپنے مال سے زیادہ وارث کا مال پسند کرتا ہو''

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فَإِنَّ مَالَهُ مَا قَدَّمَ وَ مَالَ وَارِثِهِ مَا أَخَّرَ))

''کہ اس کا مال وہ ہے جو اس نے آگے بھیجا اور وارث کا مال وہ ہے جو اس نے اپنے مرنے کے بعد چھوڑا۔''

مالداروں اور دولت پرستوں کے لیے کیا زرّیں نصیحت ہے۔ یہ اپنی دولت کو سینے سے لگائے رکھتے ہیں۔ جان سے زیادہ عزیز جانتے ہیں اور اس میں سے اللہ کی راہ میں دانے برابر صرف کرنا پسند نہیں کرتے۔ کیا ان کو پتہ نہیں کہ سانس کا کچھ بھروسا نہیں ابھی آیا اور ابھی رکا۔ سانس نکلا اور مال غیروں کا ہوا۔ ابھی اپنا تھا اور ابھی پرایا ہوا۔ سالوں کی جمع کی ہوئی دولت اشاروں میں قبضے سے نکلی۔ دوسروں کے ہاتھوں میں پہنچی تو گویا جو ناسمجھ دولت جوڑ جوڑ کر رکھتا ہے، پیسہ پیسہ پر نظر رکھتا ہے اپنا بھلا کرتا ہے حقداروں کا حق مارتا ہے، خود مصیبت جھیلتا ہے مگر پیسہ پر آنچ نہیں آنے دیتا۔ وہ درپردہ غیروں کے مال کو پسند کرتا ہے۔

جس کے سینے میں دِل آگاہ ہے ۔۔۔ اُس کے لب پر اللہ ہی اللہ ہے
سنّت و قرآں سے آتی ہے صدا ۔۔۔ جو نہیں قبلہ رُو گمراہ ہے

اس کا مال وہ ہے جو اللہ کی راہ میں صرف کر کے اپنی آخرت کے لیے ذخیرہ بناتا ہے یہاں کے لیے نہیں وہاں کے لیے جوڑتا ہے دنیا کا گزر گاہ جان کر آخرت کی منزل کی فکر رکھتا ہے اور وہیں کا سامان اکٹھا کرتا ہے اے مال کے رسیا ذرا مال کو اور قریب سے دیکھ اور اپنی نگاہ سے نہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی نگاہ سے دیکھ۔ یہ مال جس پر تو اپنا خون گراتا ہے، مرتے وقت سب سے پہلے یہی تجھ کو دغا دیتا ہے۔ ادھر تیرا دم نکلتا ہے ادھر تیرا مال تیرے قبضے سے نکلتا ہے۔ سن فرمان نبوی ﷺ ہے:

((أَخِلَّا ءُ ابْنِ اٰدَمَ ثَلَاثَةٌ وَاحِدٌ يَتْبَعُهُ إِلٰى قَبْضِ رُوْحِهِ وَالثَّانِىْ إِلٰى قَبْرِهٖ وَالثَّالِثُ إِلٰى مَحْشَرِهٖ فَالَّذِىْ يَتْبَعُهُ إِلٰى قَبْضِ رُوْحِهٖ فَهُوَ مَالُهٗ وَالَّذِىْ يَتْبَعُهُ إِلٰى قَبْرِهٖ فَهُوَ أَهْلُهٗ وَالَّذِىْ يَتْبَعُهُ إِلٰى مَحْشَرِهٖ فَهُوَ عَمَلُهٗ)) (احمد)

''کہ انسان کے تین دوست ہیں، ایک دم نکلنے تک ساتھ رہتا ہے دوسرا قبر تک ساتھ دیتا ہے، تیسرا حشر تک ساتھ دیتا ہے۔ پہلا دوست اس کا مال ہے۔ دوسرے قبر تک اس کے گھر والے ہیں، تیسرا دوست اس کا عمل جو حشر تک اس کے گلے کا ہار بنا رہتا ہے یا گردن کا طوق ہوتا ہے۔''

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے، نہ ناری ہے

بس آخر تک ساتھ رہنے والے دوست کو بنا اور سب سے پہلے چھوڑنے والے کو سب سے پہلے چھوڑ۔ وہ تجھے بعد میں چھوڑے تو اس کو آج چھوڑ۔ وہ تجھ سے ٹھہر کر بے رخی کرے تو آج اس سے بے رخی برت۔ دیکھ مال میں وہ خطرات ہیں جو تو کسی چیز میں نہیں پائے گا۔ جناب یحییٰ بن معاذ نے فرمایا: ''کہ دو مصیبتیں ایسی ہیں جو اگلوں اور پچھلوں نے کبھی نہیں سنیں، یعنی وہ مصیبتیں جو بندے پر موت کے وقت گرتی ہیں:'' پوچھا گیا، حضرت وہ کیا کیا فرمایا:

((يُؤْخَذُ مِنْهُ كُلُّهٗ وَ يُسْئَلُ عَنْهُ كُلِّهٖ))

''مرتے وقت ادھر تو سب مال چھنتا ہے ادھر سب کا حساب گردن پر آتا ہے۔''

ہاتھ مال سے خالی ہے اور گردن جواب دہی کے بوجھ سے بھاری ہے۔ مال خود گیا مگر حساب سب

کا چھوڑ گیا۔نقل کیا گیا ہے کہ محمد بن کعب قرظی کو بہت سا مال ملا مگر انھوں نے اس کو اللہ کی راہ میں لٹایا آپ سے کہا گیا کہ کاش اس کو اپنے بعد اپنے بیٹے کے لیے چھوڑتے، فرمایا کہ اس کو تو میں خود اپنے لیے اپنے پروردگار کے پاس ذخیرہ بناتا ہوں اور اپنے پروردگا کو اپنے بیٹے کے لیے کارساز چھوڑ جاتا ہوں۔ سچ ہے مال انسان کا دراصل وہی ہے جو وہ اللہ کی راہ میں صرف کر کے آخرت کے لیے بھیجتا ہے اور اپنی عاقبت کے لیے ذخیرہ کرتا ہے۔ باقی سب غیروں کا ہے ابھی نہیں تو کچھ دن بعد انسان کی حیثیت محض چوکیدار اور رکھوالے کی سی ہے جو دوسرے کے مال کی اپنے مال کے دھوکے میں حفاظت کر رہا ہے۔

پانی میں اگر نہ ہو روانی، بے کار — غفلت میں اگر کٹے جوانی، بے کار
قانونِ جہاں ہے ارتقا و حرکت — بے شوقِ عمل ہے زندگانی، بے کار

دنیا کے مال کی حقیقت:

ایک جگہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ذریعہ ارشاد نبوی ﷺ ملتا ہے جو مالداروں کو خواب غفلت سے جگاتا ہے۔ ان کی آنکھوں پر سے غفلت کی پٹی کھولتا ہے۔ فرمان ہے:

((يَقُوْلُ ابْنُ آدَمَ مَالِيْ مَالِيْ وَ هَلْ لَكَ يَابْنَ آدَمَ إِلَّا مَا أَكَلْتَ فَأَفْنَيْتَ أَوْ لَبِسْتَ فَأَبْلَيْتَ أَوْ تَصَدَّقْتَ فَأَمْضَيْتَ)) (مسلم)

''آدم کا بیٹا کہتا رہتا ہے کہ یہ میرا مال ہے، یہ میرا مال ہے، حالانکہ اے ابن آدم (انسان) تیرے مال میں سے تجھ کو کچھ نہیں ملتا۔ مگر صرف اتنا جتنا کہ تو نے کھایا اور خراب کیا، پہنا اور پھاڑ ڈالا یا خیرات کیا اور آخرت کے لیے ذخیرہ کیا۔''

بس دنیا کے مال کی یہی حقیقت ہے کہ یا تو اس کو انسان نے زبان کا چٹخارہ اور پیٹ کا لقمہ بنایا اور پھر غلاظت کی شکل میں اس کو مٹی میں ملایا، یا اس کو تن کی زیبائش و آرائش کا سبب ٹھہرایا اور ایک روز اس کو پرانا کر کے تن سے جدا کیا۔ یا پھر اللہ کی راہ میں اس کو لٹایا اور یوں اس کو ذخیرۂ آخرت بنا کر آگے چلایا۔ اب یہی آخری مال آخرت تک جاتا ہے اور مالک سے پہلے مالک حقیقی تک پہنچتا ہے۔ راستے کو نہیں منزل کو بناتا ہے ایک جگہ اور بھی صاف ارشاد ہے اور اس میں چار مال بتائے ہیں، فرمان گرامی ہے:

((يَقُوْلُ الْعَبْدُ مَالِيْ مَالِيْ وَ إِنَّ مَالَهُ ثَلٰثٌ مَا أَكَلَ فَأَفْنٰى أَوْ لَبِسَ فَأَبْلٰى أَوْ

اَعْطٰی فَاَقْنٰی وَ مَا سِوٰی ذٰلِکَ فَھُوَ ذَاھِبٌ وَ تَارِکُہٗ لِلنَّاسِ)) (مسلم)

''کہ بندہ کہتا رہتا ہے کہ یہ میرا مال ہے، یہ میرا مال ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کے مال میں سے صرف تین قسم کے مال اس کے ہیں، ایک وہ جو اس نے کھایا اور ختم کیا دوسرا وہ جو اس نے پہنا اور پھاڑا، تیسرا وہ جو اس نے اللہ کی راہ میں دیا اور آخرت کے لیے ذخیرہ کیا۔ ان تینوں قسم کے مالوں کے علاوہ جو کچھ ہے وہ سب یہ لوگوں کے لیے چھوڑ کر جانے والا ہے۔''

یہاں رسول اکرم ﷺ نے انسانوں کے مال کی تین قسمیں بتائیں۔ چوتھی قسم کو غیروں کا مال بتایا مگر اے انسان تیرا مال درحقیقت وہ بھی نہیں جو کھایا اور پہنا، کیونکہ وہ مال جو گھنٹوں اور دنوں میں تیرا ساتھ چھوڑے، فنا کی نذر ہو عدم کے سپرد ہو اس کا لطف وقتی اور عارضی ہو یا زبان کا مزا ہو یا لباس کا دکھاوا ہو وہ دراصل مال نہیں وبال ہے، مال نہیں خواہش کا جال ہے مال تو وہ ہے جو تو فنا کے لیے نہیں بقا کے لیے جوڑے۔ وقتی فائدہ نہیں دائمی فائدہ اس سے اٹھائے۔

اے دنیا کے مسافر! دیکھ دنیا سے دنیا نہیں آخرت بنا۔ تجھ کو دنیا میں رہنے کے لیے نہیں گزرنے کے لیے بھیجا ہے تو کھونے کے لیے نہیں بنانے کے لیے آیا ہے۔ اس لیے عقل کا تقاضا ہے کہ تو اس راہِ دنیا سے گزرنے کے بعد کی سوچ اور وہاں کی فکر وہاں نہیں یہیں سے کرے۔ یہاں کی غفلت میں وہاں کی حسرت ہے یہاں کی بیداری میں ابدی سعادت ہے۔ آج جو دنیا پر فریفتہ ہوا وہ آخرت میں جا کر سخت حیران و سراسیمہ ہوا اور اپنی نجات کی کوئی راہ نہ نکال سکا۔ اس سے صاف کہہ دیا گیا:

﴿ذٰلِکَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْکُمْ وَ اَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ﴾ (آل عمران:۳/۱۸۲)

''(لو، اب عذاب کا مزا چکھو) یہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے (یعنی اعمال ہیں) اللہ اپنے بندوں کے لیے ظالم نہیں ہے۔''

بس یہ تیرے کیے گناہ ہیں جو آج تیرے سامنے ہیں۔ یہ تیرے ہاتھوں کے کرتوت ہیں جن کا مزا تو آج چکھ رہا ہے۔ تو دنیا کی راہ گزر میں آج کا دھیان رکھتا۔ راحت کا سامان مہیا کرتا تو راحت پاتا۔ لیکن تو نے تو سارا راستہ غفلت میں کاٹا تو یہاں آ کر سر پیٹا۔ دنیا میں خود بہکا تو یہاں آ کر اس کا خمیازہ بھگتا۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا جو جیسا کرتا ہے اس کو ویسا ہی بدلا دیتا ہے۔ اچھے کا اچھا برے کا برا

لیکن تو نے تو اپنے پاؤں میں آپ کلہاڑی ماری اور اپنی قسمت اپنے ہاتھوں پھوڑی۔

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم
دل کی آزادی شہنشاہی، شِکم سامانِ موت
فیصلہ تیرا تیرے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم؟
اے مسلماں! اپنے دل سے پوچھ، مُلّا سے نہ پوچھ
ہو گیا اللہ کے بندوں[1] سے کیوں خالی حرم

([1] وہ بندے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے دین کو غالب کرنے والے ہوں)

اے آخرت کے راہی اور سن مال کی تباہ کاری۔ دنیا کا مال جس پر تو فدا ہے۔ جس کے پیچھے تو نے دین گنوایا ہے آخرت کو بگاڑا ہے، جانتا ہے وہ کیا کر دکھاتا ہے۔ اس کے پیچھے جس قدر لگے گا اسی قدر وہ تجھ کو پکڑے گا۔ تو جتنا مال چاہے جمع کر لے جس قدر چاہے جوڑ لے تسلی کو ترسے گا، تشفی نہ پائے گا آرزو اور بڑھے گی، خواہش دو چند ہوگی۔ تو گویا مال کے لیے ہیضہ کے اس مریض کے مانند ہوگا جس کو اگر گھڑے کے گھڑے پانی کے پلائے جائیں تب بھی ہائے پیاس، ہائے پیاس پکارتا رہے گا یا اس بیمار کی طرح ہوگا جس کو ''جوع البقر'' ہو کہ اگر غلہ کے انبار کے انبار اس کو کھلا دیے جائیں تو بھوک بھوک کی صدائیں لگاتا رہے گا اور تسلی کس صورت سے نہ پا سکے گا۔ تیرے نبی اقدس ﷺ کا صاف فرمان ہے جو محتاجوں کے لیے بشارت کا کھلا پیغام ہے:

((إِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا حَمَاهُ الدُّنْيَا كَمَا يَظِلُّ أَحَدُكُمْ يَحْمِيْ سَقِيْمَهُ الْمَاءَ))

(ترمذی)

''کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کو دنیا سے بچاتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی اپنے بیمار کو پانی سے بچاتا ہے۔''

دوسری جگہ ارشاد عالی ہے:

((إِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ فَمَنْ أَخَذَهُ بِحَقِّهِ وَوَضَعَهُ فِيْ حَقِّهِ فَنِعْمَ

الْمَعُوْنَةُ هُوَ وَ مَنْ أَخَذَهُ بِغَيْرِ حَقِّهِ كَانَ كَالَّذِيْ يَأْكُلُ وَ لَا يَشْبَعُ وَ يَكُوْنُ شَهِيْدًا عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ)) (بخاری و مسلم)

''یعنی دنیا کا یہ مال سبز اور خوشگوار تر وتازہ اور لذیذ ہے۔ جو شخص اس کو جائز طریقہ پر حاصل کر لے اور جائز مصارف میں صرف کرے تو یہ مال بہترین مددگار ہے اور جو شخص اس کو ناجائز طریقے پر حاصل کرے تو یہ مال اس کے حق میں اس شخص کے مانند ہو جاتا ہے جو کھانا کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا اور یہ مال قیامت کے دن اس کا شاہد ہوگا۔''

گویا مال انسان کے دل میں حرص کا بیج بوتا ہے، صبر کو کھوتا ہے، ہر وقت زیادتی کی فکر میں رکھتا ہے۔ غرض اس دھن میں زندگی کو برباد کرتا ہے۔ دنیا کو بھی تلخ کرتا ہے اور آخرت کو بھی بدمزہ بناتا ہے۔

دنیا سے لگاؤ:

اے آخرت کے راہی! تجھے معلوم ہے کہ تیرے نبی اقدس ﷺ نے دنیا سے اپنا لگاؤ کیسا رکھا۔ جسم سے دنیا میں رہے، دل آخرت میں رکھا۔ دنیا سے کبھی دل نہ لگایا آخرت سے دل کبھی نہ ہٹایا۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ رسول اکرم ﷺ بوریئے پر سو کر اٹھے تو جسم اطہر پر بوریئے کے نشانات عیاں تھے۔ جناب ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اگر آپ ﷺ ہم کو حکم دیتے تو ہم آپ کے لیے نرم بستر بچھا دیتے اور آرام کا سامان مہیا کرتے۔ آنجناب ﷺ نے فرمایا:

((مَا لِيْ وَلِلدُّنْيَا وَ مَا اَنَا وَالدُّنْيَا اِلَّا كَرَاكِبٍ اسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَ تَرَكَهَا)) (ترمذی)

''کہ مجھ کو دنیا سے کیا مطلب میری اور دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کوئی سوار کسی درخت کے نیچے کھڑا ہو کر سایہ سے فائدہ اٹھالے اور پھر چل دے اور درخت کو اپنی جگہ چھوڑ جائے''

بس ہر انسان کو دنیا سے یہی لگاؤ ہو آخرت سے اس کا پور رشتہ جڑا ہو۔ وہیں کا سامان مہیا ہو۔ یہاں کا سامان ہو یا نہ ہو۔ دنیا یوں بھی ہاتھ سے جائے گی ایک دن قبضہ سے نکلے گی۔ انسان خود چھوڑے گا تو اس سے چھڑالی جائے گی۔ مرضی سے اپنے ہاتھ سے نہیں دے گا تو چھینی جائے گی۔ مگر آخرت میں کیسی بنے گی وہاں کی کیسی نبڑے گی۔ اگر وہاں بگڑ گئی تو پھر نہیں سدھرے گی۔ اگر سدھر گئی

تو پھر نہیں بگڑے گی۔ لہٰذا آخرت کو یہیں سے بنانا ہے، دنیا ہی سے آخرت کو سدھارنا ہے۔

دنیا کو اسی درخت کے مانند سمجھنا ہے جس کے نیچے راہ چلنے والا کھڑے کھڑے ستاتا ہے پھر چلتا بنتا ہے۔ درخت اپنی جگہ کھڑا رہتا ہے۔ سوچ اس دنیا سے کس کس نے فائدہ اٹھایا اور سب چل بسے آج ان کا نام ونشان نہیں ان کا پتہ اور علم نہیں اسی طرح آج کل کے دنیا والے بھی اپنی اپنی راہ ختم کر کے آخرت کی جانب اپنی راہ لیں گے اور دنیا کو یاس و حسرت سے چھوڑتے نظر آئیں گے، اس لیے مناسب ہے کہ دنیا ہی میں ہر انسان آنکھ کھولے اپنے مستقبل کو روشن کرے آنے والے خطرہ کو اپنے سر پر سے ٹالے۔ اگر یہاں آنکھ نہ کھولے گا تو مر کر آنکھ کھولنی پڑے گی جب کہ سارا کیا سامنے آجائے گا۔ اسی دن کے لیے ارشاد ہے:

﴿يَوْمَ يَنظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ﴾ (النبا:٧٨/٤٠)

''جس دن انسان اپنے ہاتھوں کی کمائی دیکھ لے گا۔ (اعمال کا صلہ پالے گا)''

دنیا میں غفلت کا پردہ اٹھائے سے اٹھے گا۔ آنکھ کھولے سے کھلے گی۔ مگر مر کر یہ پردہ غفلت خود بخود اٹھ جائے گا۔ آنکھ خود کھل جائے گی۔ اور دنیا کا راستہ غفلت سے گزرنے والے کو وہاں سے کہہ کر شرمندہ کیا جائے گا:

﴿لَقَدْ كُنتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ﴾

(ق:٥٠/٢٢)

''یعنی تو اس سے غفلت میں تھا پس ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ کھول دیا اور آج تیری نظر تیز ہے۔''

لہٰذا اے دنیا کے مسافر! غفلت کا پردہ اپنے اوپر سے اٹھا، آنکھ کھول۔ اپنے ہاتھ سے کچھ آگے بھیج۔ اگر یہاں سے کچھ بھیجے گا، آگے کچھ ملے گا۔ اگر یوں ہی آگے بڑھ جائے گا وہاں دستِ حسرت ملے گا۔ ماضی پر چار آنسو گرائے گا مگر کچھ بن نہ آئے گا، ہوشیار وہ ہے جو پہلے سے جاگے۔ پانی آنے سے پہلے اس کی پال باندھے، گڑھے میں گرنے سے پہلے سنبھلے، ٹھوکر کھانے سے پہلے ہوش لے۔

دنیا میں بیدار ہونے کا موقع:

اے دنیا کے مسافر! قدرت نے تجھ کو جگایا، گرنے سے پہلے تھاما، ہدایت ونصیحت کا دروازہ تجھ پر

کھولا، قرآن اتارا۔ رسول ﷺ بھیجا، قدم قدم پر تیرے سامنے آخرت کا نقشہ کھینچا تا کہ آخرت کے لیے تو یہیں سے کچھ بنا لے چلے۔ یہاں رو کر وہاں کے ہنسنے کا سامان کرے، نہ یہ کہ یہاں ہنس کر وہاں کے رونے کے اسباب جمع کرے۔ زندوں میں رہ کر مردہ بنا رہے، مرنے سے پہلے موت کو یاد کرتا رہے اور دنیا ہی سے آخرت کی راہ نکالے۔ برسوں تجھ کو زندہ رکھا۔ سالوں تجھ کو چلایا۔ آزادی دی فراخی بخشی لیکن تو ہمیشہ الٹی چال چلا اور ٹال مٹول سے کام لیتا رہا۔ سستی اور کاہلی کا پتلا بنا رہا۔ امیر ہوا دولتمند ہوا تو خوب بہکا بھٹکا۔

رکھ عزمِ صمیم کوہساروں کی طرح   کر لُطفِ عمیم جوئباروں[1] کی طرح
اِنسانوں سے اُنس مخلصوں سے اِخلاص   پھولوں میں بسی ہوئی بہاروں کی طرح

(1 جوئبار، ایسی نہر جس سے لوگ بہت فائدہ اٹھائیں)

شرارت کو حد تک پہنچایا یہاں تک کہ بدی میں شیطان کو بھی شرمایا جب تجھ کو سمجھایا تو کہتا رہا کہ دولت نے مجھ کو ڈبویا۔ ثروت نے مجھ کو تباہی کے گھاٹ اتارا فقیر ومحتاج ہوا دولت سے تہی دست ہوا تو نیکی سے بھی خالی ہوا۔ پرہیز گاری کو بھولا معاش کی فکر میں لگا روزی کی دُھن میں ڈوبا جب بری عاقبت سے تجھ کو ڈرایا گیا تو کہنے لگا کہ خواری نے مجھ کو مارا۔ مفلسی نے مجھ کو تباہ کیا۔ اگر خوشحال ہوتا تو سب کچھ کر دکھاتا بندگی کا حق ادا کرتا۔ اگر تندرست ہوا تو شیطان کے ہاتھوں بکا خواہش کا بندہ بنا۔ تجھ کو سمجھایا تو کہا کہ اب کرتا ہوں کل کرتا ہوں، آخر بیمار پڑا۔ مرض کا شکار ہوا تو کہنے لگا کہ اب کیا کروں۔ معذور مجبور ہوں، بیماری سے گھرا ہوں، عذرات میں پھنسا ہوں، الزام سے چھوٹا ہوں۔

جب جوان ہوا، شباب میں قدم رکھا، طاقت وقوت کا نمونہ بنا تو شیطان کا پکا دوست ہوا، شرارت کا مجسمہ ہوا۔ تجھ کو ڈرایا دھمکایا تو کہنے لگا کہ بڑھاپے میں اللہ سے معافی مانگ لوں گا۔ قصوروں کو معاف کرا لوں گا۔ جب بڑھاپا آیا تو معذوروں کا معذور بنا اپنے کو ہر ذمہ داری سے آزاد جانا۔ دماغ تھکا اور جسم گھٹا تو از کار رفتہ ہوا۔ غرض اسی طرح نیکی سے بچتا بچاتا اور حیلے بہانے کرتا رہا۔ آخر یہ کہ پیغامِ اجل آیا۔ خالق کی طرف سے بلاوا آیا اور دنیا کے مسافر نے دنیا سے اپنا بستر لپیٹا۔

گُلبۂ افلاس میں، دولت کے کاشانے میں موت
دشت و در میں، شہر میں، گلشن میں، ویرانے میں موت
موت ہے ہنگامہ آرا قُلزمِ خاموش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی آغوش میں
نے مجالِ شکوہ ہے، نے طاقتِ گفتار ہے
زندگی کیا ہے، اِک طوقِ گلُو اَفشار ہے

لٰہذا اے آخرت کے راہی ! حیلوں سے بھری یہ تیری زندگی بہانوں سے پُر یہ تیری حیات، آخرت میں یہ خود تیرے خلاف بولے گی اور تیرے عذرات کی جڑ کاٹے گی۔ اگر تو پچھتائے گا ماضی کو یاد کرے گا کہ ہائے دنیا میں پھر جاتا وہاں سے اسبابِ راحت لاتا تو رب کائنات سے یہ دندان شکن جواب تو سنے گا:

﴿أَوَ لَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَ جَاءَكُمُ النَّذِيرُ فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَّصِيرٍ﴾ (فاطر:۳۵/۳۷)

''یعنی کیا ہم نے تم کو اس قدر عمر نہیں دی تھی، جس میں نصیحت پکڑنے والا نصیحت پکڑتا اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی آیا پس چکھو (اپنا کیا) نہیں ہے ظالموں کے لیے کوئی مدد کرنے والا۔''

اے دنیا کے غافل ! سچ ہے خالق نے تیرے ساتھ سب کچھ کیا مگر تو نے کچھ نہ کیا۔ نصیحت پانے کے لیے لمبی مدت دی پوری مہلت دی۔ رسول بھیجا، ہدایت کے سرچشمہ دین سے تجھے واقف کیا کہ تو کسی صورت سے راہِ دنیا سے کچھ لے کر آخرت کی طرف قدم بڑھائے اور یوں ہی خالی ہاتھ نہ چلا جائے۔ دنیا کو قیمتی بنا جائے رائیگاں نہ کھو جائے۔ مگر تو نے تو آنکھوں پر ایسی پٹی باندھی کہ بس آخرت ہی میں جا کر کھولی۔ ایسا سویا کہ مر کر ہی کروٹ بدلی۔ جب کروٹ بدلی، آنکھ کھولی۔ تو عالم بدل چکا تھا۔ کیا سے کیا ہو گیا تھا۔ عمل کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ حساب اور جزا سزا کا میدان سامنے آ چکا تھا۔

دوسری جگہ ارشاد باری ہے:

﴿وَ مَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَ نَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ﴾

(الکہف:۱۸/۵۷)

''اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے؟ جسے اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی جائے وہ پھر بھی منہ موڑے رہے اور جو کچھ اس کے ہاتھوں نے آگے بھیج رکھا ہے اسے بھول جائے۔''

گویا بھول کر بھی نہیں سوچا کہ وہ اس راہِ دنیا سے اپنی منزل آخرت کے لیے کیا کچھ روانہ کر رہا ہے وہ دنیا سے دل لگا بیٹھا۔ آخرت کو بالکل بھلا بیٹھا۔ دنیا کو راہ نہ جانا ابدی گھر جانا۔ دنیا بنانے میں جان کھپائی۔ آخرت بنانے سے جان چرائی۔ یہاں کے آرام کو مقصد سمجھا۔ وہاں کے آرام کو پسِ پشت ڈالا۔ گویا اپنے ہاتھ سے اپنی تباہی کا گڑھا کھودا۔ اپنے خالق کو ناراض کیا اور چلتے راستہ عذاب مول لیا۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنْفُسُهُمْ أَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُوْنَ﴾ (المائدۃ:۵/۸۰)

''کہ کیا ہی برا سامان بھیجا انھوں نے اپنے واسطے وہ یہ کہ اللہ کا غضب ہے ان پر اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہنے والے ہیں۔''

ان کے لیے تو زیبا تھا کہ دنیا کو اپنی ترقی کا زینہ جانتے آخرت کی راحت و آسائش کا اسی کو پہلا قدم سمجھتے اور اپنی انتھک کوششوں سے آخرت یہیں سے سنوارتے۔ وہاں کی مسرتوں کی بنیاد دنیا ہی میں رکھتے۔ خود بھی خوش رہتے اپنے خالق کو بھی خوش رکھتے اور عذابِ الٰہی سے دامن بچا لیتے۔ مگر ان کو تو سب سے بڑا دھوکا لگا کہ انھوں نے دنیا کو آخرت کے رنگ میں دیکھا، یعنی بجائے آخرت کے دنیا بنانے میں لگ گئے اور اس کو قدیم و دائم سمجھ بیٹھے۔ دنیا کی طرف منہ کیا اور آخرت کو پشت دی۔ دنیا ان کی نظر پر چڑھی اور آخرت ان کی نظر سے گری۔ خواہش کے بندے ہوئے اللہ کی بندگی سے نکلے۔ فانی پر مٹے باقی سے بھٹکے۔ زندگی کے چند دنوں کی فکر کی آخرت کی دائمی زندگی سے غفلت برتی۔ آخر جب جان بدن سے نکلی آنکھ کھلی عقل آئی چونکے یہ کیا ہوا۔ کہاں سے آئے کیا لائے کھو آئے یا کما لائے۔ سب چھوڑ آئے یا کچھ ساتھ لائے۔ غرض انھیں سوالات میں ان کی عقل خرچ ہوگی اور کامیابی کی کوئی

ترکیب بن نہ سکے گی۔

اسی سراسیمگی و پریشانی میں یہ کہہ کر ان کو نادم و شرمندہ کیا جائے گا اور ان کے کیے کرتوتوں پر رونے کا ان کو موقع دیا جائے گا:

﴿ذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡحَرِیۡقِ ذٰلِکَ بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ وَ اَنَّ اللّٰہَ لَیۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِیۡدِ﴾ (الانفال:۸/۵۰-۵۱)

کہ چکھو عذاب جلتی آگ کی شکل میں جو عذاب تم اپنے لیے دیکھ رہے ہو۔ یہ تمہارے ہی کرتوتوں کا نتیجہ ہے اور ان اعمال کی پاداش ہے جو تمہارے اعضائے بدنی نے دنیا میں انجام دیے، گویا یہ عذاب ہمارا دیا ہوا نہیں تمہارا بلایا ہوا ہے۔ تمہارے اعمال آگ کی صورت میں تم پر مسلط ہیں اور تمہارے تاریک ماضی پر تم کو رلا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کیا کرتا اور بلا وجہ ان کو مصیبت میں نہیں ڈالتا۔''

کسے نہیں تمنائے سروری، لیکن
خودی کی موت ہو جس میں وہ سروری کیا ہے

لہٰذا اے دنیا کے مسافر اور آخرت کے راہی! ذرا سوچ اور عقل سے کام لے تو دنیا میں اس لیے نہیں آیا کہ یہاں آکر یہیں کی بنائے اور دنیا کی اس راہ گزر پر بستر بچھا کر سو رہے۔ یہ سونے کی جگہ نہیں چلنے کی راہ ہے۔ یہ ٹھہرنے کا مقام نہیں گزر جانے کا راستہ ہے جس طرح بے شمار انسان آئے اور گزر گئے تو بھی ایک روز اپنا راستہ طے کر کے گزر جائے گا پھر ہنسے گا یا روئے گا۔ اپنے کیے پر خوش ہوگا یا پچھتائے گا۔ دوزخ کا لقمہ بنے گا یا جنت کا دولہا ہوگا وہاں کچھ نہیں کرے گا جو کچھ کرے گا یہیں کرے گا وہاں صرف کئے کا بدلہ پائے گا۔ اپنے عمل کے نتیجے کو آنکھوں سے دیکھے گا۔ لہٰذا واسطہ اللہ کا، دنیا کا ایک لمحہ رائیگاں نہ کر۔ دنیا کے ایک ایک پل میں تیری راحت مضمر ہے یا کلفت۔ اس کی ایک ایک گھڑی تیری عاقبت کے بگاڑ کا پتہ دیتی ہے یا اس کے سدھار کا۔ آخرت میں گو انسان مرنے کے بعد قدم رکھتا ہے۔ مگر اس کے رنگ ڈھنگ اور اچھے برے کا یہیں دنیا سے پتہ چلتا ہے۔

یاد رکھ دنیا اور دنیا کی ہر چیز کو فنا ہے مگر یہاں کے عمل کے اچھے برے نتیجہ کو بقا ہے جو آخرت میں

ہر ایک کے سامنے ہوگا۔ مثال کے طور پر دنیا کا مال جو ہاتھ کا میل ہے آتا ہے اور جاتا ہے اگر اس کو آخرت کا سامان بنائیں وہاں کے لیے ذخیرہ کریں تو اس کے صلے میں جو اجر وثواب ملے گا اس کو بقا ہے۔ اس لیے عقل کا تقاضا ہے کہ دنیا کی ہر فانی شے کو انسان آخرت کے پہلو سے دیکھے عاقبت کے نظریہ سے جانچے پرکھے اور بغور دیکھے کہ یہ اس کے حق میں ضرر رساں ہے یا نفع رساں آخرت اس سے بنتی ہے یا بگڑتی ہے۔

بادشاہوں کی بھی کشتِ عمر کا حاصل ہے گور
جادۂ عظمت کی گویا آخری منزل ہے گور

آخرت کے سنگین سوال پر انسان کی بے بسی:

اے مال کے فدائی زر کے شیدائی دنیا کے عاقل آخرت سے غافل! کیا تجھے پتہ ہے کہ نبی مقدس ﷺ کا تیرے بارے میں کیا فرمان ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے آنجناب ﷺ کا ارشاد یوں منقول ہے۔

((يُجَاءُ بِابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كَاَنَّهٗ بَذَجٌ فَيُوْقَفُ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ لَهٗ أَعْطَيْتُكَ وَ خَوَّلْتُكَ وَ اَنْعَمْتُ عَلَيْكَ فَمَا صَنَعْتَ؟ فَيَقُوْلُ رَبِّ جَمَعْتُهٗ وَ ثَمَّرْتُهٗ وَ تَرَكْتُهٗ أَكْثَرَ مَا كَانَ فَارْجِعْنِيْ اٰتِكَ بِهٖ فَيَقُوْلُ لَهٗ اَرِنِيْ مَا قَدَّمْتَ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ جَمَعْتُهٗ وَ ثَمَّرْتُهٗ فَتَرَكْتُهٗ أَكْثَرَ مَا كَانَ فَارْجِعْنِيْ آتِكَ بِهٖ كُلِّهٖ فَاِذَا عَبْدٌ لَمْ يُقَدِّمْ خَيْرًا فَيُمْضٰى بِهٖ إِلَى النَّارِ)) (ترمذی)

”کہ آدم کا بیٹا قیامت کے دن اس طرح لایا جائے گا گویا کہ وہ بکری کا بچہ ہے، پھر اس کو اللہ کے روبرو کھڑا کیا جائے گا اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا میں نے تجھ کو ہر چیز بخشی، انعامات کی تجھ پر بارش کی، بتا تو نے اس کے صلہ میں کیا کیا وہ کہے گا میں نے مال کو جمع کیا اس کو بڑھایا اور زیادہ کر کے چھوڑ آیا۔ تو دنیا میں مجھ کو پھر بھیج دے کہ میں اپنے سارے مال کو تیرے پاس لے آؤں پھر اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ جو مال تو نے آگے بھیج دیا ہے وہ مجھ کو دکھلا۔ وہ جواب میں کہے گا اے پروردگار میں نے مال کو جمع کیا، بڑھایا اور زیادہ کر کے چھوڑ

آیا تو مجھ کو دنیا میں بھیج دے کہ میں اپنے سارے مال کو تیرے پاس لے آؤں۔ آخر وہ ایک ایسا بندہ ثابت ہوگا جس نے دنیا میں کچھ نہ کیا ہوگا اور آخرت کے لیے کچھ نہ بھیجا ہوگا لہٰذا اس کو دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا۔"

پس اے دولت کے پجاری آخرت کے بھکاری! تو نے سنی اپنی آنے والی کہانی۔ اگر تو نے دولت کے نشے میں غفلت سے زندگی گزاری مال جمع کیا دھندوں میں لگایا اور یوں اس کو بڑھایا خزانوں کو پُر کیا مگر آخرت کو نہ بنایا۔ خود کو خوش کیا مگر خالق کو خوش نہ کیا تو یوں سمجھ کہ تو نے اپنی آخرت کی بربادی کا سامان کیا اور دوزخ کا ایندھن بنا۔ دنیا میں دولت نے تجھ میں تکبر وغرور کی روح پھونکی کیونکہ تو نے اپنی بڑائی کی بنیاد اس فانی دولت پر رکھی۔

تو نے خود کو آسمان کا تارا جانا اور سب کو خود سے پست اور حقیر سمجھا۔ مگر تو آخرت میں پہنچ کر خود بکری کے بچے کی طرح حقارت وذلت سے مجرمانہ حیثیت سے اپنے خالق کی عدالت میں پیش ہوگا اور حساب فہمی میں تیری جان پر بنی ہوگی۔ حساب ہزاروں کا سر پر ہوگا اور کام تو نے ایک پیسہ کا نہ کیا ہوگا۔ خزانے تیرے پیسے سے بھرے ہوں گے، اور تیرا اعمال نامہ گناہوں سے پر ہوگا۔ سوال کے وقت تو اپنی دولت کی فراوانی بتاتا ہوگا اور تیرا خالق تیری آخرت کی درستی کے بارے میں پوچھتا ہوگا۔ آخر نیک اعمال سے تہی دست ہوکر تو دوزخ کا لقمہ بنے گا اور خود تیرا پیسہ تیرے لیے عذابِ جان ہوگا۔

سلسلۂ روز و شب نقش گر حادثات　　　سلسلۂ روز و شب، اصل حیات و ممات

دنیا دنیا ہی میں ساتھ چھوڑے گی:

اے دنیا کے راہ گیر! کیا تجھے پتہ ہے کہ جب تو دنیا سے کوچ کرے گا حسرت سے اس زندگی کو خیر باد کہے گا اور چار بھائیوں کے کندھوں پر سوار ہوگا تو تیرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ یاد رکھ! تو دنیا میں جس طرح خالی اور تنہا آیا تھا، اسی طرح یہاں سے آخرت کی طرف قدم اٹھائے گا۔ نہ مال واسباب تیرے ساتھ جائے گا نہ اپنے اور پرائے تیرا ساتھ دیں گے۔ بس وہی کام تیرا رفیق ہوگا جو تو نے آخرت کی درستی کے لیے کیا ہوگا۔ تیرے نبی اکرم ﷺ کا صاف ارشاد ہے:

((يَتْبَعُ الْمَيِّتُ ثَلٰثَةٌ فَيَرْجِعُ إِثْنَانِ وَ يَبْقٰى مَعَهُ وَاحِدٌ يَتْبَعُهُ أَهْلُهُ وَ مَالُهُ وَ عَمَلُهُ فَيَرْجِعُ

أَهْلُهُ وَ مَالُهُ وَ يَبْقٰى عَمَلُهُ)) (بخاری و مسلم)

''کہ میّت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں دو واپس آ جاتی ہیں اور ایک میّت ہی کے ساتھ رہ جاتی ہے۔ اس کے گھر کے لوگ اس کا مال اور اس کا عمل ساتھ چلتے ہیں لیکن گھر کے لوگ اور مال تو واپس آ جاتے ہیں اور اس کا عمل اس کے ساتھ رہ جاتا ہے، وہ واپس نہیں آتا۔''

لہٰذا اے دنیا کے راہ رو ذرا اس وقت کا دھیان کر جب کہ تو دنیا سے سدھارے گا۔ سب ٹھاٹ باٹ کو یہیں چھوڑے گا۔ اور بے کسی اور بے بسی کی حالت میں دنیا سے اپنا رخ پھیر کر آخرت کی طرف منہ موڑے گا۔ اگر اس وقت تیرے ساتھ سامانِ آخرت ہوگا تو غنیوں کا غنی ہوگا۔ بے نیاز و بے پرواہ ہوگا۔ اپنے کیے کو اپنے سامنے پائے گا خوشی کے مارے باغ باغ ہوگا۔ اگر تو سامان آخرت سے تہی دست ہوگا تو تو فقیروں کا فقیر ہوگا محتاجوں کا محتاج ہوگا۔ تیرے برے اعمال تیرے سامنے ہوں گے تو لرزتا اور کانپتا ہوگا کیونکہ مرتے ہی حقیقت کھل جائے گی، نیکی ہو یا بدی سب سامنے آ جائے گی۔ ایسی ہولناکی ہوگی کہ انسان گھبرا کر کہے گا:

﴿أَيْنَ الْمَفَرُّ﴾ (القیامۃ:۷۵/۱۰)

''بھاگنے کی جگہ کہاں ہے۔'' جواب ملے گا:

﴿كَلَّا لَا وَزَرَ ○ إِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِنِ الْمُسْتَقَرُّ﴾ (القیامۃ:۷۵/۱۱–۱۲)

''نہیں کہیں نہیں بچاؤ۔ آج تو تیرے پروردگار کی طرف ہی فرار گاہ ہے۔''

﴿يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَ أَخَّرَ﴾ (القیامۃ:۷۵/۱۳)

''اُس روز انسان کو اس کا سب اگلا پچھلا کیا کرایا بتا دیا جائے گا۔''

غرض کہ اس کا سارا کچا چٹھا اس کو سنا دیا جائے گا۔ دنیا میں اس کا ایک ایک قدم ضبط تحریر ہوگا اس کا ایک ایک فعل لکھا جا چکا ہوگا۔ فرمان ہے:

﴿نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتٰى وَ نَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا﴾ (یٰسٓ:۳۶/۱۲)

''کہ ہم زندہ کریں گے مُردوں کو اور لکھا ہے ہم نے جو آگے بھیجا ہے انھوں نے۔''

اے دنیا کے مسافر! ذرا سوچ قدرت کی طرف سے تیری جانچ کیسی کڑی ہے کہ تیری ایک ایک

بات لکھی پڑی ہے مگر تیری غفلت کیسی بڑی ہے کہ تجھ کو ہر وقت دنیا ہی کی پڑی ہے۔ لحہ لحہ تیری زندگی گھٹ رہی ہے موت تجھ سے قریب آ رہی ہے مگر افسوس کہ تیری امید ہر روز تازہ ہو رہی ہے تو نے سینکڑوں کو دیکھا ہوگا ہزاروں کو سنا ہو گا۔ اچھے بھلے ہیں یا چلتے پھرتے ہیں ابھی گرے اور ابھی سانس نے جواب دیا۔ زندگی نے ساتھ چھوڑا۔ ابھی زندوں میں تھے ابھی مُردوں میں شمار ہوا۔ کیا یہ واقعات تجھ کو نہیں لرزاتے۔ کیا پتہ جس روز تو برسوں کے منصوبے باندھ رہا ہو اس روز تیری موت کا حکم قاضیِ اجل سے صادر ہو چکا ہو۔ کیا علم جس دن تو اپنے لیے کپڑوں کے جوڑے سلوا رہا ہو اسی دن تیرے لیے کفن پہننا مقدر ہو چکا ہو۔ کیا پتہ جس روز تو اپنا مکان بنوا رہا ہو اسی روز تیری قبر کھودے جانے کا فیصلہ ہو چکا ہو۔

آگاہ کوئی بشر اپنی موت سے نہیں — سامان سو برس کا پل کی خبر نہیں

لہٰذا اے غافل انسان! تو ایسے اچانک خطرات میں گھرا ہے اور پھر بھی بے دھڑک چل رہا ہے یہ کیا غضب کر رہا ہے دیکھ سنبھل آگے کی سوچ وہاں کی بنا یہاں کی چھوڑ۔ تیرا قدم اس عالم کی طرف اٹھ رہا جس کی ترجمانی اللہ نے ''یَوْمُ الْحَسْرَةِ'' سے کی ہے کہ اس دن حسرت و ندامت ہے، پچھتاوا اور افسوس ہے۔ بد تو بد نیک بھی حسرت و ندامت سے بری نہیں ہے آخرت کے راہی تیرے نبی اقدس ﷺ کا فرمان گرامی ہے۔

((مَا مِنْ أَحَدٍ يَمُوْتُ إِلَّا نَدِمَ قَالُوْا وَ مَا نَدَامَتُهُ؟ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ إِنْ كَانَ مُحْسِنًا أَنْ لَا يَكُوْنَ ازْدَادَ وَ إِنْ كَانَ مُسِيْئًا نَدِمَ أَنْ لَا يَكُوْنَ نَزَعَ)) (ترمذی)

''کہ کوئی مرنے والا ایسا نہیں جو مر کر نہ پچھتاتا ہو، آپ ﷺ سے پوچھا گیا، یارسول اللہ ﷺ وہ ندامت کیسی جو سب کو ہو؟ فرمایا: اگر نیک بخت ہے تو اس کو اس پر ندامت ہوتی ہے کہ نیکی میں زیادتی کیوں نہیں کی اگر بد ہے تو اس پر پچھتاتا ہے کہ وہ برائی سے کیوں نہیں باز آیا۔''

ایسے دن کی ہولناکی کا کیا ٹھکانا ہے کہ اس میں نیکوکار بھی پشیمان ہے اور بدکار بھی۔ بد تو سراپا ندامت وحسرت ہے مگر نیک بھی نیکی کی کمی پر افسوس کناں ہے۔ کہتا ہے ہائے نیکی اور اعمالِ خیر کمالاتا

اور آخرت کو بنالاتا۔

دنیا کس کے لیے ہے؟

غور کر اے دنیا کے راہ رو! کس قدر غافل ہے تو اگر اس فانی دنیا کو تو گھر جانتا ہے اور یہیں رہ بسنے کے سامان کرتا ہے اور اصل گھر آخرت کو بھلا دیتا ہے دنیا کے ایک ایک پیسے کو دانت سے پکڑتا ہے جان سے زیادہ عزیز جانتا ہے اور ہر دم زیادتی کی فکر میں رہتا ہے کیا تو یہ سوچنے کا روادار نہیں کہ موت کا کوئی وقت نہیں۔ جب تک تو زندہ ہے مال کا مالک ہے جب دم نکلا وقتِ آخر ہوا مال غیروں کا ہوا۔ تیری حیثیت ایک خادم سے زیادہ نہیں کہ تو وارثوں کے لیے جوڑ جوڑ کر مر گیا اور پچھلوں کی خدمت کر گیا کہ ان کو محنت و مشقت سے بے نیاز کیا اور مفت کا لقمہ ان کے منہ میں ڈال گیا۔ رسول اکرم ﷺ کا کیا صاف فرمان ہے:

((اَلدُّنْیَا دَارُ مَنْ لَا دَارَ لَہٗ وَ مَالُ مَنْ لَا مَالَ لَہٗ وَ لَھَا یَجْمَعُ مَنْ لَا عَقْلَ لَہٗ))

(احمد)

’’کہ دنیا اس شخص کا گھر ہے جس کا آخرت میں گھر نہیں اور مال اس شخص کا ہے جس کا آخرت میں مال نہیں اور مال وہی جمع کرتا ہے جس میں عقل نہیں۔‘‘

یہ دراصل دنیا اور آخرت کی صحیح تعریف اور حقیقی شناخت ہے۔ واقعی جس کو آخرت کی فکر ہو وہاں کی بھلائی پر نظر ہو اور آخرت کو اصل قرارگاہ اور دنیا کو محض گزرگاہ جانتا ہو وہ دنیا سے دل نہیں لگاتا۔ آخرت سے دل نہیں ہٹاتا۔ دنیا کو بھولتا ہے۔ آخرت کو کبھی نہیں بھلاتا۔ دنیا کو ہاتھ سے دیتا ہے آخرت کو ہاتھ سے کبھی نہیں جانے دیتا اور جو دنیا کو اپنی آخری منزل جانتا ہے وہ یہیں ڈیرے ڈال دیتا ہے ہمیشہ بسنے کے سامان کرتا ہے گویا دنیا میں پاؤں پسار دیتا ہے۔

اس طرح دنیا کے مال کو وہ شخص اپنا مال جانتا ہے وہ جس کا آخرت میں کوئی مال نہیں، یہ دنیا کا مال دنیا ہی میں رکھتا ہے اس کو آخرت کی طرف نہیں بھیجتا یہیں کام میں لا کر فنا کے نذر کرتا ہے اور آخرت کی طرف خالی ہاتھ کوچ کرتا ہے دنیا میں امیری اور آخرت میں فقیری پسند کرتا ہے۔ یہ عقل کا دشمن ہے انصاف کا خون کرتا ہے کہ چھوڑنے کی چیز کو پسند کرتا ہے اور برتنے کی چیز کو چھوڑتا ہے دنیا کو

کوئی چھوڑے یا نہ چھوٹے گی۔ آخرت کو کوئی پسند کرے یا نہ کرے اور آخر سر پر آئے گی۔

اس لیے اے دنیا کے مسافر' دنیا سے دھوکا نہ کھا۔ آخرت سے نہ بھٹک۔ راہ کی فکر نہ کر۔ منزل کی فکر کر۔ دنیا گزر جانے کے لیے ہے آخرت گزرنے کے لیے نہیں بلکہ رہ جانے کے لیے ہے اس لیے وہیں کے سامان میں لگ اور وہاں جا کر ہمیشہ موج اڑا۔ امن چین کی بانسری بجا۔ للہ بقا کو فنا کے بھینٹ نہ چڑھا۔ انمول چیز کو کوڑیوں کے مول نہ دے۔ یاد رکھ! اگر تو ہماری اس نصیحت کو پلو میں باندھ لے گا تو ناکامی کا منہ کبھی نہ دیکھے گا۔ یاس و حسرت سے کبھی دوچار نہ ہوگا اور ہم کو ہمیشہ دعا دے گا۔

جس میں نہ ہو انقلاب، موت ہی وہ زندگی
روحِ اُمم کی حیات کشمکشِ انقلاب!

دنیا اور دین کی فکر کی ایک ہی راہ

اَے دنیا کے طلبگار آخرت سے بیزار! دنیا کو دنیا ہی کی نظر سے دیکھنے والے آخرت کو دنیا سے جدا سمجھنے والے! آ ہم تجھ کو دنیا میں دِین دکھائیں اور خود دنیا کی زبانی تجھ کو آخرت کی کہانی سنائیں۔ دنیا کی ہر بات تجھ کو پیاری لگتی ہے اور دِین کی ہر بات تجھ کو کھٹکتی ہے۔ کیا تو یہ نہیں سمجھتا کہ دنیا خود تجھ کو دین سکھاتی ہے مگر رنگ اس کو دوسرا دیتی ہے اور ایک عجیب ڈھنگ سے تجھ کو پٹی پڑھاتی ہے اگر آج تو جوان ہے، ہٹا کٹا پہلوان ہے۔ دنیا میں لگا ہے آخرت کو پیچھے ڈالا ہے اور دین کو بھلایا ہے مگر اب بھی تو کس قدر دور اندیش ہے کل کی آج فکر کرتا ہے وہ دن گویا تیرے سامنے ہے جب کہ تو جوانی کھو بیٹھے گا۔ بڑھاپے کی منزل پہ کھڑا ہوگا۔ کمانے سے تو عاجز ہوگا اور خود اپنا بوجھ تجھ پر بھاری ہوگا۔ اس مجبوری کے عالم کو تو ابھی سے دماغ میں لاتا ہے اور جوانی میں ہی بڑھاپے کے آرام کی بنیاد ڈالتا ہے اس طرح کہ اپنی جوانی کی کمائی سے کچھ پس انداز کرتا ہے اور اپنی آمدنی سے کچھ ضرور بچاتا ہے تو یہ تیری کنجوسی نہیں دور اندیشی ہے۔ یہ تیری ناسمجھی نہیں ہوشیاری ہے تو سوچتا ہے کہ بوڑھا ہوؤں گا تو کہاں سے کھاؤں گا۔ ہاتھ پیر جواب دیں گے تو کیسے کماؤں گا۔ اب جو جوان جتنا کمائے اتنا ہی کھائے آگے کے لیے کچھ نہ بچائے اور اپنی بیوقوفی سے یہ سمجھ بیٹھے کہ ہمیشہ ایسا ہی بنا رہوں گا تو تُو خود اس کو ناسمجھ جانتا ہے

اور ہوشیاری کا سبق اس کو دیتا ہے کہ ارے کیا کرتا ہے اپنا بڑھاپا آپ خراب کرتا ہے یہ تیری جوانی سدا نہیں رہے گی یہ طاقت ہمیشہ نہیں بنی رہے گی اس لیے تو میری طرح کم کھا کچھ بچا۔ جوانی کی طاقت سے بڑھاپے کو سدھار۔

گر صاحب ہنگامہ نہ ہو منبر و محراب دیں بندہ مومن کے لیے موت ہے یا خواب

بے شک اے دنیا والے دنیا کو، دنیا کی حد تک سوچنے والے تو اس ناعاقبت اندیش جوان کے مقابلے میں کس قدر سمجھدار ہے لیکن اصل سمجھ سے تو بھی کوسوں دور ہے وہ تو ہے ہی آنکھوں کا اندھا کہ اس کو دو دن بعد کی بھی نہیں سوجھتی مگر تیری نظر کون سی تیز ہے۔ اصل حقیقت سے تو بھی دور ہے۔ بڑھاپے کو تو آخری منزل سمجھ بیٹھا ہے اور اس سے آخر کی منزل تجھ سے بھی اوجھل ہے اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ تین مختلف النظر اشخاص دور سے ایک درخت دیکھتے ہیں ایک کہتا ہے کہ کچھ کالا کالا ڈھیر ہے کیا پتہ کوئی جانور ہے یا پیڑ ہے دوسرا کہتا ہے نہیں یہ تو پیڑ ہے مگر کیا پتہ کس قسم کا ہے تیسرا کہتا ہے کہ نہیں! آپ دونوں کوتاہ نظر ہیں یہ آم کا پیڑ ہے بس حقیقت تک تیسرا پہنچا اور وہی دراصل صحیح النظر ہے۔ دوسرا اوّل سے اگرچہ تیز نظر ہے مگر اصل حقیقت سے وہ بھی بے خبر ہے اب وہ دیندار جو دنیا میں رہ کر قدم قدم پر آخرت کو دیکھتا ہے اور وہیں کی درستی کو سب سے مقدّم جانتا ہے تو وہ تیسرے شخص کی طرح صحیح النظر تیز نگاہ ہے اور حقیقت سے باخبر ہے اور وہ اس اندھے دھندے پر ہنستا ہے جو یہاں رہ کر وہیں کی فکر کرتا ہے اور مرنے سے پہلے کی ہر چیز پر مرتا ہے جب حشر کا میدان سامنے ہوگا اور یہی کوتاہ نگاہ پروردگار کے روبرو ہوگا تو اس کے کان میں یہ الفاظ گونجتے ہوں گے:

﴿لَقَدْ كُنتَ فِي غَفْلَةٍ مِنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ﴾ (ق:۵۰/۲۲)

”تو اس سے غفلت میں تھا پس ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ اٹھا دیا تو آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے۔“

یعنی دنیا میں تو اندھا بنا رہا دنیا میں رہ کر دنیا ہی کی سوچتا رہا۔ بس تیری حقیقت ایک کنوئیں کے مینڈک سے کچھ کم نہ تھی۔ جو صرف کنوئیں کو اپنی دنیا جانتا ہے اور جب وہاں سے نکلتا ہے تو اپنی ناسمجھی

پرخود روتا ہے دنیا میں دین سے آنکھیں نہ کھل سکیں تو آخر موت نے آنکھیں کھولیں آنکھیں نہ کھولیں بلکہ تیری قلعی کھولی۔

لہٰذا اے راہِ دنیا پر چلنے والے منزلِ آخرت کی طرف بڑھنے والے دیکھ دنیا بھی تجھے آگے کی سمجھاتی ہے۔ مستقبل دکھاتی ہے مگر آخری منزل پر پردہ ڈال کر تجھ کو اپنا بنا لیتی ہے گویا بیچ میں تجھ کو دغا دیتی ہے مگر دین تجھ کو آخری منزل تک پہنچاتا ہے اور تقاضا کرتا ہے کہ اے دنیا والے دنیا کی فکر آخرت پر لگا۔ دنیا سے دھوکا نہ کھا۔ منزل کو بدس تیاری کا رخ پھیر۔ بڑھاپے کی فکر چاہے چھوڑ مگر آخرت کی فکر ضرور کر۔ دیکھ رزق کی فکر اللہ نے اپنے ذمہ لی ہے اور آخرت کی فکر تیرے ذمہ لگائی ہے اس کا کھلا فرمان واجب الاذعان ہے:

﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَّحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى﴾ (طٰہٰ: ۲۰/۱۳۲)

”کہ آپ گھر والوں کو نماز کا حکم دیجیے اور آپ بھی اس پر پابند رہیے ہم آپ سے (اور اسی طرح دوسروں سے) ہم تم سے کوئی رزق نہیں چاہتے رزق تو ہم آپ کو دیں گے اور اچھا نتیجہ تو پرہیزگاری کا ہے۔“

پھر تو یہ کیا بیوقوفی کرتا ہے کہ اللہ کی فکر خود اپنے ذمہ لیتا ہے اور اپنی فکر اللہ کے ذمہ چھوڑتا ہے یہ تیری صاف ناسمجھی اور افسوسناک عاجزی کی نشانی ہے کیا تو نے اپنے نبی مقدس کا فرمان نہیں سنا:

((اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَ عَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنِ اتَّبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَ تَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ الْاَمَانِيَّ)) (ترمذی)

”یعنی عقلمند اور ہوشیار وہ ہے جو اپنے نفس پر قابو پا کر مرنے کے بعد کے لیے کام لے لے اور عقل سے عاجز اور محروم وہ ہے جو اپنے نفس کو اپنی خواہش کے پیچھے لگا دے اور موت کے بعد کے لیے اللہ سے لمبی چوڑی امیدیں لگا کر بیٹھ رہے۔“

گویا دنیا میں رہ کر محض بڑھاپے کی فکر نہ رکھنا۔ بلکہ آخرت کی بھی فکر کرنا عقلمندی کی نشانی ہے اور دنیا میں رہ کر محض بڑھاپے کی فکر کرنا اور آخرت کے معاملے کو اللہ پر چھوڑنا سراسر بیوقوفی اور پست ہمتی

کی دلیل ہے۔ ذرا ہوش کر ابھی تو زندہ ہے چلتا پھرتا ہے، عمل پر قادر ہے اپنے ارادہ کا آپ مالک ہے تو اس وقت کو اس مجبوری کے وقت کی درستی میں لگا جب کہ تو بوڑھے سے زیادہ مجبور ہو گا عمل تیری قدرت سے باہر ہوگا۔ بس اگر یہی تیری فکر ہو نظر تیری آخرت پر جمی ہو تو تو صحیح معنی میں تیز نظر ہے عقلمند اور ہوشیار ہے ورنہ تو وہی ناسمجھ جوان ہے جو جتنا کماتا ہے اتنا ہی کھ لیتا ہے اور بڑھاپے میں روٹیوں کو ترستا ہے۔ دوسروں کی ٹھوکروں پر جیتا ہے وہ تو بڑھاپے میں اپنے کیے پر روتا ہے اور تو مرنے کے بعد اپنے کیے پر روئے گا بس چند دن کا فرق ہے۔ بڑھاپا تو پھر بھی کٹ جائے گا اچھا ہو یا برا گزر جائے گا مگر موت کے بعد تو پچھتایا تو کدھر جائے گا۔

تمنا آبرو کی ہو اگر گلزارِ ہستی میں
تو کانٹوں میں الجھ کر زندگی کرنے کی خُو کرلے
صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے، پَابگِل بھی ہے
انہیں پابندیوں میں حاصل آزادی تُو کرلے

دین اور دین کی ایک ہی پکار:

اے دنیا کے پرستار مال کی محبت کے شکار! آج تو اس دور میں کھڑا ہے جب کہ ہر نفس اپنے بھلے میں لگا ہے کوئی کسی کا ساتھی نہیں کوئی کسی کا یار نہیں۔ بس دولت کے لیے جیتا ہے اور اسی کے پیچھے دم دیتا ہے۔ اچھے بُرے کی تمیز نہیں۔ حرام حلال کا دھیان نہیں۔ دولت اندوزی میں بس ایک دوڑ ہے اور اس کی ہار جیت پر دین و مذہب، مروّت و ہمدردی غرض ہر چیز قربان ہے۔ جب زمانہ کا یہ رنگ ہوا تو سودی لین دین رشوت خوری اور چور بازاری کا چرچا ہوا۔ چوری، ٹھگی، حرام خوری کا بازار گرم ہوا۔ اس نے اسے چُوسا اس نے اسے لوٹا ان راہوں سے پیسہ بڑھا تو چوری کا ڈر لگا۔ بینک کھلے، مالداروں نے دولت کے ڈھیر کے ڈھیر بینکوں میں بھرے اور سمجھے کہ اب امن چین سے بیٹھے مگر یہ نہ سمجھے کہ دنیا میں امن دین کے دامن میں ہے اور دین سے ہٹ جاؤ تو ہر ایک بے چین ہے۔ اب پڑے چور میں مور (چور کے گھر میں چوری ہونا)، دنیا میں مفت کس کے کون کام آتا ہے ہر ایک پہلے اپنا کام بناتا ہے بینک کے مہاجنوں کے پاس جب اس راہ سے دولت بے ٹھکانے جمع ہوئی تو ان کی رال ٹپکی۔ انھوں

نے تیرے میرے پیسے سے تجارت چھیڑی، نہ کوڑی لگی نہ پھٹکری ہزاروں کے لاکھوں بنائے اور لاکھوں کے کروڑوں۔ ادھر ملک کے مالدار اور ساہوکاروں پر حرص کا جال ڈالا اور ان کے پیسہ پر فی سینکڑہ سود مقرر کیا، پھر کیا تھا، مالداروں نے حرام حلال کی کمائی میں اور قدم بڑھایا گویا ملک میں لوٹ مار اور بڑھی۔ اس نے اسے پچھاڑا اس نے اسے بھمبھوڑا اور دنیا ہوگئی بدامنی کا ایک اکھاڑا۔ غریبوں کے خون سے امیروں نے ہاتھ رنگے اور امیروں کے پیسہ سے بینک کے مہاجروں نے اپنے پیٹ بھرے۔ بہر صورت پیسہ اکٹھا کیا اور بینک کا حساب بڑھایا اور سود کی دو چند اور سہ چند امید رکھی۔ اگر کسی نے بھولے بھٹکے مال رہن رکھایا تو گویا اسی کو دیا کیونکہ اگر پیسہ کی ادائیگی میں دیر لگی تو مہاجن کے سود کی رقم بڑھی اگر اور زیادہ تاخیر ہوئی تو سود کی رقم میں مال کی قیمت پوری ہوئی اور اب مالک نے مال سے ہاتھ دھوئے اور مہاجن نے مال پر دانت جمائے۔ اس طرح ہزاروں مال کھو بیٹھے اور اپنی ذاتی چیز کو رو بیٹھے۔

اب ملک کے چالاکوں نے جب دیکھا کہ مالدار پیسہ کے امیر ہیں اور عقل کے فقیر کہ اس طرح مہاجنوں کے ہاتھوں جیب کٹا رہے ہیں اور بے خبر ہیں تو مالداروں کے جیبوں پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے بلکہ ان کے ایمان کا دیوالیہ نکالنے کے لیے طرح طرح کے نام سے کمائی کے دھندے نکالے کسی کا نام بیمہ اور سٹہ رکھا۔ کسی کا نام مُعَمَّہ اور کسی کا نام انعام۔ غرض سود اور جوا کھانے اور کھلانے کی آج کل یہ راہیں ہیں جن کے ذریعہ مالدار کا دین بکتا ہے اور اس کا پیسہ لٹتا ہے پھر لالچ کے مادہ کو اور ابھارنے کے لیے جگہ جگہ بازاروں اور گلیوں میں چوراہوں اور عام نشست گاہوں پر لکھا ''بچت کرو، بچت کرو۔ اپنا مستقبل بناؤ کم کھاؤ، زیادہ بچاؤ'' یعنی در پردہ مطلب یہ کہ ادھر ادھر سے لاؤ خوب کماؤ اور پھر اپنا کم اور ہمارا کام زیادہ بناؤ۔ پس اب کیا تھا مالدار کا پیسہ سمٹ کر ان دھندوں پر اُٹھنے لگا اور چاروں طرف بکھرنے لگا۔ وہ سمجھ بیٹھا کہ میں نے کمائی کے دھندے نکالے پیسہ بڑھانے کے راستے کھولے اور یہ نہ سمجھ سکا کہ یہ اس نے آپ اپنی تباہی کے گڑھے کھودے کیونکہ ان راستوں سے ایک ہنستا ہے تو ہزاروں روتے ہیں۔ ایک بنتا ہے تو ہزاروں بگڑتے ہیں مگر دھندہ چھیڑنے والے بہر صورت اپنا الو سیدھا کرتے ہیں۔

ظاہر میں تجارت ہے، حقیقت میں جُوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگِ مفاجات!

تصویر کا ایک دوسرا رخ بھی ہے کہ مالدار کو پیسہ ملا اللہ کی راہ میں ہاتھ اٹھانے کے قابل ہوا۔تو خالق کی طرف سے اس کو حکم ملا:﴿قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ﴾''کہ آگے بھیجو اپنی جانوں کے لیے'' یعنی اے مالدار و دولت کے ٹھیکیدارو ذرا ہوش کرو دنیا بے شک پیسہ سے بناؤ مگر آخرت کی بھی خیر مناؤ۔ لِلّٰہ بچت کرو، بہت کچھ کماؤ، اڑاؤ تو کچھ بچاؤ، منزلِ آخرت بناؤ۔ لِلّٰہ دین کو دنیا پر نہ لٹاؤ اور آخرت کو دنیا کی بھینٹ نہ چڑھاؤ۔

سعادت کے جلو میں رحمتِ پروردگار آئی　　مسلمانوں کے گھر چل کر لطفِ عام آیا
ازل کی صبح کا نور آنکھوں میں ہو کر تمام آیا　　حیاتِ جاوداں کا ابن آدم کو پیام آیا

قرآن کریم کھلا تو شروع میں لکھا دکھائی دیا:

﴿وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ (البقرۃ:۲/۳)

''کہ یہ کتاب ان پرہیز گاروں کے لیے ہے جو ہماری دی ہوئی روزی میں سے کچھ خرچ کرتے ہیں۔''

سب نہیں تو کچھ ضرور بچاتے ہیں۔ دنیا گزارتے ہیں تو اپنی آخرت بھی ساتھ ساتھ بناتے ہیں یہ خوب جانتے ہیں کہ جو کھایا پیا فنا کیا جو دیا لیا وہ اللہ کے پاس اپنے آگے کے لیے جمع کیا۔ دوسرے پارے میں ارشاد ہے:

﴿وَأَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (البقرۃ:۲/ ۱۹۵)

اورخرچ کرو اللہ کے راستے میں۔

تیسرے پارے میں پھر فرمایا:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ﴾ (البقرۃ:۲/۲۵٤)

''اے ایمان والو ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرو۔''

یعنی ہمارا دیا ہوا مال سب نہیں تو کچھ ضرور ہمارے بندوں پر اٹھاؤ اور موت کے بعد اس کو جوں کا توں پاؤ اور موج اڑاؤ۔ غرض اس طرح قرآن کریم میں جگہ جگہ مختلف پہلوؤں سے آخرت کے لیے خرچ کرنے اور اللہ کے خزانے میں اپنے نام پر جمع کرانے کے اعلانات بھرے پڑے ہیں۔ لیجیے! اب

وہ آنکھوں کا اندھا، گانٹھ کا پورا، پیسہ کا رسیا، دولت کا متوالا، جس کا لاکھوں روپیہ بینکوں میں بھرا ہے اور دل اس کا سود میں اٹکا ہے اور اس کو بینکوں پر ایسا بھروسا ہے کہ گویا اس کا پیسہ اس کے پاس رکھا ہے یہ ایک پیسہ کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہے تو پہلے سوچتا ہے کہ یہ ڈوبتا ہے یا نفع لاتا ہے تو کب اور کتنا؟ جب وہ ان سوالات کو حل کرتا ہے تب کہیں دیتا ہے، حیران ہوا کہ دنیا بھی پیسہ بچانے کی صدا بلند کر رہی ہے اور دین بھی۔ بیک وقت دونوں طرف سے ایک ہی پکار ہے کیا کیجیے؟ کدھر دیجیے؟ غور کیجیے قرآن کی پاکیزہ اور بلند تعلیمات نے انفاق فی سبیل اللہ کا کتنا بلند نظریہ پیش کیا ہے:

﴿يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ﴾ (البقرہ:۲/ ۲۱)

(اے نبیؐ) لوگ پوچھتے ہیں، ہم اللہ کی راہ میں کس قدر خرچ کریں، کہیے جو کچھ تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو (یعنی اپنی ضرورت پوری کرنے کے بعد زائد مال غربا و مساکین کو دے سکتے ہو)۔

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں — اللہ کرے تجھ کو عطا جدّتِ کردار
جو حرفِ قُلِ الْعَفْوَ، میں پوشیدہ ہے اب تک — اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار

اگر یہ مالدار بھی ہے اور دنیا دار بھی، اگر یہ دولت مند بھی ہے اور عقلمند بھی تو خالقِ کائنات اس کی حیرانی کو اس طرح دور فرماتے ہیں کہ اے باہوش صاحب گوش سن کہ اللہ کے خزانے سے زیادہ قابل اعتماد محفوظ اور نفع بخش خزانہ تجھ کو دنیا میں کوئی نہیں مل سکتا۔ پھر کدھر بھٹکتا ہے کدھر ٹھوکر کھاتا ہے۔ ارشاد ہوا:

﴿وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یُوَفَّ اِلَیْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾(الانفال:۸/ ۶۰)

''کہ تم اللہ کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے (تھوڑا یا زیادہ) وہ پورا پورا تم کو دے دیا جائے گا اور تم پر کسی قسم کا ظلم نہیں ہوگا۔''

سب سے پہلے ﴿مِنْ شَيْءٍ﴾ سے اشارہ فرمایا: کہ اے مالدار پہلے تجھ کو ہماری طرف سے یہ سہولت نصیب ہے کہ تو ہمارے پاس اپنے نام پر جو کچھ چاہے جمع کرا سکتا ہے ایک پیسہ سے لے کر ہزاروں، لاکھوں تک دے سکتا ہے۔ دنیا کے بینکوں میں کم سے کم جمع شدہ رقم کی مختلف شرحیں رائج ہیں کہیں کتنی اور کہیں کتنی کیونکہ وہ نفع اندوزی کے لیے بیٹھے ہیں، نہ مفت میں دردسری کے لیے۔ تھوڑی رقم میں فائدہ کم ہے اور دردسری زیادہ اور اللہ کے ہاں نہ فائدہ کا سوال ہے نہ دردسری کا۔ فائدہ کے لیے تو

اس نے نہایت صاف اور کھلے الفاظ میں فرما دیا ہے ﴿وَ قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ﴾ ''یعنی تم جو کچھ آگے بھیجو گے اپنا ہی بھلا کرو گے اس سے ہمیں کوئی نفع نہیں'' نہ اس سے (اِس سے ہمیں فائدہ نہیں بلکہ سراسر تمہارا ہی فائدہ ہے) اِسے تمہارے لیے جمع رکھنا ہے اور مر کر جب تم آ جاؤ تو تم کو جوں کا توں دے دینا ہے رہی اندراجات کی دردسری تو یہ کھٹک اس طرح جاتی رہی کہ اللہ تعالیٰ کے اندراج کا سب سے بڑا رجسٹر اس کا وسیع علم ہے جس سے دنیا اور آخرت کی کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی خارج نہیں، اس لیے فرمایا:

﴿وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ﴾ (البقرۃ:۲/۲۷۳)

''یعنی جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے خوب باخبر ہے۔''

یہاں دنیا کے اندراجات غلط ہو سکتے ہیں، مٹ سکتے ہیں، کھو سکتے ہیں۔ مگر اللہ کے علم میں آئی ہوئی بات نہ مٹ سکتی ہے، نہ بدل سکتی ہے، نہ بھول چوک میں آ سکتی ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام فرعون کے سامنے اپنے پروردگار کا ان الفاظ میں تعارف فرماتے ہیں:

﴿لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَ لَا يَنْسَى﴾ (طٰہٰ:۲۰/۵۲)

''کہ میرا پروردگار نہ چوکتا ہے، نہ بھولتا ہے۔''

پھر ایک پہلو سے یہ غریب کے لیے بھی خوشخبری ہے اور اس طرح کہ امیروں کے بینک تو دنیا میں بھرے پڑے ہیں مگر غریب کا بینک صرف اللہ کے پاس ہے۔ جہاں پیسہ دو پیسہ بھی جمع ہوتا ہے اور اس کا حساب پورا پورا رکھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود اپنی شان اعلیٰ میں اس طرح فرماتے ہیں:

﴿اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَ هُوَ اَسْرَعُ الْحَاسِبِيْنَ﴾ (الانعام:۶/۶۲)

''خبردار رہو حکم صرف اللہ کا چلتا ہے اور وہ حساب لینے میں سب سے زیادہ تیز ہے۔''

ہر شخص کی کوڑی پائی کا حساب اس کے پاس موجود ہے جب چاہے دے جب چاہے لے۔ آیت بالا کے آخر میں ارشاد ہوا:

﴿يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾ (البقرۃ:۲/۲۷۲)

''کہ اللہ کے نام دی ہوئی رقم تھوڑی ہو یا بہت بیش قیمت ہو یا کم قیمت اس کا پورا پورا بدلا مل کر رہے گا اور اس سلسلے میں کسی قسم کا ظلم تم پر روا نہ رکھا جائے گا۔ یہ دراصل اس مالدار دنیا دار کو سبق دینا ہے

جو دنیا کے بینکوں میں لاکھوں دے کر ایسا بے غم ہو کر بیٹھتا ہے کہ گویا اس کا پیسہ خود اس کے پاس ہے اور اللہ کی راہ میں پیسہ دیتا ہے تو جھجکتا ہے، رکتا ہے، بچتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ پیسہ یونہی جاتا ہے اور کھویا جاتا ہے، پس اے مالدار تو نے بے شک پیسہ جوڑا مگر دین سے منہ موڑا۔ عقل کو چھوڑا دنیا کا ہوا اور آخرت سے رہا کھٹکا۔ ذرا اپنے نبی مقدس ﷺ کا فرمان سن اور دل کے کان سے سن اور پھر خود کو دیکھ کہ دین میں تیرا کیا مقام ہے اور دنیا میں تیرا کیا نام ہے۔ فرمانِ رسالت ﷺ ہے:

((اَلزَّهَادَةُ فِي الدُّنيَا لَيستُ بِتَحْرِيمِ الْحَلَالِ وَ لَا إِضَاعَةِ الْمَالِ وَ لٰكِنَّ الزَّهَادَةُ فِي الدُّنيَا أَنْ لَا تَكُونَ بِمَا فِيْ يَدَيْكَ أَوْثَقُ بِمَا فِيْ يَدَيِ اللّٰهِ اِلَى آخِرِ الْحَدِيثِ)) (رواه الترمذی)

”کہ ترک دنیا حلال کو حرام کرنے اور مال کو ضائع کرنے کا نام نہیں بلکہ ترک دنیا دراصل یہ ہے کہ جو کچھ تیرے ہاتھوں میں ہے اس پر تجھ کو اس قدر بھروسا ہو جس قدر کہ اللہ کے پاس کی چیز پر بھروسا ہے۔“

یعنی اگر کوئی شخص دینداری اور پرہیز گاری کی خاطر دنیا سے اپنا رشتہ اس حد تک توڑ لے کہ حرام سے تو ہر مسلمان پرہیز کرتا ہی ہے، یہ حلال چیزوں کو بھی اس جذبہ کے ماتحت چھوڑ دے کہ یہ بھی آخر دنیا کی آسائش کے اسباب میں سے ہیں۔ میں ان کو بھی کیوں برتوں اور مال کو اللہ کی راہ میں بے دریغ لٹائے کہ یہ تو ہے ہی دنیا کا سب سے بڑا پھندا اور اسی میں اکثر پھنستا ہے اللہ کا بندہ تب بھی وہ اس فرمان رسالت ﷺ کے مطابق تارکِ دنیا اور پرہیز گار تسلیم نہیں ہوگا۔ جب تک کہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر اس کا یقین اور بھروسا اس حد تک نہ پہنچ گیا ہو کہ اس کے لیے ہاتھ میں آئی ہوئی چیز پر اس کو چاہے بھروسا نہ ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے پاس کی چیز پر اس کو پورا پورا بھروسا اور اعتماد ہو اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو۔ لہٰذا اے، دنیا دار، مالدار...... ذرا ہوش کر کہ ایسے چوٹی کے پرہیز گار کی پرہیز گاری محض اعتماد اور بھروسا کی کمزوری سے خاک میں مل گئی تو تیری پرہیز گاری تو اس کے مقابلے میں پہلے ہی سے خاک ہے۔ اگر تیرا بھروسا اللہ کے وعدہ پر اور اس کے پاس کی چیز پر کمزور ہوا تو تو کس شمار میں آئے گا۔ اور تو اپنے ایمان کو کہاں ٹٹولے گا۔

اللہ کے واسطے دنیائے دوں سے منہ جو موڑے ہیں
وہی ہیں مستند انساں، مگر افسوس تھوڑے ہیں

پھر اے دولت کے عاشق! بے شک تو نے دنیا کو خوب برتا مگر افسوس اس کو نہیں سمجھا اور سمجھا تو غلط سمجھا کہ اس کو آخرت کا درجہ دیا۔

ذرا ہم سے ایک گُر کی بات سن اور پھر ذرا انصاف کر۔ پیسہ کی دنیا دار کے نزدیک دو ہی شکلیں ہیں ایک یہ کہ پیسہ اپنا اپنے پاس ہو اور دوسری شکل یہ ہے کہ پیسہ اپنا غیر کے پاس ہو۔ اوّل صورت بظاہر پورے اعتماد کی ہے اور دوسری بالکل بے بھروسا اور بے اعتمادی کی۔ دیندار کے نزدیک ایک تیسری شکل بھی ہے وہ یہ کہ اپنا پیسہ نہ اپنے پاس ہو نہ غیر کے پاس ہو بلکہ اپنا پیسہ اپنے اللہ کے پاس ہو۔ یہ تیسری صورت دیندار کی نظر میں اس سے بھی زیادہ قابل بھروسا ہے کہ اپنا پیسہ اپنے پاس ہو۔ غیر کے قبضہ کا پیسہ تو ہے ہی غیر کا اس میں اپنا کیسا۔ زیادہ اس کا، کم اپنا لیکن اپنے ہاتھ کا پیسہ بھی خطروں سے خالی نہیں۔ طرح طرح کے کھٹکوں میں گھرا ہے، آفتوں میں پھنسا ہے اگر زندہ ہیں تو چور کا ڈر ہے، اگر ذرا غفلت کیجیے تو مال یاروں کا ہے اگر ان سب آفتوں سے دامن بچائے تو موت کا کھٹکا ہے۔ اگر موت کا لقمہ بنے تو مال دوسروں کا ہے۔

غرض دنیا کا مال مشکل سے ہاتھ میں رکتا ہے، مشکل سے آتا ہے، تیزی سے نکلتا ہے، لیکن جو مال اللہ کی راہ میں دے دیا اس کو گویا ہر کھٹکے سے بچا لیا اور ہمیشہ کے لیے اس کو اپنا کر لیا۔ اب ہم اس کو تلاش نہیں کریں گے بلکہ وہ ہم کو تلاش کرے گا۔ بس موت کا انتظار کرے گا۔ اب یہ دنیا کا مال والا بلکہ مال کا رکھوالا سب سے زیادہ گری ہوئی بات کا مجرم ہے کہ یہ پیسہ نہ اپنے پاس رکھتا ہے نہ اپنے اللہ کے پاس بلکہ غیر کے قبضہ میں دیتا ہے اور خوش رہتا ہے بلکہ اسی کی خوشی میں جیتا ہے اور غیر بھی اور جو بھی کبھی دغا بھی دیتا ہے۔ یہاں دنیا کے بینک اور خزانے دیوالیہ بھی نکالتے ہیں۔ ہزاروں کو رلاتے ہیں، گھر گھر صف ماتم بچھاتے ہیں اور ظلم کے پہاڑ ڈھاتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ صاف فرماتے ہیں:

﴿وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾ (البقرۃ:۲/۲۷۲)

''کہ تم پر کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا۔''

یہاں پیسہ نہ تو کم ہوگا نہ تلف ہوگا اور ہر کھٹکے سے پاک اور ہر خطرے سے بے خطر ہوگا۔

﴿وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا﴾ (النساء:٤/١٢٢)

یعنی اللہ سے زیادہ بات کا سچا کون ہوسکتا ہے۔''

اب رہی نفع کی بات کہ اللہ کے خزانے میں نفع کس حساب سے ملتا ہے تو سن اے مال کے دلدادہ، دنیا کے شیدائی، اللہ کے خزانے میں وہ نفع ملتا ہے جو کسی کے خیال میں نہیں آ سکتا اور نہ دنیا کا کوئی بینک دے سکتا ہے۔ یہاں ۱۵ یا ۱۶ فیصد ملتے ہیں وہاں ایک پر سینکڑوں ملتے ہیں۔ خود صاحب خزانہ فرماتے ہیں:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّاَئَةُ حَبَّةٍ وَّاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ (البقرة:٢/٢٦١)

''کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں تو ان کے مالوں کی مثال ایک دانہ کی سی ہے جس میں سات بالیں لگیں اور ہر بالی میں سو دانے پیدا ہوئے اور اللہ اس سے بھی زیادہ دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور اللہ بڑی فراخی والا اور علم والا ہے۔''

لیجیے مثال سے سمجھایا اور کیسا کھول کے بتایا کہ جس طرح کسی نے ایک دانہ بویا اس میں سات بالیں لگیں پھر ہر بالی میں سو دانے لگے تو ایک دانہ سے سات سو دانے ملے اسی طرح اگر کسی نے مثال کے طور پر ایک روپیہ دیا تو اس کا بدلہ سات سو گنا تک ملے گا پھر اللہ کے ہاں چونکہ اجر کی زیادتی اور کمی نیت کے کھرے کھوٹے سے ہے۔ اس لیے فرماتے ہیں کہ نیت اس کی اگر بالکل کھری اور خالص ہے تو اس ایک روپیہ کا اجر سات سو گنا سے بھی بڑھ سکتا ہے۔ اور اس کی وجہ بتا دی کہ اللہ کے پاس داد و دہش کے خزانے بہت پھیلے ہوئے ہیں ان میں کمی کا کھٹکا نہیں بھول چوک کا اندیشہ نہیں، کیونکہ حساب لگانے میں وہ اپنے علم سے کام لیتا ہے اور نیت کو پرکھ پرکھ کر اجر دیتا جاتا ہے بھلا بتائے کوئی مالدار کو اور اس کو سمجھائے کہ اگر تو نفع کے پیچھے مرتا ہے تو مال پر اتنا نفع بھی کوئی دیتا ہے۔ دراصل دنیا کے مہاجن لینے کے بہانے ڈھونڈھتے ہیں اور ہمارا اللہ دینے کے بہانے تلاش کرتا ہے ہم سے دلواتا ہے اور آپ دیتا نہیں بلکہ لٹاتا ہے۔ پھر بھی اگر کوئی عقل کا مارا اللہ کی راہ میں دینے سے بچے اور بینکوں میں لاکھوں

بھرے تو یوں سمجھوں کہ اس نے پیسہ کمانے میں عقل وایمان کی بازی لگائی ہے۔ پیسہ کمایا ہے اور دین کھویا ہے۔

یہ تھا آخرت کے نفع کا بیان لیکن اگر مالدار پر دولت کا نشہ ہے اور نہیں ہے اس کو آخرت کا اندیشہ اور دنیا کے نفع پر وہ مرتا ہے اور مرنے سے پہلے کی ہر چیز پر وہ دم دیتا ہے تو آئیے ہم اس کو دنیا میں ہی نفع دکھاتے ہیں اور مگر دل کی آنکھ سے، آنکھ بھی وہ جو روشن ہو ایمان سے، اے پیسہ کے دھنی، مال کے غنی، دنیا کے راہی، آخرت کے باسی تو نے سنا کہ تیرا مالک خیرات دینے کے لیے کہتا ہے مگر یہ بھی سمجھ کہ ساتھ ساتھ تیرے دنیا پرست دل کو کیسی تشفی دیتا ہے:

﴿وَ مَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ﴾ (السبا:٣٤)

کہ جو کچھ بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تو اللہ اس کا عوض (دنیا میں بھی) دے گا۔ پیسہ کو گھٹنے نہ دے گا، تم دیتے جاؤ، اللہ کی طرف سے آتا جائے گا۔

اس کی تشریح میں فرمانِ رسالت ﷺ ہے:

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ یَوْمٍ یُصْبِحُ الْعِبَادُ فِیْهِ إِلَّا مَلَکَانِ یَنْزِلَانِ فَیَقُوْلُ أَحَدُهُمَا اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَ یَقُوْلُ الْاٰخِرُ اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُمْسِکًا تَلَفًا))

(متفق علیه)

”فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے کہ ہر صبح دو فرشتے نازل ہوتے ہیں، ان میں سے ایک کہتا ہے کہ اے اللہ تیری راہ میں خرچ کرنے والے کو عوض دے اور دوسرا کہتا ہے اے اللہ کنجوس کا پیسہ تلف کر دے۔“

دوسرے الفاظ میں فرشتے کہتے ہیں کہ اے اللہ سخی کی دولت بڑھا اور کنجوس کا پیسہ مٹا۔ سخی دوسروں کو دیتا جائے تو اس کو دیتا جا۔ کنجوس پیسہ کو روکتا جائے اور تو اس کو مٹاتا جا۔“

پھر دنیا مالدار سے پیسہ اس کا نفع دکھا کر لیتی ہے اور اللہ اس سے پیسہ اسے سمجھا کر لیتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جب مالدار پیسہ دینے کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہے تو یہ سوچ کر یک بیک رکتا ہے کہ یہ میری اپنی کمائی ہے۔ دوسرے کو مفت کیوں دوں تو دنیا کہتی ہے کہ یہ بے شک تیری کمائی ہے مگر نفع کی خاطر

دے اور زیادہ لے۔ اور اللہ تعالیٰ داد و دہش کے لیے جب قرآن کریم میں حکم فرماتا ہے تو اکثر و بیشتر فرماتا ہے: ﴿مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ﴾ یا ﴿مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ﴾ ''اول پارہ میں فرماتا ہے:

﴿وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنفِقُوْنَ﴾ (البقرۃ:۲/۳)

''قرآن کریم سے ہدایت پانے والے ہماری دی ہوئی روزی میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔''

ایک جگہ ارشاد ہوا:

﴿اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ﴾ (یٰسٓ:۳۶/۴۷)

''کہ اللہ نے تم کو جو کچھ روزی دی اس میں سے تم بھی اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرو۔''

اور اس طرح گویا مالدار سے فرماتے ہیں کہ دنیا تجھ سے کہتی ہے کہ اپنی کمائی میں سے کچھ دو اور زیادہ لو اور ہم یہ کہتے ہیں کہ ہماری دی ہوئی روزی میں سے کچھ دو اور نفع لو تم اپنے پاس سے کیا دو گے تم نہ کچھ لے سکتے ہو نہ دے سکتے ہو۔ ہمیں نے روزی دی اور ہمیں اس میں سے کچھ تمہارے لیے بچا کر رکھنا چاہتے ہیں کہ آخرت میں تمہارے کام آئے تو اب تم کو دینا کیوں کھٹکتا ہے اور دیتے ہوئے ہاتھ کیوں رکتا ہے۔ تمہارا بخل اپنی کمائی میں ہوسکتا ہے لیکن دوسرے کی دی ہوئی روزی میں بخل کیا معنی رکھتا ہے۔ واللہ کیا خوب بات نکالی اور کنجوس کے دل میں سے کنجوسی کی جڑ کیا خوب کاٹی۔

ہمت ہو اگر تو ڈھونڈ وہ فقر — جس فقر کی اصل ہے حجازی
اس فقر سے آدمی میں پیدا — اللہ کی شانِ بے نیازی
یہ فقرِ غیور جس نے پایا — بے تیغ و سناں ہے مرد غازی
مومن کی اسی میں ہے امیری — اللہ سے مانگ یہ فقیری

(مولانا سعد حسن خان یوسفی ٹونکی)

اسلام......ایک متوازن طرزِ زندگی
(بے شمار خوبیوں میں سے چند خوبیاں)
ہمارا خالق

''زندہ جاوید''

﴿اللّٰہُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ، اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ﴾

اللہ، وہ زندۂ جاوید ہستی ہے، جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

''نینداوراونگھ سے مبرا''

﴿لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ﴾ اس کی ذات نینداوراونگھ سے مبرا ہے۔

''زمین وآسمان کا مالک''

﴿لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ زمین اورآسمانوں میں جو کچھ ہے اسی کا ہے۔

''اس کی اجازت کے بغیر لب کشائی ناممکن''

﴿مَنْ ذَالَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ﴾

کون ہے جو اس کی جناب میں اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے؟

''ظاہراورچھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے''

﴿یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ﴾

جو کچھ بندوں کے سامنے ہے اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے اس سے بھی وہ واقف ہے۔

''انسان کو اسی سے علم ملتا ہے''

﴿وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِنْ عِلْمِہٖ اِلَّا بِمَا شَآءَ﴾ اور وہ نہیں پاتے اس کے علم میں سے مگر جتنا وہ چاہے۔

''زمین وآسمان پر اسی کی حکومت ہے''

﴿وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ اس کی کرسی میں سمائے ہوئے ہیں آسمان اور زمین۔

"وہ تھکتا نہیں ہے"

﴿وَلَا يَـُٔودُهٗ حِفۡظُهُمَا ۚ وَهُوَ الۡعَلِىُّ الۡعَظِيۡمُ﴾ (البقرہ:۲/۲۵۵)

اوران کی نگہبانی اس کے لئے کوئی تھکا دینے والا کام نہیں ہے، بس وہی ایک بزرگ و برتر ذات ہے

"وہ زندہ وپائندہ ہے"

﴿وَتَوَكَّلۡ عَلَى الۡحَىِّ الَّذِىۡ لَا يَمُوۡتُ وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِهٖ﴾ (الفرقان:۲۵/۵۸)

(اے نبی) اس اللہ پر بھروسہ رکھو جو زندہ ہے اور جسے کبھی موت نہیں ہے اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیجیے۔

"اس کی بندگی کرو، شرک سے بچو"

﴿وَاعۡبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـًٔـا﴾ (النساء:۴/۳۶)

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرواور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔

"بندگی کا ثمرہ"

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعۡبُدُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ وَالَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ﴾ (البقرہ:۲/۲۱)

اے لوگو! تم اپنے رب کی عبادت کر، جس نے تمہیں پیدا کیا اور تم سے پہلے لوگوں کو بھی، تا کہ تم متقی بن سکو۔

"زمین وآسمان اس نے بنایا"

﴿الَّذِىۡ جَعَلَ لَكُمُ الۡاَرۡضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزۡقًا لَّكُمۡ فَلَا تَجۡعَلُوۡا لِلّٰهِ اَنۡدَادًا وَّاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ﴾ (البقرہ:۲/۲۲)

(اللہ تعالیٰ ہی ہے) جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنا دیا اور آسمان سے پانی برسایا جس سے تمہارے کھانے پینے کو (انواع واقسام کے) پھل پیدا کیے پس اس حقیقت کو جانتے ہوئے (کہ اس کے سوا کوئی ایسا نہیں کرسکتا ہے) کسی کو اللہ کے ساتھ شریک نہ کرو۔

"وہ ہر جگہ، اور ہر وقت ہماری پکار سنتا ہے اور جواب دیتا ہے"

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىۡ عَنِّىۡ فَاِنِّىۡ قَرِيۡبٌ اُجِيۡبُ دَعۡوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾ (البقرہ:۲/۱۸۶)

(اے نبی ﷺ) میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں، تو انہیں بتا دو کہ میں ان سے قریب ہوں، پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے، میں اس کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہوں۔

"وہ تمہیں ہر چیز عطا کرتا ہے اور اس کی نعمتیں لا تعداد ہیں"

﴿وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ (ابراہیم:۱۴/۳۴)

جس نے وہ سب کچھ تمہیں دیا جو تم نے مانگا، اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے

''تمہاری تکلیف اس کے سوا کون رفع کر سکتا ہے؟''

﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (الانعام:۶/۱۷)

اگر اللہ تمہیں کسی قسم کا نقصان پہنچائے، تو اس کے سوا کوئی نہیں جو تمہیں اس نقصان سے بچا سکے، اور اگر وہ تمہیں کسی بھلائی سے بہرہ مند کرے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

''کھلانا، پلانا، موت وحیات وغیرہ اسی کے قبضہ میں ہے''

﴿اَلَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ(۷۸) وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ(۷۹) وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ(۸۰) وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ(۸۱)﴾ [الشعرا:۲۶]

(میرا رب وہ ہے) جس نے مجھے پیدا کیا، پھر وہی میری رہنمائی فرماتا ہے جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے، جو مجھے موت دے گا اور پھر دوبارہ مجھے زندگی بخشے گا۔

''اس کی ذات پر بھروسہ کرو اس کی حمد وثنا بیان کرو''

﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ﴾ (الفرقان:۲۵/۵۸)

اور (اے نبی ﷺ) اسی اللہ پر بھروسہ رکھو جو زندہ ہے اور جسے کبھی بھی موت نہیں ہے، اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو۔

''صرف اسی کی ذات زندہ و پائندہ''

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ(۲۶) وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ(۲۷)﴾ [الرحمٰن:۵۵]

زمین پر ہر چیز فانی ہے فقط آپ کے رب کی ذات ہی باقی رہ جائے گی جو عزت اور بزرگی والی ہے

''وہ اپنے بندوں کی تمام خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے''

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ (الزمر:۳۹/۵۳)

(اے نبی ﷺ) لوگوں کو یہ پہنچا دیجئے (کہ اللہ کا فرمان ہے) اے میرے بندو، جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی

کی ہے، وہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں، یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا، وہ تو غفورٌ رحیم ہے۔

''توبہ کے بعد نیک اعمال ضروری ہیں''

﴿مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ و عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاوُلٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمْ حَسَنٰتٍ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾ (الفرقان:۲۵/۷۰)

جس نے سچے دل سے توبہ کی اور ایمان لا کر عمل صالح کرنے لگا، تو ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ بھلائیوں سے بدل دے گا اور اللہ بڑا غفور رحیم ہے۔

اللہ کن لوگوں کو پسند فرماتا ہے؟

''احسان کرنے والے''

﴿وَاَحْسِنُوْا، اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ (البقرہ:۲/۱۹۵)

احسان کا طریقہ اختیار کرو کہ اللہ محسنوں کو پسند فرماتا ہے۔

''توبہ کرنے والے اور صفائی کا خیال رکھنے والے''

﴿اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ﴾ (البقرہ:۲/۲۲۲)

بلاشبہ اللہ توبہ کرنے والوں اور صفائی رکھنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

''وعدہ پورا کرنے والے اور ڈرنے والے''

﴿بَلٰی مَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ وَاتَّقٰی فَاِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ﴾ (ال عمران:۳/۷۶)

ہاں جو اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرے اور اس سے ڈرتا رہے تو اللہ ایسے ہی متقیوں کو پسند فرماتا ہے۔

''صبر کرنے والے''

﴿وَاللّٰہُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ﴾ (ال عمران:۳/۱۴۶) اور اللہ (مصیبت میں) صبر کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

''انصاف کرنے والے''

﴿اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ﴾ (المائدہ:۵/۴۲) بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اللہ کن لوگوں کو پسند نہیں فرماتا ہے

''نافرمانی کرنے والے''

﴿وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ﴾ (الصف:۶۱/۵) اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

''فساد کرنے والے''

﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ (المائدہ:۵/۶۴) اور اللہ فسادیوں کو دوست نہیں رکھتا۔

''ظالم''

﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (التوبہ:۹/۱۹) اور اللہ ظالم لوگوں کو راہ راست نہیں دکھایا کرتا۔

''منکرین''

﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (التوبہ:۹/۳۷) اور اللہ منکرین حق کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

''غرور کرنے والے''

﴿اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ﴾ (النحل:۱۶/۲۳) بے شک اللہ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

''فضول خرچ''

﴿وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا، اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ (الاعراف:۷/۳۱)

اورتم کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی نہ کیا کرو، کیونکہ فضول خرچ لوگوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔

''شرک کرنے والے''

﴿وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا﴾ (النساء:۱۱۶)

اور جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا وہ تو گمراہی میں بہت دور نکل گیا

''حد سے گزر جانے والے، جھوٹے''

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ﴾ (المؤمن:۴۰/۲۸)

یقیناً اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے گزر جانے والا اور کذاب ہو

نیکی کا تصور

﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ﴾

نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لئے یا مغرب کی طرف، بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یوم آخر اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے۔

﴿وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَ فِى الرِّقَابِ

وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَی الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ اُوْلٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ اُوْلٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ (البقرہ:۲/۱۷۷)

اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتے داروں اور یتیموں پر، مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کے لئے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے، نماز قائم کرے اور زکوۃ دے۔ (اور نیک وہ لوگ ہیں کہ) جب عہد کریں تو اسے وفا کریں، اور تنگی و مصیبت کے وقت میں اور حق و باطل کی جنگ میں صبر کریں۔ یہ ہیں راستباز لوگ اور یہی متقی ہیں۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک

''بندگی رب کے بعد بندوں میں سرفہرست خدمت خلق کا حق''

﴿وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا﴾ (بنی اسرائیل:۱۷/۲۳)

اور تمہارے رب نے حکم قطعی دے دیا ہے کہ (لوگو!) اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔

''بڑھاپے میں خدمت''

﴿اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا﴾ (بنی اسرائیل:۱۷/۲۳)

(اے مخاطب) اگر والدین میں سے، ایک یا دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچیں تو ان کے آگے (اُف) ہُوں بھی نہ کرنا، اور نہ انہیں جھڑکنا اور ان سے جو کہنا سننا تو ادب اور ملاطفت کے ساتھ ایسا کرنا۔

''نرم رویہ اور دُعا''

﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا﴾ (بنی اسرائیل:۱۷/۲۴)

اور محبت سے خاکساری کا پہلو ان کے آگے جھکائے رکھنا، اور (ان کے حق میں) دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار! جس طرح انہوں نے مجھے میرے بچپن میں پالا پوسا اور میرے حال پر رحم کرتے رہے اس طرح تو بھی (اپنی رحمت سے) ان پر اپنے کرم کی بارش نازل فرما۔

''شرک کرنے پر مخالفت''

﴿وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓی اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا

مَعۡرُوۡفًا﴾ (لقمان:۳۱/۱۵)

اور اگر وہ تیرے درپے ہوں کہ تو میرے ساتھ شریک کرے جس کا تجھے علم ہی نہیں (یعنی شرک کے معاملے میں ہرگز اطاعت نہ کرنا) تو ان کا کہا نہ ماننا، البتہ دنیاوی معاملات میں ان سے بھلائی کے ساتھ رفاقت کرنا۔ (اسلام کی بلند تعلیمات ملاحظہ کیجئے)

اولاد کے ساتھ حسن سلوک

''زندگی کا حق''

﴿وَلَا تَقۡتُلُوۡا اَوۡلَادَکُمۡ خَشۡيَةَ اِمۡلَاقٍ﴾ (بنی اسرائیل:۱۷/۳۱)

اور اپنی اولاد کو فقر و فاقہ کے خوف سے مار نہ ڈالا کرو۔

''تعلیم و تربیت''

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ وَ اَهۡلِيۡكُمۡ نَارًا﴾ (تحریم:۶۶/۶)

اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ۔

''اولاد کو جامع نصائح''

﴿وَاِذۡ قَالَ لُقۡمٰنُ لِابۡنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَیَّ لَا تُشۡرِكۡ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِيۡمٌ﴾ (لقمان:۳۱/۱۳)

اور (یاد کرو) جب لقمانؑ اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہا تھا تو اس نے کہا ''بیٹا، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

﴿يٰبُنَیَّ اِنَّهَاۤ اِنۡ تَكُ مِثۡقَالَ حَبَّةٍ مِّنۡ خَرۡدَلٍ فَتَكُنۡ فِیۡ صَخۡرَةٍ اَوۡ فِی السَّمٰوٰتِ اَوۡ فِی الۡاَرۡضِ يَاۡتِ بِهَا اللّٰهُ، اِنَّ اللّٰهَ لَطِيۡفٌ خَبِيۡرٌ﴾ (لقمان:۳۱/۱۶)

اے میرے بیٹے برائی اگر رائی کے دانہ برابر ہو پھر وہ پتھر کی چٹان میں یا آسمانوں میں یا زمین میں کہیں ہو اللہ اسے لے آئے گا بے شک اللہ ہر باریکی کا جاننے والا خبردار ہے

﴿يٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاۡمُرۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَانۡهَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَاصۡبِرۡ عَلٰی مَاۤ اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ﴾ (لقمان:۱۳/۱۷)

اے میرے بیٹے، نماز قائم کر، نیکی کا حکم دے، بدی سے منع کر اور جو مصیبت بھی پڑے اس پر صبر کر اور یہ بڑے حوصلے کے کاموں میں سے ہے۔

﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ﴾ (لقمان:١٨)

اور لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کر، نہ زمین میں اکڑ کر چل اللہ کسی خود پسند اور فخر جتانے والے شخص کو پسند نہیں کرتا۔

﴿وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ﴾ (لقمان:۳۱/۱۹)

اپنی چال میں اعتدال اختیار کر اور اپنی آواز ذرا پست رکھ (یہ شرف انسانیت کا تقاضا ہے) یاد رکھو! سب آوازوں سے زیادہ بُری آواز گدھے کی ہوتی ہے۔

''اولاد کیلئے دعا''

﴿وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ، اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَ اِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ (الاحقاف:۴۶/۱۵)

اے اللہ! میری اولاد کو نیک بنا کر مجھے سکھ دے میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور تابع فرمان (مسلم) بندوں میں سے ہوں۔

عدل سے تمہاری پرہیزگاری عیاں ہوتی ہے

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰى اَلَّا تَعْدِلُوْا، اِعْدِلُوْا، هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى، وَاتَّقُوا اللّٰهَ، اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (المائدہ:۵/۸)

اور (دیکھو) کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ، عدل کیا کرو، یہی بات تقویٰ کے قریب تر ہے اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو، جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

سب سے زیادہ عزت والا

﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ﴾ (الحجرات:۴۹/۱۳)

بے شک اللہ کے یہاں تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے

نیکی اور بدی کا فائدہ

﴿اِنْ اَحْسَنْتُمْ، اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ، وَاِنْ اَسَاْتُمْ، فَلَهَا﴾ (بنی اسرائیل:۱۷/۷)

دیکھو! تم نے بھلائی کی تو خود اپنے ہی لئے بھلائی کی اور اگر برائی کی تو اس کا وبال بھی تم ہی پر ہوگا۔

کامیابی کا راز

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا، وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾ (الشمس:۹۱/۹)

کامیاب ہوا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا (قرآن کی روشنی میں) اور نامراد ہوگا وہ جس نے اسے گھٹیا بنایا (خواہشات نفس سے)۔

نکاح-زندگی کا صحیح راستہ

﴿فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَرُبٰعَ، فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا، فَوَاحِدَةً﴾ (النساء:۴/۳)

تم اپنی پسند سے دو تین یا (زیادہ سے زیادہ) چار عورتوں سے نکاح کر سکتے ہو لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ عدل نہ کر سکو گے تو پھر (تم پر لازم ہے کہ) ایک ہی بیوی کرو۔

زنا-زندگی کا غلط راستہ ہے

﴿وَلَا تَقْرَبُوْا الزِّنٰی اِنَّهٗ کَانَ فَاحِشَةً، وَّسَآءَ سَبِیْلًا﴾ (بنی اسرائیل:۱۷/۳۲)

زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو، وہ بہت برا فعل ہے اور بڑا ہی برا راستہ ہے۔

یہ زندگی امتحان ہے

﴿اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (الملک:۶۷/۲)

اللہ نے موت وحیات کو اس لئے پیدا کیا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے

جو کوشش کرتے ہیں انہیں راہ ملتی ہے

﴿وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ (العنکبوت:۲۹/ ۶۹)

جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے انہیں ہم اپنے راستے (سچائی کے) ضرور بالضرور دکھائیں گے اور یقیناً اللہ نیکوں کاروں ہی کے ساتھ ہے۔

ہر چھوٹی بڑی نیکی یا بدی وہاں درج ہوتی ہے

﴿فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ، وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ﴾ (الزلزال:۹۹/ ۷-۸)

جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر بدی کی ہوگی (وہ بھی) اسے دیکھ لے گا۔

کامیابی کی کلید

﴿وَالْعَصْرِ (۱) اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ (۲) اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ، وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (۳)﴾ [العصر:۱۰۳]

زمانے کی قسم (یعنی زمانہ انسانوں کے اعمال پر گواہ ہے) انسان درحقیقت خسارے میں ہے، سوائے ان لوگوں

کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے اور ایک دوسرے کو حق کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔

یہ راستہ کن لوگوں کا ہے

﴿اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ، صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ﴾ (الفاتحہ:۱/۶-۷)

(اے اللہ) ہمیں صراط مستقیم پر استقامت عطا فرما، ان کی راہ پر جن پر تو نے انعام کیا۔

اللہ نے کن لوگوں پر انعام کیا؟

﴿وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيۡقًا﴾ (النساء:۴/۶۹)

جو لوگ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کریں گے، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاءؑ، صدیقین، شہداء اور صالحین، کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں۔

مسلمان آپس میں کیسے رہیں؟

﴿وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا﴾ (ال عمران:۳/۱۰۳)

(مسلمانو!) سب مل کر اللہ کی رسی (قرآن) کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔

مسلمانوں کے درمیان بھائی چارہ

﴿اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَةٌ فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَ اَخَوَيۡكُمۡ﴾ (الحجرات:۴۹/۱۰)

مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان صلح وصفائی قائم رکھو۔

وہ آپس میں رحمدل اور دشمنوں پر بھاری ہیں

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ، وَالَّذِيۡنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الۡكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡ﴾ (الفتح:۴۸/۲۹)

محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو وگ ان کے ساتھ ہیں، وہ کفار پر سخت ہیں (میدان جنگ میں) اور آپس میں رحمدل ہیں۔

تفریق ڈالنے والوں کا انجام

﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ فَرَّقُوۡا دِيۡنَهُمۡ وَكَانُوۡا شِيَعًا لَّسۡتَ مِنۡهُمۡ فِىۡ شَىۡءٍ، اِنَّمَاۤ اَمۡرُهُمۡ اِلَى اللّٰهِ، ثُمَّ يُنَبِّئُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَفۡعَلُوۡنَ﴾ (الانعام:۶/۱۵۹)

جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور فرقوں اور ٹولیوں میں بٹ گئے، یقیناً آپ کا ان سے کچھ

واسطہ نہیں، ان کا معاملہ تو اللہ کے سپرد ہے، وہی ان کو بتائے گا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا ہے۔

انسانی جان کی حرمت

﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَا هَا، فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا﴾ (المائدہ:۵/۳۲)

جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا، اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخشی۔

مسلمان کو قتل کرنے والے کا انجام

﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَآئُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا﴾ (النساء:۴/۹۳)

اور جو شخص کسی مومن کو عمدًا (جان بوجھ کر) قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لئے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اسلامی حکومت کی ذمہ داری

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ، وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾ (الحج:۲۲/۴۱)

وہ لوگ جنہیں اللہ زمین پر اقتدار بخشے تو وہ نماز قائم کریں گے زکوٰۃ کا نظام نافذ کریں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

فحاشی پھیلانے والوں کا انجام

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ (النور:۲۴/۱۹)

جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں میں بے حیائی کی اشاعت ہو، ان کے لئے دنیا اور آخرت میں المناک عذاب ہے۔

امت مسلمہ کی ذمہ داری

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾

(ال عمران:۳/۱۱۰)

اب (دنیا میں وہ) بہترین امت تم ہو جسے انسانوں کی صلاح وفلاح کیلئے میدان میں لایا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

شیطان سے جنگ

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ، اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾

(البقرہ:۲/۲۰۸)

مومنو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو، وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے۔

شیطان تمہیں تنگدستی کا خوف اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے

﴿اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُ كُمُ الْفَقْرَ وَيَاْ مُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَ فَضْلًا وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ (البقرہ:۲/۲۶۸)

''شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے (کہ انفاق فی سبیل اللہ سے تنگدست ہو جاؤ گے) اور تمہیں فحش کام کرنے کا حکم دیتا ہے جبکہ اللہ تمہیں اپنی بخشش اور فضل کی امید دلاتا ہے۔ اللہ بڑی وسعت والا اور خوب جاننے والا ہے۔''

رحمٰن کے بندے

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا﴾

رحمٰن کے (حقیقی) بندے وہ ہیں جو زمین پر نرم چال چلتے ہیں۔

﴿وَاِذَا خَا طَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴾ (الفرقان:۲۵/۶۳)

اور جب جاہل ان کے منہ آئیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ تم کو سلام (یعنی الگ ہو جاتے ہیں)۔

﴿وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا﴾ (الفرقان:۲۵/۶۴)

جو اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں۔

﴿وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا(۶۵) اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا(۶۶)﴾ [الفرقان:۲۵]

اور جو اپنے رب کے حضور اس طرح دعا کرتے رہتے ہیں ''اے ہمارے رب! جہنم کے عذاب سے ہمیں بچائے رکھ، کیونکہ اس کا عذاب ٹلنے والا نہیں ہے، بلاشبہ وہ جائے قرار بھی بری ہے اور مقام بھی برا ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا﴾ (الفرقان:۲۵/۶۷)

وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں نہ بخل، بلکہ ان کا خرچ دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتا ہے۔

﴿وَالَّذِیْنَ لَا یَدْ عُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـھًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ یَلْقَ اَثَامًاo یُّضٰعَفْ لَہُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَ یَخْلُدْ فِیْہٖ مُھَانًا﴾ (الفرقان:۲۵/۶۸-۶۹)

جو اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق ہلاک نہیں کرتے اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں...... یہ کام جو کوئی کرے وہ اپنے گناہ کا بدلہ پائے گا اور قیامت کے روز اسے مکرر عذاب دیا جائے گا۔

﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا(۷۰) وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّہٗ یَتُوْبُ اِلَی اللّٰہِ مَتَابًا(۷۱)﴾ [الفرقان:۲۵]

مگر یہ کہ کوئی (ان گناہوں کے بعد) توبہ کر چکا ہو اور ایمان لا کر عمل صالح کرنے لگا ہو، ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں میں بدل دے گا اور اللہ بڑا غفور رحیم ہے اور جو شخص توبہ کر کے نیک عملی اختیار کرتا ہے، پس وہ اللہ کی طرف پلٹ آتا ہے، جیسا کہ پلٹنے کا حق ہے۔

﴿وَالَّذِیْنَ لَا یَشْھَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِا للَّغْوِ مَرُّوْا کِرَامًا﴾ (الفرقان:۲۵/۷۲)

اور (رحمٰن کے بندے) وہ ہیں جو جھوٹے کاموں کے گواہ نہیں بنتے اور کسی لغو پر ان کا گزر ہو جائے تو شریف آدمیوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔

﴿وَالَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّھِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْھَا صُمًّا وَّ عُمْیَانًا﴾ (الفرقان:۲۵/۷۳)

اور جنہیں اگر ان کے رب کی آیات سنا کر نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اس پر اندھے اور بہرے بن کر نہیں رہ جاتے۔

﴿وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا ھَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّۃَ اَعْیُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا﴾ (الفرقان:۷۴)

اور جو دعائیں مانگا کرتے ہیں ''اے ہمارے رب! ہمیں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے اور ہم کو پرہیزگاروں کا امام بنا۔

﴿اُولٰٓئِکَ یُجْزَوْنَ الْغُرْفَۃَ بِمَا صَبَرُوْا وَیُلَقَّوْنَ فِیْھَا تَحِیَّۃً وَّ سَلٰمًا(۷۵) خٰلِدِیْنَ فِیْھَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا(۷۶)﴾ [الفرقان:۲۵]

یہ ہیں وہ لوگ جو اپنے صبر کا پھل منزل بلند کی شکل میں پائیں گے آداب و تسلیمات سے ان کا استقبال ہوگا، وہ ہمیشہ ہمیشہ وہاں رہیں گے، کیا ہی اچھی جائے قرار اور قیام ہے۔

مومنین کے چند اوصاف

﴿اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَ الْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَ الصّٰئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰهَ کَثِیْرًا وَّ الذّٰکِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا﴾

(الاحزاب:۳۳/۳۵)

بالیقین جو مرد اور عورتیں مسلم ہیں، مومن ہیں، مطیع فرمان ہیں، راست باز ہیں، صابر ہیں، اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں، صدقہ دینے والے ہیں، روزہ رکھنے والے ہیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں، اللہ نے ان کے لئے مغفرت اور بہت بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔

معراج انسانیت سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ مسلمانوں کے لئے نمونہ ہے

﴿لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:۳۳/۲۱)

یقیناً تمہارے لئے اللہ کے رسول (ﷺ) (کی ذات) میں بہترین نمونہ ہے۔

''وہ تو نسل انسانیت کے لئے رسول ﷺ ہیں''

﴿قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا﴾ (الاعراف:۷/۱۵۸)

(کہہ دیجئے) کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

''وہ اخلاق کی بلندی پر فائز ہیں''

﴿وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ (القلم:۶۸/۴)

اور بیشک آپ اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہیں۔

''اللہ اور اس کے فرشتے ان پر درود بھیجتے ہیں''

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴾ (الاحزاب:۳۳/۵۶)

اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجا کرو۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

[شیخ عمر فاروق]

مسلمان مرد اور عورت کے لیے اپنا تجزیہ

- آپ کا قرآن پر صدق دل سے مکمل اور پختہ ایمان ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا۔
- آپ قرآن کی تلاوت باقاعدگی سے کرتے ہیں اور اس کو پوری کوشش کے ساتھ سمجھنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔
- آپ کلمہ طیبہ پر مکمل یقین رکھتے ہوئے سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کو پیغمبر آخر الزمان مانتے ہیں۔
- آپ نماز و روزہ کا باقاعدگی کے ساتھ اہتمام کرتے ہیں اور اپنے گھر والوں کو بھی ان کی پابندی کی تلقین کرتے ہیں۔
- آپ صاحبِ استطاعت ہونے کی صورت میں قربانی، عشر، زکوٰۃ اور حج کا اہتمام کرتے ہیں۔
- آپ عبادت اس طرح کرنے کی کوشش کرتے ہیں گویا آپ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں اور یہ ممکن نہ ہو تو کم از کم محسوس کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو آپ کو دیکھ ہی رہا ہے۔
- آپ اللہ تعالیٰ کے نام کا دل ہی دل میں ذکر کرنے کی کوشش اس طرح کرتے ہیں کہ آپ دنیا کا کاروبار بھی کرتے رہیں اور دل میں اللہ کا خیال بھی رہے۔
- آپ سیدنا محمد ﷺ پر درود و سلام کثرت اور باقاعدگی سے بھیجتے رہتے ہیں۔
- آپ صدق دل سے سیدنا محمد ﷺ کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔
- آپ اللہ تعالیٰ کا باقاعدگی سے شکر ادا کرتے ہوئے ہمیشہ اس کی معرفت کے طلبگار رہتے ہیں۔
- آپ اللہ تعالیٰ کی ذات پر غور کرنے کی بجائے اُس کی صفات پر غور و خوض کرتے ہیں۔

- قرآن کو سننے کے موقع پر آپ اس کو خاموشی اور توجہ سے سنتے اور پاکیزگی کی حالت میں ہی ہاتھ لگاتے ہیں۔
- آپ ہر وقت یہ خیال رکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ہر خیال اور کام کو جانتا ہے اور دیکھ رہا ہے۔
- آپ موت کو زیادہ سے زیادہ یاد رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔
- آپ سمجھتے ہیں کہ دنیوی زندگی کا عرصہ ابدی زندگی کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہے۔
- آپ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مختلف اعضاء دے کر خیر وشر کے دونوں راستے دکھا دیئے ہیں۔
- آپ کو یہ احساس رہتا ہے کہ آخر ایک دن آپ کو دربارِ الٰہی میں پیش ہو کر اپنے اعمال اور اعضاء مثلاً زبان، کان، آنکھ اور ہاتھ وغیرہ کا حساب دینا ہوگا۔
- کسی الجھن کی صورت میں آپ دل میں طمانیت پیدا ہونے پر نیکی اور نفس کے اُدھیڑ بن میں پڑنے کو بدی تصور کرتے ہیں۔
- آپ شک والی چیز ہو تو اس کو چھوڑ دیتے ہیں اور صاف اور واضح چیز کو اختیار کر لیتے ہیں۔
- آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کو فائدہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے اور نقصان آپ کی اپنی شامت اعمال سے ہوتا ہے۔
- آپ شیطان کو غربت کا خوف کھڑا کر کے خیرات میں رکاوٹ بننے نہیں دیتے۔
- آپ شیطان کے فریب سے بچنے کے لیے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ کا باقاعدہ استعمال کرتے رہتے ہیں۔
- آپ خیرات اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے اور اللہ کی راہ میں دل پسند مال دیتے ہیں۔
- آپ مال کو دکھاوے کے طور پر خرچ نہیں کرتے۔
- آپ سمجھتے ہیں کہ ماں کے پاؤں کے نیچے جنت ہے۔ اور دل سے احترام کرتے ہیں۔
- آپ شہادت کی عظمت کی نسبت سے اپنے دل میں جذبۂ جہاد رکھتے ہیں۔

- آپ اپنی عقل کو دل کے تابع رکھتے ہیں نہ کہ دل کو عقل کے تابع۔

شخصی تجزیہ

- آپ نیت کو پوری اہمیت دیتے اور اُس کی نگہبانی کرتے ہیں۔
- آپ یقین رکھتے ہیں کہ جھوٹ کے بغیر بھی کامیاب زندگی بسر کی جاسکتی ہے۔
- آپ ہر کام ان شاء اللہ کے بھروسہ پر کرتے ہیں اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہی شروع کرتے ہیں۔
- آپ علم حاصل کرنے کی سچی کوشش کرتے ہیں اور علم والے کو بےعلم والے سے بہتر سمجھتے ہیں۔
- آپ عہد یا وعدہ کو ایفاء اور وقت کی پابندی کرتے ہیں۔
- آپ ایسی بات نہیں کہتے جو خود نہیں کرتے۔
- آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کو وہی ملے گا جس کی آپ کوشش کرتے ہیں۔
- آپ ہر بات کا تعین بغیر تحقیق کے نہیں کرتے۔
- آپ غصہ کی حالت میں بھی دوسروں کے قصور معاف کر دینے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔
- آپ دوسروں کو برا صرف اسی حالت میں ہی کہتے ہیں جبکہ اُس سے آپ پر ظلم ہوا ہو۔
- آپ کسی کام کا ارادہ کرنے کی نسبت ان شاء اللہ ضرور کہہ لیتے ہیں۔
- آپ بدگمانی، تجسس اور غیبت سے پرہیز کرتے ہیں۔
- آپ ایسی بات نہیں کہتے جس کا آپ کو علم نہ ہو۔
- آپ اپنے رویے میں غرور سے اجتناب کرتے اور بول چال میں اعتدال سے کام لیتے ہیں۔
- آپ سیدھی بات کہہ دیتے ہیں۔
- آپ دولت مندی کی حالت میں اعتدال برتتے ہیں اور غریبی میں قانع رہتے ہیں۔
- آپ کو احساس ہے کہ سونا چاندی جمع کرنا عذابِ الیم کا باعث ہوگا۔
- آپ طاقت کے استعمال میں نرم خو اور حلیم ہیں۔
- آپ مصیبت کے وقت صابر رہتے ہیں۔

- آپ نہ تو کنجوس ہیں اور نہ ہی فضول خرچ۔
- آپ کھانا اس وقت کھاتے ہیں جب بھوک لگے اور ابھی بھوک کچھ باقی ہوتی ہے تو کھانا چھوڑ دیتے ہیں۔
- آپ جسم اور لباس کے معاملہ میں صفائی اور پاکیزگی کا خاص خیال رکھتے ہیں۔
- آپ کو برائی پر ندامت اور اچھائی پر مسرت محسوس ہوتی ہے۔
- آپ حلال چیزوں میں سے حسب منشاء کھاتے اور پہنتے وقت اسراف یا تکبر سے کام نہیں لیتے۔
- آپ رزق یا راحت ملنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتے ہیں اور تکلیف یا تنگی میں اُسی سے فضل مانگتے ہیں۔

سماجی تجزیہ

- آپ کافروں سے دوستی نہیں کرتے۔
- آپ دوسرے لوگوں کے گھروں میں اجازت لیے اور سلام کیے بغیر داخل نہیں ہوتے۔
- آپ زنا، شراب خوری اور جوا بازی میں ملوث نہیں ہوتے۔
- آپ بدکاری، فحاشی اور بہتان تراشی سے اجتناب کرتے ہیں۔
- آپ صرف وہی خوراک کھاتے ہیں جو حلال ہو۔
- آپ سخت کلامی کا جواب اچھے طریقے سے دیتے ہیں۔
- آپ لوگوں سے محبت سے پیش آتے ہیں۔
- آپ دوسروں کی فضیلت یا کشادگی کی حالت پر حسد نہیں کرتے۔
- آپ خود رزقِ حلال کماتے ہیں اور دوسروں کو بھی رزق حلال ہی کمانے کی تلقین کرتے ہیں۔
- آپ کاروباری معاملات کو باقاعدہ لکھ کر طے کر لیتے ہیں اور ان پر دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہی لے لیتے ہیں۔
- آپ سود خوری کو حرام سمجھتے ہوئے اس سے اجتناب کرتے ہیں۔
- آپ دولت کمانے کی خواہش میں دولت سے محبت کرنا شروع نہیں کر دیتے۔

- آپ نقص والی اشیاء کو اس کا نقص بتائے بغیر فروخت تو نہیں کرتے؟
- آپ مزدور کو مزدوری طے کئے بغیر کام پر نہیں لگاتے اور اس کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دیتے ہیں جب تک کہ کوئی دوسرا طریقہ آپس میں طے نہ کیا ہوا ہو۔
- آپ کسی قسم کی امانت میں خیانت نہیں کرتے۔
- آپ ہر بات کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کرتے ہیں چاہے اس کی زد خود آپ پر ہی کیوں نہ پڑے۔
- آپ سچی گواہی دیتے ہیں اور دغا بازوں اور مرتکب جرائم کی وکالت نہیں کرتے۔
- آپ ناپ تول کے معاملے میں پوری پوری احتیاط کرتے ہیں۔
- آپ راست باز اور معاملے کے کھرے ہیں۔
- آپ جہاں بھی ممکن ہو بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں۔
- آپ دوسروں کے لیے وہی پسند کرتے ہیں جو کہ آپ کو اپنے لیے پسند ہو۔
- آپ نہ تو کسی کو دھوکا دیتے ہیں اور نہ ہی دوسروں سے دھوکا کھاتے ہیں۔
- آپ زیادتی کا مقابلہ مناسب طریقے ہی سے کرتے ہیں۔
- آپ ظلم کا بدلہ لیتے وقت زیادتی نہیں کرتے۔
- آپ لغو باتوں کو وقار کے ساتھ نظر انداز کر دیتے ہیں۔
- آپ سفارش کرتے یا مانتے وقت اطمینان کر لیتے ہیں کہ کسی کی حق تلفی نہیں ہو گی۔
- آپ ہر سنی سنائی بات کو بغیر تحقیق کے آگے بیان کرنے سے گریز کرتے ہیں۔
- آپ دوسروں کی فضیلت پر حسد نہیں کرتے۔
- آپ اپنے والدین سے نیک سلوک اور اولاد سے شفقت سے پیش آتے اور ان سب کو اپنے مال میں سے جائز حصہ دیتے ہیں۔
- آپ تمام انسانوں کو برابر سمجھتے ہیں اور ان سے ایسا ہی سلوک کرتے ہیں۔
- آپ پڑوسی کے ساتھ امن و امان سے رہتے ہیں اور لوگوں کو عام استعمال کی چیزیں دینے میں بخل

سے کام نہیں لیتے۔

- آپ رشتہ داروں سے حُسنِ سلوک کرتے ہیں اور یتیم، قیدی، مسافر، مسکین، غریب و نادار اور ضرورتمند کے قیام وطعام کا حتی المقدور بندوبست کرتے ہیں۔

مسلمان مرد کے لیے

- نامحرم مرد کی حیثیت سے اجنبی عورت یا لڑکی پر بے ساختہ نظر پڑ جانے کے بعد آپ دوبارہ ارادۃً اس کی طرف نظر اس لیے نہیں کرتے کہ یہ آپ کے اختیار میں ہونے کی وجہ سے معصومیت قرار نہیں دی جائے گی بلکہ اس کا محاسبہ ہوگا۔
- نامحرم مرد کی حیثیت سے کسی عورت یا لڑکی سے تنہائی میں ملنے سے اس لیے بچتے ہیں کہ ایسے لمحات میں دونوں کے درمیان شیطان موجود ہوتا ہے۔
- آپ سمجھتے ہیں کہ بیوی کا آپ پر اتنا ہی حق ہے جتنا کہ آپ کا اُس پر ہے۔
- آپ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت کا کفیل مقرر کیا ہے تا کہ مرد خاندانی نظام میں معاملات کو درست چلائے اس کی حفاظت ونگہبانی کرے اور ضروریات مہیا کرنے کا ذمہ دار بنے۔
- آپ بیوی سے ہمیشہ محبت اور صبر وتحمل سے پیش آتے ہیں۔
- آپ بیوی کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو درگزر یا معاف کر دیتے ہیں۔
- آپ بیوی کی پسند اور خواہشات کا اتنا ہی خیال رکھتے ہیں جتنا کہ آپ اپنی پسند اور خواہشات کا خیال رکھتے ہیں۔
- آپ نکاح کی شرائط کے مطابق حق مہر کی ادائیگی کا اہتمام کر لیتے ہیں۔
- آپ اپنی اولاد کی پرورش اور تعلیم احسن طریقے پر کرتے ہیں اور بچپن ہی سے ان کے لیے اسلامی تعلیمات کا بھی اہتمام کر لیتے ہیں۔
- آپ اپنی اولاد کو رزق حلال ہی کمانے کی تلقین کرتے ہیں۔
- آپ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ آپ کی بیوی آپ کو بہترین یا کم از کم ایک بہتر انسان تصور کرتی ہے۔

* آپ بیوی سے نا اتفاقی کی صورت میں قرآن کریم سے ہی ہدایت حاصل کرتے ہیں اور صُلح کی طرف قدم بڑھاتے ہیں۔
* آپ ایک عورت سے زیادہ صرف اسی صورت میں نکاح کرتے ہیں جبکہ آپ کو یقین ہو کہ آپ سب کے ساتھ یکساں سلوک کر سکیں گے۔

مسلمان عورت کے لیے

* نامحرم اجنبی مرد یا نوجوان پر بے ساختہ نظر پڑ جانے کے بعد آپ دوبارہ ارادۃً اس کی طرف نظر اس لیے نہیں کرتیں کہ یہ آپ کے اختیار میں ہونے کی وجہ سے معصومیت قرار نہیں دی جائے گی۔
* آپ کسی نامحرم مرد سے تنہائی میں ملنے سے اس لیے بچتی ہیں کہ ایسے لمحات میں دونوں کے درمیان شیطان موجود ہوتا ہے۔
* گھر میں آپ اپنے سینوں پر اوڑھنی اوڑھے رکھتی ہیں اور کسی قسم کی زیبائش کا اظہار قرآن کریم کی سورۃ النور آیت نمبر ۳۱ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ رشتہ داروں (محارم) کے سوا کسی اور کے سامنے نہیں کرتیں۔
* آپ شرم وحیا کی (اللہ تعالیٰ کا آپ پر خصوصی انعام سمجھ کر) حفاظت کرتی ہیں۔
* آپ اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر یقین رکھتی ہیں کہ اُس نے مرد کو عورت کا کفیل بنایا ہے تا کہ مرد عورت کی حفاظت و نگہبانی کرے اور اس کی جملہ ضروریات مہیا کرنے کا ذمہ دار بنے اور خاندانی معاملات کو درست چلائے۔
* آپ سمجھتی ہیں کہ خاوند کا آپ پر اتنا ہی حق ہے جتنا کہ آپ کا اپنے خاوند پر ہے۔
* آپ خاوند سے ہمیشہ محبت اور فرمانبرداری سے پیش آتی ہیں۔
* آپ اپنے خاوند کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو بہترین طریقے سے درگزر کر دیتی ہیں۔
* آپ خاوند کی پسند اور خواہشات کا اتنا ہی خیال رکھتی ہیں جتنا کہ آپ اپنی پسند اور خواہشات کا۔
* آپ اپنے بچوں کی پرورش کے ابتدائی دو سال (جب تک کہ کوئی جسمانی مجبوری نہ ہو) اپنا دودھ

پلا کر اس طرح کرتی ہیں کہ وہ نیک اور ہونہار بنیں۔

- آپ کی اگر کوئی سوتیلی اولاد ہو تو آپ ان کو اپنی اولاد کی طرح ہی سمجھتی ہیں۔
- جب بھی آپ کا خاوند آپ کو دیکھے تو اس کو خوشی محسوس ہوتی ہے۔
- آپ گھروں سے باہر نکلتے وقت اپنی زینت و آرائش کو ڈھانپنے کے لیے چادر کا باقاعدہ استعمال کرتی ہیں۔
- آپ اپنے خاوند کی جائز آمدنی کے مطابق ہی گھر کے اخراجات کو پابند کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک

حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

فرقہ بندی ہے کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

❁❁❁❁

"تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ
بِهِمَا كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ رَسُولِهِ"

میں نے تم لوگوں میں دو چیزیں چھوڑی ہیں، جب تک تم ان پر مضبوطی سے عمل پیرا ہوگے
ہرگز گمراہ نہیں ہوگے: اللہ کی کتاب اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت

(حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم)